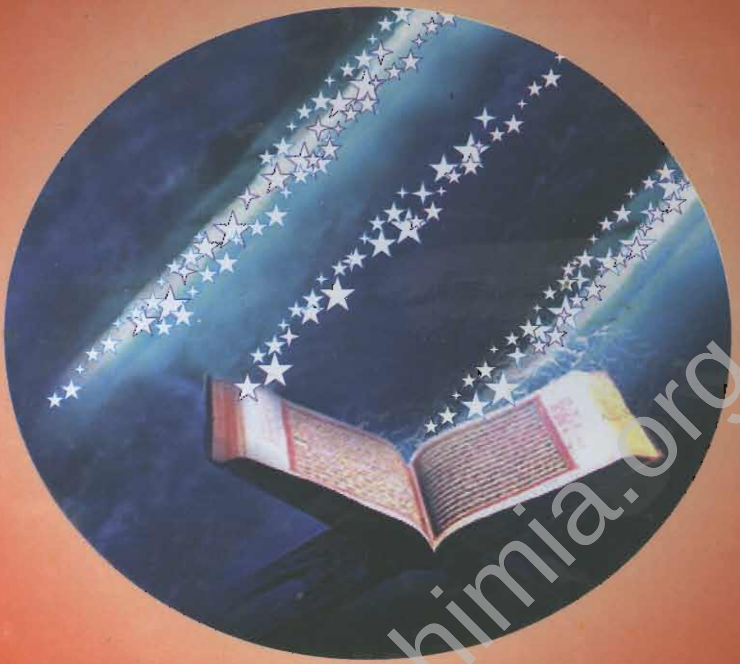

www.rahimia.org

قرآنی شعورِ انقلاب

Ketabton.com

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی شعورِ انقلاب

از

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

تقدمہ و تحقیق

مولانا مفتی عبد الخالق آزاد

تخریج و نظر ثانی

مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور

فون: 042-6307714-6369089

E-mail: info@rahimia.org   www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	⇦	قرآنی شعورِ انقلاب
افادات	⇦	امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
مرتب	⇦	حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ
اشاعت	⇦	2009ء
کمپوزنگ	⇦	ارشد علی
مطبع	⇦	علی فرید پرنٹرز، لاہور
اہتمام	⇦	ناظم "رحیمیہ مطبوعات"
برائے	⇦	"رحیمیہ مطبوعات" کوئینز روڈ، لاہور
قیمت	⇦	

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

انتساب

میں یہ اوراق اپنے کہن سال، جواں فکر، اُستاذِ معظم، مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اَساتذتہٖ ومشائخہٖ

کے نام نامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

☆ جن کے فیض سے یہ (اوراق) قلمبند ہوئے ہیں۔

☆ اور جنہوں نے مسلمانانِ ہند کو قرآنی انقلاب اور فلسفۂ ولی اللّٰہی سے روشناس کرایا۔

☆ اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کے قانون کو دنیا میں بلند کرنے کی کوشش میں اپنی جان و مال، اپنے عزیز و اقارب اور ملک و وطن سب کچھ ہیچ سمجھا۔

☆ اور ایک بلند نظر، صاحب عزیمت انقلابی کی طرح زندگی بسر کر کے آخر کار

۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ (21 اگست 1944ء)

کو بحالت صوم جان جانِ آفرین کو سپرد کی۔

نیاز آگیں: بشیر احمد بی۔اے، لدھیانوی

☆☆☆☆

(c) ketabton.com: The Digital Library

فہرست مضامین قرآنی شعورِ انقلاب

تقریظ 30
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ 30
حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک نظر میں 33
کلمات طیبات 34
حرفِ خیال 35
تقدمہ 40
حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ 54
نقوشِ زندگی 54
امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ 63
شخصیت و کردار 63
حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ 76
مختصر حالاتِ زندگی 76
مقدمہ 86
از مرتب 86

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجمالی فہرست

◄◄ سورۂ فاتحہ — قرآنی اساسِ انقلاب.................... 95

◄◄ سورۂ محمد — قرآنی جنگ انقلاب.................. 155

◄◄ سورۂ فتح — قرآنی عنوان انقلاب.................. 229

◄◄ سورۃ المجادلہ — قرآنی حزبِ انقلاب.................. 323

◄◄ سورۃ الحشر — قرآنی اقدامِ انقلاب.................. 349

◄◄ سورۃ الممتحنہ — قرآنی قانونِ انقلاب.................. 401

◄◄ سورۃ الصف — قرآنی صفِ انقلاب.................. 429

◄◄ سورۃ الجمعہ — قرآنی حکمتِ انقلاب.................. 463

◄◄ سورۃ المنافقون — قرآنی ضبطِ انقلاب.................. 497

◄◄ سورۃ التغابن — قرآنی جمعِ انقلاب.................. 517

◄◄ سورۂ مزمل — قرآنی دستورِ انقلاب (پہلا حصہ)........ 553

◄◄ سورۃ المدثر — قرآنی دستورِ انقلاب (دوسرا حصہ)...... 633

◄◄ سورۃ العصر — قرآنی اصولِ انقلاب.................. 687

◄◄ سورۃ الاخلاص — قرآنی فکرِ انقلاب.................. 721

◄◄ سورۃ الفلق — قرآنی فکرِ انقلاب.................. 737

◄◄ سورۃ الناس — قرآنی فکرِ انقلاب.................. 745

☆ ☆ ☆

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الفاتحہ یعنی اساسِ انقلاب

تمہید سورت	97
سورت کا نام	97
سورت کا زمانہ نزول	97
سورت کا مضمون	97
اس سورت کا باقی سورتوں سے ربط	98
نبی اکرم کی نبوت کے دو درجے	98
قومی درجہ	98
بین الاقوامی درجہ	99
حنیفیت عالمی تحریک ہے	101
دینی اور سیاسی تحریک میں فرق	101
دین کو سیاست کی ضرورت ہے	102
تفسیر سورت	106
تشریح الفاظ	106
تفسیر آیات	107
اچھی اور بری چیزیں	109
حمد الٰہی کے چار گوشے	111
رب العالمین	112
رب الاقوام	113
انسانیت کی تین بنیادی خصوصیات	115
نظامِ ربوبیت	117
کائناتوں کا خالق	119
رحمٰن اور رحیم	122
رحمت کی وسعت	123
نظام عدل کی ضرورت	124
عمل اور اس کا نتیجہ	127
یوم الدین کی ضرورت	128
یوم الدین پر ایمان کا فائدہ	132
عبادت کیا ہے؟	134
اخبات الی اللہ	134
غیر انقلابی کبھی مدد نہیں دیں گے	136
توحید اور حریت	136
دعا کی حقیقت	138
دعا کی پہلی اساس	139
دعا کے لیے دو ضرورتیں	139
اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے	141
دینی اور لادینی جماعتیں	141
دعا کی دوسری اساس	142
سورۂ فاتحہ کی دعا کا مطلب	142

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

صراط مستقیم عقل کی روشنی میں	143	ضالین کون ہیں	151
اس دعا کا اجتماعی پہلو	145	قرآن کا مقصد	152
طلب ہدایت کی ضرورت	145	بین الاقوامی دعا	152
ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء	147	صلوٰۃ کیا ہے؟	153

سورۂ محمد یعنی قرآنی جنگ انقلاب

مقدمہ	157	اجتماعی تحریک کی دو قسمیں	170
حیوانی اور انسانی زندگی کے اصول	157	ارتقائی تحریکیں	170
انسانی سوسائٹی میں انقلاب کی ضرورت	158	قرآنی تحریک ارتقائی نہیں انقلابی ہے	170
قیصرو کسریٰ اور عرب کشمکش کا جائزہ	159	انتفاعی جنگ	171
قرآن حکیم کی اجتماعی انقلابی تعلیم	159	قرآن کا فکر	172
قرآن حکیم کی جماعت کا سیاسی غلبہ	160	کافر کون ہے؟	172
دین اور سیاست کا باہمی تعلق	160	''کافروں'' سے لڑنا کیوں ضروری ہے	173
حکومت و نظام حکومت کی دو بنیادیں	162	اسلام اور جنگ	173
اہل احسان اور اہل فقہ کی اہمیت	164	یورپ کا فریب	173
امام ولی اللہ دھلویؒ کی اہمیت	165	رجعت پسندوں کا ایک فریب	174
ولی اللہی حکمت پر قرآنی تفسیر	166	دوسرا فریب	175
انقلاب ! اے انقلاب	168	نمونے کی جماعت	175
تمہید سورت	169	منافقین کا اخراج	175
سورت کا نام	169	حجازی انقلاب کی منزیں	177
پچھلی سورت سے ربط	169	تفسیر سورۂ محمد	181
اگلی سورت کے ساتھ ربط	169	کافر کون ہیں؟	181

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کافروں کی طرف سے رکاوٹ 181
کافروں کی ناکامی 181
کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت 182
ایمان دار کون ہیں؟ 182
نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں 183
حق کیا ہے؟ 183
لغزشوں کی معافی 183
کامیابی کی گارنٹی 184
قواعد جنگ 185
رجعت پسندوں کا خاتمہ کردو 186
رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو 186
قیدیوں کے متعلق احکام 187
کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟ 187
قیدیوں کی رہائی کی شکلیں 188
کن قیدیوں کو رہا کیا جائے گا؟ 189
قید کے طریق 190
کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت 191
غلامی کے منکروں کی غلطی 191
آزمائش کا مقصد 192
شہید کی محنت ضائع نہیں جاسکتی 192
جنت کا تصور مادی زندگی میں 193
کامیابی کی شرط 195
پائیداری کی شکل 195
مخالفین کی ناکامی 195
ناکامی کی تاریخی شہادتیں 196
جنگ کا انجام 197
کافر و مومن کا تقابل 197
مخالفین انقلاب کو تنبیہ 198
بہشت کا تصور قومی نقطۂ نگاہ سے 200
مخالفین انقلاب کی حالت 207
منافقین 207
مومنین کی حالت 208
تقویٰ کیا ہے؟ 208
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف 208
عدل 209
احسان 209
قریبیوں کو دینا 209
الساعۃ سے کیا مراد ہے؟ 210
اس انقلاب کی غرض 211
منافقوں کی حالت 212
مومنین اور قتال 212
منافقین اور جنگ 213
قولِ معروف کیا ہے؟ 214
عزم اور سچائی کے فوائد 214

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافقین کی غلط ذہنیت	216	کفار کا انجام	224
انقلاب اور جہاد	217	مضبوطی اور پائیداری کی ضرورت	225
نماز، روزہ اور قتال	218	مال خرچ کرنے کی ضرورت	225
منافقین اور کافر کا سمجھوتہ	220	نبی کریم ﷺ کی جماعت اور اللہ کی	
صوفیاء کا فریضہ	221	راہ میں خرچ	227
منافقوں کا اخراج	222	موجودہ دور کی ضرورت اور	
مومنوں سے خطاب	224	امام ولی اللہ دہلویؒ	228
نبی اکرم ﷺ کی پیروی کے معنی	224		

سورۃ الفتح یعنی قرآنی عنوان انقلاب

مقدمہ	231	**تمہید سورت**	240
ضبط کی ضرورت	231	سورت کا موضوع	240
اسلامی جماعت میں ضبط	231	سورۂ فتح کا مرکزی واقعہ	240
اس ضبط کا مقصد	232	صلح کا نتیجہ اور اثر	244
انقلاب کی طبعی رفتار	232	**تفسیر سورت**	249
صلح حدیبیہ کا مقام تاریخ اسلام میں	233	انقلاب کیا ہے؟	249
امام ولی اللہؒ کا فکر	235	جنگوں کا نقصان	250
سورۂ فتح کا قیمتی سبق	236	صلح کا فائدہ	250
موت قبول کرنے کی منزل	238	نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں	251
قرآن اجماعی جنگ کا قائل ہے	238	معلم منتقم نہیں ہوسکتا	254
ہندوستان کی موجودہ صورتحال	238	جماعت میں جذبہ انتقام	255

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر 255
صلح میں ایک پوشیدہ حکمت 256
صلح کا جواز 256
پچھلی ''غلطیوں'' کا ازالہ 258
اگلی ''غلطیوں'' کا ازالہ 258
انسان کی ارتقائی زندگی اور انتقام 259
''اتمام نعمت'' سے کیا مراد ہے؟ 260
سیدھی راہ 261
صحابہؓ کا ایمان 263
انسانیت کی خدمت 264
اس خدمت کا مقصد 265
غلطی کی معافی کیوں؟ 266
تھوڑ دلے منافقین 267
رجعت پسند مشرکین 267
مشرکین کی تحلیل نفسی 268
قرآنی سیاست کے بنیادی اصول 270
انٹرنیشنل طاقت کا وعدہ 271
نبی اکرم ﷺ بطور معلم ونذیر 271
خدا کی محبت کی معنی 272
خدا کی طرف سے الزام 273
معاشی مسئلے کی اہمیت امام ولی اللہؒ کے نزدیک 273
معاشی مسئلے کے بعد 273
حجازی انقلابیوں کی افضلیت 274
بیعت رضوان کی حقیقت 276
عہد شکنی کی سزا 277
ارتجاعی ذہنیت 279
منافقین 279
توفیق باندازۂ ہمت 280
منافقین کی نفسی تحلیل 281
حجاز کو پاک کیا جائے 282
زمین پر اللہ کی بادشاہی 283
اخلاقی فتح کے نتیجے 284
خیبر کا مال غنیمت 285
خیبر کی فتح کا بھید 285
کل قومی انقلاب کی تیاری 286
آنے والے امتحان 286
قیصر وکسریٰ سے مقابلہ ہوگا 287
امام ولی اللہ کے خیالات 287
اجماعی جنگ 290
ابوبکر جصاصؒ کا قول 291
دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل 294
غلامی کا عذاب 294
صلح حدیبیہ میں ایک بھید 295

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

موت سے مصافحہ 295

قومی حکومت 296

اللہ کا اظہار خوشنودی 297

محض جوش کافی نہیں 297

خیبر کی فتح کا وعدہ 297

روم اور ایران کی فتوحات کا وعدہ 299

اس سفر میں جنگ نہ ہونے کی وجہ 300

جنگ مقصود اصلی نہیں 301

حکمت قرآنی کا ایک نکتہ 301

اللہ کی رحمت میں داخل ہونے والی جماعتیں 302

لڑائی کیوں رکی؟ 303

قرآنی انقلاب کا نصب العین 305

نبی اکرم ﷺ کا خواب 305

مکہ میں خفیہ مسلم سوسائٹیاں 306

قرآن کا مقصد 306

امام ولی اللہؒ کے خیالات 307

نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی حیثیت 309

مشورہ کرنا آنحضرت ﷺ کے لیے ضروری تھا 310

مشاورت کی اہمیت 312

''صحابی'' سے کون مراد ہیں؟ 313

نبی کریم ﷺ کے ساتھی اشدا علی الکفار ہیں 314

وہ ''رحماء بینھم'' بھی ہیں 314

فائدہ 315

رکوع کیا ہے؟ 315

سجدہ کیا ہے؟ 315

فضل کیا ہے؟ 316

رضوان سے کیا مراد ہے؟ 317

نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی 318

تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر 319

یہ نمونے کی جماعت 321

سورۂ فتح کا خلاصہ 321

سورۂ حجرات کے ساتھ ربط 321

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المجادلہ یعنی قرآنی حزبِ انقلاب

حرفِ اوّل 325
عرضِ اوّل 326
تمہیدِ سورت 327
سورت کا موضوع 327
حزب اللہ کی ضرورت 327
خلافت باطنہ 327
حزب اللہ کی ضرورت 328
ایک اسلوبِ نزول 328
ترتیبِ نزول و کتابت کا فرق 328
سورت کی ابتدائی آیات کا نشانِ نزول 329
ایک اور اسلوبِ قرآن 330
واقعہ ظہار اور قیام حزب اللہ میں ربط 330
تفسیرِ سورت 335
ایک غلط رسم کی اصلاح 335
حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت 336
منافقین کی شکست کا اعلان 337
جماعت کی اہمیت 338
حزب الشیطان کے اصول 339
حزب اللہ کے بنیادی اصول 339
حزب اللہ کا فائدہ 340
داخلی تنظیم 341
حزب الشیطان سے سلوک 343
منافقین اور یہود سے سلوک 344
شکست کی مکرر پیش گوئی 345
انبیاء کی جماعتوں کے غلبہ کا اعلان 346

سورۃ الحشر یعنی قرآنی اقدامِ انقلاب

حرفِ اوّل 351
تمہیدِ سورۃ الحشر 352
سورت کا موضوع 352
حزب کا سیاسی ارتقاء 352
حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظمہ میں 352
حزب اللہ مدینہ منورہ میں 353

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافقین سے مقابلہ	353
غزوہ بنی النضیر	354
کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے؟	355
اسلام اور جنگ	356
تفسیر سورۃ الحشر	359
سورۂ مجادلہ کے ساتھ ربط	359
یہود کی شکست اور اپنے ہاتھوں تخریب	360
مسلمانوں کے لیے عبرت	360
یہود کی جلاوطنی	361
جلاوطنی کیوں	362
میدان جنگ میں صحیح فیصلہ	362
فے کی تعریف	363
فے کی اراضی کس کی ہیں	364
انقلاب کی حقیقت	364
مال فے کے پانچ حصے	365
اللہ کا حصہ تبرکا ہے	366
رسول اللہ کا حصہ: آپ کے بعد کس کا؟	366
ذوی القربیٰ	366
رسول اللہ ﷺ کی پارٹی کی ضرورت	367
رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟	369
رسول اللہ ﷺ کے نسبی قربیٰ	369
نسبی قربیٰ کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں	369
مودۃ القربیٰ کا اصل مفہوم	370
رسول اللہ ﷺ کے تین قسم کے ذوی القربیٰ	371
رسول اللہ ﷺ کی صحیح پوزیشن	371
حضرت ابوبکرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ	372
یتامیٰ کے لیے روپے کی ضرورت	372
مساکین کے لیے روپے کی ضرورت	372
ابن السبیل سے کیا مراد ہے؟	373
اسلام اور سرمایہ داری	374
عادلانہ تقسیم	374
اراضی فئی اور حقوق کاشتکاری	374
زمین پر اہل ملک کا حق تسلیم	375
خراج کا مصرف	376
حضرت عمرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ	376
درس و اعتبار	377
حضرت امام شافعیؒ کی رائے	377
آئمہ احناف کی رائے اور شاہ ولی اللہ	378
کیا اکراہ فی الدین جائز نہیں؟	378
فلسفہ ولی اللہی اور انقلاب	379
ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر	380

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب اور اسلام کا لزوم 381
مجددین اور انقلاب 381
مہاجرین کا حصہ فئے میں 381
فضل اور رضوان 382
نصرت 382
دارالاسلام مدینہ منورہ 382
محبت مہاجرین کا نتیجہ 383
سرمایہ پرستی سے نفرت 383
انصار اور مہاجرین کا درجہ 383
انصار و مہاجرین کے لیے استغفار کا مطلب 384
انقلاب کے اجزاء ثلاثہ 385
انقلاب میں دھوکا 385
مال فے کی تقسیم کا سبب 386
قرآن کے خلاف بین الاقوامی محاذ 386
منافق کون ہے؟ 387
دو پیشین گوئیاں 387
مضبوط مسلح جماعت کی ضرورت 387
انقلاب اور جمود کا فرق 388
یہود کا ایک عیب 388
یہود کے متعلق ایک پیشین گوئی 389
منافقین کی تمثیل 389
حزب اللہ کی زندگی کی دوسری منزل 389
بین الاقوامی سرداری 390
اللہ کو بھولنے کا نتیجہ 390
اللہ کی یاد کا فائدہ 391
بزدلی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ 391
فاسق اور کافر میں فرق 392
مسلسل کام کرنے والے اصحابِ جنت ہیں 392
قرآنی انقلاب کی راہ میں دو پہاڑ 393
سرمایہ پرستی اور برہمنیت کا خاتمہ 393
کامیابی کا مالک صرف اللہ ہے 393
قرآنی انقلاب کائنات کے لیے رحمت ہے 394
حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے 394
برہمنیت کا خاتمہ کس طرح ہوا؟ 395
قرآنی تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی 395
قرآنی انقلاب کے نتائج 396
ان کا منبع صرف خدا ہے 396
کیا کوئی نیا نبی آئے گا 397
نئے نظام کی خوبیاں 398

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الممتحنہ یعنی قرآنی قانونِ انقلاب

حرف اوّل	403	دوستی کب جائز ہے؟	415
تمہید سورۃ الممتحنہ	404	دشمن کا دوست	416
موضوع سورت	404	فصل دوم	417
سورۃ الحشر کے ساتھ ربط	404	دشمن کا آدمی مسلم کیمپ میں	417
ایک واقعہ	404	کافر خاوندوں کا مہر واپس کر دیں	418
تفسیر سورۃ الممتحنہ	408	اپنی بیویوں کا مہر واپس لے لو	419
فصل اوّل	408	اگر کافر مہر ادا نہ کریں	419
دشمن طاقت	409	امتحان کا طریق	420
دشمن کون ہے؟	409	بیعت کا مطلب	420
لڑائی قائم ہو جانے کے بعد حزب		سیاست اور بیعت	420
اللہ کا فرض	410	حکومت کس طرح قائم کی جاتی ہے	422
سبیل اللہ کیا ہے؟	411	بیعت کی مدات	422
جہاد کیا ہے؟	411	انکار شرک	422
قانون کی روح	411	مالی حقوق کی حفاظت	422
حزب اللہ کے قانون کی مخالفت کا مطلب	411	حفاظت عزت	423
حزب اللہ خدا کی نگرانی میں	412	اولاد کا قتل نہ کرنا	423
مخالفین کا مقصد	412	نیوگ اور بہتان تراشی سے انکار	423
حضرت ابراہیمؑ کی مثال	414	معروف کا معنی	424
حضرت ابراہیمؑ کی ایک دعا	414	زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو	425
کیا دوستی کا امکان ختم ہو گیا؟	415	آخرت اور زندگی کا تلازم	425

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الصّف یعنی قرآنی صفِ انقلاب

تمہید سورۃ الصف 431
سورۂ ممتحنہ کے ساتھ ربط 431
وزارتِ خارجہ کا کام 431
وزارتِ حربیہ کا کام 432
تفسیر سورۃ الصف 434
قرآن کا نظام قائم کرنے کا حکم کیوں 434
جبری خدمت 435
ہماری علماء کی غلطی 435
برطانیہ کی سب سے بڑی قباحت 436
انقلاب اور حریت 437
بنیان مرصوص کا مطلب 437
بنیان مرصوص کی حقیقت 437
عورتیں اور فوجی خدمت 438
مخذلین اور مرجفین کے استیصال کی ضرورت 439
مسلمان اور فوجی خدمت 440
فوجی خدمت کی وسعت 440
انقلاب اور ڈپلومیسی 440
جہاد سے انکار کا انجام 441
مسلمانوں کے لیے درس عبرت 442
اس تحریک میں عیسیٰؑ کا مقام 443
حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی درباره فاقلیط 443
نکتہ اشتراک 443
حضرت مسیحؑ کا شاندار کارنامہ 444
یہودی علماء کی کور باطنی 444
پیش گوئی کی تحریف 445
یہودی کی غلطی 445
پیغمبر علیہ السلام کی وصیت حجۃ الوداع میں 446
روایت الآئمة من القریش 446
خاتمیت قرآن کی تحقیق 447
قرآن حکیم اور جمہوری دور 450
شاہ ولی اللہ اور جمہوری نظام 450
قرون ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت 451
خلافت صدیقی اور حکومت فاروقی کا فرق 452
شاہ ولی اللہؒ کی امامت 453
بینات کیا ہیں؟ 453
سحر سے کیا مراد ہے؟ 453
ارتجاعی جماعتیں 454
بین الاقوامی غلبے کا پروگرام 456

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عذابِ الیم کیا ہے؟	456	حضرت مسیحؑ کا نمونہ	458
عذابِ الیم سے بچنے کیلئے پہلا کام	457	بین الاقوامی مرکزِ ہدایت	458
دوسرا کام	457	ایک قوم میں مرکز ہدایت	459
جہاد	457	مرکزی فوجی طاقت کا نقصان	460
کام کا نتیجہ	458	دورِ جمہوریت میں نشرِ قرآن کا طریق	460
تعلق باللہ کی اصلاح	458	اسوۂ مسیحی کی کامیابی	461
دنیا میں غلبہ	458	اسوۂ محمدی ﷺ کی کامیابی	462

سورۃ الجمعہ یعنی قرآنی حکمتِ انقلاب

تمہید سورۂ جمعہ	465	توحید اور عدل	476
سورۂ الصف کے ساتھ ربط	465	خدا کی قدوسیت کا اثر	477
قومی انقلاب سے قرآنی تحریک کو فائدہ	465	تزکیہ کیا ہے؟	477
مضبوط مرکز کا نقصان	466	ذمہ داری کا مطلب	478
بین الاقوامی مرکز	466	العزیز کا اثر	478
پچھلی سورتوں سے ربط	467	تناسقِ سور اور ربط آیات کی ضرورت	479
تفسیر سورۃ الجمعہ	470	حکمت قانون کی روح کا نام ہے	480
کیا خدا محتاج ہے؟	470	اُمیوں کا دوسرا طبقہ	481
اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ	470	مکہ میں بین الاقوامیت اور اسکی ترقی	482
حکمت کیا ہے؟	472	غیر ممالک میں مراکز	482
نبی امیوں میں سے کیوں لیا گیا؟	474	ذالک بین الاقوامی مرکزیت	483
''الملک'' کا اثر حیات انسانی پر	475	یہود کی گراوٹ	483

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب کے لیے موت سے بے خوفی		موت سے مفر نہیں	491
کی ضرورت	484	مسلمانوں کے لیے درس عبرت	491
ظلم اور تکذیب آیات اللہ	485	برہمن ہندو اور یہود کی مماثلت	492
یہود کو چیلنج	486	یہودیت سے بچنے کا طریق	492
تمنائے موت کی تفسیر قرآن سے	487	انقلاب میں کامیابی کی شرط	493
موت سے بھاگنے کا سبب	488	انقلاب اور جلب مال	494
جو موت سے گھبراتے ہیں وہ پیچھے		ایک محسوس مثال	494
ہٹ جائیں	489	اگلی سورۃ المنافقون سے ربط	495

سورۃ المنافقون یعنی قرآنی ضبطِ انقلاب

تمہید سورۂ منافقون	499	**تفسیر سورۃ المنافقون**	505
سورۂ جمعہ کے ساتھ ربط	499	منافقین کی منافقت	505
منافق کون ہے؟	499	منافقت کا سبب	506
نفاق کا انجام کفر ہے	500	دلوں پر مہر لگ جانے کا مطلب	507
منافق کے عدم اخراج کی مصلحت	500	منافقین کی ظاہری حالت	508
منافق کی سزا موت	501	منافقین کی حقیقت	508
قتل کی شرط	501	منافقین کو قتل نہ کیا جائے	509
دوسری سزا	501	منافقت روکنے کی انسانی تدبیر	510
ڈسپلن کمیٹی	501	منافقین کا طریقۂ کار	511
اس سورت کا موضوع	502	انقلاب کی مالی امداد سے دشت کشی	511
جملہ معترضہ!	502	انقلابیوں کے اخراج کی سازش	512

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک پیش گوئی	513	مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتو تاخیر نہ کرو	514
نفاق کا انسداد	513	ان کاموں میں جلدی کرو	515
قرآن کے علوم کے حصول کو مقدم کرو	513	ایک استثناء	515

سورۃ التغابن یعنی قرآنی جمعِ انقلاب

تمہید سورۃ التغابن	519	بین الاقوامی کفر کے دو اصول	528
پچھلی سورتوں کے ساتھ ربط	519	رسالت کا انکار کیا ہے؟	528
سورۃ تغابن کا مضمون	520	رسول کا منصب	529
تفسیر سورۃ التغابن	522	رسول کیا لاتا ہے؟	529
کائنات میں جوڑوں کا وجود	523	انکارِ رسالت کا سبب	529
کافر کی ضرورت	523	خدا منکروں کی مرضی کے مطابق	
جملۂ معترضہ	523	ہدایت نہیں دیتا	530
کافر کا انسانیت سے تعلق	524	بین الاقوامی شرکت کی دوسری شق	531
مومن کے دو کام	524	انکارِ آخرت	531
کفر دنیا میں ضرور رہے گا	525	قرآن کو ماننے کی ضرورت	532
تحلیلی اور ترکیبی نقطۂ نظر	526	قومی درجے میں منافقت	533
انسان کی وحدت	526	بین الاقوامی درجے میں منافقت	533
کفر کے متعلق قرآن کا نظریہ	527	یومِ تغابن	533
بین الاقوامی کفر	528		

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مسلمانانِ ہند بین الاقوامی مقابلہ کر سکتے ہیں	534	تقویٰ کیا ہے؟	542
		قومی رہبر کی شان	543
بین الاقوامی کام سے انکار کا نتیجہ	535	جملہ معترضہ	543
کام کے لیے عملی ہدایات	535	مولانا شیخ الہند کا طریق تعلیم	544
دو نہایت ضروری باتیں	535	ایک مثال: سفر کابل کا ذکر	544
بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا	535	غیر مسلم امیر کا امکان	546
مصائب کے وقت کیا کیا جائے؟	537	خرچ کونسا مال کیا جائے؟	546
اطاعت الٰہی کیا ہے؟	537	کامیابی کی شرط	546
اجتماعی فیصلوں میں رسول کی اطاعت کرو	537	درجہ اوّل اور درجہ دوم کا ایثار	547
خدا پر بھروسہ رکھو	538	قرضِ حسنہ	547
عملی ہدایت کا کام ہمیشہ گھر سے شروع کرو	539	قرآن عزت وحکمت کا کفیل ہے	548
شہروں کی موجودہ حالت	540	تمہید سورۃ الطلاق	549
گھر والوں سے لڑو نہیں	540	سورۂ طلاق کا مضمون	549
ان کو ساتھ ملاؤ	541	سورۂ تغابن کے ساتھ ربط	549
اولاد و اموال کیوں دیئے گئے ہیں؟	541	نبی کو کیوں مخاطب کیا؟	550
اجرِ عظیم کیوں؟	541	حدود اللہ کیا ہیں؟	550

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المزمل قرآنی دستور انقلاب (حصہ اوّل)

مقدمہ	555
ارتقائی جدوجہد	555
انقلابی جدوجہد	556
نصب العین	556
جماعت	557
لائحہ عمل	557
نصب العین کا ثبوت قرآن سے	558
جماعت کا ذکر قرآن میں	559
پروگرام، قرآنِ حکیم اور آپ کی تشریحات	559
تمہید سورت	571
پیرایہ آغاز:	571
انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!	571
تفسیر سورۃ المزمل	574
رفقاء انقلاب کی تیاری	574
المزمل کی تشریحات	574
المزمل کی پہلی تشریح	575
انا "الحاشر" کے معنی	576
نبی اکرمؐ زمیل (رفقاء) تیار کریں گے	577
انقلاب کیلئے شروع میں رفقاء ہی تیار کئے جاتے ہیں	578
رفاقت کی پہلی منزل	579
رفاقت کی دوسری منزل	580
رسول اللہؐ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ	580
آپؐ نبی ہیں	580
آپ معلم شفیق ہیں	580
الحاشر کی تشریح ولی اللہی کے مطابق	580
حشر میں ہمارے اعمال ہی متشکل ہو ہو کر پیش ہوں گے	581
ہمارے اعمال و اخلاق ہی ہماری جنت، دوزخ پیدا کریں گے	582
واقعات حشر کی مزید تشریح	583
میزان کیا ہے؟	583
حوضِ کوثر کیا ہے؟	584
تسنیم کیا ہے؟	584
حوض کوثر اور دیگر انبیاء کے حوض	586
المزمل کے دوسرے معنی امام آئمہ انقلاب	587

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ بوجھ کیا ہے؟	587	عالم مثال	599
قوامی اور بین الاقوامی انقلاب	587	قرآنی اصول انقلاب کے عملی فائدے	599
جملہ معترضہ	589	قرآن کے انقلابی نظریے کی ضرورت	599
تہجد کی نماز عوام کے لیے نہیں ہے	589	انقلاب کی جولانگاہ عرب کے مشرق	
یہ آیت منسوخ نہیں	589	ومغرب میں	601
ترتیل کے معنی	590	قرآن کا منشاء مصنوعی "خداؤں" کا خاتمہ	602
بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب		مخالفوں کی مخالفت پر صبر کرو	603
فنا ہو جاتی ہے	592	تیاری سے پہلے اقدام مُضر ہوتا ہے	604
انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے	592	سرمایہ پرستوں سے باز پرس	604
قول ثقیل کے معنی	593	مکذبین، کسریٰ و قیصر ہیں	604
انقلاب کسریٰ و قیصر کے خلاف	593	سرمایہ پرستوں سے باز پرس ہوگی	605
عرب کی حالت	593	حضرت مسیحؑ کا ارشاد سرمایہ پرستوں	
جماعت خاصہ کیلئے رات کا وقت کیوں؟	595	کے بارے میں	605
عوام سے ربط---- دن میں	595	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان	606
انقلاب کے بنیادی اصول	596	باز پرس کیوں ہوگی؟	608
اسم سے مراد تجلی الٰہی	596	افراد انسانی اور انسان کبیر کا تعلق	609
انسان کا تعلق تجلی الٰہی سے کیوں		صالحیت کا معیار مساکین کی خدمت ہے	610
ضروری ہے؟	596	انقلاب اور قیامت	610
قرآن کا "نظامِ نو"	596	کھانے پینے کے نظام کی اہمیت	611
کام کرنے کے دو اصول	597	فارغ البال ظالم لوگوں کی سزا	611
قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کی خصوصیت	597	انقلاب کی منزل اول	613

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قومی انقلاب	613	بین الاقوامی انقلاب	622
قومی انقلاب کی دعوت	613	تمہید	622
نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں	613	قیام شب کا حکم دائمی نہ تھا	623
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال	614	ترمیم حکم کے دوسرے اسباب	623
فرعونی ملوکیت کا خاتمہ	615	امراض، سفر، قتال	623
چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ:	616	ایک اہم نکتہ:	624
کسریٰ اور قیصر	616	قرآن کی تعلیم انقلابی ہونے کا ثبوت	624
انقلاب کیلئے تدبیر الٰہی کے طریقے	617	عدم تشدد طبعی اصول نہیں	625
کسریٰ و قیصر اور ان کے متبعین میں		نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی	626
قریش کو انذار	618	ایک شبہ کا ازالہ	626
اس پیش گوئی کی تصدیق	619	نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون	629
انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت	619	سرمایہ محدود کرنے کا قانون	630
قرآن متنبہ کرتا ہے	620	انفرادی اور اجتماعی مفاد کا تلازم	630
اب کون بچے گا؟	621	بین الاقوامی کام زیادہ شاندار کام ہے	631
نظر بازگشت	621	قیام ضبط کی ضرورت	631
انقلاب کی منزل دوم	622	خلاصۃ الکلام	632

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المدثر یعنی قرآنی دستورِ انقلاب (دوسرا حصہ)

تمہید سورۃ المدثر	635	انقلاب صالح کی دوسری مد	647
سورۂ مزمل کے ساتھ ربط	635	باطنی پاکیزگی	647
سورۂ مدثر کا مضمون	636	انقلاب صالح کی تیسری مد	648
تفسیر سورۃ المدثر	639	انتفاع کا امتناع	648
بین الاقوامی انقلاب کے اصول	639	انقلاب کا بنیادی اصول	649
مدثر کے معنی	639	سرمایہ پرستانہ نظام کی بربادی کے اسباب:	649
نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ایک نکتہ	639	شاہ ولی اللہ کے نظریات	649
اسلام کا جامع انقلاب	641	بیت المال کا ناجائز استعمال	650
انقلاب میں اشاعت کی ضرورت	641	گراں بار ٹیکس	650
انقلاب کا اصول اولین:	642	کسریٰ و قیصر کی تباہی کی مثال	651
انسانی حقوق سے بغاوت	642	ایرانیوں اور رومیوں کی عیاشی	652
قرآنی سیاست کی تشریح	643	اٹھارویں صدی کی دِلّی کی حالت	653
نبی اکرم ﷺ کے لیے مشورہ واجب تھا	643	ٹیکسوں کی بھرمار	653
حضرت علیؓ کا نظریہ	644	عوام کی حالت	654
حضرت عمرؓ کا نظریہ	644	انسانی معاشرہ پر خطرناک اثر	654
خضوع یا اخبات الی اللہ	645	بیکاری کی مصیبت	654
اس جذبے کا نفسیاتی تجزیہ	645	انقلاب کیلئے استقامت کی ضرورت	655
لباس کی پاکیزگی	646	خلاصہ	655
نفسیاتی نجاستوں سے اجتناب	646	قرآن کے انذار کا نتیجہ	656

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیامت اور انقلاب	657	امام ولی اللہ کا نظریہ	672
بین الاقوامی پروگرام کے مخالفین	658	انقلاب کے پیشرو	673
سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا تجزیہ	658	بین الاقوامی پروگرام کی تفصیل	674
سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا انجام	660	ارتجاع کا نفسیاتی تجزیہ	674
مخالفانہ جانچ پڑتال	661	تعلق باللہ کی ضرورت	675
مخالفانہ پراپیگنڈہ	662	مساکین کی تنظیم کی ضرورت	676
ارتجاع کا انجام	663	بیکار مباحث	676
جہنم کی حقیقت	664	اعمال کی ذمہ داری سے انکار	677
ایک نفسیاتی نکتہ	665	دوبارہ انذار	677
آگے بڑھنے کی دعوت	669	انقلاب کی تمثیل	678
ارتجاع غالب نہیں آسکتا	669	نراج پیدا نہیں ہونے دیا جائے گا	679
انقلاب کی پہلی منزل: عرب پر قبضہ	669	انقلاب سوسائٹی کے اندر سے پیدا ہوتا ہے	680
بین الاقوامی منزل	669	قرآنی انقلاب کے تجربے کی دعوت	681
مخالفین کو جنگ میں سزا ملے گی	670	انقلاب عدل قائم کرے گا	682
نبی اکرم ﷺ کا اعلان	670	سورت کا خلاصۃ الکلام	683
انقلاب میں آگے بڑھو	671	نظر باز گشت	684
پیچھے رہنے والے برباد کردیئے جائیں گے	672	مزمل اور مدثر کا تقابل	684
انسان کے اعمال کس طرح محفوظ رہتے ہیں:	672		

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ العصر یعنی قرآنی اصولِ انقلاب

پیش لفظ	689	الوہیت الٰہی کے دو شعبے	700
انسانی اجتماع کو ترقی دینے میں		روحِ عصر اور تاریخ کی شہادت	701
حضرت ابراہیمؑ کا کردار	689	انقلاب کے عملی اصول	702
ابراہیمؑ نے انسانی روح کو خداشناسی		''نظریہ'' اور ''ایمان'' کا ہونا	702
کا ذریعہ بنایا	689	فلسفہ ولی الٰہی کی بنیاد	703
دعوتِ حنیفیت کی حقیقت	690	تاریخ کی شہادت	704
دعوتِ حنیفیت کے معاشرتی نتائج	691	عمل کا درست ہونا	705
تحریک حنیفیت کا اہم پہلو:	692	عمل صالح کیا ہے؟	705
جماعت کے ذریعہ تبدیلی	692	عمل کی صالحیت کا مدار	705
تحریکِ حنیفیت کے مراحل	692	''ایمان'' اور عمل صالح کا تعلق	706
قرآن حکیم:	693	جماعت کی ضرورت واہمیت	709
تحریک حنیفیت کی تکمیل کا انقلابی لائحہ عمل	693	تواصی بالحق کیا ہے؟	709
آپ ﷺ کی تیار کردہ انقلابی پارٹی	694	پارٹی کی ضرورت	709
قرآنی اصولِ انقلاب	695	پروپیگنڈے کی ضرورت	710
تمہید سورت	696	صبر واستقامت سے کام لینا	711
تفسیر سورت	698	''صبر'' کیا ہے؟	711
قسم کی حقیقت	698	کفر کیا ہے؟	712
قسم کا اسلامی قانون	699	اجتماع میں کمزوریں کے اسباب	712
عصر (زمانہ کی) حقیقت	699	پہلا سبب: مالی اشتراک کا نہ ہونا	712

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرا اسباب: علمی اشتراک نہ ہونا	713	قرآنی انقلاب کے اصول	716
مساوات	714	قرآنی انقلاب کے چار قاعدے	717
تاریخ کی شہادت	714	انقلابی طریقہ کار کے تین حصے	717
انقلابی جماعت کے تقاضے اور منافقین		تاریخ کی شہادت	718
کے رویے	714	عصر حاضر کا تقاضہ	718
سورت کا خلاصہ	716		

سورۃ الاخلاص ومعوذتین یعنی قرآن فکرِ انقلاب

فلسفہ ولی اللہی کیا ہے؟	724	تفسیر سورۃ الاخلاص	734
دیباچہ	725	شفاعت کے غلط پہلو کا رَدّ	735
تمہید سورۃ الاخلاص	727	اِبنیت کا رَدّ	735
قرآن کا مرکزی فکر	729	بت پرستی کا رد	736
اعلانِ بیزاری	730	تمہید سورۃ الفلق	737
جنگ	730	توحید کا پھیلاؤ کائنات میں	737
مخالفین کی سیاسی شکست	730	سورت کی تمثیلی شرح	737
مخالفین کی اقتصادی شکست	731	دفع مضرت کی ضرورت	738
مخالفین کی فکری شکست	731	سورۂ فلق کا موضوع	739
سورۂ اخلاص (112)	731	تفسیر سورۃ الفلق	741
سورۂ فلق (113)	731	عمل انفلاق اور اس کی ہمہ گیری	741
سورۃ الناس (114)	732	پہلا شر	742

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرا شر 742

تیسرا شر 742

چوتھا شر 743

تمہید سورۃ الناس 475

توحید کا پھیلاؤ نوعِ انسانی میں 745

تفسیر سورۃ الناس 748

دائرہ ربوبیت 748

دائرہ ملوکیت 749

دائرہ الوہیت 752

وسوسے کی حقیقت 754

انسانی جماعتیں 754

انسان کے سوا دوسری طاقتیں 755

''وسواس'' کیا ہے؟ 755

باطل افکار کا نتیجہ 756

ارتکازِ دولت 756

انسانی ملوکیت و آمریت 756

شرک اور ظلم 756

سماعت کے خلق سے عاری 757

عدل کے خلق سے عاری 757

اخبات کے خلق سے عاری 757

انسانیت کی بربادی 758

فکری غلبہ اور اس کے نتائج 758

سورۂ فاتحہ کے ساتھ ربط 759

=========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقریظ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ

www.rahimia.org

برصغیر پاک و ہند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ وہ عظیم شخصیت ہیں، جنہوں نے اس خطہ میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، جس کی مثال مشکل سے ہی ملتی ہے، آپ نے شریعت، طریقت اور سیاست، تینوں شعبوں میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ خاص طور پر آپ نے برعظیم پاک و ہند کی آزادی کے لئے تحریک ریشمی رومال جیسی عظیم تحریک برپا کی۔ ان تمام کاموں میں آپ کے ہمرکاب قطب العالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ رہے، آپ نے نہ صرف اس تحریک کی سرپرستی فرمائی، بلکہ قرآن حکیم کی تعلیم کے پھیلاؤ کے لئے بڑی جدوجہد اور کوشش فرمائی۔

ان حضرات نے ایک جماعت کی تربیت فرما کر اسے اپنا جانشین بنایا چنانچہ ان کے تربیت یافتہ افراد میں قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہم علماء کی ایک بڑی جماعت رہی ہے۔ اس جماعت کے رکن رکین اور اہم ترین لوگوں میں سے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو بلاشبہ حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت کے ایک عظیم فرد ہیں، جنہوں نے تادمِ آخر اپنے اساتذہ و مشائخ اور علمائے ربانیین کے جامع فکر و عمل، خاص طور پر حضرت

(c) ketabton.com: The Digital Library

الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کو پھیلانے کے لئے انتھک جدوجہد اور محنت کی ہے۔ آپ نہ صرف شریعت کے متبحر، مستند اور پختہ کار عالم دین تھے، بلکہ طریقت اور تصوف کے شناور اور حظیرۃ القدس سے تعلق رکھنے والے سچے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور سیاسیات و اقتصادیات کے میدان میں تو آپ امامِ انقلاب اور سچے ومخلص راہبر و رہنما تھے، آپ نے دورِ حاضر کی سیاست اور اقتصادیات کے داؤ پیچ کو سمجھا، اور قرآنی سیاست اوراس کے معاشی نظام کو غالب کرنے کی انقلابی حکمت عملی اوراس کا طریقہ کار واضح کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائے پوریؒ کے تربیت یافتہ علمائے ربانیین نے آخری دم تک آپ کے بیان کردہ افکار وتعلیمات پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ خاص طور پر ہمارے شیخ اور مرشد قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے نہ صرف آپ پر پورا اعتماد فرمایا بلکہ اپنے مسترشد خاص حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری کو حضرت سندھیؒ کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے افکار وتعلیمات پر تربیت حاصل کریں۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے ۱۰ر رمضان ۱۳۶۵ھ ،8 اگست 1946ء کو حضرت سندھیؒ کے بارہ میں فرمایا:

''میں نے تو حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تعریف سنی ہے کہ وہ بہت مستعد ہیں اور آپ ان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے۔ تو اب میرے خیال میں یہ ہے کہ مولانا (سندھی) کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی مگر بات صحیح کہتے تھے....لہٰذا مولانا عبید اللہ (سندھی) کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو ان کو ایسا نہیں سمجھتا جیسا عام نکتہ چین یا بعض حضرات فرماتے ہیں''۔ (ارشادات: ص ۳۴، ۳۵)

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح حیات ''نقش حیات'' میں جو آپ کی زندگی کی آخری تصنیف ہے، حضرت سندھیؒ کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی طرح والد گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے بھی ایک دفعہ مولانا بنوریؒ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''حضرت سندھیؒ ایسے نہیں تھے جیسا کہ لوگ ان کے بارہ میں تأثر دیتے تھے، حضرت سندھیؒ بہت اونچی نسبت کے بزرگوں میں سے تھے، ان کے بلند افکار وخیالات کسی کی سمجھ میں نہ آئیں یہ اور بات ہے، لیکن حضرت سندھیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے ایسے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اعتماد یافتہ بزرگ ہیں کہ جن کے بنیادی فکر و عمل میں آخر دم تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے''۔

آج اسلام پسندی کا دعویٰ کرنے والے بعض نادان لوگ ایسے ہیں جو مولانا سندھیؒ پر بے جا الزام تراشیاں کرنے سے باز نہیں آتے، انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے، یہ لوگ حضرت سندھیؒ جیسے عظیم ولی کامل، اور سچے انقلابی پر بے سر و پا الزام تراشی کی وجہ سے کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ایسے ہی کچھ نام نہاد قوم پرست حلقے ہیں، جو مولانا سندھیؒ کا نام استعمال کرکے انکارِ حدیث کے فتنہ کو پھیلانے کے لئے کوشاں ہیں، مولانا سندھیؒ کے افکار و خیالات کو حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے فکر و عمل اور امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی جامع انقلابی تعلیمات سے ہٹ کر پیش کرنے والے حضرات کا کوئی تعلق حضرت سندھیؒ سے نہیں ہے۔ حضرت سندھیؒ اپنی جماعت شیخ الہندؒ کے نظریہ کے حامل ہیں اور اسی کے پھیلاؤ کے لئے جدوجہد کرنے والے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ خود انہوں نے ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے فرمایا تھا:

''خدا کی قسم اگر مجھے اب بھی یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت شیخ الہند میرے کام سے ناراض ہیں یا خوش نہیں تو باوجود اس پختگی کے جو میں نے بیان کی ہے، فوراً اس کام سے رُک جاؤں گا، اس لئے میں اسے چھوڑ کر اور کسی طرف توجہ نہیں کر سکتا''۔

زیرِ نظر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' حضرت سندھیؒ کے تفسیری افادات کا مجموعہ ہے، جو ان کے عزیز ترین شاگرد حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت اور ذمہ داری کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اور جس پر خود حضرت سندھیؒ نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس مجموعہ میں اگر کوئی بات مرتب کے ذاتی خیالات پر مبنی ہو تو اسے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات اور حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت کی جدوجہد کے تناظر میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، بحیثیت مجموعی یہ کتاب قرآن کی انقلابی تعلیمات کا شعور حاصل کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نوجوانوں کو دین اسلام کی سچی تعلیمات کی رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، اور اس کتاب کو غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والے نوجوانوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب فرمائے۔ آمین۔

سعید احمد رائے پوری 19 جون 2009ء

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی حکمتِ عملی کا شعور

مولانا سندھیؒ نے قرآنی حکمت کو معروضی حقائق کے حوالے سے آشکارا کیا ہے۔ یوں انھوں نے آج کے سوچنے والے دماغوں کو دین کی طرف لانے کی سعی مشکور انجام دی ہے۔ انھوں نے قرآنی حکمت کو آج کی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھا لکھا نوجوان اس کا شعور اور ادراک حاصل کر کے دین بیزار سامراجی حلقوں کی حکمت عملی کے سحر سے بہ آسانی نکل سکتا ہے۔

مولانا سندھیؒ کا روئے سخن مغرب کی سماجی و عملی چنگل میں گرفتار نوجوان کی طرف ہے۔ وہ اس میں ملی خودی اور قومی حمیت بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی طور پر اپنے سے پہلے مفسرین کی کاوشوں کی نفی کرنا نہیں، بلکہ وہ تو اکثر و بیشتر اپنی اجتہادی رائے تک کو ماضی کے معتبر و مستند مفسرین کی تائید کے بغیر پیش کرنے سے احتیاط برتتے ہیں۔

(حرفِ خیال، قرآنی شعورِ انقلاب، ص 37)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک نظر میں

☆ تاریخ پیدائش: 10 مارچ ۱۸۷۲ھ ہندی (1872ء)۔

☆ سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔

☆ بچپن ہی سے انقلابی طبیعت پائی تھی، چنانچہ 16 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

☆ دیوبند میں تعلیم پائی اور وہاں کے سب سے بڑے مجاہد اُستاد، حضرت مولانا محمود حسنؒ کی رہنمائی میں کام کرتے رہے۔

☆ ۱۹۱۵ھ ہندی میں اپنے اُستاد کے ارشاد پر کابل پہنچے اور وہاں امیر حبیب اللہ کی حکومت اور بعد کے انقلاب میں پورا پورا حصہ لیا۔

☆ ۱۹۲۲ھ ہندی میں ٹرکی جانے کی غرض سے ماسکو گئے اور وہاں سوشلسٹ انقلاب کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔

☆ ٹرکی پہنچ کر کمالی انقلاب کا چار برس تک پوری بصیرت کے ساتھ مشاہدہ کیا۔

☆ اس کے بعد حجازِ مقدس تشریف لے گئے اور بارہ برس تک حکیم الہند، امام ولی اللہ، محدث دہلویؒ کے اُصولوں پر انقلابی نظریات کی تکمیل کی۔

☆ قرآن حکیم کی تفسیر پر انقلابی نقطۂ نگاہ سے نظر ثانی کی اور ہندوستان کے لئے ایک عملی پروگریم بنایا۔

☆ 7 مارچ ۱۹۳۹ھ ہندی کو ہندوستان واپس تشریف لائے اور زندگی کے باقی ایام امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے اور اپنے نظریات کی نشر و اشاعت میں صرف کئے اور آخری دم تک کام کرتے ہوئے 21 اگست ۱۹۴۴ھ ہندی (1944) کو اعلیٰ علیین کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(تحریر بقلم: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ)

☆☆☆☆

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کلماتِ طیبات

تحریر

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم ۱۳۹ ہندی (1939ء) میں واپس وطن پہنچے، اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لئے مسلسل ملتے رہے، وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے کئی سو صفحات (تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات) تیار کر لئے۔ انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا، اس لئے وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہوگئے۔ اب ان کی خواہش ہے کہ ہمارا فکر لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعہ سے پھیلائیں۔

ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلق علمی مرکز میں جس کا نام ''محمد قاسم ولی اللہ کالج آف تھیالوجی'' تجویز کیا ہے، ایسے ہی اُستاد کی ضرورت تھی۔ ہم نے انہیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنالیا ہے۔ انہوں نے اپنے افکار کا نمونہ سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی تفسیر میں پیش کرنا پسند کیا ہے۔

ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں۔ مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔ اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظر ثانی منظور کی۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکر کے مطابق بنالیں۔

واللہ المستعان عبید اللہ سندھی

www.rahnma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حرفِ خیال

قرآن حکیم انسانی سماج کو صحت مند خطوط پر استوار کرنے کا نقیبِ یزداں ہے۔ اس نے انسانی نفسیات کے نشیب و فراز ملحوظ رکھتے ہوئے سماجیات کے ارتقاء کے لئے صراطِ مستقیم کا تعین کیا ہے، جس کی بنا پر وہ صدیوں سے اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور اس کی یہ موجودگی انسانیت کو درپیش گھمبیر اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے ایک مؤثر اور قابلِ عمل دعوت دے رہی ہے۔

اسی بنا پر قرآن حکیم کی حکمت کی تعبیر و ترجمانی ہر دور میں فاضل مفسرین کرام اپنے شعور و بصیرت اور معروضی حالات کے تناظر میں اپنی بساط کے مطابق کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی قابل قدر کاوشوں کے نتیجہ میں ایک شاندار ذخیرہ اسلامی ورثہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن دنیا جب صنعتی و سماجی انقلابات سے دوچار ہونے کے باعث ایک نئے دور میں داخل ہوئی تو اسکے تقاضے یکسر متنوع اور مختلف ہوگئے، پھر اس عرصہ میں سوءِ اتفاق سے مسلم معاشرے بھی سماجی و علمی طور پر پسماندگی سے دوچار ہوگئے، یوں زوال کی ہمہ گیر صورتحال نے مجموعی طور پر دماغوں کو ماؤف اور اعضاء و جوارح کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔

ان حالات میں برعظیم کی خوش قسمتی تھی۔ کہ دہلی میں امام شاہ ولی اللہ کی صورت میں وہ نبض شناسِ عصر، ماہرِ حکمت پیدا ہوتا ہے جس نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام و تصوف جیسے بنیادی اسلامی علوم کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ مسلم معاشروں کے مدو جزر کا بھی دور رس نگاہوں سے جائزہ لیا، گردو پیش کے حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر نئے دور کے تقاضوں کو محسوس کر کے انقلابی و ارتقائی مراحل کی نشاندہی کی۔

بعد ازیں ان ولی اللہی علوم و معارف کی ترجمانی کی سعادت موجودہ صدی کی نابغہ روزگار شخصیت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو حاصل ہوئی۔ مولانا سندھیؒ کو اپنے دور کے مستند علماء ربانی اور صاحبِ دل مشائخ کی صحبت میں اپنی زندگی کے وہ قیمتی ایام گزارنے کا شعوری

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

موقع ملا، جن میں انسان کی سوچ کے زاویئے متعین ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے محبوب اُستاد شیخ الہند مولانا محمود حسن سے ولی اللہی حکمت سے ایسی گہری وابستگی کا سبق حاصل کیا کہ دنیا کے بڑے بڑے انقلابات تک اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کے حوالہ سے صنعتی دور کے پر پیچ مسائل کے حل کی ایسے انقلابی راہ کی نشاندہی کی کہ عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں کسی احساسِ شکست و مرعوبیت کی بجائے دین اسلام کی حیات آفرینی کا خوشگوار احساس ہوتا ہے۔

مولانا سندھیؒ کی جانب سے قرآنی حکمت کی ترجمانی کا انداز یقیناً دیگر مفسرین کے اندازِ بیان سے مختلف ہے لیکن یہ اختلافِ مسائل کے ادراک اور ان کے حل کے لئے روحِ عصر تک رسائی کا اختلاف ہے۔ یہ کسی بنیادی اسلامی عقیدہ یا اجتماعی مؤقف سے انحراف یا انحراف پر مبنی حقیقی اختلاف نہیں، بالفاظِ دیگر یہ دلیل و برہان کا اختلاف نہیں بلکہ عصر و زمان کا اختلاف ہے۔ جس کی بناء پر اسلام و کفر کے پیمانوں میں تول کر جنگ و جدل یا طعن و تشنیع کا ماحول گرم کرنے کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے لیکن تنگ نظر عناصر اس حوالہ سے گنجائش نکال ہی لیتے ہیں۔

مولانا سندھیؒ کی زبان سے بے پناہ علمی وسعت، شعوری تعمق، وسیع مشاہدہ، متنوع تجربات اور اعلیٰ دماغ کے حامل ہونے کے سبب ''اناولاغیری'' کا نعرہ بلند ہونا کسی اچنبھے کی بات نہ ہوتی لیکن مشائخ ربانی اور علمائے حقانی کی صحبت و رفاقت میں زانوئے تلمذ و ارادت طے کرنے کی وجہ سے ان میں ایسا ٹھہراؤ اور جامعیت آگئی کہ وہ ایک طرف قرآنی حکمت کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہیں تو دوسری طرف وہ سنت کو اس کا حقیقی مقام دینے پر کسی معذرت خواہانہ رویہ کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ انکارِ حدیث کو قرآنی حکمت کے معاشرے میں ظہور کے بنیادی تقاضے کے منافی سمجھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ فقہاء کرام کی کاوشوں کو سماج کے ارتقاء کا ایک ناگزیر تقاضہ گردانتے ہیں اور پھر وہ مسلم دنیا پر چھائی ہوئی مرعوبیت کے بوجھل ماحول میں تصوف کی اہمیت پر گفتگو اس انداز سے کرتے ہیں کہ تصوف ایک ترقی پذیر اور ترقی یافتہ معاشرے کی ناگزیر ضرورت قرار پاتا ہے۔ اور یوں وہ تمام اعتراضات از خود اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں جو ان پر اجنبی اور غیر مسلم ماحول

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے متاثر ہونے کے حوالہ سے عائد کئے جاتے ہیں اور جن کی تان ان کے ایمان تک کو مشکوک بنانے کی حد درجہ افسوسناک مرحلہ پر ٹوٹتی ہے۔

مولانا سندھیؒ نے عصر حاضر میں تجدیدی کام کے لئے جس طریقے کے نشاندہی کی ہے، وہ پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے:

"قرآن وسنت کو سمجھنے اور سمجھانے، ان کے مقاصد اور مطالب کو ملت اسلامیہ کے ذہن نشین کرانے اور ان کو ملی فکر و عمل میں رچانے کے سلسلہ میں ہماری تاریخ میں اب تک جو علمی کوششیں ہو چکی ہیں آج ان کا پورا احاطہ کیا جائے، ان کے کھرے کھوٹے کو پرکھا جائے، فقہ اسلامی اب تک جن ادوار سے گزر چکی ہے اور خاص حالات اور مخصوص اسباب نے اس فقہ کو جیسے جیسے قالبوں میں ڈھالا تھا اور مسلمان قانون سازوں نے شرعی احکام کی تشکیل میں جن مصالح کو پیش نظر رکھا تھا ان کا جائزہ لیا جائے۔ نیز احادیث کی جمع و تدوین میں مختلف محدثین کا کیا مسلک تھا؟۔ احادیث کو جانچ پرکھ کر آج اس زمانے میں ملت کے لئے ان کو اُسوہ عمل بنا سکتے ہیں۔ اس کا تعین کیا جائے۔ پھر قرآن کے حقائق و مطالب کی کنہ (حقیقت) تک پہنچنے کے لئے ہمارے مفسرین اب تک کیا کیا کوششیں کر چکے ہیں۔ ان کا پورا احصاء (شمار) کر کے قرآنی تعلیمات کو سمجھا جائے۔ اس کے بعد تصوف اور علم کلام آتے ہیں۔ علم کی ان دوشقوں میں مسلمان صوفیاء اور متکلمین نے حکمت و معرفت کا ایک لازوال ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے انسانی ذہن بڑا فیضان حاصل کر سکتا ہے۔ تصوف و کلام کے اس اثاثے کو بھی تحقیق و تنقید کی نظر سے دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے"۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۲۱، ۲۲)

مولانا سندھیؒ نے قرآنی حکمت کو معروضی حقائق کے حوالہ سے آشکارا کیا ہے۔ یوں انہوں نے آج کے سوچنے والے دماغوں کو دین کی طرف لانے کی سعی مشکور انجام دی ہے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کو آج کی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھا لکھا نوجوان اس کا شعور اور ادراک حاصل کر کے دین بیزار سامراجی حلقوں کی حکمت عملی کے سحر سے بہ آسانی نکل سکتا ہے۔ مولانا سندھیؒ کا روئے سخن مغرب کے سماجی و عملی چنگل میں گرفتار نوجوان کی طرف ہے۔ وہ اس میں ملی خودی اور قومی حمیت بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی طور پر اپنے سے پہلے مفسرین کی کاوشوں کی نفی کرنا نہیں بلکہ وہ تو اکثر و بیشتر اپنی اجتہادی رائے تک کو ماضی کے معتبر و مستند مفسرین کی تائید کے بغیر پیش کرنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے احتیاط برتتے ہیں، وہ خود کہتے ہیں:

''قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے۔ وہاں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اصول کو اپنے لئے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، مولانا اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے اقوال کو حجت بنایا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر ورائے کی بنا پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے میں ایسے موقع پر صراحتاً بتادیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کریں مگر جن چیزوں میں آئمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہوسکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں اِباء (انکار) نہ کریں''۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص ۸۶)

زیر نظر تفسیری مجموعہ میں مولانا سندھیؒ کے حوالہ سے قرآن حکیم کی حکمت کو عصری اندازِ فکر کے حوالہ سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے گہرے مطالعہ سے قاری بالخصوص باشعور نوجوان اپنے فکری اضطراب، علمی تشنگی اور روحانی قلق کی جگہ شعور وبصیرت پر مبنی اطمینانِ قلب اور فکری بالیدگی محسوس کرے گا۔ اس تفسیری مجموعہ کے فاضل مرتب حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے ان تفسیری ارشادات کو جس جانفشانی اور ذمہ داری سے علمی حلقوں تک پہنچایا ہے اس پر وہ بے پناہ دعاؤں اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں چند ایک مقامات پر اپنے ذاتی خیالات کا بھی اظہار کیا ہے کہ ان کو ولی اللہ اندازِ فکر اور تاریخی واقعات کے حوالہ سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

قبل ازیں اس مجموعہ میں شامل قرآنی سورتوں کی تفاسیر علیحدہ علیحدہ کتابچوں اور پمفلٹوں کی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ پہلے کئی بار مکی دار الکتب، لاہور نے حسنِ اہتمام کے ساتھ ان کو یکجا شائع کیا تھا۔ اور اب ''رحیمیہ مطبوعات'' کی جانب سے اس کتاب کا ساتواں ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے، جس سے قرآنی معارف کے شائقین کو مطالعہ کے حوالہ سے کافی سہولت ہوگی۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس ایڈیشن میں کتاب کی تدوین نو کردی گئی ہے، اور جن سورتوں کی تفسیر اس مجموعہ میں شامل ہے اس کی ترتیب اسی طرح رکھی گئی ہے، جیسے قرآن حکیم میں ہے۔ جب کہ پہلے ایڈیشنوں میں اس ترتیب کا خیال نہیں رکھا جا سکا تھا۔ نیز حسن اتفاق سے ہمیں فاضل مرتب مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے صاحبزادگان محترم جناب بلال احمد و محترم جناب ہلال احمد صاحبان سے مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ قلمی نسخہ دستیاب ہوگیا، جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک سورتوں کی تفسیر فاضل مرتب کے اپنے قلم سے لکھی گئی ہے، چنانچہ اس ایڈیشن میں ان سورتوں کا اصل قلمی مسودہ سے اور باقی سورتوں کا قدیم مطبوعہ نسخوں سے مقارنہ کردیا گیا ہے۔ نیز بعض مقامات پر حواشی اور تعلیقات کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔ اور یہ تحقیقی کام معروف ولی اللہی عالمِ دین مولانا مفتی عبد الخالق آزاد خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے اور ساتھ ہی انہوں نے ایک مبسوط مقدمہ کتاب کے شروع میں تحریر کردیا ہے، اور امام ولی اللہ دہلویؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مرتب کتاب مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے مختصر حالاتِ زندگی کا بھی اضافہ کیا ہے، جس سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔

مزید برآں اس مجموعہ میں شامل مختلف کتب کے حوالہ جات کی بھی از سرِ نو تخریج کی گئی ہے جس سے اس مجموعہ کی افادیت مزید مستحکم اور تحقیقی نوعیت مستند ہوگئی ہے۔ تخریج و نظر ثانی کی یہ سعادت معروف ولی اللہی عالم دین مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی نے حاصل کی۔ یوں یہ تفسیری مجموعہ ظاہری و معنوی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور اس کے مطالعہ کو انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں منعکس فرمائے۔ آمین۔

(ڈاکٹر مفتی) سعید الرحمٰن

پروفیسر (و سابق چیئرمین) شعبہ علومِ اسلامیہ

جامعہ بہاؤالدین زکریا، ملتان

یکم جون 2009ء

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقدیمہ

از: مفتی عبدالخالق آزاد

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی اور فلاح اور بہبود کا ایک مکمل اور جامع پروگرام پیش کرتا ہے۔ اور ہر دور کے ذی شعور علمائے حق اور دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے محققین اس سے راہنمائی لے کر اپنے دور کے سلگتے ہوئے مسائل کا حل پیش کرتے رہے ہیں۔ انسانی اجتماع کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ انہیں درست تناظر میں سمجھا جائے، اور ان کے حل کے لئے صحیح لائحہ عمل تشکیل دیا جائے۔ قرآن حکیم پر غور وفکر اور تدبر و تفکر کرنے والے لوگ ہر دور میں یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے حوالہ سے قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے سینۂ مبارک اور قلبِ اطہر پر قرآن حکیم نازل ہوا، نے قرآنی اساسیات پر غور و فکر کر کے ایک مکمل نظام اور سسٹم تشکیل دیا۔ چنانچہ احادیث نبویہ کا اکثر حصہ قرآنی اصولوں کی تشریحات اور اجتہادات پر مشتمل ہے۔ معاشرے کی ابتدائی تنظیم سے لے کر بین الاقوامی سطح کے عالمی نظام کی تشکیل تک کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فرامین نے ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی تشریحات میں انسانی ترقی کے ہر شعبہ میں راہنمائی فراہم کی۔ معاشرے کی سیاسی تشکیل کا پہلو ہو یا اقتصادی اور معاشی تشکیل پیش نظر ہو، سماجی اور عائلی شیرازہ بندی کے اُمور ہوں، یا فکری اور نظریاتی اُمور کی فلاسفی اور اس کی اساسیات ہوں، افکار ونظریات اور غور وفکر کے مسلمہ اصول ہوں، یا اعمال کو منظم انداز میں سرانجام دینے کی تنظیمی حکمت عملی اور اس کے پالیسی اُمور ہوں، انسانی نفسیات کو سمجھ کر ان کے اخلاق اور رویوں کی تعمیر وتشکیل کا معاملہ ہو یا انسانی روح کی حقیقت و ماہیت اور اس کا کائنات سے تعلق اور اس کی اصلاح و درستگی کا معاملہ ہو، غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو

(c) ketabton.com: The Digital Library

پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات،نصوص، اشارات، ایما آت اور اقتضا آت کی صورت میں ہمیں ملتے ہیں۔ گویا احادیث نبویہ کا مکمل ذخیرہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

ان قرآنی تعلیمات کی اساس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی معاشرے میں ایک انقلاب برپا کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک جماعت تیار کی، اور اس کی تعلیم و تربیت، تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کیا۔ اور ان میں انسانی معاشروں کے سیاسی، سماجی اور معاشی امور کو سلجھانے کی حکمت عملی اور تنظیمی مہارتوں کی صلاحیت پیدا کی۔ اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظیم الشان جماعت کے ذریعہ انسانی معاشروں میں ایک عالمگیر انقلاب برپا کیا اور اس سلسلہ میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر خلفائے راشدین نے اجتماعی نقطہ نظر سے انسانیت کی راہنمائی فرمائی۔اور جو نظام نبی کریم صلی اللہ علی وسلم نے تشکیل دیا تھا، اسے آگے بڑھانے، پھیلانے، اور دنیا پر اس کا مکمل غلبہ پیدا کرنے کے لئے صحابہ کرام نے انتہا درجہ جدوجہد و کوشش کی۔ بین الاقوامی سطح پر انسانی مزاجوں کو سمجھ کر ان کی اجتماعی تشکیل کے امور متعین کرنا، اقوامِ عالم کی سیاسی، معاشی اور جغرافیائی حیثیات کا مطالعہ کر کے ہر ایک قوم کو دین اسلام کے قائم کردہ عالمی نظام سے مطمئن کرنا، اور ان کی سیاسی اور معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا اور اس کے لئے قرآن حکیم کو بطورِ راہنماء مان کر قوموں کی ترقیات کے اقدامات کرنا، صحابہ کرام کی اولوالعزم جدوجہد کا امتیازی نشان ہے۔اس کا نتیجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں دین اسلام کے غلبہ کا عالمی نظام مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس دور میں انہوں نے ایسا عالمی انقلاب برپا کیا جس نے گزشتہ دور کے تمام فرسودہ نظاموں کو توڑ کر نیا نظام قائم کر دیا۔ انہوں نے دنیا پر غلبہ حاصل کر کے عدالتی نظام بدل دیا، سیاسی نظام میں تبدیلی پیدا کی، معیشت کا نظام بدل دیا، سماجی اور عائلی اُمور کی انجام دہی کا طریقہ کار بدل دیا۔ افکار و نظریات کے میدان میں "خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدِرْ"

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ہر اچھی چیز کو قبول کرنا اور بُری چیز کو چھوڑ دینا) کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا بھر کے تجربات اور صالح افکار کا ایک گلدستہ جمع کر دیا۔ اور فرقہ پرستی، تنگ نظری، گروہیت اور نسل پرستی پر مبنی بے شعوری اور غفلت کے تمام پردے چاک کر دیئے۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی جدوجہد نے قرآن حکیم کی روشنی میں دنیا بھر کی اقوام کے لئے ایک کامل اور مکمل انقلاب برپا کر دیا۔

قرآن حکیم کے اس عالمگیر انقلاب کے اثرات کم وبیش ایک ہزار، گیارہ سو سال تک دنیا میں قائم رہے ہیں۔ اس دوران قرآن حکیم پر غور وفکر اور تدبر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس ہزارۂ اول میں جب بھی انسانی زندگی کے بعض پہلوؤں کے حوالہ سے مشکلات اور مسائل پیدا ہوئے، تو مجددینِ اُمت اور محققین علمائے ربانیین اور اولوا العزم خلفائے کرام اور سلاطین اسلام نے آگے بڑھ کر مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل کے لئے قرآن حکیم سے راہنمائی لی۔

معاشروں کی قانونی ساخت کا معاملہ سامنے آیا تو فقہاء کرام نے آگے بڑھ انسانی معاشروں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے قانونی نظام کی ایک مکمل عمارت تشکیل دے دی، چنانچہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا امام دارِ ہجرہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ ہوں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہوں، ہر ایک نے انسانی معاشروں کے قانونی نظام کی تشکیل اور تعبیر میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا۔

قوموں اور معاشروں کی سیاسی تشکیل وتعمیر کا مرحلہ آیا تو سیاسی شعور رکھنے والے بلند حوصلہ خلفائے کرام اور سلاطین اسلام نے آگے بڑھ کر قوموں کے مسائل کو سمجھا اور ان کے حل کے لئے ایسی بلند درجہ حکمت عملی تشکیل دی کہ جس سے رواداری، باہمی برداشت اور تعاونِ باہمی اور قوموں کی اجتماعی تنظیم وتشکیل کا ایک مکمل سیاسی نظام ہمارے سامنے آتا ہے۔ ایشیاء و افریقہ کی دور دراز اقوام میں اپنے اپنے ممالک کے سیاسی نظام چلانے کی صلاحیت و استعداد کا پیدا کر دینا، اور قومی و بین الاقوامی اُمور کی انجام دہی کی سیاسی عقل اور ہنر مندی پیدا کر دینا اسی بات کا مظہر ہے۔ چنانچہ خلفاء اور سلاطین اسلام میں سے مجددینِ اُمت اور رہنمایانِ قوم نے ہر دور میں ایک ہزار سال تک انسانیت کی مجموعی ترقی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور فلاح و بہبود میں کردار ادا کیا۔

اسی طرح معاشروں کی معاشی اور اقتصادی تشکیل کے اُمور درپیش ہوئے تو بھی بڑے بڑے علماء، فقہاء اور اجتماعیت کا ذہن رکھنے والے حکمرانوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اقتصادی اُمور تشکیل دینے اور انسانی بھوک وافلاس کے مسائل حل کرنے، دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے ایک مکمل نظامِ اقتصاد تشکیل دیا۔ چنانچہ پوری دنیا پر حکمرانی کرنے والے عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے جب اس ضرورت کو محسوس کیا تو اپنے وقت کے قاضی القضاۃ اور قرآن حکیم پر تفکر و تدبر کرنے والے مجتہد امام قاضی ابویوسف سے درخواست کی کہ مملکت کے لئے معاشی نظام کے قیام کے رہنماء اصول کا تعین کیجئے، تو قاضی ابویوسف اقتصادیات پر دنیا کی پہلی اور شاندار کتاب ''کتاب الخراج'' تحریر کرتے ہیں اور اقتصادی اُمور کے حل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور پھر تسلسل کے ساتھ امام محمد بن الحسن الشیبانی اور بعد میں آنے والے فقہاء نے ہر دور کے معاشی اور اقتصادی اُمور کے حوالہ سے راہنمائی کی۔ خاص طور پر زراعت کے پیداواری عمل کو درست خطوط پر رکھنے کے لئے امامِ اعظم امام ابوحنیفہ نے ایسی قانون سازی کی جس سے جاگیردارانہ ذہنیت کا خاتمہ ہوا اور مظلوم انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کی سبیل پیدا ہوئی۔

اسی طرح انسانی رویوں اور ان کے اخلاق اور سیرت و کردار کی تعمیر وتشکیل کا معاملہ درپیش ہوا تو ہمارے مجددین صوفیائے کرام نے اس سلسلہ میں انسانی روح کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم سے راہنمائی لی۔ ان محققین علمائے کرام نے قرآنی اشارات ونصوص سے انسانی روح وقلب وعقل کے تزکیے اور سیرت و کردار کی پختگی کے لئے قرآن حکیم کے گہرے تفکر و تدبر سے راہنماء اصولوں کا تعین کیا اور اس حوالہ سے ''حالات'' و ''مقامات'' کے مراتب کی وضاحت کی۔ یوں قرآنی تعلیمات کا تربیت وتزکیۂ نفوس کا پہلو اپنی اصل شکل وصورت میں واضح ہوا۔ چنانچہ تصوف کے مجتہدِ اعظم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہوں یا شیخ شہاب الدین سہروردی ہوں، خواجۂ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

چشت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا خواجۂ نقشبند اور خواجہ باقی باللہ ہوں، ہر ایک سلسلہ کے بزرگوں نے انسانوں کی سیرت و کردار اور تربیت اور تزکیہ کے بنیادی قوانین اوران پر عملدرآمد کی حکمت عملی قرآن حکیم کی تعلیمات سے حاصل کی۔

اس طرح دین اسلام کے غلبہ کے ہزارہ اول میں قرآن حکیم پر غور وفکر اور تفکر و تدبر کے ان تمام زاویہ ہائے فکر نے تفسیروں کا ایک متنوع سلسلہ قائم کردیا۔ فقہاء، علماء، فصحاء و بلغاء، صوفیا، حکماء اور حکام وسلاطین نے قرآن حکیم سے راہنمائی لینے کے لئے ان تمام دائروں کے حوالہ سے تفاسیر لکھیں۔ تاکہ قرآن حکیم کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے، چنانچہ دین اسلام کی تعلیمات کے پھیلاؤ کے ہزارۂ اول میں فصاحت و بلاغت، فقہ وقانون، تصوف و تزکیۂ نفوس، حکمت و فلسفۂ احکام، سیر وسیاست کے حوالہ سے تفاسیر کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات کا ہزارۂ دوم شروع ہوتا ہے تو مسلمانوں کے سامنے ایک نیا چیلنج آتا ہے۔ دور ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ نشاندہی کرتا ہے کہ تقریباً ہر ایک ہزار سال بعد دنیا ایک نئی کروٹ لیتی ہے، پیداواری رشتے بدلتے ہیں، نظاموں کے ڈھانچوں میں تبدیلیاں آتی ہیں، سیاسی، سماجی اور معاشی تقاضوں کے نئے رنگ سامنے آتے ہیں، چنانچہ ہزارۂ دوم کے تقاضوں کو سمجھ کر قرآن حکیم سے راہنمائی حاصل کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت بن جاتا ہے۔

ایسے ماحول میں ''الف ثانی'' یعنی ہزارہ دوم کے مجددین اُمت نے دین کی تعلیمات کو ایک نئے انداز سے متعارف کرایا، اور انسانی قلوب کو اجتماعیت کا خوگر بنانے کے لئے ایک نئے اسلوب میں کام سرانجام دیا ہے۔ چنانچہ ہزارۂ دوم کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرۂ تشریف لاتے ہیں۔ اور دین اسلام کے پھیلاؤ اور غلبہ کے لئے تجدیدی کردار ادا کرتے ہیں اور انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے بنیادی افکار و تعلیمات کا مکمل نظام ایک نئے انداز میں متعارف کرواتے ہیں۔

مجدد صاحب کے تجدیدی کردار کو اس تناظر میں سمجھا جانا بڑا ضروری ہے کہ ان سے پہلے ہندوستان میں علم و دانش کا دائرہ صرف شریعت اور طریقت کے گرد گھومتا تھا، چنانچہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہزارۂ اول کے تقاضوں کے تناظر میں کام کرنے والے علماء کے افکار کا بڑا گہرا اثر ہندوستان کی سوسائٹی پر پایا جاتا تھا۔ انہوں نے قرآنی تعلیمات کے محض فقہی اور تصوفانہ رنگ کے پھیلاؤ کے لئے کام کیا اور علم و دانش کے حلقوں کے لئے لازمی قرار دیا کہ وہ ''سیاست'' اور اجتماعی معاملات میں کوئی دخل اندازی نہ کریں۔ اور حکمرانوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، اس طرح اجتماعی معاملات اور سیاسی و معاشی امور نالائق اور نااہل حکمرانوں کے سپرد کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجتماعی معاملات کے حوالہ سے انسانی معاشروں میں سیاسی خرابیاں اور معاشی فساد بڑھتا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آ کر سب سے پہلے شریعت اور طریقت کے ساتھ ''سیاست'' اور اجتماعی معاملات پر سوچ و بچار کرنے، اور ان معاملات کو حل کرنے کی عقل وشعور پیدا کرنے کا کام کیا۔ کسی قوم میں سے ملکی سیاسی معاملات اور اقتصادی صورتحال کو سمجھنے کی عقل ختم ہو جائے، وہ کیسے کامیاب ہو سکتی ہے، مجدد صاحب کے تجدیدی کردار کا یہ اہم ترین پہلو ہے کہ انہوں نے ملک کے حکمران طبقوں کی نالائقیوں اور ان کے غلط سیاسی اور اقتصادی فیصلوں کے خلاف دینی شعور پیدا کیا، اور علم و دانش کے پھیلاؤ اور قلب و روح کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ سیاسی عقل وشعور کو بھی لازمی قرار دیا، چنانچہ شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت ہزارۂ دوم کے رنگ میں پیش کرنے کا اہم ترین تجدیدی کام حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سر انجام دیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے ہندوستان کے شہروں میں بالعموم اور دہلی کے ماحول میں بالخصوص علم و دانش کے حلقوں میں سیاسی اور اجتماعی معاملات میں دلچسپی کا ماحول پیدا ہوا، اس ماحول سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے، آپ نے حضرت مجدد صاحب کے تجدیدی کردار کے اجتماعی اور سیاسی پہلو کو مزید آگے بڑھایا، مجدد صاحب کے قائم کردہ ماحول نے شاہ صاحب کے لئے حالات کو سازگار بنانے کے لئے بطورِ ''ارھاص'' (راہ ہموار کرنے کے حوالہ سے) بڑا اہم کردار ادا کیا۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے اپنے گرد و پیش کے حالات کا اجتماعی نقطۂ نظر سے خوب تجزیہ کیا۔ اور یہ اس کا نتیجہ تھا کہ انہیں اپنے والد گرامی حضرت شاہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

عبدالرحیم دہلویؒ جو کہ مجددی سلسلہ کے تربیت یافتہ بزرگ تھے، کی صحبت اُٹھانے اور قرآنی تعلیمات کو نئے اسلوب میں سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ خاص طور پر ''حکمت عملی'' کے اسلوب پر قرآن حکیم پر غور وفکر اور تفکر وتدبر کا انہیں خوب موقع ملا۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی، جہاں گرد وپیش کے سیاسی، معاشی اور اجتماعی مسائل کا شعور حاصل کرنے اور انہیں حل کرنے کی حکمت عملی کی مہارت، صلاحیت اور استعداد پیدا کی جاتی تھی۔ اس ماحول سے حضرت الامام دہلویؒ کی تعلیم وتربیت کی بنیادی اور فکری اُٹھان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب ذہین وفطین تھے اور طبیعت کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ تربیت کا ماحول بھی عمدہ مل گیا، اس سے آپ کے فطری جوہر مزید نکھرتے ہیں۔ اس ماحولِ تربیت اور استعداد و مہارت کا نتیجہ ہے کہ حضرت الامام دہلویؒ نے اپنے افکار وخیالات کی اساس ''حکمت عملی'' کے بنیادی پہلوؤں پر رکھی گویا آپ نے دینی تعلیمات کی اساس پر اپنے دور کے مسائل کے عملی حل کے بنیادی قواعد وضوابط کی وضاحت اور ان کی فلاسفی کو مرتب و مدون کیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

> ''حکمت عملی جس پر اس عہد میں خیر وبرکت کا انحصار ہے، خدا تعالیٰ نے مجھے اس کا وافر حصہ عطاء فرمایا اور اس امر کی توفیق دی کہ میں کتاب وسنت اور صحابہ کے آثار کی روشنی میں حکمت عملی کے اصول وضوابط مدون کروں''۔ (انفاس العارفین، ص ۸۵)

شاہ صاحب کے طرزِ تفکر پر ان کے والد گرامی کی تربیت اور صحبت کا بڑا گہرا اثر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت والد ماجد شجاعت، فراست، کفایت، غیرت وغیرہ اخلاقِ سلیمہ میں درجۂ کمال پر تھے، نیز دنیاوی و اُخروی علوم میں فہم کامل رکھتے تھے، جس کے ذریعہ سے انسان زندگی کی معاشی اور اجتماعی ضرورتوں کو سمجھتا ہے، آپ اپنی مجلس میں اکثر حکمت عملی اور کاروبارِ زندگی کے معاملات کے آداب کی تعلیم دیا کرتے تھے''۔ (انفاس العارفین، ص ۸۴)

شاہ صاحب اپنے والدِ گرامی کے انتقال کے بعد اُن کی مسندِ درس پر تشریف فرما ہوتے ہیں، اور مسلسل 12 سال دہلی کے اونچے ماحول میں انسانی تعلیم وتربیت کے فرائض

(c) ketabton.com: The Digital Library

سرانجام دیتے ہیں، اس دوران فطرتِ انسانی کے خوابیدہ پہلوؤں کو سمجھنے اور انہیں صیقل کرنے کے طور وطریقے کا عملی تجربہ حاصل کرتے ہیں۔

اس کے بعد 28 سال کی عمر میں شاہ صاحب عالمِ اسلام کے مراکز ''حرمین شریفین'' **زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً** تشریف لے گئے، اور اس دوران دنیا بھر کا عالمی دماغ، جو حرمین شریفین میں جمع ہوتا ہے، ان سے استفادہ کرنے، تبادلہ خیال کرنے اور انسانی زندگی کے تجربات کو وسیع دائرہ میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کائنات گیر نظامِ خداوندی کو سمجھنے اور وہاں نازل ہونے والی تجلیات وانوارات کے مرکزی منبع سے استفادہ کرنے، اور پھر ذاتِ خداوندی کے قائم کردہ نظامِ کائنات کے بنیادی اُمور کا فہم وادراک حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

حرمین شریفین کے سفر نے آپ کے خیالات وافکار اور عملی تجربات کو فطرتِ انسانی کے مرکزی نظام کے ساتھ مربوط طور پر سمجھنے اور اسی اَساس پر سمجھ وعقل کے دائرے کو وسیع کرنے میں بڑا بنیادی کرداد ادا کیا۔ اور یوں آپؒ اپنے فلسفہ کے بنیادی اُمور کو مرتب کرنے میں کامیاب ہوئے۔

اس تناظر میں شاہ صاحب نے ایک طرف قرآن حکیم کا انتہائی گہرائی میں جاکر عمیق مطالعہ کیا۔ احادیث نبویہ نے انسانی معاشروں کی تشکیل میں جو کردار ادا کیا ہے، اسے سمجھا، پھر ایک ہزار سال تک قرآن حکیم اور احادیث نبویہؐ کی اساس پر قائم نظام کے اصل الاصول اور اساسیات کا ادراک حاصل کیا۔ اور پھر نئے دور کے تقاضوں کے مطابق انہیں پیش کرنے کے لئے ایک مکمل فلسفہ اور نظامِ فکر وعمل تشکیل دیا۔ شاہ صاحب کی کتابوں کا گہرا مطالعہ رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآنی تعلیمات کی اساس پر ایک مکمل فلاسفی اور مطالعہ قرآن کے ایک بہترین اسلوب کو متعارف کرایا ہے۔ آپ نے اصولِ تفسیر متعین کیے، گزشتہ ہزار سال کے تفسیری کام کا خلاصہ مرتب کیا۔ کچھ نئے فنونِ تفسیر متعارف کرائے۔ اس طرح قرآن فہمی کا ایک جامع اسلوب متعین کیا۔ اور اس کے لئے اپنی شاہکار اور عمدہ کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' مرتب اور مدون کی۔

اسی طرح قرآن حکیم انسانی معاشروں کی درست تشکیل کے لئے ''احکامات'' بیان کرتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے، ان احکامات کا بنیادی فلسفہ اور ان پر عملدر آمد کی حکمت عملی کی وضاحت کے لئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "البدور البازغۃ" ایسی بلند پایہ کتابیں تحریر فرمائیں۔ اس طرح ان تین کتابوں کے مطالعہ سے قرآن حکیم کی تفہیم کے اصولِ تفسیر، قرآنی احکامات کی فلاسفی، اور ان پر عملدر آمد کی جامع حکمت عملی اور طریقہ و منہاج واضح ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانی معاشروں کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو سمجھنے کا ایک مکمل اور جامع نظامِ فکر و عمل پیش کیا ہے۔ اور خلافتِ باطنہ اور خلافتِ ظاہرہ کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی تمام کتابوں میں انہیں دو اُمور پر بھر پور توجہ دی گئی ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تمام علوم وافکار اور آپ کی تمام تصانیف کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ آپ نے انسانی معاشروں میں پیدا ہونے والے سیاسی، معاشی، اور سماجی مسائل کے حل کے لئے قرآن و سنت اور عمل صحابہ کو سامنے رکھ کر اصول وضوابط اور حکمت وفلاسفی کو مرتب و مدون کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے حرمین شریفین کے سفر سے واپس آکر اگلے 2 سال مسلسل غور و فکر کیا۔ انہیں پڑھایا اور سمجھایا۔ اور تبادلہ خیالات کیا۔ اور بالآخر اپنے عزیز ترین شاگرد مولانا محمد عاشق پھلتی کے اصرار پر اپنے مکمل فلسفہ وفکر کو ۱۱۴۷ھ (1734ء) میں "حجۃ اللہ البالغۃ" کی شکل میں ایک شاہکار تصنیف کے طور پر مرتب و مدون کیا۔ بلا شبہ آپ کی کتابوں میں "حجۃ اللہ البالغۃ" ایک جامع، کامل اور مکمل کتاب ہے۔ جس نے انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے بنیادی فکری اور عملی نظام کو مرتب و مدون کردیا ہے۔ چنانچہ آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف "حجۃ اللہ البالغۃ"، "البدور البازغۃ" وغیرہ اس حوالہ سے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

یہی نہیں بلکہ شاہ صاحب نے انسانی روح کی تعلیم و تربیت کے علم تصوف کو بھی رسمی گورکھ دھندوں سے نکال کر عملی نتائج پیدا کرنے کے بنیادی اصول وضوابط کی صورت میں مدون کیا اور اس کے مربوط نظام کی نشاندہی کی ہے، اور ان اُمور کا بھی خلاصہ نکال کر تربیتِ انسانی کا ایک شاہکار نظام متعارف کرایا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب کی کتابیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

''الطاف القدس''، ''الخیر الکثیر''، ''ہمعات'' اور ''تفہیمات الٰہیہ'' اس پورے نظامِ فکر و عمل کی مکمل وضاحت کرتی ہیں۔

ایک ایسے دور میں جہاں فکری ژولیدگی، پراگندہ خیالی، عملی صلاحیتوں میں انتشار اور نظام کی خرابی عروج پر تھی، شاہ صاحب کے علوم و افکار اور فلسفہ وفکر نے ایک جماعت کو مربوط و منظم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا، جو پُر آشوب حالات میں بھی نہ صرف اپنے نظامِ فکر و عمل اور دین کی تعلیمات کے اساسیات پر پوری طرح کار بند رہی، بلکہ حالات، ماحول، اور فرسودہ نظام کی مزاحمت کرنے اور اس کو توڑنے کا عزم بالجزم رکھتی تھی، اور ہر آنے والی نسل کے اولو العزم لوگوں میں بلند نظری، فکری پختگی، شعوری تازگی، اور عملی جرأت و ہمت پیدا کرنے کا کام کرتی رہی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب کے افکار کی تازگی گزشتہ ڈھائی سو سال میں ایسے اولو العزم لوگوں کو تیار کرتی رہی ہے۔ اسی کا نام ''ولی اللہی جماعت'' ہے، یہ جماعت ہر دور کے حالات کا شعوری تجزیہ کرنے اور عملی نتائج کے حصول کے پوری حکمت اور جرأت کے ساتھ جدوجہد کا عزم رکھتی رہی ہے۔ اور ہر قسم کی قربانیاں پیش کرتی رہی ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ وہ عظیم شخصیت ہیں، جنہوں نے اپنے استادِ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کی صحبت اور وساطت سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں اور ان کے فکر و فلسفہ کا مطالعہ کیا، اور شاہ صاحب سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہٗ تک ولی اللہی جماعت کے تعمیری اور اجتماعی کاموں، آزادی اور حریت کے لئے ان کی انتھک جدوجہد، اور شریعت، طریقت اور سیاست کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے کا تاریخی شعور حاصل کیا۔

اس کے ساتھ مولانا سندھیؒ نے حضرت شیخ الہند کی راہنمائی میں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں خود بھی بھر پور حصہ لیا۔ اور اس کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے دیگر ممالک میں آزادی اور حریت کے لئے بڑی قربانیاں پیش کیں۔ اور پھر آزادی کے بعد برصغیر پاک و ہند کی سیاسی، معاشی اور سماجی تشکیل کے اُمور پر برسوں غور وفکر کیا، اس دوران اپنی جدوجہد کے پچاس سالوں میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

''الفوز الکبیر''، ''حجۃ اللہ البالغۃ'' وغیرہ کی روشنی میں اپنے طرزِ تفکر کو متعین کیا، نیز شاہ ولی اللہ کی کتابوں کی تعلیم و تدریس کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے متعین کردہ اصولِ تفسیر، قرآنی احکامات کی فلاسفی اور اس کے قیام کی جامع حکمت عملی کی روشنی میں مولانا سندھیؒ نے قرآن حکیم پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھا، اور اپنی جدوجہد کے ہر دور میں تفسیر قرآن حکیم بیان کرنے اور اس کے سمجھانے کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ سندھ میں قیام کیا، تو اس دوران تعلیم و تدریس میں مصروف رہے، اور نہ صرف ان علوم کو پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رہا بلکہ تحریک آزادیٔ وحریت کے لئے رجالِ کار بھی تیار کئے۔ پھر دیوبند آئے تو ''جمعیۃ الانصار'' کے حوالہ سے افراد سازی کا عمل کرتے رہے۔ دہلی میں ''نظارۃ المعارف'' قائم کیا تو وہاں نوجوانوں کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی۔ کابل تشریف لے گئے تو ہندوستان سے ہجرت کرنے والے نوجوانوں ظفر حسن ایبک وغیرہ کو قرآن حکیم کی تعلیم اور اس کے اجتماعی اصولوں کا تعارف کراتے رہے۔ ماسکو گئے تو وہاں کے علماء کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ استنبول پہنچے تو وہاں سلسلۂ تعلیم و تربیت اور اجتماعی معاملات کی تفہیم جاری رکھی۔ حرمین شریفین پہنچے تو مکہ مکرمہ میں 12 سال تک قرآن حکیم کی تفسیر، احادیث نبویہ کی تفہیم، شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں کی تدریس اور اجتماعی نقطہ نظر سے قوموں کے مسائل کے حل کرنے کے لئے بنیادی فکر و فلسفہ کی تدوین میں مصروف رہے۔ اور پھر جب واپس ہندوستان پہنچے تو دہلی، لاہور، کراچی اور ملک کے دیگر علاقوں میں قرآنی انقلاب کی اساس پر اپنے افکار و تعلیمات کے پھیلاؤ کے لئے انتہا درجہ کی جدوجہد اور کوشش کی۔

صنعتی انقلاب کے آجانے، اور یورپین قوموں کے دنیا پر تسلط نے اقوامِ عالم میں نئے مسائل اور نئے تقاضے پیدا کردیئے۔ غلامی کے اثرات معاشروں پر بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ غلامی نہ صرف قوموں کی ترقی وعروج کو کھاجاتی ہے بلکہ قومی وجود پر پے در پے ایسے کاری ضربات لگاتی ہے کہ قوموں کا سیاسی شعور ختم ہوجاتا ہے اور پوری قوم اقتصادی تباہی، بھوک و افلاس اور سماجی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہے۔ شیخ الہند مولانا

(c) ketabton.com: The Digital Library

محمود حسنؒ اور مولانا سندھیؒ کی پوری زندگی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور آزادیٔ و حریت کے لئے جدوجہد کرتے گزری، ایک قوم اور ملت کو غلامی کی لعنت اور اس کے چنگل سے چھڑانے اور اپنے فکر و فلسفہ کی اساس پر قوی نظام کی تعمیر و تشکیل کا شعور، ولولہ اور جوشِ عمل پیدا کرنے کا کام انتہائی کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ شیخ الہندؒ کی جماعت کے لوگوں خاص طور مولانا سندھیؒ نے اس صبر آزما کام کے لئے بڑی قربانی دی ہے۔

صنعتی دور کے سیاسی اور اقتصادی مسائل کو محض قدیم زمانہ کی عقل کی اساس پر حل کرنے کی بات کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ بلکہ اس دور کے مسائل کے حل کے لئے قرآنی تعلیمات پر غور و فکر کرکے نئی حکمت عملی کی تشکیل اور شعوری جدوجہد کے انقلابی پہلوؤں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس دور میں محض اصلاح سے نتائج کا حصول ممکن نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نظام کے طرز پر انقلاب کی ضرورت ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَتْ بِهٖ أَوَّلُهَا" (اس دور کا آخری حصہ اُس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اُس طریقہ کار کے مطابق جدوجہد نہ کی جائے جو اس اُمت کے اول حصہ کے پیش نظر تھا) کے اصول کی روشنی میں قرآنی انقلابی نظام کو سمجھنا اور سمجھانا انتہائی ضروری ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ 7 مارچ 1939ء کو ہندوستان واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے گزشتہ پچاس سالہ قرآنی مطالعہ کے انقلابی نتائج سے ہندوستان کے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے دن رات محنت کی اور قرآن حکیم اور احادیث نبویہ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات کی روشنی میں جو انقلابی فکر و فلسفہ انہوں نے حرمین شریفین کے مبارک مقامات پر سمجھا تھا، اُسے برصغیر پاک و ہند کے نوجوانوں کو سمجھانے کے لئے بہت جدوجہد اور کوشش کی، چنانچہ دار الرشاد، پیر جھنڈا، قاسم العلوم، لاہور، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں بیت الحکمت قائم کرکے علماء اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سامنے اجتماعی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرمائی اور جسے آپ کے عزیز ترین اور ہونہار شاگردوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کیا، چنانچہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اور مولانا غازی خدا بخشؒ نے مولانا سندھیؒ کے انقلابی طرزِ تفکر کو بہت خوبی سے سمجھا اور اسے مرتب کیا، جیسا کہ خود

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مولانا سندھیؒ نے اپنی تحریر میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' مولانا سندھیؒ کے انہی انقلابی افکار پر مبنی تفسیری شہ پاروں کا مجموعہ ہے، اس کتاب میں قرآن حکیم کے حوالہ سے اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے اس انقلابی نظام کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا تھا، اور اس کی تفہیم کا انداز اور بنیادی اسلوب حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بیان کردہ اصولِ تفسیر اور فلاسفی پر ہے۔

مولانا سندھیؒ کے ان تفسیری شہ پاروں کو ان کے عزیز ترین ہونہار اور سمجھدار شاگرد حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے مرتب کیا ہے۔ حضرت مولانا سندھیؒ ہر ایک سورت کے تفسیری افادات بیان فرماتے تھے، اور مولانا بشیر احمد اور مولانا خدا بخش صاحب انہیں قلمبند کرتے تھے۔ اور پھر مولانا سندھیؒ کی زندگی میں ہی مولانا بشیر احمد صاحب نے انہیں مرتب اور مدوّن کیا اور حضرت سندھیؒ کو ملاحظہ کرایا۔

اس تفسیری مجموعہ میں شامل سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی تفسیر ''قرآنی دستورِ انقلاب'' کے عنوان سے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے 1944ء میں ہی کتابی صورت میں طبع کرائی تھی۔ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ''قرآنی اساسِ انقلاب''، سورۃ العصر کی تفسیر ''قرآنی اصولِ انقلاب'' اور سورۃ الاخلاص اور معوذتین کی تفسیر ''قرآنی فکرِ انقلاب'' بھی مولانا لدھیانویؒ نے اپنے ادارہ بیت الحکمت کی طرف سے یکے بعد دیگرے کتابی صورت میں شائع کیں۔ اور سورۃ المجادلہ سے لے کر سورۃ التغابن کی تفسیر مولانا سندھیؒ کی زندگی میں ہی مرتب ہوئی تھی، یہ سورتیں سب سے پہلے ہفت روزہ ''خدام الدین''، لاہور میں حضرت مولانا سندھیؒ کے شاگرد مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے قسط وار شائع کرائیں، چنانچہ ''خدام الدین'' کے 1964ء اور 1965ء کے شماروں میں یہ سورتیں بالاقساط شائع ہوئیں۔ بعد میں یہ سورتیں ''خدام الدین'' کے شماروں سے لے کر شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن نے کتابی صورت میں الگ الگ شائع کیں۔

''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے پہلے ایڈیشنوں میں بغیر کسی ترتیب کے انہی مطبوعہ کتابوں کو جمع کر دیا گیا تھا، حسن اتفاق سے ہمیں مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے صاحبزادگان

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

محترم جناب بلال احمد اور محترم جناب ہلال احمد صاحبان کی جانب سے ''رحیمیہ لائبریری'' کے لئے مولانا لدھیانویؒ کی کتابوں کا ذخیرہ دستیاب ہوگیا، جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک کی تفسیر خود مولانا کے قلم سے لکھی ہوئی مل گئی، موجودہ ایڈیشن میں اس قلمی مسودہ سے مقارنہ کر کے تصحیحات کردی گئی ہیں، نیز دیگر سورتوں کے مطبوعہ قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر ان کا مقارنہ بھی کیا گیا ہے، اس طرح کتاب کا یہ ایڈیشن زیادہ جامع اور مکمل شکل میں طبع ہو رہا ہے۔

چونکہ اس کتاب میں موجود افکار و تعلیمات اور اس کی ترتیب و تدوین کے حوالہ سے تین شخصیات کا اہم کردار ہے۔ اس لئے اس ایڈیشن میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور کتاب کے مرتب مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کے حالاتِ زندگی کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اس تفسیری مجموعہ سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں گے اور زیادہ سے زیادہ نوجوانوں تک اس کی تعلیمات اور افکار کو پھیلانے کی جدوجہد اور کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ولی اللہی جماعت کے دیگر تمام رہنمایانِ قوم کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے فکر و عمل کو سمجھنے اور آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالخالق آزاد

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور

31 مئی 2009ء

☆☆☆☆

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ

نقوشِ زندگی

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ، جن کے افکار ونظریات کی اساس پر امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے افکارِ عالیہ مرتب و مدون فرمائے ہیں، کے نقوشِ زندگی کا مطالعہ قارئین ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے لئے مفید ہوگا۔ تاکہ اس دور کے مجدد حضرت الامام دہلوی کی زندگی کے حالات اور افکار ونظریات کے ارتقاء وتطوّر کا صحیح طور پر اندازہ ہو جائے۔ (آزاد)

❁ شاہ صاحب کا نام ''احمد'' ہے اور ''ولی اللہ'' عرفیت ہے۔ آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ ابوالفیض ہیں۔ جو اپنے وقت کے جید علماء میں سے تھے۔ اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک رہے تھے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ سیدہ ''فخر النساء'' ہیں جو شیخ محمد پھلتیکی بیٹی تھیں اور نہایت عابدہ، زاہدہ اور عالمہ خاتون تھیں۔ شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی جانب سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ اور والدۂ ماجدہ کی جانب سے حضرت موسیٰ کاظم اور حضرت علیؓ تک جاتا ہے۔ (1)

❁ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ولادت باسعادت ضلع مظفر نگر کے قریب واقع قصبہ ''پھلت'' میں ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ (21 فروری 1703ء) بروز بدھ، بوقت طلوعِ آفتاب ہوئی یہ سال علویین کے قران کا سال تھا۔ آپ کے شاگرد مولانا محمد اعظم کشمیری نے تاریخ ولادت

''ابرِ کرم، بحرِ حلم، عالی نسب، والا مکان''

کے مصرعہ سے نکالی ہے۔ (2)

❁ شوال ۱۱۱۹ھ (فروری 1708ء) میں پانچ سال کی عمر میں مکتب میں تعلیم کے لئے بٹھائے گئے اور سات سال کی عمر میں قرآن حکیم ختم کیا اور دہلی میں مروجہ نصابِ تعلیم کے مطابق علوم وفنون اور تفسیر واحادیث کی کتابوں کی تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ اور دس برس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی عمر میں تھے کہ از خود مطالعہ سے کتابوں کو حل کرنے کی استعداد پیدا ہوگئی۔ آپ نے ۱۵ر سال کی عمر میں اپنے دور کے تمام علوم وفنون پر عبور حاصل کرلیا تھا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں:

''پندرہ سال کی عمر میں میں نے تمام علوم وفنون پڑھ لئے تھے، اور اسی سال قرآن حکیم میں کامل غور وفکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درسِ قرآن میں حاضری کی توفیق ملی۔ اس طرح کئی بار میں نے حضرت والد ماجد سے متن قرآن پڑھا اور یہی میرے حق میں ''فتح عظیم'' کا باعث ہوا''۔ (3)

❁ ۱۱۲۸ھ (1716ء) میں چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی۔

❁ ۱۱۲۹ھ (1717ء) میں ظاہری تعلیم مکمل ہوئی اور اس کے بعد تربیتِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ خود لکھتے ہیں:

''پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغالِ صوفیہ خصوصاً مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مصروف ہوگیا اور ان کی توجہ اور تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیاء حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلہ کو درست کرلیا''۔ (4)

❁ ۱۲ر صفر ۱۱۳۱ھ (4 جنوری 1719ء) کو جب آپ کی عمر سولہ سال پانچ ماہ تھی، تو آپ کے والد گرامی (شاہ عبد الرحیم دہلویؒ) کا انتقال ہوا، آپ نے مرض الموت کے دوران شاہ صاحب کو بیعت وارشاد کی اجازت دی، اور یہ جملہ فرمایا: ''یَدُہٗ کَیَدِیْ'' (شاہ ولی اللہ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے) اور اپنا قائم مقام بنایا۔ (5)

❁ شاہ صاحب اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد ''مدرسہ رحیمیہ'' دہلی میں ان کی مسندِ درس پر درس وتدریس کے فرائض سر انجام دینے لگے۔ اور مسلسل 12 سال کتب تفسیر، حدیث اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔ اس دوران ہر علم میں خاص درک اور ملکہ حاصل ہوا، اس دوران علمی صلاحیت واستعداد کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ آپ نے زندگی کے عملی پہلوؤں کے حوالہ سے حکمت عملی اور اس کے بنیادی اُمور کا فہم بھی پیدا کیا۔ جو آپ کے والد گرامی کی عملیت پسند طبیعت کے سبب ہوا۔ (6)

❁ ۱۱۳۵ھ (1723ء) میں 20 سال کی عمر میں پہلی مرتبہ سفرِ حج کے ارادہ سے دہلی سے روانہ ہوئے، متعلقین، علماء اور طلباء کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ طویل

(c) ketabton.com: The Digital Library

سفر طے کر کے ساحل سمندر پر سورت کے قریب شہر ''کھمبایت'' میں چند روز قیام فرمایا۔ حجاز کے لئے حج کے جہازوں کی روانگی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے بالقاءِ خداوندی سفرِ حج کا ارادہ ملتوی کر کے واپس دہلی تشریف لائے۔ اس سفر میں بہت کچھ تجربات، مشاہدات اور مکاشفات ظاہر ہوئے۔ اور اس دوران آپ مُفَهَّمِیّت اور مُحَدَّثِیّت سے مشرف ہوئے۔ اس مقام کے اسرار و علوم آپ نے اپنی تصنیف ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں بیان فرمائے ہیں۔ (7)

❁ ۸ ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ (21 اکتوبر 1730ء) کو دوسری مرتبہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کے مبارک سفر پر روانہ ہوئے۔ اور یہ سفر دہلی سے براستہ پانی پت، سرہند، لاہور، ملتان، سندھ میں ٹھٹھہ سے ہوتے ہوئے سورت کی بندرگاہ تک ہوا۔ اور پھر وہاں سے بحری جہاز پر سوار ہوئے۔ اس سفر میں لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کے علماء اور طلباء نے آپ سے خوب استفادہ کیا، خاص طور پر مخدوم محمد معین ٹھٹھویؒ اور دیگر اہل سندھ نے آپ سے بیعت ہو کر شرفِ اجازت حاصل کی۔ (8)

❁ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۴۳ھ (22 مئی 1731ء) مکہ معظمہ میں پہنچے اور عمرۂ تمتع ادا کیا۔ اور پھر اسی سال ذی الحج میں حج کی سعادت حاصل کی۔ اور بیت اللہ الحرام کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران وہاں کے اکابر علماء اور فضلاء نے آپ سے خوب استفادہ کیا اور علمی تبادلۂ خیالات کیا۔ علمی اور فکری مسائل میں مشکل مقامات کو حل کرنے اور عقل و شعور اور فہم و تدبر کے اظہار کی وجہ سے آپ مکہ معظمہ میں بہت ہر دلعزیز ہو گئے اور لوگ جوق در جوق استفادہ کے لئے آنے لگے۔ (9)

❁ ماہِ ربیع الاول ۱۱۴۴ھ (ستمبر 1731ء) میں آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور روضۂ اقدس پر حاضری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار عنایات و توجہات سے مشرف ہوئے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہاں کے علماء نے آپ سے خوب استفادہ کیا، خاص طور پر شیخ عبد الکریم انصاری (جو حضرت انس ابن مالکؓ کی اولاد میں سے تھے) اور مسجد نبویؐ کے اُستاد شیخ محمد طیب جو مدینہ کے بڑے عالم اور فاضل اساتذہ میں سے تھے، نے آپ سے استفادہ کیا، مدینہ منورہ کے قیام کے دوران

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خود شاہ صاحب نے مدینہ کے سن رسیدہ بزرگ عالم دین حضرت شیخ ابوطاہر الکردی المدنی سے تلمذ حاصل کیا اور ان سے بہت متاثر ہوئے۔ صحاح ستہ کی اجازت لی اور اپنی سندِ حدیث کو بلند کیا۔(10)

❁ ۱۵ر شعبان ۱۱۴۴ھ (12 فروری 1732ء) کو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ دوبارہ تشریف لائے اور ماہِ رمضان میں مسجد الحرام میں اعتکاف کیا اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے اور اسی دوران کتاب ''فیوض الحرمین'' تحریر فرمائی۔ جس میں آپ نے ''فَکُّ کُلِّ نِظَام'' (ہر بوسیدہ نظام کو توڑ دو) کے اصول پر انقلاب کا نظریہ دیا۔

مکہ معظمہ کے قیام کے دوران ہی آپ کی والدۂ محترمہ سیدہ فخر النساء کا دہلی میں انتقال ہوگیا، اطلاع ملنے پر حرم شریف کے تمام علماء اور معززین نے آپ سے تعزیت کی۔ اسی سال ذی الحج میں آپ نے دوسرا حج ادا کیا۔(10)

❁ ربیع الآخر ۱۱۴۵ھ (1732ء) میں حجاز سے روانہ ہوکر 23 روز میں سورت کی بندرگاہ پہنچے اور دکن کے راستہ سے گوالیار اور آگرہ ہوتے ہوئے ۱۴ر رجب ۱۱۴۵ھ بروز جمعۃ المبارک (2 جنوری 1733ء) کو دار السلطنت شاہ جہان آباد (دہلی) واپس تشریف لائے۔(11)

❁ حرمین شریفین کے سفر سے واپس آنے کے بعد وہاں سے حاصل کردہ علوم و معارف اور فیوضات و برکات کی اساس پر آپ نے اپنے فکر و فلسفہ کو مرتب کرنے کی طرف اپنی پوری توجہ فرمائی، چنانچہ تقریباً دو سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۱۴۷ھ (1734ء) میں آپ نے اپنی شاہکار کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' تصنیف فرمائی۔(12)

اس کتاب میں شاہ صاحب نے اپنا فکر و فلسفہ جامع اور مکمل شکل میں مدوّن فرمایا ہے، کائنات کی حقیقت و ماہیت کیا ہے، اس سلسلہ میں آپ نے قرآنی علوم کے عمیق مطالعہ سے کائنات میں جاری ''کمالاتِ اربعہ'' یعنی ''ابداع''، ''خلق''، ''تدبیر'' اور ''تدلی'' کا تعین کیا اور یہ بیان کیا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے ان کمالاتِ اربعہ کا ظہور ہے، اور یہ چاروں کمالات دین کی تفہیم کے اساسی اُمور ہیں، انہیں سمجھے اور مانے بغیر شریعت کے احکامات کے راز معلوم نہیں ہوسکتے۔ اس کے بعد انسان کی حقیقت و ماہیت بیان کی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے، اور "تدلیات" کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق پیدا کرنے کا نظام، "شعائر اربعہ"، یعنی "القرآن"، "الکعبہ"، "النبی" اور "الصلوٰۃ" کی صورت میں بیان کیا۔ اور ان شعائر اللہ کے ذریعہ سے انسانیت میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں، اس حوالہ سے بنیادی اخلاق کا تعین، "اخلاقِ اربعہ" یعنی "طہارت"، "اخبات الی اللہ"، "سماحت" اور "عدالت" کی صورت میں کیا۔ پھر انسانی معاشروں میں "عدالت" کی اساس پر قائم ہونے والے "ارتفاقاتِ اربعہ" کے مراحل کی نشاندہی کی ہے، "ارتفاقِ اول" کے مرحلہ میں عدل کے اصول پر ایک فرد کی ذات کو حاصل ہونے والی سہولیات کا تذکرہ کیا ہے، دوسرے مرحلہ میں خاندان اور عائلی سہولیات اور ترقیات کا "ارتفاقِ دوم" بیان فرمایا۔ اور "ارتفاقِ سوم" یعنی تیسرے مرحلہ میں عدل کے اصول پر قومی سطح کے سیاسی، معاشی، عمرانی نظام اور سماجی معاملات کی اہمیت بیان کی ہے اور اسے بنیادی ارتفاق قرار دیا ہے۔ اور "ارتفاقِ چہارم" کے حوالہ سے چوتھے مرحلہ میں بین الاقوامی سطح پر ممالک اور اقوام کے درمیان عدل و انصاف پر مبنی تعلقات کے بنیادی اُمور کی نشاندہی کی ہے۔ اس طرح انسانیت کے اللہ تعالیٰ سے تعلق سے لے کر دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ ذاتی، عائلی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات کا ایک مربوط نظام اور اس کا بنیادی فکر و فلسفہ شاہ صاحب نے متعین کیا، اور نیکی اور بدی کے تصورات کی وضاحت کی ہے، اور تمام قرآنی احکامات کو انہی سولہ اُمور کے تناظر میں سمجھنے کا طریقہ بیان فرمایا، اور پھر احادیث نبویہؐ کے اسرار بھی اسی تناظر میں بیان فرمائے ہیں۔

اس کتاب میں شاہ صاحب نے نہ صرف اپنا فکر و فلسفہ بیان کیا ہے بلکہ اس فکر و فلسفہ کی اساس پر عملی طور پر اقدامات کرنے اور انقلاب کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہمیت بھی بیان کی ہے۔ ارتفاقات کی بحث کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"یجب بذل الجهد علی اهل الآراء الکلیة فی اشاعة الحق و تمشیته و اخمال الباطل و صده فربما لم یمکن ذالک الا بمخاصمات او مقاتلات فیعد کل ذالک من افضل اعمال البر". (13)

"مفادِ عامہ کی سوچ رکھنے والوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ حق کے پھیلاؤ اور غلبہ اور باطل کو مٹانے اور روکنے کے لئے جدوجہد اور کوشش کریں اور بسا اوقات یہ کام اُس

(c) ketabton.com: The Digital Library

وقت تک ممکن نہیں ہوتا، جب تک کہ فرسودہ نظام کو توڑنے کے لئے جہاد و قتال کا عمل نہ کیا جائے، ایسے زمانہ میں یہ کام کرنا نیکیوں کے تمام اعمال سے افضل ہے"۔(13)

❁ جمادی الاخریٰ ۱۱۴۸ھ (اکتوبر، نومبر 1735ء) میں آپ نے اپنی کتاب "ہمعات" کی تالیف مکمل فرمائی۔(14) اس کتاب میں شاہ صاحب نے طریقت کی تاریخ اور اس کا فلسفہ متعین کیا ہے، اور اسی دوران آپ نے اپنی دیگر تصانیف بھی تحریر فرمائیں، اندازہ ہے کہ آپ کی عربی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں اسی دور کی ہیں، اس طرح حرمین شریفین سے واپسی پر آپ نے زیادہ تر تصنیف و تالیف کے کام سرانجام دیتے ہیں۔

❁ سال ۱۱۴۸ھ (1735ء) شروع ہوا تو حضرت شاہ صاحب نے پیشین گوئی فرمائی کہ اہل دہلی پر مصائب و مشکلات پیدا ہونے والی ہیں۔ چنانچہ دَکنی فوج کا حملہ اور نادر شاہ کا قتل عام وغیرہ برپا ہوئے۔ اور دہلی اور گرد و نواح کو لوٹ لیا گیا۔(15)

❁ ۲۴ر شعبان ۱۱۵۰ھ (17 دسمبر 1737ء) کو حضرت شاہ صاحب قصبہ پُھلت تشریف لائے اور کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا۔ ساداتِ بارہ سے مغلیہ فوج کی لڑائی کے زمانہ میں آپ پُھلت میں ہی قیام پذیر رہے۔(16)

❁ اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ (دسمبر 1738ء) کو آپ نے اپنا تحریر کردہ ترجمہ قرآن حکیم "فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" مکمل فرمایا۔ حرمین شریفین کے سفر سے قبل ہی آپ نے ترجمہ قرآن لکھنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن حرمین شریفین کے سفر کی وجہ سے یہ کام رُک گیا اور حرمین سے واپس آنے کے بعد دیگر تصانیف میں مشغولیت کی وجہ سے کئی سال تک ترجمہ قرآن کریم کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ بالآخر ۱۰ر ذی الحج ۱۱۵۰ھ (31 مارچ 1738ء) کو آپ نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا اور اوائل شعبان ۱۱۵۱ھ (نومبر 1738ء) میں اس کا مسودہ تیار کر لیا اور نظر ثانی کے بعد اوائل رمضان میں ترجمہ قرآن کریم مکمل ہوا اور اس کے پانچ سال بعد ۱۱۵۶ھ (1743ء) میں آپ کے اولوالعزم شاگرد مولانا خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہی کی محنت و ہمت سے اس ترجمہ کے پڑھنے پڑھانے کا رواج عام ہوا۔ اس ترجمہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ شاہ صاحب مقدمہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں:

"ہر دور کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، ہر زمانہ اور ہر ایک علاقہ میں مسلمانوں کی خیر

(c) ketabton.com: The Digital Library

خواہی اور بھلائی کا کام ایک نئے رنگ کا حامل ہوتا ہے، اس لئے علمائے دین اور اہل یقین کے بڑے بڑے لوگ تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، سلوک وغیرہ میں متنوع تصانیف و تالیف لکھتے رہے ہیں... ہم جس دور میں ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ روزمرہ کی سلیس فارسی زبان میں کیا جائے، اس کی عبارت ہر قسم کے تصنع اور بناوٹ سے پاک ہو، اس میں قصص و واقعات اور غیر ضروری توجیہات وتشریحات کے بجائے ایسا سادہ ترجمہ ہو جو عوام وخواص کو یکساں طور پر سمجھ میں آجائے''۔(17)

❁ شعبان، رمضان ۱۱۵۶ھ (اکتوبر 1743ء) میں حضرت شاہ صاحب نے چالیس روز کا اعتکاف فرمایا اور ان دنوں میں بے شمار حقائق و معارف بیان فرمائے۔ اور اس کے بعد اپنی وفات تک ہر سال شعبان اور رمضان میں اپنے مخصوص احباب کے ہمراہ چالیس روز کا اعتکاف فرماتے رہے۔ جس میں خاص طور پر مولانا نور اللہ بڈھانویؒ، مولانا محمد عاشق پھلتیؒ، اور دیگر اہم علماء اور صاحبزادگان اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، ان ایام میں آپ پر خاص کیفیت طاری ہوتی اور آپ پر بے انتہاء علوم و معارف، حقائق و مکاشفات، معارفِ خاصہ اور اسرارِ غامضہ ظاہر ہوتے تھے اور آپ پورے انشراح اور بسط کے ساتھ مخصوص احباب کی مجلس میں انہیں بیان فرماتے تھے۔(18)

❁ رمضان ۱۱۶۸ھ (جون 1755ء) میں اعتکاف کے دوران جن مضامین کا القاء ہوا اُن کی اساس پر آپ نے اپنی کتاب ''سطعات'' تحریر فرمائی۔(18) جس میں آپ نے کائنات کا ''طلسم الٰہی'' تجلیات و تدلیات کے تناظر میں بیان کیا ہے، اور آیت اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تشریح وتفسیر فرمائی ہے۔

❁ ۱۱۷۳ھ (1759ء) کے فتنہ کے زمانہ میں آپ نے اہالیانِ قصبۂ بڈھانہ کی درخواست پر دہلی سے ہجرت کر کے قصبۂ بڈھانہ میں قیام فرمایا اور اس سال ماہِ رمضان المبارک کا اعتکاف بھی یہاں ہی فرمایا، اس رمضان میں آپ پر بڑے ''واردات'' ہوئے، جس کی تفصیل ''القول الجلی'' میں ہے۔ آپ ۸/ ذی الحج ۱۱۷۵ھ (یکم جون 1762ء) تک اپنی زندگی کے آخری دو سال بڈھانہ میں ہی تشریف فرما رہے۔(20)

❁ ماہِ رمضان ۱۱۷۳ھ (اپریل 1760ء) میں آپ نے بڈھانہ میں ہی اعتکاف فرمایا اور اس دوران معارف اسرارِ شریعہ اور حقائق الٰہیہ کونیہ بیان فرمائے اور اسی دوران اپنے ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

حقائق کو "لائحات" کے نام سے تحریر فرمایا، جس کی تفصیل القول الجلی میں ہے۔(21)

❁ ماہِ شعبان رمضان ۱۱۷۵ھ (فروری، مارچ 1762ء) حسب معمول آپ نے قصبۂ بڈھانہ میں اعتکاف فرمایا، اسی دوران ۸/رمضان (2اپریل 1762ء) کو آپ کے بازو میں تکلیف شروع ہوئی، کافی علاج معالجہ ہوتا رہا، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، بالآخر ۸/ذی الحج ۱۱۷۵ھ (یکم جون 1762ء) کو آپ بڈھانہ سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں بھی مسلسل طبیعت خراب رہی، تمام اطباء حاضر رہے، ہر ایک نے اپنی تشخیص کے مطابق مختلف تدابیر کیں، لیکن کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا، ان ایام میں رقت قلبی بہت بڑھ گئی تھی۔(22)

❁ ۳۰/محرم الحرام ۱۱۷۶ھ (21اگست 1762ء) بروز ہفتہ کو صبح کے وقت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اُن کی آمد پر تخلیہ کرایا گیا، چند مخصوص احباب کے علاوہ سب کو کمرہ سے باہر کردیا گیا اور حلقۂ مراقبہ قائم ہوا، آدھ گھنٹہ مجلس قائم رہی، مجلس مراقبہ ختم ہوئی تو مرزا صاحب نے اجازت چاہی، اُسی وقت آپ کا مزاج متغیر ہونا شروع ہوا اور آناً فاناً وصال کے آثار ظاہر ہوئے اور اُسی روز ظہر کے وقت آپ کی روحِ پاک عالمِ قدس کی طرف پرواز کرگئی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔(23)

❁ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی زندگی میں اپنی جانشین جماعت تیار کی۔ یوں اکسٹھ سال کے مختصر عرصہ میں حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب کی زندگی نے انسانی زندگیوں کو سنوارنے کا ڈھنگ، جینے کی اُمنگ، قلب کی پختگی، عقل کا شعور اور روح کی بالیدگی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

(1) انفاس العارفین، القول الجلی۔

(2) القول الجلی فی مناقب الولی، مؤلفہ شاہ محمد عاشق پُھلتی، ص ۱۱، مطبوعہ دہلی۔

(3) انفاس العارفین ص ۲۰۴۔

(4) ایضاً ص ۲۰۵۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(5) ایضاً۔

(6) القول الجلی خلاصہ ص ۱۳۶ تا ص ۱۳۸۔

(7) القول الجلی ص ۱۴۸۔

(8) ایضاً ص ۱۵۰۔

(9) ایضاً ص ۱۵۱، ۱۵۴۔

(10) ایضاً ص ۱۵۶۔

(11) ایضاً ص ۱۵۷۔

(12) ہمعات کے آخر میں شاہ صاحب نے اس کی تاریخ تالیف لکھی ہے، ''جمادی الآخر ۱۱۴۸ھ'' اور ہمعات میں اخلاقِ اربعہ کی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''ہر کہ این را بہ تفصیل خواہد باید کہ بہ کتابِ ما ''حجۃ اللہ البالغہ'' رجوع کندہ'' ''جو آدمی ان اخلاقِ اربعہ کی تفصیل کا خواہشمند ہے وہ ہماری کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا مطالعہ کرے''۔(ہمعات ص ۹۶) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے ۱۱۴۸ھ سے پہلے آپ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' تحریر فرمالی تھی۔ اندازہ ہے کہ حرمین شریفین کے سفر کے فوراً بعد آپ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' لکھنی شروع کی۔ اور دو سال کے عرصہ میں ۱۱۴۷ھ میں مکمل کر لی۔ (آزاد)

(13) حجة الله البالغه، باب الرسوم السائره فی الناس، ص ۱۰۴، عربی، طبع بیروت۔

(14) ہمعات ص ۱۳۵، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، سندھ۔

(15) القول الجلی ص ۱۹۸۔

(16) القول الجلی ۱۹۴۔

(17) مقدمہ فتح الرحمٰن ص الف، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۶ء

(18) القول الجلی ص ۲۰۸۔

(19) القول الجلی ص ۳۱۱۔

(20) القول الجلی ص ۳۳۰۔

(21) القول الجلی ص ۳۴۶۔

(22) ایضاً ص ۳۶۲۔

(23) ایضاً ۳۶۵، ۳۶۶۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

شخصیت و کردار

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ جن کی تفسیری افادات ''قرآنی شعورِ انقلاب'' میں پیش کئے جا رہے ہیں، ان کے مختصر حالاتِ زندگی اور شخصیت و کردار کا ایک خاکہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (آزاد)

❁ مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ (10 مارچ 1872ء) بروز جمعۃ المبارک طلوعِ فجر سے پہلے سیالکوٹ کے قریب ایک گاؤں ''چیانوالی'' میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ذہانت و فطانت کے آثار ظاہر تھے۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے چار ماہ پہلے فوت ہو چکے تھے، آپ کی پیدائش کے دو سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا، اور ان کی والدہ انہیں لے کر اپنے والدین کے گھر جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان چلی گئیں۔

❁ ۱۲۹۵ھ (1878ء) چھ سال کی عمر میں جام پور کے اُردو مڈل سکول میں تعلیم کا آغاز ہوا، آپ نے اپنے تعلیمی عرصہ میں ریاضی، الجبرا، اُقلیدس اور تاریخ ہند سے متعلق علوم وفنون بڑی دلچسپی سے پڑھے۔ تاریخ و فلسفہ اور ریاضی آپ کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ اسی دوران آپ کو مطالعہ کی عادت پڑ گئی، جو کتاب بھی دستیاب ہوتی اُسے پڑھ ڈالتے تھے۔

❁ ۱۳۰۱ھ (1884ء) کتاب ''تحفۃ الہند'' آپ کے ہاتھ لگی جو ایک برہمن سے مسلمان ہونے والے عالم مولوی عبید اللہ مالیر کوٹلوی کی لکھی ہوئی تھی۔ اس میں ہندوؤں کے عقائد کی کمزوری دلائل سے واضح کی گئی تھی۔ خود فرماتے ہیں:

> ''میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی پابندی سے کیا، یہاں تک کہ میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا، بلکہ اسے حفظ کر لیا، اس کتاب کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے عقائد اسلام قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائی''۔ (1)

www.ranmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

❁ اس کے بعد تین سال تک خفیہ طور پر نماز روزہ اور شریعت کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے، اسی دوران حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پڑھی، اس سے عقائد اسلام مزید پختہ ہوگئے، اسی دوران رمضان ۱۳۰۴ھ کے کچھ روزے بھی رکھے لیکن گھر والوں کی سختی کی وجہ سے باقی ترک کرنا پڑے۔

❁ ۲۴/ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ (15 اگست 1887ء) کو جب کہ آپ مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے، اظہارِ اسلام کے لئے اپنے وطن سے نکلے اور کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ میں پہنچے، ۹/ذی الحج ۱۳۰۴ھ (29 اگست 1887ء) کو سنتِ تطہیر اداء ہوئی، اس کے چند روز بعد آپ کے رشتہ دار آپ کا تعاقب کرنے لگے، تو سندھ میں جا کر اسلام کا اعلان کیا۔ تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر آپ نے اپنا نام ''عبید اللہ'' پہلے ہی رکھ لیا تھا، اسی دوران عربی صرف ونحو کی کتابیں ایک طالب علم سے پڑھنا شروع کر دیں۔

❁ صفر ۱۳۰۵ھ (1888ء) میں سید العارفین شیخ المشائخ حضرت حافظ محمد صدیق بھر چونڈی والے کے ہاتھ پر بیعت کی، انہوں نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی، وہ راشدیہ قادریہ طریقہ کے امام تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی صحبت و رفاقت میں کچھ عرصہ گزارا تھا، جب وہ ہندوستان سے بالاکوٹ کی طرف جاتے ہوئے ''پیر جو گوٹھ'' سندھ میں اُن کے پیر حضرت پیر صبغۃ اللہ شاہ راشدی کے پاس قیام فرما ہوئے تھے۔

❁ مولانا سندھیؒ نے سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب کے پاس تقریباً دو ماہ قیام کیا، اور اُن کی مجالس اور حلقہ ذکر میں بڑی پابندی سے شریک رہے۔ اور حضرت کی توجہ بھی آپ کی طرف انتہاء درجہ رہی۔ اس دوران اُن کی صحبت میں رہ کر اُن کی توجہ اور محبت سے خوب فائدہ اُٹھایا، انہوں نے حضرت سندھیؒ کو اپنا بیٹا بنا کر توجہِ باطنی ڈالی اس اجتماعِ صالح کی برکت سے مولانا سندھیؒ کے قلب میں معاشرتِ اسلامیہ راسخ ہوگئی، اور انہوں نے یہ دعاء بھی دی: ''خدا کرے عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالہ پڑ جائے''۔ یہ اسی دعاء کا اثر تھا کہ اللہ نے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

❁ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ (1887ء) سید العارفین کے خلیفہ اوّل حضرت مولانا

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ابوالسراج غلام محمد صاحب کے پاس دین پور نزد خانپور تشریف لے آئے، چھ ماہ یہاں قیام کیا اور ہدایت النحو تک کی کتابیں یہیں مولانا عبدالقادر صاحب سے پڑھیں، حضرت خلیفہ صاحب نے ان کے والدہ کو خط لکھوایا، وہ آگئیں اور واپس لے جانے کے لئے بڑا زور لگایا، مگر مولانا سندھیؒ ثابت قدم رہے، اور والدہ کے ساتھ نہیں گئے۔

❁ شوال ۱۳۰۵ھ (جون 1888ء) دین پور سے "کوٹلہ رحم شاہ" ضلع مظفر گڑھ چلے آئے، اور مولانا خدابخش صاحب سے کافیہ پڑھا۔

❁ صفر ۱۳۰۶ھ (اکتوبر 1888ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ چھ مہینے تک قطبی تک منطق اور فلسفہ کے رسائل متفرق اساتذہ سے پڑھتے رہے، ایک فاضل استاذ سے عربی کتابوں کے مطالعہ کا صحیح طریقہ سیکھ لیا اور محنت سے ترقی کا راستہ کھلتا چلا گیا، اس سال کے باقی کچھ مہینے رام پور میں مولانا احمد حسن کانپوریؒ (شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے مدرسہ میں رہ کر منطق اور فلسفہ کی کتابیں مکمل کیں۔

❁ صفر ۱۳۰۷ھ (اکتوبر 1889ء) دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور ابتدائی دو تین ماہ مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اصولِ فقہ، علم الکلام کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور باقی فقہ اور اصولِ فقہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھیں، اور شعبان ۱۳۰۷ھ میں سالانہ امتحان میں شریک ہوئے اور کلاس میں اوّل آئے، امتحان میں مولانا سید احمد دہلویؒ مدرس اوّل نے حضرت سندھیؒ کے جوابات کی بڑی تعریف کی، اور یہ فرمایا:

"اگر اس کو کتابیں ملیں تو یہ شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا"

اسی دوران حضرت سندھیؒ نے بہت عمدہ خواب دیکھے، چنانچہ آپ نے خواب میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی زیارت کی اور پھر کچھ عرصہ بعد خواب میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی۔

❁ رمضان ۱۳۰۷ھ (اپریل 1890ء) میں اصولِ فقہ پر آپ نے ایک رسالہ لکھا، اس کا نام "مراصد الوصول الی مقاصد الاصول" رکھا، جسے حضرت شیخ الہند کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے پسند فرمایا۔ اس رسالہ میں متشابہات کے سلسلہ میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ راسخین فی العلم وہبی علم سے ان کی تاویل جانتے ہیں۔

www.rahnimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

❁ شوال ۱۳۰۷ھ (مئی 1890ء) میں دار العلوم دیوبند میں تفسیر بیضاوی پڑھی اور ۱۳۰۸ھ میں دورۂ حدیث کی تمام کتابوں میں شریک ہوئے، جامع ترمذی حضرت مولانا شیخ الہند سے پڑھی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سنن ابی داؤد گنگوہ جا کر پڑھی، اسی دوران حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمام کتابیں مطالعہ کیں۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سے انہیں سمجھا۔

❁ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ (نومبر 1890ء) میں بیمار ہو کر دہلی علاج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہند کی سفارش سے حکیم محمود خان سے علاج کروایا، جس سے بہت افاقہ ہوا، اسی دوران حکیم صاحب کے کتب خانہ میں بہت سی کتابیں مطالعہ کیں۔ صحت مند ہونے کے بعد حضرت شیخ الہند کی اجازت سے دہلی سے سیدھا سندھ تشریف لے آئے، رجب ۱۳۰۸ھ (فروری 1891ء) میں حضرت شیخ الہند نے درس و تدریس کا اجازت نامہ تحریر فرما کر دے دیا۔

❁ ۲۰ / جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ (فروری 1891ء) کو دہلی سے سیدھا سندھ میں بھر چونڈی شریف پہنچے، آپ کے پیر و مرشد حضرت سید العارفین آپ کے آنے سے 10 دن پہلے وفات پا چکے تھے۔ رمضان ۱۳۰۸ھ تک آپ نے بھر چونڈی میں قیام کیا اور اس دوران مولوی کمال الدین نے آپ سے سنن ابی داؤد پڑھی۔

❁ شوال ۱۳۰۸ھ (مئی 1891ء) سے سید العارفین کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹی کے پاس امروٹ ضلع سکھر تشریف لے گئے اور وہیں آپ کی شادی ہوئی، اور ۱۳۱۵ھ (1897ء) تک امروٹ شریف میں کتبِ حدیث، تفسیر اور اس کے تمام متعلقات کی درس و تدریس اور مطالعۂ کتب میں مصروف رہے۔ اور اس دوران سندھ کی اہل علم کی بہت بڑی جماعت نے آپ سے تعلیم حاصل کی، ان سات سالوں میں مولانا سندھیؒ نے تفسیر قرآن کے حوالہ سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں ''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن''، ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کو پوری توجہ سے پڑھایا اور آیاتِ قرآنیہ کا ربط اور پھر سورتوں کے ابواب اور فصول مقرر کرنے کا کام کیا، احادیث اور فقہ کے درس کے لئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''المسوّیٰ فی احادیث الموطا''، سیر و

(c) ketabton.com: The Digital Library

سیاست کے درس لئے ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' پڑھائیں۔اور شاہ عبد العزیز دہلویؒ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کے منتخب مقالات بڑی پابندی سے پڑھائے۔اس طرح آپ کو ان سات سالوں میں ولی اللہی طریقہ پر تعلیم و تدریس کا ملکہ پیدا ہوگیا۔(2)

❁ امروٹ میں اپنے قیام کے دوران آپ نے درجِ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱) تعلیق علی معانی الآثار للامام الطحاوی۔
(۲) تعلیق علی فتح القدیر لمحقق ابن الہمام۔
(۳) فتح السلام فی شرح بلوغ المرام۔
(۴) شرح سفر السعادۃ للفیروز آبادی۔
(۵) تخریج مافی الباب للامام الترمذی۔
(۶) تخریج احادیث غنیۃ الطالبین للشیخ عبد القادر جیلانی۔
(۷) ازالۃ الشبہ عن فرضیۃ الجمعۃ۔
(۸) تہذیب رفع الیدین للامام البخاری۔
(۹) تنسیق احادیث بدء الوحی من الجامع الصحیح۔
(۱۰) سندھی ترجمہ قرآن حکیم میں حضرت مولانا تاج محمود امروٹی کے معاون کے طور پر کام کیا۔

❁ اسی دوران نشر و اشاعت کا ایک ادارہ ''مطبع محمودیہ'' قائم کیا اور اس مطبع سے سندھی زبان میں ایک ماہنامہ ''ہدایۃ الاخوان'' کے نام سے شروع کیا اور اسی مطبع سے کتاب ''عقیدۃ الامام الطحاوی'' شائع کی۔

❁ امروٹ شریف کے اسی قیام کے دوران طریقۂ راشدیہ مجددیہ میں آپ نے سلوک بھی طے کیا، اور حضرت مولانا تاج محمود امروٹی اور حضرت ابوالسراج مولانا غلام محمد دین پوریؒ نے آپ کو اجازت و خلافت بھی عنایت فرمائی اور طریقت کی تلقین کا حکم فرمایا۔ اسی طرح بعد میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سلسلہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

❁ رمضان ۱۳۱۵ھ (نومبر 1897ء) آپ دیوبند تشریف لائے اور حضرت

(c) ketabton.com: The Digital Library

شیخ الہندؒ کی صحبت اُٹھائی اور حضرت کی خدمت میں اپنی تصانیف پیش کیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے انہیں پسند فرمایا۔ اسی موقعہ پر حضرت شیخ الہندؒ نے سیاسی کام کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس کے لئے دار العلوم کے طرز پر سندھ میں ایک مدرسہ قائم کرنے کا حکم فرمایا۔

❁ شوال ۱۳۱۹ھ (1901ء) کو آپ نے حیدر آباد سندھ کے قریب ''پیر جھنڈا'' میں ایک مرکز ''دار الرشاد'' کے نام سے قائم کیا۔ پھر یہاں سات سال تک آپ نے علمی اور سیاسی کام سرانجام دیئے، اس مرکز میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی تشریف لائے، تعلیم و تربیت کے حوالہ سے نظام کا جائزہ لیا اور اطمینان کا اظہار کیا۔ دار الرشاد میں قیام کے دوران آپ نے خواب میں امام مالکؒ کی زیارت کی نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خواب میں زیارت ہوئی۔

❁ رمضان ۱۳۲۷ھ (1909ء) کو سندھ سے آپ دیوبند منتقل ہوگئے اور اسی سال ۲۷ر رمضان کو ''جمعیۃ الانصار'' قائم کی۔ جس میں دار العلوم دیوبند کے گزشتہ چالیس سال کے فاضلین کی تعلیم و تربیت کا نظام قائم کیا گیا، نیز عوام میں تحریک حریت پیدا کرنے کے لئے اجلاس ہائے عام منعقد کئے گئے۔ چار سال تک آپ نے بڑی محنت اور جدوجہد سے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم کے مطابق کام کیا۔

❁ 1912ء میں جب حکومت برطانیہ نے اپنا دار الحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل کرلیا اور دہلی ہندوستان کی سیاسیات کا نیا مرکز بن گیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت سندھیؒ کو دیوبند سے دہلی بھیج دیا۔ (3) چنانچہ ۱۳۳۱ھ (1913ء) کو آپ نے مسجد فتح پوری چاندنی چوک دہلی میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کی سرپرستی حضرت شیخ الہندؒ، حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک نے کی۔ اس ادارہ میں حضرت سندھیؒ نے قرآن حکیم کی تفسیر ''الفوز الکبیر'' کے اصولوں کی روشنی میں فن اعتبار کے تناظر میں پڑھانا شروع کی۔ اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس سیاسیاتِ حاضرہ کو سامنے رکھ کر دینا شروع کیا۔ دہلی کے اس قیام میں حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کا تعارف ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ سے کرایا۔

❁ جمادی الثانیہ ۱۳۳۳ھ (1915ء) میں آپ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل

(c) ketabton.com: The Digital Library

افغانستان جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور چار مہینے سندھ میں سفر کی تیاری کرتے رہے۔ اور سندھ سے ۳ر شوال ۱۳۳۳ھ (15 اگست 1915ء) میں قندھار کے لئے روانہ ہوئے۔ کوئٹہ بلوچستان ہوتے ہوئے ذی الحج ۱۳۳۳ھ (اکتوبر 1915ء) کے پہلے عشرہ میں کابل پہنچے۔ اور سات سال کابل میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے ایک جماعت ''جنود اللہ الربانیہ'' کے نام سے قائم کی، جو ہندوستان، افغانستان کی آزادی کے لئے جدوجہد اور کوشش کرتی رہی۔ نیز جنگِ عظیم اول کے اختتام کے بعد افغانستان کی حکومت کے اہلکاروں کی تربیت کے لئے تنظیم جنود اللہ کا کام یہ تھا کہ جمہوری اصولوں پر خلافتِ اسلامیہ چلانے کی اُن میں اہلیت پیدا کی جائے، اور تمام مسلمان جماعتوں کو اقتصادیات، سیاسیات اور علوم و افکار کی تعلیم و تربیت دینا بھی اس کے مقاصد میں سے تھا۔ کابل کے قیام کے دوران آپ نے ۱۳۳۴ھ (1916ء) میں کابل میں ''عبوری حکومت ہند'' قائم کی، اور اس کے وزیر خارجہ کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1922ء میں آپ نے کانگریس کمیٹی کابل بنائی، اور اس کے صدر مقرر ہوئے، جس کا الحاق نیشنل کانگریس آف انڈیا نے اپنے اجلاس منعقدہ ''گیا'' میں منظور کیا۔

❁ ۱۳۴۰ھ (1922ء) میں کابل سے خفیہ طور پر ترکی جانے کے لئے براستہ روس روانہ ہوئے۔ اس دوران ماسکو میں سات ماہ قیام فرمایا۔ چونکہ نیشنل کانگریس آف انڈیا سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا اس لئے سوویت روس نے اپنا مہمان بنایا اور مطالعہ کے لئے ہر قسم کے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

> ''میرے اس مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی دینی تحریک کو جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے، اُس زمانہ کے لادینی حملہ سے محفوظ کرنے کے لئے تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا''۔(4)

❁ ۱۳۴۱ھ (1923ء) میں آپ انقرہ، ترکی پہنچے، اور یہاں چار ماہ قیام فرمایا اور عصمت پاشا، رؤف بیک وغیرہ انقلابی رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوئیں، نیز مصر کے مشائخ میں سے شیخ عبدالعزیز جاویش سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ اس کے بعد استنبول تشریف لے گئے اور تین سال وہاں قیام فرمایا اور یورپ کی تاریخ کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا،

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خاص طور پر خلافت عثمانیہ، اس کے ادارے، قومی جمہوری تحریکات، برطانوی ترقیات اور فرانسیسی انقلاب کا مطالعہ کیا۔ترکی کے قیام کے زمانہ میں ہی 15 ستمبر 1924ء کو ہندوستان کے مستقبل کے سیاسی اور معاشی اُمور کو حل کرنے کے لئے ''آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ '' جاری فرمایا۔

❁ ترکی میں تین سال قیام کے بعد مکہ مکرمہ میں ہونے والی ''المؤتمر الاسلامی'' کے اجلاس منعقدہ موسم حج ۱۳۴۴ھ (جون 1926ء) میں شرکت کے لئے آنا چاہتے تھے، براہِ راست آنے میں خطرات تھے اس لئے آپ استنبول سے اٹلی اور سوئزر لینڈ تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ جدید اٹلی اور یورپ کی سیاسیات کا مطالعہ کیا پھر افریقہ کے ساحل پر اٹلی کے نوآبادیاتی شہر ''مصوّع'' آئے، اور پھر ''مصوّع'' سے صفر ۱۳۴۵ھ (اگست 1926ء) میں مکۃ المکرمہ تشریف لائے۔مکۃ المکرمہ میں قیام کے دوران آپ نے مسجد حرام میں درس وتدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور حرم کے علماء نے آپ سے مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، الرسالہ للامام الشافعی، مسوّیٰ من احادیث المؤطا، الفوز الکبیر للامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، اصول الفقہ للامام محمد اسماعیل شہیدؒ، شرح النخبۃ لابن حجر، مقدمہ صحیح مسلم، کتاب العلل، جامع ترمذی وغیرہ کتابیں پڑھیں، اسی طرح فتح الرحمٰن، فیوض الحرمین، ازالۃ الخفاء، صراط المستقیم، منصبِ امامت، عبقات، تقویۃ الایمان اور حضرت نانوتویؒ کی کتابیں بھی آپ نے پڑھائیں۔آپ خود لکھتے ہیں:

''میں تقریباً تیرہ چودہ سال سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرتا رہا، تفسیر قرآن میں جس قدر مقامات میرے لئے مشکل تھے حرم کے قیام کے زمانہ میں میں نے انہیں امام ولی اللہ دہلویؒ کے اصول پر بالاطمینان حل کرلیا... مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس (موجودہ) زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا، اس میں اس تجلی ریزِ مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننا پڑتی ہے، میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا، مثلاً ''بدورِ بازغہ''، ''خیر کثیر''، ''تفہیماتِ الٰہیہ''، ''سطعات''، ''لمحات''، ''الطاف القدس'' وغیرہ ان کتابوں کے لئے بطورِ مفتاح (کنجی) میں نے مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی ''تکمیل الاذہان'' اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی ''عبقات'' اور مولانا محمد قاسم کی ''قاسم العلوم'' اور ''تقریر دلپذیر'' اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

''آبِ حیات'' کو استعمال کیا، مجھے ان کتابوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی مدارسۂ قرآن عظیم بھی جاری رہا۔ اس سے میرے نظریات بہت وسیع ہو گئے۔ لِلّٰہِ الْحَمْد''۔(5)

❁ حرم شریف میں قیام کے دوران حضرت سندھیؒ نے عربی زبان میں ایک بڑی اہم کتاب لکھی، جس میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تجدیدی کردار اپنے افکار و نظریات اور ان کی تمام اسانید بیان کیں۔ اس کتاب کا نام ''التمهيد لتعريف آئمة التجديد'' ہے، پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ''مقامِ محمود'' جس میں حضرت سندھیؒ نے اپنی تمام اسانید حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانی تک بیان کی ہیں، جن کی تعداد چالیس ہے۔ دوسرا حصہ ''تحديث العبد الضعيف بنعمة ربه اللطيف'' ہے جس میں حضرت سندھیؒ نے اپنے حالاتِ زندگی، اپنے افکار و نظریات اور ولی اللہی جماعت کے علوم و افکار بارہ ابواب میں بیان کئے ہیں۔ تیسرا حصہ ''سبيل الرشاد كالذيل على ''الانتباه'' و ''الارشاد'' '' کے نام سے ہے۔ جس میں اسلامی تاریخ اور امام ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، فرائض، تصوف، فلسفہ، عقائد، تاریخ اور دیگر علوم و فنون کی اسانید اور ان کا تسلسل بیان کیا ہے، اور یہی اس کتاب کا بنیادی حصہ ہے۔ جب کہ چوتھا حصہ ''مواقف المسترشدين'' جس میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن تک ولی اللہی جماعت کا موقف حدیث، فقہ اور فن تطبیق الآراء کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس کتاب کے تین حصے ''موقف فی الفقه''، ''موقف فی تاريخ شيوع الحديث فی الهند''، '' موقف فی ما يتعلق بالتطبيق'' تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے ۸ر رجب ۱۳۴۹ھ (29 نومبر 1930ء) کو مکمل کی۔ (6)

اندازہ یہ ہے کہ مولانا سندھیؒ کا ارادہ موقف فی التفسیر، موقف فی السلوک والاحسان اور موقف فی التاریخ لکھنے کا تھا اس لئے کہ موقف فی الفقہ کو آپ نے موقف الاول قرار دیا ہے، اور موقف فی الحدیث کو الموقف الثالث قرار دیا ہے اور موقف فی التطبیق کو الموقف

(c) ketabton.com: The Digital Library

السادس قرار دیا ہے، لیکن عربی میں انہیں لکھنے کا موقع نہیں ملا البتہ اُردو میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف کے عنوان سے آپ کا ایک مقالہ ماہنامہ ''الفرقان'' کے ''شاہ ولی اللہ نمبر'' میں طبع ہوا، جس میں تفسیر قرآن، تصوف اور عقائد کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کردار کا تذکرہ کیا ہے۔

❁ حرم شریف میں قیام کے دوران آپ نے قرآن حکیم کی مکمل تفسیر علامہ موسیٰ جار اللہ کو پڑھائی اور انہوں نے اسے قلمبند کیا، ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ (26 جولائی 1937ء) بروز پیر سے شروع کر کے ۱۳ر ذی قعد ۱۳۵۶ھ (13 جنوری 1938ء) تک روزانہ صبح طلوعِ آفتاب سے لے کر ظہر یا عصر تک آپ نے یہ تفسیر لکھوائی، یہ تفسیر ابھی تک قلمی مخطوطہ کی شکل میں تین جلدوں میں محفوظ ہے۔ اس کی ابتدائی چند سورتیں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ''الهام الرحمٰن فی تفسیر القرآن'' کے نام سے شائع کی ہیں۔ علامہ موسیٰ جار اللہ نے حضرت سندھیؒ سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اکثر کتابیں بھی اس دوران پڑھیں۔

❁ 1936ء میں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں خاص طور پر انڈین نیشنل کانگریس اور جمعیت علمائے ہند اور ہندوستان کی سربر آوردہ شخصیات مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا غلام رسول مہر وغیرہ نے حضرت سندھیؒ کی ہندوستان واپسی کے لئے کوششیں شروع کیں، اس کا نتیجہ ہوا کہ مولانا سندھیؒ کو یکم نومبر 1938ء کو ہندوستان واپسی کی اجازت کی اطلاع ملی اور یکم جنوری 1939ء کو آپ کو پاسپورٹ دینے کا فیصلہ ہوا، حج کا موسم قریب آ گیا تھا، اس لئے حج اداء کر کے آپ ہندوستان واپس تشریف لائے۔

❁ ۱۴ر محرم ۱۳۵۸ھ (7 مارچ 1939ء) کو آپؒ کراچی کی بندرگاہ پر اُترے، حکومت سندھ کے وزیر اعظم اللہ بخش سومرو نے عمائدین کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ اور یہاں آپ نے آتے ہی دین کی اساس پر انقلابی فکر و عمل کی اہمیت کے حوالہ سے ایک معرکۃ الآراء خطاب فرمایا، جو آپ کے خطبات و مقالات میں طبع شدہ ہے۔

❁ ۱۶ر ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ (3 جون 1939ء) کو اپنی واپسی کے بعد جمعیت علمائے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

صوبہ بنگال کے اجتماع منعقدہ کلکتہ کا آپ کو صدر مقرر کیا گیا، جس میں آپ نے اپنا پہلا خطبۂ صدارت پڑھا، آپ کی واپسی کے بعد پورے ملک میں آپ کا زبردست استقبال ہوا، جمعیت علمائے ہند، مجلس احرارِ اسلام وغیرہ اور تمام سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں نے تہنیتی اجتماعات منعقد کیئے۔

❁ 25 اکتوبر 1941ء کو آپ نے ایک اہم مقالہ ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک'' کے عنوان سے خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا، جسے آپ نے اپنے عزیز ترین شاگرد مولانا نورالحق علوی، پروفیسر اورنٹیل کالج، لاہور کو پڑھایا اور اس کے مشکل مقامات سمجھائے۔ یہ مقالہ بعد میں مولانا نورالحق علوی کے حواشی کے ساتھ 11 نومبر 1941ء کو طبع ہوا، اور پھر دوسری مرتبہ پروفیسر محمد سرور نے عربی اور فارسی زبان کے حواشی کا اُردو ترجمہ کر کے جنوری 1944ء میں شائع کیا۔

❁ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ (دسمبر 1940ء) ماہنامہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لئے مولانا سندھیؒ نے ''امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف'' کے عنوان سے ایک مقالہ املاء کروایا تھا، جسے مولانا نورالحق علوی، پروفیسر اورنٹیل کالج، لاہور نے قلمبند کیا اور اس کے حواشی و حوالہ جات عربی اور فارسی کی کتب سے لکھے تھے۔ الفرقان کا یہ مقالہ بعد میں پروفیسر محمد سرور نے حوالہ جات کا ترجمہ کر کے ''شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ'' کے عنوان سے مئی 1944ء میں شائع کیا۔ اس مقالہ کو پڑھ کر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مدیر ''الفرقان'' کو لکھا تھا:

> ''مولانا سندھیؒ کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بے شک مولانا کی نظر حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے''۔(7)

اسی طرح مدیر ''الفرقان'' مولانا محمد منظور نعمانی نے لکھا تھا:

> ''چند مقامات میں تعبیر کی غرابت اور نکارت اور ایک آدھ جگہ مولانا کی منفرد رائے سے قطع نظر یہ مقالہ شاہ صاحب کی حکمت کا اجمالی تعارف ہی نہیں، بلکہ فی الحقیقت آپ کے علمی کام (تجدید فی العلوم الشرعیہ) سے واقفیت اور علیٰ وجہ البصیرت واقفیت کے لئے اس میں کافی سامان ہے، اور ولی اللہی علوم و معارف کے لئے بجا طور پر اس مقالہ کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

بنیادی لٹریچر قرار دیا جاسکتا ہے، نیز اس کے مطالعہ کے بعد ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ''ولی اللٰہی حکمت'' پر مولانا سندھیؒ کی نظر کس قدر گہری ہے، اور شاہ صاحب کے علوم و افکار کا انہوں نے کس قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے''۔ (8)

❁ اس دوران آپ نے بہت سے مقالات اور خطبہ ہائے صدارت لکھے، آخری تحریر اپنے انتقال سے بیس روز پہلے ''محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل سکول''، شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ کے لئے 2 اگست 1944ء کو خطبۂ افتتاح کے عنوان سے لکھی، یہ مولانا سندھیؒ کی آخری تحریر تھی۔ مولانا کے یہ ''خطبات و مقالات'' کتابی شکل میں راقم الحروف نے مرتب کئے ہیں۔

❁ رجب ۱۳۶۳ھ (جولائی 1944ء) میں بیماری کے باوجود حضرت سندھیؒ کراچی سے حیدر آباد، میر پور خاص اور نواب شاہ ہوتے ہوئے گوٹھ پیر جھنڈا میں تشریف لائے۔ اور مدرسہ دار الرشاد میں قیام فرما ہوئے۔ اس موقع پر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اپنی مرتب کردہ کتاب ''قرآنی دستورِ انقلاب'' تفسیر سورۃ المزمل و سورۃ المدثر حضرت سندھیؒ کو دکھانے اور تصحیح کرانے کے لئے لائے، چنانچہ مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں:

''دار الرشاد میں حضرت امام سندھیؒ کے ایک شاگرد مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانویؒ قیام پذیر تھے، حضرت امام سندھیؒ نے ان سے سورۃ مزمل اور سورۃ مدثر کی تفسیر سُنی، جو کہ وہ کتابی صورت میں کتاب ''(قرآنی دستور) الانقلاب'' کے نام سے مرتب کر کے لائے تھے، مولوی بشیر احمد نے حضرت امام سندھیؒ کی خدمت میں پیش کی اور اس کی تصحیح کروائی...... دوسرے روز صبح کے وقت حضرت امام سندھیؒ نے قرآن شریف کا درس دیا، وہ آیات زیرِ درس آئیں، جن میں مکہ شریف کو قرآنی انقلاب کا مرکز بنانے کا ذکر تھا، قرآن شریف پر یہ آپ کی آخری تقریر تھی اور اتنی دلچسپ، فکر انگیز، عالمانہ اور بلند پایہ تقریر تھی کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا، وہ صرف ذوقِ سماعت سے تعلق رکھتی تھی، افسوس کہ ہم اسے یاد نہیں رکھ سکے، لیکن میں نے دیکھا تھا کہ مولوی بشیر احمد لدھیانویؒ اس کو قلمبند کر رہے تھے''۔ (9)

❁ ۲۸ر شعبان ۱۳۶۳ھ (18 اگست 1944ء) کو آپ کے نواسہ مولانا ظہیر الحق دین پوریؒ آپ کو لینے دین پور سے دار الرشاد پیر جھنڈا پہنچے تھے، مولانا سندھیؒ آخری دم تک مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو قرآنی تفسیر قلمبند کراتے رہے، مولانا ظہیر الحق دین پوری کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

بیان ہے کہ:

”(۲۸/شعبان) دین پور شریف سے چند عزیزوں کے ساتھ ہم وہاں (دار الرشاد پیر جھنڈا) پہنچے، ہم نے دیکھا کہ آپ تکیوں کے درمیان (کمزوری کی وجہ سے) ایک گڑیا کی طرح دھنسے ہوئے تھے، حضرت بولے جا رہے تھے، اور ان کے سامنے جناب مولانا بشیر احمد بی۔اے لدھیانویؒ جو کہ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے، قلم برداشتہ لکھتے جا رہے تھے۔(10)

❁ انتقال سے دو روز قبل ۲۹/شعبان ۱۳۶۳ھ کو دار الرشاد پیر گوٹھ جھنڈا سے دین پور تشریف لائے، اور ۲/رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ (21 اگست 1944ء) بروز منگل بوقت ظہر روزہ کی حالت میں آپ کی روح عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی، اسی روز آپ کو خانقاہِ راشدیہ قادریہ دین پور کے بانی حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے قریب دین پور کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

؎ آسمان آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے

☆☆☆☆

حوالہ جات

(1) التمہید لتعریف آئمۃ التجدید، ص ۸

(2) ایضاً

(3) ایضاً، ص ۳۶

(4) خطبات و مقالات، ص ۲۲۴، ۲۲۵

(5) خطبات و مقالات، ص ۲۲۷، ۲۲۸

(6) التمہید لتعریف آئمۃ التجدید، ص ۳۴۱

(7) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص ۶

(8) ایضاً

(9) مولانا عبید اللہ سندھیؒ افکار و خدمات از مولانا دین محمد وفائی، ص ۶۴ و ۶۵

(10) شاہ ولی اللہ سے امام عبید اللہ سندھیؒ تک، ص ۱۲۵

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ مرتب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے مختصر حالاتِ زندگی پہلی مرتبہ سامنے آرہے ہیں، اس کے لئے ہم حضرت مولانا کے صاحبزادگان محترم جناب بلال احمد اور محترم جناب ہلال احمد صاحبان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے نہ صرف مولانا کی قلمی ڈائری، ذاتی کاغذات اور ان کی کتابوں سے استفادہ کا موقع دیا بلکہ مولانا لدھیانویؒ کی کتابوں اور ان کا تحریر کردہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد ''رحیمیہ لائبریری'' کے لئے بطورِ عطیہ فراہم کیا اور اس طرح ایک مردِ درویش کے حالاتِ زندگی مرتب ہو کر سامنے آئے، اللہ تعالیٰ ان دونوں صاحبان کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ مولانا کے مفصل حالات زیرِ ترتیب ہیں۔ جو آئندہ کسی مجلّہ میں شائع کئے جائیں گے۔ (آزاد)

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ شہر لدھیانہ کے محلّہ اقبال گنج میں مؤرخہ ۵/ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق 28 جنوری 1899ء بروز جمعرات، بوقت ۱۲ بجے شب مطابق ۱۹۵۴ بکرمی کو پیدا ہوئے۔(1)

❁ آپ کے والدِ گرامی کا نام مولانا اللہ دین تھا، آپ کا نسب نامہ یوں ہے:
''بشیر احمد بن مولانا اللہ دین بن کریم بخش بن محمد بخش بن راج دین بن تاج دین بن ابراہیم''۔(2)

مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے والد گرامی مولانا اللہ دین، انجمن حمایت اسلام لاہور کی جانب سے واعظ رہے ہیں۔ انہوں نے عیسائی مشنری کے لیے کام کرنے والے پادریوں سے بہت سے مناظرے بھی کیے۔ عیسائیت پر ان کی خاص نظر تھی۔ انہوں نے ''تحقیقات اصل انجیل'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ جس میں انہوں نے اسلام پر پادریوں کے الزامات کے جوابات کے ساتھ اصل انجیل کی عبارات سے اسلام اور نبی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مولانا بشیر احمد لدھیانوی کی کتابوں میں موجود ہے۔

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے بڑے بھائی مولانا محمد قاسم لدھیانوی بہت اچھے کاتب تھے، اور ''سلطان القلم'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے خط نسخ سید امیر الدین دہلویؒ اور مولوی محمد ممتاز علی ''نزہت رقم'' مہاجر مکی (مالک مطبع مجتبائی دہلی) سے حاصل کیا تھا، مولوی محمد قاسم برصغیر ہندو پاک کے مسلم الثبوت خطاطِ قرآن تھے، 1907ء میں انہوں نے ایک ہفت رنگ قرآنِ پاک اپنے مطبع قاسمی سے طبع کیا، جس کا انتساب انہوں نے خان حبیب اللہ خاں والی افغانستان کی طرف کیا تھا، یہ نسخۂ قرآنِ پاک خطاطی کا عظیم الشان نمونہ ہے۔ سلطان القلم اخیر زمانہ میں انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر 1931ء میں لاہور آ گئے تھے۔ اس سے قبل انہوں نے لدھیانہ اور دہلی کے علاقہ دریا گنج میں بھی ایک طویل عرصہ قیام کر کے خطاطی کی تھی۔

''سلطان القلم'' نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ترجمہ اور تفسیر کی بھی کتابت شروع کی تھی، ۲۵/ پاروں کی کتابت ہوئی تھی کہ ۱۳/ محرم الحرام ۱۳۵۱ھ بمطابق 19 مئی 1932ء بروز جمعہ کو ستر برس کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا، قرآنِ پاک کے اس نسخہ کی تکمیل ان کے فرزند اکبر منشی محمد شفیع مرحوم نے کی۔ یہ قرآنِ پاک ''سلطان القلم'' کے اعجازِ قلم کا عظیم الشان نمونہ ہے۔ (3)

❁ مولانا بشیر احمد صاحبؒ نے ایک علمی گھرانہ میں آنکھ کھولی۔ والد گرامی عالم دین تھے، بڑے بھائی بھی عالم دین تھے اور انہوں نے ساری عمر قرآن کی خطاطی کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔ ایسے دینی ماحول میں آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، ابتدائی تعلیم لدھیانہ کے دینی مکتب سے حاصل کی۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم کے بعد مدرسہ اسلامیہ لدھیانہ میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے عربی، اردو اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا کے والد گرامی عیسائی مشنری اداروں کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرتے تھے، چنانچہ بیٹے کی انگریزی اور عربی کی تعلیم کا بیک وقت بندوبست کیا گیا۔ ایک طرف انہیں عالمِ دین بنایا گیا، اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم بھی دلائی گئی۔ تا کہ اس زبان پر عبور حاصل کر کے اس میدان

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں بھی خدمتِ دین کی جائے۔ چنانچہ اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ سے مولانا بشیر احمد نے 1916ء میں جماعت نہم پاس کی اور 1917ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ پھر 1919ء میں اسلامیہ کالج لدھیانہ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اور 1928 میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی۔اے پاس کیا۔ اس دوران مولانا نے عربی، فارسی اور انگریزی پر عبور حاصل کرلیا۔

❁ 1922ء میں مولانا بشیر احمد صاحبؒ لدھیانہ سے لاہور آگئے، اور یہاں آکر ایک اخبار روزنامہ ''کیسری'' میں ۲۵ روپیہ مشاہرہ پر ملازمت اختیار کرلی۔ اس اخبار میں تقریباً ڈیڑھ سال کام کیا، پھر 21 جنوری 1924ء کو روزنامہ ''سیاست'' لاہور میں ۵۰ روپے ماہوار پر کام شروع کردیا۔ چنانچہ اپنی قلمی ڈائری میں لکھتے ہیں:

> ''20 جنوری 1924ء سے روزنامہ ''کیسری'' لاہور چھوڑ کر 21 جنوری کی صبح سے روزنامہ ''سیاست'' لاہور میں مشاہرہ ۵۰ روپیہ ماہوار شروع کیا۔ ''کیسری'' میں ایک سال چند ماہ تک ۲۵ روپیہ لیتا رہا'' ۔تحریر مؤرخہ: 5/3/24 (4)

❁ 6 اکتوبر 1925ء کو ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ پنجاب سے آپ نے ''جونیئر اینگلو ورنیکلر ٹیچر'' کا امتحان پاس کیا۔ اور تعلیم و تدریس کی ذمہ داریوں سے وابستہ ہوگئے۔ چونکہ انجمن حمایت اسلام لاہور سے آپ کے والد گرامی وابستہ رہے تھے اور اس کے واعظ کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے، اس لیے اس تعلق کی بنا پر انجمن حمایت اسلام لاہور کے تعلیمی مدارس کے سلسلے سے تعلیم و تدریس کے لیے وابستہ ہوگئے۔ اور انجمن کے اندرون شیرانولہ گیٹ میں قائم اسلامیہ ہائی سکول میں آپ نے خدمات سرانجام دینا شروع کردیں۔

❁ انجمن حمایت اسلام اندرون شیرانوالہ گیٹ کے متصل ہی حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد تھی۔ اس میں حضرت لاہوریؒ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اس دوران آپ کا تعلق حضرت لاہوریؒ سے ہوا۔ حضرت لاہوریؒ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تربیت یافتہ اور ان کے ربیب تھے، آپ کی ساری تعلیم و تربیت حضرت سندھیؒ نے فرمائی تھی۔ حضرت لاہوریؒ سے تعلق کے دوران مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے ان سے بھی

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر، حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم تو لدھیانہ میں مختلف اساتذہ کرام سے حاصل کی تھی۔ اب انہوں نے حضرت لاہوریؒ سے تعلیم حاصل کر کے دینی علوم کی تکمیل کی۔ پھر قرآنِ حکیم کی تفاسیر، اور اس کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے، اس سلسلہ میں لاہور کے علماء کرام سے خاص استفادہ کیا۔ آپ کے استاذ معظم حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ:

"انہوں نے قرآنِ عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا"۔(5)

البتہ ذریعہ معاش انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے مدارس میں تعلیم و تدریس کو ہی بنائے رکھا۔ اسی سلسلہ میں 2 دسمبر 1939ء کو انہوں نے سینئر ٹیچر کا امتحان پاس کیا۔ اور ہائی سکول میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

❁ 7 مارچ 1939ء کو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ 25 سالہ جلاوطنی کے بعد کراچی کے ساحل پر اترے۔ اور کراچی سے سفر کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے، حضرت لاہوریؒ کے پاس شیرانوالہ گیٹ مسجد میں قیام فرمایا۔ ہندوستان واپسی کے حوالے سے حضرت سندھیؒ ایک بلند مقصد رکھتے تھے۔ اور وہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے علوم و معارف ان کے فلسفہ و حکمت کی اساس پر قرآنی تعلیمات کے فروغ کے لیے جد و جہد کرنا تھا۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کے لیے انہوں نے حضرت لاہوری سے اپنے علوم و افکار کے پھیلاؤ کے لیے دو سمجھدار اور ذہین شاگرد مانگے۔ اس پر حضرت لاہوریؒ نے اپنے دو شاگرد ایک حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ اور دوسرے مولانا خدا بخش صاحب کو حضرت سندھیؒ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ مولانا غازی خدا بخشؒ لکھتے ہیں:

"شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ سے امام انقلاب مولانا سندھیؒ نے ان کے شاگردوں میں سے دو نوجوان طلب کیے۔ حضرت لاہوریؒ نے اپنے دو شاگرد ان کے حوالے کیے۔ ایک تھے شیخ بشیر احمد بی۔ اے اور دوسرے راقم آثم خدا بخش عفی عنہٗ جو کچھ عرصے کے لیے کابل، مکہ معظمہ اور سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت سندھیؒ کی رفاقت میں رہا"۔(6)

حضرت سندھیؒ نے ان دونوں کو اپنے علوم و افکار کی تعلیم دینا شروع کی۔ چنانچہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

1940ء تا 1944ء تک مسلسل چار سال تک ان دونوں حضرات نے بڑی محنت، جانفشانی اور خلوص کے ساتھ حضرت سندھیؒ سے ولی اللٰہی علوم وافکار اور دینی تعلیمات کا جامع انداز واسلوب سیکھا، خاص طور پر حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت کی تقاریر قلمبند کیں، اور امالی کے عنوان سے فل سکیپ کاغذ کے تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل حضرت سندھیؒ کے افکار قلمبند کیے۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہم 939 ہندی (1939ء) میں واپس وطن پہنچے، اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد بی۔ اے لدھیانویؒ ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لیے ملتے رہتے تھے، اس طرح انہوں نے کئی سو (تقریباً ساڑھے تین ہزار) صفحے تیار کر لیے''۔(7)

❁ مولانا بشیر احمد صاحب کو حضرت سندھیؒ سے بڑا تعلق خاطر تھا، آپ کے ارشاد پر ہمہ وقت عمل کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، 1939ء کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا بشیر احمد صاحبؒ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ شملہ سیر کے لیے گئے۔ وہاں گورنمنٹ کا ایک بنک تھا، اس کے منیجر سے دوستوں کی وساطت سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کو انگریزی پر عبور تھا، دورانِ گفتگو منیجر صاحب بڑے متاثر ہوئے، اور انہوں نے اپنے ہاں ملازمت کی پیش کش کی۔ اور خاصی بڑی تنخواہ مقرر کرنے کا کہا۔ مولانا نے کافی تذبذب کے بعد معاشی حالات کی وجہ سے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ لیکن دل مطمئن نہیں تھا، اس لیے حضرت سندھیؒ کو خط لکھ کر اس کی اطلاع دی۔ حضرت سندھیؒ نے جواب میں ایک سطر تحریر فرمائی:

''آپ نے اس حکومت کی ملازمت اختیار کر لی، جس سے ہم آزادی کی جنگ لڑتے رہے، اس کے بعد ہمارا آپ سے تعلق منقطع ہوگیا ہے۔''

مولانا نے حضرت سندھیؒ کا یہ خط ملتے ہی فوراً اس ملازمت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اور شملہ سے سیدھے لاہور آکر حضرت سندھیؒ سے معذرت کی۔(8)

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانوی نے قرآنِ حکیم کے فہم کے لیے حضرت سندھیؒ سے امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتب براہِ راست پڑھیں، ان کتابوں میں امام دہلوی کی شاہکار تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھی اور اس کے تفصیلی نوٹ امالی کی صورت میں قلمبند کیے۔ امالی کے ساڑھے تین ہزار صفحات میں ''سطعات'' کی شرح، ''عبقات'' کی شرح لمحات

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور فیوض الحرمین وغیرہ کی تشریحات شامل ہیں۔اسی کے ساتھ انہوں نے حضرت سندھیؒ سے قرآنِ حکیم کی سورتوں کی حکیمانہ انقلابی تفسیر پڑھی اور سمجھی اور حضرت سندھیؒ کے مکمل فکر وفلسفہ کا فہم حاصل کیا، چنانچہ حضرت سندھیؒ خود لکھتے ہیں:

''انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا، اس لئے وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہوگئے''۔(9)

❁ مولانا لدھیانویؒ نے مولانا سندھیؒ کے املاء کردہ افادات کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کیا۔اور پھر انہیں بڑے سلیقہ کے ساتھ حضرت سندھیؒ کی زندگی میں ہی ترتیب دیا۔ اور حضرت سندھیؒ نے آپ کے مرتب کردہ مواد پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا، چنانچہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کرلی ہیں۔مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظرِ ثانی منظور کی۔ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں''۔(10)

نہ صرف یہ کہ مولانا سندھیؒ نے آپ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا بلکہ اپنے دیگر شاگردوں اور دوستوں کو اس بات کی سفارش کی کہ وہ اپنی یادداشتیں اس ترتیب کے مطابق مرتب کرلیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکر کے مطابق بنالیں''۔(11)

❁ زیرِنظر مجموعہ ''قرآنی شعور انقلاب'' میں جتنی سورتیں شامل ہیں، ان کی ترتیب وتدوین حضرت سندھیؒ کی زندگی میں ہی ہوئی ہے۔ چنانچہ امالی کا ایک قلمی نسخہ (جس میں سورۃ المجادلہ سے سورۃ التغابن تک تفسیر لکھی ہوئی ہے) ہمیں دستیاب ہوا ہے جسے مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے 1943ء میں قلمبند کیا ہے۔ جب کہ وہ گوجر خاں کے اسلامیہ ہائی سکول میں پڑھاتے تھے۔اس قلمی نسخہ کے آخر میں لکھا ہے:

''آج مؤرخہ 14 نومبر 943ہندی (1943) کو مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

مولانا (سندھیؒ) سے ملاقات کے لیے گوجر خاں سے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ (سورۃ المجادلہ سے) سورۃ المنافقون تک مرتب کرلیا ہے۔آگے سورۃ التغابن کا ربط اس سورۃ سے ارشاد فرمادیجیے۔اس پر آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی"۔(12)

❁ 15 مارچ 1944ء کو مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے لاہور میں ولی اللہ سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس کے سیکرٹری مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ مقرر ہوئے تھے، پاکستان بننے کے بعد مولانا لدھیانویؒ نے حضرت سندھیؒ کی قائم کردہ شاہ ولی اللہ سوسائٹی کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قائم رکھا۔اور اس کے زیرِاہتمام مولانا لدھیانویؒ کے دروسِ قرآن اور ولی اللہی فلسفہ کی تشریحات کا سلسلہ جاری رہا۔

❁ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کو شروع سے ہی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کی اشاعت میں گہری دلچسپی رہی۔ چنانچہ آپ کی اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آپ کے ہمعصر علماء اور رہنمایان کی نظر شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کی طرف ہی اٹھتی رہی۔ حجۃ اللہ البالغہ کا ایک سلیس اردو ترجمہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مولانا ابو العلا محمد اسماعیل گودھرویؒ سے کرایا تھا۔اس کی اشاعت کے لئے مولانا آزادؒ نے مولانا اسماعیل گودھرویؒ کو یہ رائے دی تھی کہ وہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ سے رابطہ کریں۔ چنانچہ ایک خط مؤرخہ 26 اکتوبر 1946ء کو مولانا گودھرویؒ نے مولانا لدھیانویؒ کے نام لکھا۔اور مولانا آزاد کی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔وہ لکھتے ہیں:

"آج فجر کی نماز کے بعد میں نے حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد سے ملاقات کی اور قدیم تعلقات کی بنا پر ان کے سامنے میں نے اپنا ترجمہ "حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ" ان کی خدمت میں پیش کیا۔آدھ گھنٹہ تک مولانا صاحب نے مختلف مقامات سے دیکھا۔ مجھے رائے دی کہ آج ہی اس کے متعلق مولوی بشیر احمد صاحب کو خط لکھ دیجیے۔اس (ترجمہ) کی سخت ضرورت ہے۔اور میں بھی ان کو(اس کتاب کی) اشاعت کی رائے دوں گا۔چنانچہ پہلی فرصت میں آپ کو یہ عریضہ روانہ کررہا ہوں۔

حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی جلد کا ترجمہ بالکل مکمل ہے۔آغازِ کتاب میں چند صفحات دیباچہ کے ہیں۔ مجموعی طور پر اس جلد کے صفحات ۶۳۲ ہیں۔دوسری جلد کا ترجمہ بھی تقریباً ایک تہائی ہو چکا ہے۔انشاءاللہ العزیز جلد مکمل کردوں گا"۔(13)

(c) ketabton.com: The Digital Library

❁ آپ نے حضرت سندھیؒ کے تفسیری افادات بھی بڑی محبت اور چاہت کے ساتھ شائع کئے، چنانچہ 1944ء میں قرآنی دستورِ انقلاب یعنی سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی حکیمانہ تفسیر شائع کی اور اس کے بعد ''قرآنی فکرِ انقلاب''، ''قرآنی اصولِ انقلاب''، ''قرآنی اساسِ انقلاب''، ''قرآنی جنگِ انقلاب''، ''قرآنی عنوانِ انقلاب''، ''اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ، از مولانا عبیداللہ سندھیؒ''، ''عبیدیہ اردو ترجمہ محمودیہ، از مولانا عبید اللہ سندھیؒ''، ''امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کا فلسفۂ عمرانیات و معاشیات'' کے بعد دیگرے شاہ ولی اللہ سوسائٹی لاہور اور بیت الحکمۃ کی جانب سے شائع کیں۔

❁ پاکستان بننے کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کے پھیلاؤ کے لئے انتھک جدوجہد اور کوشش کی، مضامین لکھے، کتابیں شائع کیں، ہفتہ وار اُردو اور پندرہ روزہ انگریزی رسائل جاری کئے، طباعتی ادارے قائم کر کے شاہ صاحب کے علوم و افکار شائع کئے۔ چنانچہ لاہور سے ایک اُردو رسالہ ہفتہ وار ''نیا فکر'' کے نام سے شروع کیا، جس کا پہلا شمارہ ستمبر 1950ء میں طبع ہوا تھا۔

❁ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کی جانب سے حضرت سندھیؒ کی قلمبند شدہ تحریرات پر اکابر علماء نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس کا مظہر وہ خط ہے جو 4 اگست 1951ء کو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے آپ کو لکھا جس میں زمین کے سلسلہ میں حضرت سندھیؒ کی تحقیقات اور اس کی تفصیلات طلب فرمائی تھیں۔ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''محترم المقام مولوی بشیر احمد صاحب زید عزکم، احقر الانام احمد علی عفی عنہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اعلیٰ حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات زمینوں کے متعلق جو ہوں اور آپ کے پاس کوئی تفصیل تحریر شدہ ہو تو آج سوا چار بجے شام لے کر میرے ہاں تشریف لائیں، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ فقط 4 اگست 1951ء''۔ (14)

❁ مولانا لدھیانویؒ نے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کے پھیلاؤ کے لئے انگریزی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ (New Thought) کے نام سے شائع کرنا شروع کیا، اس کا پہلا شمارہ 15 جنوری 1958ء کو شائع کیا اور یہ رسالہ کئی سال تک بلاناغہ شائع ہوتا رہا، اس سے جدید تعلیم یافتہ نوجوان

(c) ketabton.com: The Digital Library

طبقہ تک ولی اللہی علوم منتقل کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔

❁ مولانا لدھیانویؒ نے شاہ ولی اللہ کے افکار کے پھیلاؤ کے لئے طباعتی ادارے بھی قائم کئے، جس سے امام شاہ ولی اللہ پر نہایت عمدہ کتب شائع کیں۔ خاص طور پر ''بیت الحکمت''، لاہور کے زیرِ اہتمام کئی اہم کتابوں کی اشاعت ہوئی۔

❁ 5 ستمبر 1969ء کو مولانا لدھیانویؒ نے جمعیت العلمائے اسلام کے زُعماء اور ذمہ داران کے نام حضرت مولانا عبید اللہ انور کے توسط سے ایک خط لکھا، جس میں اُنہوں نے قرآن کے انقلابی پروگرام کی تفصیلات اور حضرت الامام ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی، معاشی، عمرانی افکار کی اساس پر پاکستان میں نظام کی تشکیل کے طریقہ کار پر مبنی سفارشات سولہ صفحات میں پیش کی تھیں، اس خط اور مضمون کے آخر میں مولانا عبید اللہ انور نے تصدیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے لکھا:

''میں نے سارا مضمون سُن لیا ہے، میرے نزدیک یہ افکار صحیح ہیں''۔

احقر عبید اللہ انور، 5/9/69 (15)

❁ 35 سال تک مسلسل حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ کے پڑھنے پڑھانے، اس کی نشر و اشاعت اور فروغ کے لئے جدوجہد کرنے کے بعد مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ 17 جنوری 1974ء بروز جمعرات اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ 223/N سمن آباد، لاہور میں آپ کا انتقال ہوا اور اسی روز قبرستان میانی صاحب میں سپُردِ خاک ہوئے۔

☆☆☆☆

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حوالہ جات:

(1) ڈائری قلمی مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، ص ۶۶۔

(2) ایضاً

(3) ''خطاطانِ قرآن'': تحریر کردہ سید انور حسین نفیس رقم مطبوعہ سیارہ ڈائجسٹ کا ''قرآن نمبر''۔

(4) قلمی ڈائری: مولانا بشیر احمد ص ۷۵

(5) کلماتِ طیبات: از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(6) تفسیر سورۃ المجادلہ، کے شروع میں عرضِ مرتب۔

(7) کلماتِ طیبات: از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(8) روایت: صاحبزادہ رانا بلال احمد

(9) کلماتِ طیبات: از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، قرآنی دستورِ انقلاب، طبع ادارۃ الحکمۃ، لاہور

(10) ایضاً

(11) ایضاً

(12) امالی: افادات از مولانا عبید اللہ سندھیؒ آخری صفحہ

(13) خط مولانا اسماعیل گودھرویؒ بنام مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

(14) خط حضرت لاہوریؒ بنام مولانا بشیر احمد صاحب۔

(15) معروضات بخدمت محترم زُعماء جمعیت علمائے اسلام پاکستان، ص ۵۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

از مرتب

امامِ انسانیت سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے جو حنفی تحریک شروع کی وہ انسانیت کی ترقی کی راہ پر ایک بہت عظیم الشان سنگ میل تھی۔ اس تحریک کے آغاز سے پہلے دنیا کے ہر ایک معاشرے (سوسائٹی) میں کوئی نہ کوئی نبی آیا۔ اگرچہ ہر ایک نبی کی تعلیم کا رخ ہمیشہ بین الاقوامی رہا، یعنی وہ ایسی تعلیم دیتا رہا جو بین الاقوامی نظام کے لیے موزوں ہوسکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سمجھانے میں ان لوگوں کے ذہنوں کے مطابق تجلیاتِ الٰہیہ کے طبیعی مظاہر کی مثالیں پیش کرنے کی وجہ سے وہ معاشرے انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے جانے کے بعد بالعموم مظاہر پرستی ہی میں مبتلا ہوجاتے رہے۔ یہ رجعت پسندی انسانیت کی اس منزل کا لازمی نتیجہ تھی۔ جس پر وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام (کی بعثت) کے زمانے (سے پہلے) تک پہنچ چکی تھی۔

تحریکِ حنیفیت سے پہلے کا دور

اس دور میں انسانیت کی ترقی کے لیے جتنا علم پیدا ہوا، وہ بالعموم ایک محدود جماعت کے اندر رہا، جس سے ''برہمنیت'' نے ظہور پایا۔ ایسے ہی سیاسی طاقت ایک خاندان یا گروہ کے قبضے میں رہی، جس سے مطلق العنانی اور اس سے آگے بڑھ کر شہنشاہیت نے جنم پایا۔ کبھی کبھی پروہتوں اور بادشاہوں کے گٹھ جوڑ سے معاشرے کے تمام اقتصادی، علمی اور سیاسی پہلوؤں پر چند لوگوں کا قبضہ ہوجانے سے معاشرت میں ظلم وطغیان انتہائی شکلیں اختیار کر جاتا تھا۔ اس ''برہمنیت'' اور مطلق العنانی کے قیام سے جس سے علم اور طاقت

(c) ketabton.com: The Digital Library

محدود ہاتھوں میں آجاتی تھی، عام معاشرہ علم واختیارات سے محروم اور معاشی واقتصادی لحاظ سے کمزور ہوکر افلاس کی پیدا کردہ اخلاقی اور روحانی امراض میں مبتلا ہوجاتا رہا۔

تحریکِ حنیفیت کا انقلاب

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک یہی حالت رہی۔ اب حکمت الٰہی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے سے نوعِ انسانی کو خداشناسی کی نئی راہ دکھائی اور وہ یہ تھی کہ انسان کی روح کے اندر خداشناسی کا جو جوہر رکھا گیا ہے، اس کی بیداری کو مطمح نظر بنایا گیا۔ اس اندرونی جوہر کو شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں ''حجرِ بحت'' کہتے ہیں۔ جب انسان کے حجرِ بحت کو خداشناسی کا ذریعہ بنایا جائے گا تو علم اور معرفت ہر ایک انسان کا شخصی تقاضہ بن جائے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشی واقتصادی ذرائع پیداوار پر ہر ایک انسان کا برابر کا حق سمجھا جائے گا۔ یعنی علم بھی عام ہوجائے گا اور زمین کے معاشی ذرائع کے استعمال پر سے اجارہ داری اٹھ جائے گی۔ اس سے انفرادی اور اجتماعی اخلاق ترقی کریں گے۔ یہ تھی تحریک حنیفیت جو انسان کی ''خدائی'' کا خاتمہ کرنا چاہتی تھی، جو سیاسی اور علمی طاقتوں کے چند ہاتھوں میں جمع ہوجانے سے پیدا ہوجاتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی ''خدائی'' کا اعلان کرتی تھی۔

تحریکِ حنیفیت کی اشاعت

سیدنا حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنی تحریکِ حنیفیت کے دومراکز قائم کیے:

(۱) حجاز میں ....جس کے سربراہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام تھے۔

(۲) کنعان میں ....جس کے سربراہ سیدنا اسحاق علیہ السلام تھے۔

بنی اسرائیل

حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے کنعان کے مرکز سے توسیع فکر ہوئی۔ سیدنا اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے سیدنا یعقوب علیہ السلام تھے، جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد سیدنا یوسف علیہ السلام کے توسط سے مصر کے شائستہ اور مہذب ملک میں جابسی۔ ایک عرصے کے بعد انہیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے حنیفیت کی بین

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

الاقوامی اشاعت کا کام سونپا گیا؛ لیکن بنی اسرائیل میں اتنی عصبیت آگئی تھی کہ وہ اس عظیم الشان انسانی خدمت سے متنفر رہے۔ حکمت الٰہی نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ اس عظیم تعلیم کو اقوامِ عالم میں پھیلانے سے گریز کرتے ہیں، کئی بار خود انہیں منتشر کردیا۔ اگرچہ وہ اپنے مرکز سے منتشر ہو ہوگئے، لیکن جس ملک میں قید رہتے وہاں اپنا مرکز الگ بنا کر رہتے اور دوسرے لوگوں کو اپنے برابر نہ سمجھتے تھے۔

بنی اسماعیل

آخر کار اللہ تعالیٰ کی حکمت نے بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل کو اس کارِ عظیم کے لیے چنا۔ یہ لوگ حجاز میں بستے تھے اور عرب کے بے آب و گیاہ میدان ان کی جولانگاہ تھے۔ ان کا مرکز وہ جگہ تھی جہاں مکہ معظمہ آباد ہوا۔ بے آباد اور بے کاشتہ زمین کے علاقے میں آباد ہوجانے کی وجہ سے بنی اسماعیل حنیفیت کی انقلابی تعلیم کے سربراہ بننے کے لیے زیادہ موزوں نکلے۔ کیوں کہ یہ کاشتکاری میں پھنس کر زمین کے ساتھ وابستہ نہیں ہوگئے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو بارِ امانت سونپا تو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ سلم کو معلم بنا کر مبعوث فرمایا۔

قرآنی انقلاب

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دعوتِ حنیفیت کا بار اٹھایا۔ تو صحابہ کرام یعنی قریش مکہ کے اولو العزم لوگوں اور انصارِ مدینہ کے جرأت مند افراد کی مدد سے سرزمین عرب میں پانچ ہم مرکز دائروں والا انقلاب پیدا کردیا:

(۱) علمی انقلاب

اس کا سنگ بنیاد اس تعلیم سے رکھا گیا جو نبوت کے پہلے روز وحی الٰہی سے دی گئی تھی۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جنگ بدر کے تیس جنگی قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ جو قیدی روپیہ نہ دے سکیں وہ اہل مدینہ کے بچوں کو پڑھا دیں۔

(۲) سیاسی انقلاب

علمی انقلاب کے قیام سے جب علم عام ہوجائے، تو مطلق العنانی کا وجود ناممکن

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ وہاں ریاست کے نظم ونسق کو چلا سکنے والوں کی کثرت ہوجاتی ہے۔ اس لیے کسی ایک کا غیر معمولی سیاسی طاقت حاصل کر سکنے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ ایسی ریاست میں شوراوی حکومت ہی چل سکتی ہے۔

چنانچہ اس انقلاب کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "(یعنی نظامِ حکومت چلانے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے رہا کریں) اور اسلامی نظامِ سیاست کا غالب رنگ یہ معین کیا گیا: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ " (یعنی نظامِ سیاست چلانے کے لیے باہمی مشورہ سے کام لینا) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ساری عمر صحابہ کرامؓ کے مشورے سے کام کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد بھی عرب میں شوراوی حکومت ہی قائم ہوئی جس کا سربراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا بلکہ اہل رائے کا چنا ہوا خلیفہ یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۳) اقتصادی انقلاب

اس علمی انقلاب نے معاشرتی طور پر علم کو روپے پر فضیلت دی اور اقتصادی طور پر اتنی بات لازم کردی کہ دولت محدود ہاتھوں میں گھومتی نہ رہے اور معاشرے میں کوئی شخص بھوکا ننگا نہ رہے۔ ایسے ہی انسانی ضرورت کی اشیاء کو نفع بازی کے خیال سے روکے رکھنا حرام قرار دے کر قابلِ سزا جرم بنادیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کے اخلاق بلند ہوگئے اور آپس میں اعتماد بڑھ گیا اور سب لوگ قانون کے پابند ہوگئے۔

(۴) اخلاقی انقلاب

قانون کی پابندی کا بہترین مظاہرہ یہ ہوتا ہے کہ افرادِ معاشرہ صرف علانیہ زندگی ہی میں پابند قانون نہ ہوں، بلکہ ان جگہوں اور وقتوں میں بھی پابندِ قانون رہیں جہاں اور جب قانون قائم رکھنے والی طاقت کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا ہو۔ چنانچہ دورِ نبویؐ میں ایسی مثالیں مل جاتی ہیں کہ اگر کسی سے کبھی قانون شکنی ہوگئی، تو وہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کردیتا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا جو اس زمانے تک کسی ملک میں دیکھا نہ گیا تھا۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(۵) روحانی انقلاب

یہ سب سے بلند اور سب سے اہم انقلاب تھا جو علمی، سیاسی، اقتصادی، اور اخلاقی انقلابوں کے لازمی اور ضروری نتیجے کے طور پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے ظہور پذیر ہوا۔ اس کا ادنیٰ مظاہرہ اس قسم کا تھا جس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبۂ جمعہ دیتے ہوئے ایک لخت فرمادیا: "یَا سَارِیَۃ !اَلْجَبَلُ ! اَلْجَبَلُ" (یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف سے بچنا)

یہ وہ یگانہ اہم مرکز انقلاب تھا جو سرزمین عرب میں قرآنِ حکیم کی تعلیم اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی کوشش سے ظہور پذیر ہوا۔

اس کے بعد یہ انقلاب عالمگیر شکل میں انہی حلقوں کی شکل میں ظاہر ہونے لگا۔ چنانچہ سب سے پہلے علمی انقلاب، جو بنی امیہ اور بنی عباس کے ذریعے سے تمام مسلم اقوام میں اور عربوں اور مسلمانوں کے ذریعے سے مغرب میں نمودار ہوا اور یورپ کی بیداری کا اہم ترین ذریعہ بنا۔

اٹھارویں صدی کا ہیجان

چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ اٹھارویں صدی میں بغداد اور قرطبہ کی طرف سے یورپ میں روشنی کی تیز کرنیں پڑیں تو یورپ میں ایک عمومی ہیجان شروع ہوا، جب کہ عیسائی پادریوں نے علم ہیئت، ریاضی اور دیگر علوم کے ماہرین کی تحقیقات کو اپنے تنگ نظر "علمی" نظریات کے خلاف پاکر محققین کو وحشیانہ سزائیں دیں، جس سے غضب ناک ہوکر اہل علم نے عیسائیت کا انکار کرنے کی ٹھانی، لیکن غلطی سے وہ صرف عیسائیت کا انکار کرنے کی بجائے مطلق مذہب اور مذہبیت کا انکار کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ مادے کے سوا کائنات میں اور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اس سے انسانیت کی صحیح ترقی کم سے کم چند سو سال کے لیے پیچھے پڑگئی۔

امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی حکمت

اسی زمانے میں حکمت الٰہی نے انسانیت کو اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے سرزمین

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہند میں ملت اسلامیہ کا ایک عظیم الشان فلسفی پیدا کیا، جسے دنیا امام ولی اللہ دہلویؒ کے نام سے یاد کرتی ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ اٹھارویں صدی کے عین شروع میں 1703ء میں پھلت ضلع کے مظفر نگر (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تمام تعلیم و تربیت اپنے محترم والد شیخ عبدالرحیم العمری اور اپنے مکرم چچا ابورضا محمدؒ سے پائی۔ اپنے والد محترم کی وفات پر دہلی میں مدرسۂ رحیمیہ میں کرسئ تدریس پر بیٹھے۔ یہ وہ سال ہے، جب سلطان محمد شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ کچھ عرصے بعد شاہ ولی اللہؒ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور برعظیم ہند میں اسلامی انقلاب کا مرکز قائم کرنے کے لیے جس علمی اور روحانی استعداد کی ضرورت تھی، وہ حاصل کر کے دو سال کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

امام صاحب نے اسلامی انقلاب قائم کرنے کے لیے جو کوششیں کیں، ان میں سے ایک عظیم الشان بنیادی کوشش یہ تھی کہ قرآنِ حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تا کہ یہ پیغامِ الٰہی عوام تک پہنچ سکے۔ اس کے علاوہ تشریحی حواشی لکھے، جن میں متقدمین سے بعض اہم اختلافات کیے اور اپنے دعوے کو مدلل کیا۔

قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے سمجھنے کی راہ میں جو مشکلات تھیں، وہ بھی امام صاحب نے دور کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآنِ حکیم کی تفسیر کے اصول ایک کتاب ''الفوز الکبیر'' میں بیان فرمادیئے اور ایسے ہی بعض خاص الفاظ کی تشریح بھی لکھ گئے۔ ترجمے اور تشریحی حواشی وغیرہ کے علاوہ اس کتابِ عظیم کے مضامین کے سمجھنے کے لیے بعض ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کی مدد سے اس کی فکری مشکلات بھی دور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ''تفہیماتِ الٰہیہ''، ''سطعات'' وغیرہ۔

قرآنِ حکیم کی حکمت کی تشریح حدیث نبوی کی شکل میں پہلے ہو چکی تھی۔ اس کی وضاحت کے لیے اور اسے اپنے فلسفے کی بنیاد بنانے کے لیے امام شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' لکھی اور جو لوگ ان کی قرآنی حکمت کو محض عقلی انداز پر سمجھنا چاہیں، ان کے لیے ''بدورِ بازغہ'' تحریر فرمائی۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکمتِ ولی اللہ اور اس کے عظیم الشان امکانات

امام صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی وہ حکمت ہے، جو قرآنِ حکیم کی تمام معاشی، سیاسی، طبیعاتی، اور مابعد الطبیعاتی تعلیمات کو منظم کرنے میں بے نظیر ہے۔ یہ فلسفہ ایک طرف تو قرآنِ حکیم کی اس علمی ترجمانی کے عین مطابق ہے جو دورِ نبوی (مع دورِ خلفائے راشدین) میں کی گئی۔ دوسری طرف یہ عہد حاضر کی صحیح علمی تحقیقات کی تائید کرتی ہے اور قرآنی تعلیمات کو علم دوست اقوام کی ذہنیت کے قریب لاتی ہے۔ تیسری طرف تمام مذاہب کی مذہبی روحانی تعلیم کو ایسے انداز سے حل کر دیتی ہے کہ عقل سلیم کو اسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا:

کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو

اس کے علاوہ اس میں یہ خوبی ہے کہ یہ فلسفہ مختلف اسلامی اقوام خصوصاً عربی اور عجمی اقوام کے فقہی اختلافات کو مٹاتا ہے۔ اس لیے جب کبھی پاکستان کو اپنی علمی، اخلاقی، روحانی، اقتصادی اور فوجی مضبوطی کے لیے کسی فلسفے کی ضرورت کا احساس ہوگا، تو یہ فلسفۂ ولی اللّٰہی ملک کی اندرونی تنظیم، عالم اسلام کی فیڈریشن کی تکمیل اور مذہبی اقوام کے ساتھ تعاون کا نہایت بیش قیمت ذریعہ ثابت ہوگا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت ہم روس کی جنوبی اسلامی ریاستوں کے ساتھ بھی خصوصی تعاون کی راہ کھول سکیں۔

معاشرۂ اسلامی کی تشکیل کا دینی شعور

یہ ہیں وہ عظیم الشان امکانات جو امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے وجود میں آسکتے ہیں۔ اس میں معاشرتی ترقی کے لیے جو اصول بتائے گئے ہیں، وہ پاکستان میں بلند نظر اسلامی اصولوں کی تعلیم و تدریس کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان اصولوں کے اختیار کر لینے سے ہم ایک طرف تو اعلیٰ درجے کا اسلامی معاشرہ قائم کر سکیں گے، جیسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمایا تھا اور دوسری طرف وہ معاشرہ زمانۂ حال کی تمام علمی، معاشی، اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کا حامل ہوگا اور دنیا کے ترقی پسند معاشرت کے لیے نمونے کا کام دے گا۔ ☆

انقلاب سیریز پر مشتمل ان تفسیری افادات (جنہیں اب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

عنوان سے جمع کردیا گیا ہے) میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کی روشنی میں قرآنی انقلاب کا دینی شعور حاصل کرنے کا بڑا سامان ہے، چنانچہ اسی مقصد کے لئے امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تفسیری افادات کو جمع کیا گیا ہے، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کو جدید دور میں متعارف کروانے کے لئے انتہاء درجہ جدوجہد اور کوشش کی ہے، بلاشبہ اس آخری دور میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی نظر امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ اور فکر پر بڑی گہری تھی، اور اسی کے ساتھ دورِ حاضر کے سیاسی و معاشی افکار اور علوم کا مطالعہ بھی بہت گہرا تھا، مولانا سندھیؒ کے یہ تفسیری افادات دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے رہنماء اصولوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم

فقط: بشیر احمد لدھیانوی
۲۲۳ رحمٰن آباد لاہور

☆☆☆☆

☆ مولانا موصوف نے یہ مضمون "امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مختصر تعارف" کے عنوان سے لکھ کر شائع کیا تھا جسے جزوی تغیر وتبدل کے ساتھ کتاب کے مقدمہ کے طور پر شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (آزاد)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم پر مبنی سوسائٹی کی خصوصیات

جس سوسائٹی پر قرآن حکیم حکمران ہوگا، اس میں کوئی شخص بھوک سے نہیں سوئے گا۔ کوئی شخص ننگا اور بے گھر، بے در نہ ہوگا۔ اور نہ جاہل اور بے عمل رہے گا۔ ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر انسان کو بہم پہنچاتی ہے، وہاں وہ اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتی ہے۔ جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے، کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی، کاہلی، غفلت یا بے رُخی دکھاتا ہے، وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گناہ گار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اللہ تعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔ یہ ہیں وہ باتیں، جنھیں دنیا میں چلانے کے لیے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

(قرآنی شعور انقلاب، ص160)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی اساسِ انقلاب

سورہ فاتحہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سورۃ الفاتحہ (1)

تمہید سورت

سورت کا نام:

یوں تو اس سورت کے بہت سے نام حدیثوں میں آئے ہیں۔ لیکن چند ایک بہت مشہور ہیں۔ مثلاً ''الفاتحہ'' (دیباچہ قرآن) ''اُمُّ الکِتَاب'' (بنیادی تعلیم) ''الاساس'' (تعلیمات قرآنیہ کی بنیاد) سُورۃُ الدُّعاء (دعا والی سورت)۔ قرآن حکیم میں اسے ''سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِی'' (سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں) کا نام دیا گیا ہے (87:15)

سورت کا زمانہ نزول:

حضرت نبی اکرم ﷺ پر غار حرا میں سب سے پہلے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ (سورہ علق 1-2-3:96)

''اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے''۔

ان آیات کے نازل ہونے کے چند روز بعد ہی پوری سورہ فاتحہ مع بسم اللہ نازل ہوئی اور یہ نماز کا ایسا لازم جزو قرار دی گئی کہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

سورت کا مضمون:

یہ سورت قرآن حکیم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

بات یہ ہے کہ انسان اجتماع (Society) میں رہ کر ہی ترقی کرسکتا ہے۔ خود اس کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اجتماع مل کر ایک انسانی برادری بن جائے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ترقی کُن برادری ایک فکر رکھنے والے لوگوں کی ہوسکتی ہے جو لوگ اس فطری اصول کے خلاف چلیں وہ نہ صرف اس دنیا میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس ناکامی کی وجہ سے مرنے کے بعد کی زندگی (آخرت) میں بھی نامراد رہیں گے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم انسان کی بلند ترین اجتماعی زندگی (Societal Life) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے سورۂ فاتحہ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسانی فطرت کو سمجھنے والے اور اس کے مطابق کام کرنے والے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ ایسی جماعت انسانی اجتماع کے مرکز میں رہے گی اور اس اجتماع کی رہنمائی کرے گی۔

انسانی فطرت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس فطرت کے سمجھنے کے لیے علم اور اس کے مطابق کام کرنے کی توفیق اسی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو دعاء کی شکل دی گئی ہے جس میں انسانی ارادے اور ہمت کو بھی کچھ دخل حاصل ہے۔ یہ دعا بھی اجتماعی رنگ میں ہے۔

اس سورت کا باقی سورتوں سے ربط

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دو درجے

(1) قومی درجہ:

جیسے اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے، سب سے پہلے سورہ "العلق" یا "اقراء" نازل ہوئی۔ (مکتوبی شکل میں یہ سورۃ نمبر 96 پر تیسویں پارے میں ہے) اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے پہلے درجے کا ذکر ہے۔ اس درجے میں آپ کا مقصد قریش اور ان کے اردگرد بسنے والے عرب قبیلوں کی اصلاح تھا۔[1] یہ گویا آپ کی نبوت کا قومی درجہ تھا۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:
اس امام کے لیے جو مختلف قوموں کو ایک فکر پر جمع کرے چند اصول کار ضروری ہوں گے۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک قوم کو راہ راست کی طرف بلائے گا اور اسی کے اخلاق کو ٹھیک کر کے ان کی حالت کی اصلاح کرے گا۔ پھر اسے اپنی تحریک کی اشاعت کے لیے آلہ کار بنائے گا اور اس کی مدد سے دنیا کی دوسری قوموں سے جہاد کرے گا۔ وہ اپنے (قومی) ساتھیوں کو دنیا کی مختلف قوموں میں بکھیر دے گا۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت کا بہترین حصہ ہو جو تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے ہو) کے یہی معنی ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغۃ ج 1 باب الحاجة الى دين ينسخ الاديان ص 118)
مہاجرین اور انصار کی ابتدائی جماعت قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ پھر قریش اور یہ لوگ عراق اور شام کی فتح کا ذریعہ بنے۔ اور قریش اور عراق و شام کے لوگ فارس اور روم کی فتح کا وسیلہ بنے۔ اور ان کے ذریعے سے ہند، ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج 2، باب الجہاد ص 172) (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انسان اپنی قوم کو اپنے طبعی رشتوں یعنی ماں باپ کے ذریعے سے پھیلنے والے سلسلوں سے پہچانتا ہے۔ اگر وہ اپنے حسب ونسب کی کڑیوں کا دور تک تتبع کرے تو وہ دیکھے گا کہ اس کے خاندان کے افراد ہی کے پھیلنے سے اس کی قوم کا اکثر حصہ بنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلی سورت۔ العلق کا آغاز اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَۚ (پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔) سے کیا ہے جس میں اس نے اپنے آپ کو انسان کے خالق اور پروردگار کی حیثیت سے پہچنوایا ہے۔

(2) بین الاقوامی درجہ:

آپ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ ملت حَنِيْفِيَة ابراهِيْمِيَّه پر تمام اقوام عالم کو جمع کریں گے۔ کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دعاء ''الفاتحہ'' میں اپنے آپ کو ''رَبُّ الْعَالَمِيْن'' کی حیثیت سے شناخت کر دیا ہے۔ اس تمہیدی دعا کے بعد سورۂ بقرہ وغیرہ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوام عالم کے لیے بنیادی دستور حیات دیا گیا ہے' جس پر انہیں جمع کیا جائے گا۔

یہ سورت قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نبوت کا یہ درجہ ہی آپؐ کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ اور سورۂ العلق کو قرآن حکیم کے آخر میں لے جانا ظاہر کرتا ہے کہ قومی درجہ جس کی طرف سورۂ العلق میں اشارہ ہے' بین الاقوامی عالمی درجے کے لیے بطور تمہید اور وسیلے کے تھا۔ اس لیے انسانیت کے اندر عالمی تحریک ہی قرآن حکیم کی دعوت کا عنوان بن سکتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اَلْاَنْبِيَاۤءَ قَبْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يُبْعَثُوْنَ اِلٰى اَقْوَامِهِمْ خَاصَّةً ---- وَبُعِثَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى كَافَّةِ النَّاسِ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1' باب اسباب النسخ ص 124)

یعنی نبی اکرم ﷺ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں وہ سب کے سب اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی تمام اقوام کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ:

"وَلَمَّا كَانَ الشَّرُّ السَّارِیُّ فِیْ زَمَنِ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ هُوَ نِسْیَانُ التَّوْحِیْدِ نَزَلَ الْحَقُّ بِإِزَآئِهٖ بِاِشَاعَةِ التَّوْحِیْدِ وَ تَوْلِیْدِ الْعِبَادَاتِ مِنْ طَهَارَةٍ وَصَلٰوةٍ وَ زَكٰوةٍ وَحَجٍّ وَّ صَوْمٍ وَ ذِكْرٍ۔
وَلَمَّا كَانَ الشَّرُّ السَّارِیُّ فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اخْتِلَالُ الْمِلَلِ وَانْقِلَابُ الْاِرْتِفَاقَاتِ خَاصَّةً عَلٰی اَصْحَابِهَا وَكَانَ الْاَمْرُ اَشَدُّ وَاَقْسٰی نَزَلَ الْحَقُّ بِإِزَآئِهٖ بِالْجِهَادِ وَ اِشَاعَةِ الْعِبَادَاتِ وَتَوْقِیْتِهَا وَالْقَضَآءِ بِزَوَالِ دَوْلَةِ الرُّوْمِ وَالْعَجَمِ وَانْتِظَامُ اَمْرِ النُّبُوَّةِ كَهَیْئَةِ الْاِرْتِفَاقِ الرَّابِعِ فَفَتَحَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَابًا مِنَ الْخَیْرِ لَمْ یُفْتَحْ قَبْلَهٗ وَ انْتَظَمَتْ بِهٖ اُمَّةٌ" مِنَ النَّاسِ هِیَ خَیْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (التفہیمات الالٰہیہ جلد اول تفہیم نمبر 19 ص 82-83)

چونکہ سیدنا ابراہیمؑ کے زمانے میں نسیان توحید کا شر معاشرہ انسانی میں پھیل چکا تھا اس لیے حق اس کے بالمقابل نازل ہوا۔ یعنی اشاعت توحید اور طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، روزوں اور ذکر الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل میں۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اقوام عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا۔ اور ان کی ارتفاقی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا۔ اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کر گئی تھی۔ اور یہ خرابیاں اقوام دنیا کے بدن میں دور تک سرایت کر گئی تھیں۔ اس لیے اب حق ان ضرورتوں کے لیے نازل ہوا۔ اور قرار پایا کہ ان خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور عبادات کی اشاعت کی جائے، ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کر دیئے جائیں۔ اور قضا و قدر نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کر کے ان کی جگہ نبوی نظام بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نے تشریف لا کر انسانی فلاح و خیر کا دروازہ کھولا جو آج تک نہ کھلا تھا۔
اور اس خیر و فلاح انسانی کی تعلیم کے ذریعے سے انسانوں میں سے ایک ایسی امت (جماعت) منظم کی جو نوع انسانی کے لیے بہترین (نمونے کی) جماعت بن گئی۔ (مرتب)

حنیفیت عالمی تحریک ہے

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک عالمی تحریک (World Movement) ہے صرف عربی تحریک نہیں ہے۔ عربی تحریک اس عالمگیر تحریک کی ترقی کا ایک زینہ تھی اور اس کے ارتقاء کی ایک منزل۔ یہ عالمی تحریک اصل میں حنفی تحریک ہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کو اس کی فطرت کے مطابق کمال تک پہنچائے۔

دینی اور سیاسی تحریک میں فرق

حنفی تحریک میں ذہنی، عقلی، معاشی اور معاشرتی سب پہلو موجود ہیں۔ اور ان سب پہلوؤں میں ترقی ہی اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ لیکن آج کل بعض لوگ دینی تحریک اور سیاسی تحریک میں فرق کرتے ہیں۔ یہ لوگ دینی تحریک کو خیالی (Idealistic) تحریک کہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ صرف رہبانیت کی تحریک بن کر رہ جاتی ہے۔ سیاسی تحریک کو حقیقت پسندانہ (Realistic) تحریک قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک حنفی تحریک کے بارے میں "دینی" اور "سیاسی" کی یہ تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک ایک وحدانی (Unitary) چیز ہے۔ اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعیت انسانی کی کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزاء میں تقسیم بھی کر لیا جائے تو اس سے دو تحریکیں نہیں بن جاتیں۔ کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہرکیف انسانیت عامہ کی ترقی ہی رہتا ہے۔ جب اہل دین ایسے خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کر لیں جو غیر محققانہ (Unscientific)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوں یا اہل سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لیکر بیٹھ جائیں اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی (Terminological) اختلاف رہ جاتا ہے۔ ہم ان دونوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے درپے ہو جاتا ہے تاکہ ان میں ظلم دور کر کے انصاف وعدل قائم کرے۔ ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اصل میں صحیح دین وہ ہے جس کے امام سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتا ہے۔ اور ان کی تحریک عالمی تحریک ہے جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی۔ اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لیے حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔

دین کو سیاست کی ضرورت

ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامہ کے لیے مفید دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم ان لوگوں کو سکھاتا ہے جو اسے سیکھ سکتے ہیں۔ اس فکر پر ان کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعت (Party) بن جاتی ہے جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے عمل کو کوئی اور لوگ جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں یا جو اس فکر کی ترقی میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interests) کا نقصان تصور کرتے ہیں' قوت کے ذریعے سے خراب نہ کر دیں تو کیا صحیح علم کے مالک کے لیے یہ ضروری نہ ہوگا کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لیے قوت دفاع (Defensive) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ صحیح علم کے لیے سیاست (Politics) اور حکومت (State/Government) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لیے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابل تقسیم وحدت ہے تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْآرَاءِ الْكُلِّيَّةِ فِىْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَتِهٖ وَاِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّهٖ فَرُبَّمَا لَمْ يُمْكِنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِمُخَاصَمَاتٍ اَوْ مُقَاتَلَاتٍ فَيُعَدُّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ

(حجۃ اللہ البالغہ ج 1 باب الرسوم السائرہ فی الناس ص 50 طبع منیریہ مصر)

"جو لوگ انسانی معاشرے کی کلی اصلاح حال کے رنگ میں سوچتے ہیں' ان پر واجب ہوتا ہے کہ اشاعت حق کرنے اور اسے معاشرے میں چلانے کے لیے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے کے لیے پوری پوری (جانی مالی) کوشش کریں۔ لیکن اکثر یہ کوشش صرف ان شکلوں ہی میں ممکن ہو پاتی ہیں کہ مخالفین حق کے خلاف نشر و اشاعت کی جائے۔ اور قتال کیا جائے۔ اس صورت میں یہ دونوں اعمال بہترین نیکی کے اعمال شمار ہوتے ہیں۔"

ایسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ جب کوئی جماعت انسانی منافع میں سے کسی ایک حصے کی خدمت کے لیے اٹھے لیکن وہ اپنے آپ کو جامعہ انسانیہ (Human Society) کا ایک جزو تصور کرے' تو اس کے پروگرام کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ غلط ہوگا کہ وہ جماعت اپنی جزوی خدمت کو کلی قرار دے کر دوسری جماعت کے خلاف صف آراء ہو جائے۔ اور یہ تو اور بھی بڑی حماقت ہوگی کہ وہ کلی تحریک کا انکار کر دے یا اس کی طرف التفات نہ کرے۔

الغرض آئمہ ادیان ہی اصل میں جامعہ انسانیہ (Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کو لے کر کام کرتے ہیں وہ انبیاء سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اہل سیاست اور اہل فلسفہ و حکمت اور جو سائنسدان اپنے آپ کو ان آئمہ دین کے تحت بطور جزوی کارکن لے آئیں وہ طبعی طور پر ان آئمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے۔ جو شخص دین کے معنی سمجھتا ہے[1] اور

1 سمجھنے کے لیے "حجۃ اللہ البالغہ" مصنف امام ولی اللہ دہلویؒ باب بیان اصل الدین واحد والمناھج مختلفہ (ج 1) اور ابواب مابعد پڑھنے چاہئیں۔ اور اجتماعیت کے سمجھنے کے لیے اس کتاب کے ابواب ارتفاقات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس مطالعے کو "بدور بازغہ" مصنفہ امام صاحب کے مطالعے سے تقویت دینی چاہیے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے اور اہل سیاست و فلسفہ میں سے خدام انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے وہ آئمہ دین کے سوا کسی کو اجتماعیت انسانیہ کے امام تسلیم نہیں کرسکتا۔

عام مورخین بین الاقوامی تحریک کی ابتداء سکندر مقدونی (Alexander of Macedonia) سے کرتے ہیں لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ عالمی انسانی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (124:2) ''میں تجھے نوع انسانی کا امام بناؤں گا۔'' اور ان کی اولاد اس عالمی پیشوائی کے لیے کام کرتی رہی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایسے ہی امام ہیں اور حضرت محمد رسول ﷺ انہی کی تحریک کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

چونکہ قرآن حکیم بین الاقوامی تحریک پیدا کرتا ہے جس کی ابتداء سیدنا ابراہیمؑ نے کی اس لیے اس کی پہلی سورت میں ''رَبُّ الْعَالَمِیْنَ'' کا تصور دیا گیا ہے۔

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الفاتحہ (1)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ؑ﴿۷﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

تفسیر سورت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

(سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روزِ جزا کا)

تشریح الفاظ

حمد: جو فعل کسی کے اپنے علم واختیار اور ارادے سے صادر ہوا ہو اس کی حقیقی تعریف کرنا۔

مدح: کسی ایسی چیز یا فعل کی تعریف جو اختیاری نہ ہو جیسے حسن کی تعریف۔

ثناء: بار بار خوبیاں بیان کرنا۔

ال: یا تو "جنس" کے لیے ہے اس صورت میں اس سے مراد ہوگی حقیقی اور اصلی تعریف یا "استغراق" کے لیے۔ اس حالت میں اس سے مراد ہوگی ہر قسم کی تعریف اور "تمام تعریفیں"۔

ل: تخصیص کے لیے یعنی حقیقی حمد وتعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔

اللّٰہ: اسم ذات ہے یعنی وہ پاک ذات حَقِيْقَةُ الْحَقَائِقِ وَ وَجُوْدُ اَقْصٰی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی وہی وجود کا منبع اور مصدر ہے۔ اور ہر ایک شے اسی سے اور اسی کے ارادے سے وجود پاتی ہے۔ وہی تمام مخلوقات کو قائم رکھتا ہے اور ارتقاء (Evolution) کی منزلیں طے کراتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا صفاتی نام نہیں بلکہ اسمِ علم ہے۔ اگرچہ یہ غیر مشتق ہے لیکن عربی زبان کی عام خوبی کے مطابق اس میں بھی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یعنی اس لفظ میں جذب اور کشش کا مفہوم پایا جاتا ہے-----

چنانچہ عربی میں کہتے ہیں (1) وَلَـهَ الصَّبِيُّ اِلٰى اُمِّهٖ (بچہ گھبرا کر اپنی ماں کی طرف لپکا) وَلَهَتِ الْاُمُّ اِلٰى وَلَدِهَا (ماں کا دل اپنے بچے کی طرف کھنچ گیا) گویا اللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ ذات ہے جس کی طرف ہر شے بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ کھنچتا ہے۔ وہی سب کا محبوب اور سب کی محبت کا مستحق ہے کیونکہ وہی حسن اور احسان کا مرکز ہے۔1

"رَبّ" :

پرورش کرنے والا اور تربیت کر کے تکمیل تک پہنچانے والا۔

"اَلْعٰلَمِيْن" : (واحد: العالم)

(1) جہان، ساری دنیا (2) مخلوقات کی تمام انواع (3) اقوام

"اَلرَّحْمٰن" : (مادہ: رحم، دل پگھلنا، شفقت)

اللہ تعالیٰ کی ایک تجلّی جس کا تعلق عالم (Cosmic Universe) کی تخلیق کے ساتھ ہے۔ بقول امام ولی اللہ دہلویؒ کائنات کا مادہ اسی تجلّی سے وجود میں آیا۔2

"اَلرَّحِيْم" : (مادہ: رحم)

اللہ تعالیٰ کی وہ تجلّی یا صفت جس کا تعلق دنیا اور آخرت میں بندوں کے عملوں کی جزا و سزا دینے سے ہے۔

تفسیر آیات

آیت نمبر 1: (الف) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

"سب تعریف کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے ذریعے سے جو بین الاقوامی نظام قائم کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

بہترین نظام: یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے انسانی قوموں میں پیدا کیا ہے اور جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، بہترین نظام ہے۔ اس سے بہتر نظام ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ اس لیے انسان کو یہ نظام بین الاقوامی پیمانے پر چلانے میں اپنی ساری ہمت اور کوشش صرف کر دینی چاہیے۔

---

1 اعلم ان للارواح حضرة تنجذب اليها انجذاب الحديد الى المغناطيس وتلك الحضرة هي حظيرة القدس (باب ذكر شيئى من وقائع الحشرية ج۔1، حجۃ اللہ البالغہ ص 76)

2 سطعات۔ سطعہ سوم (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس سے بہتر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ قول حکمت انسانی کے کمال کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن بعض دوسرے حکماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ اس سے بہتر بنا سکتا ہے اگر وہ نہ بنا سکے تو یہ اس کا نقص سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بلند درجے کے حکماء کا قول ہے کہ اس کائنات کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات مختلف ادوار میں منقسم ہے اور ایک دور اپنے پہلے دورے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح اقتضائے حکمت کے مطابق ادوار کا سلسلہ جاری ہے، یہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لیکن ایک انسان کو تفصیلی علم صرف ایک دورے ہی کا ہو سکتا ہے۔ پچھلے اور آنے والے دوروں کا اسے علم نہیں ہو سکتا۔ البتہ عقل سلیم اسے لازماً تسلیم کرتی ہے کہ چونکہ تعطّل صفات الٰہی ناممکن ہے' اس لیے یہ سلسلہ ضرور قائم و دائم رہنا چاہیے۔ ہمیں ادوار کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

اب اصل سوال لیجئے کہ کیا جو کچھ ہے اس سے بہتر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہاں'' اور ''نہیں''۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہے' وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دورے سے دوسرا دورہ بہتر ہونا ممکن ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا' وہ اصل میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دورے میں جو چیز پیدا ہوئی ہے' وہ اس دورے کی فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے کہ اس دورے میں اس سے بہتر ممکن نہیں۔1

ہماری غرض اس سارے بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو ایک خاص فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سارے نظام میں موزوں ہونے کے لیے اس سے بہتر چیز وجود میں آ سکے۔ جو بہترین چیز اس نظام عالم میں وجود میں آنی ممکن تھی وہ وجود میں آ چکی۔ اس لیے فطرت انسانی جو تمام اقوام اور افراد میں مشترک ہے اور

1۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک کاریگر گھڑی بناتا ہے۔ اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پرزے اس میں اس طرح وابستہ ہیں کہ اس کی تخلیق کے مقصد کو بہترین انداز پر پورا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر وابستگی ممکن نہیں۔ اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور گھڑی بنانا ممکن نہیں ہے' جو گھڑی اس سے بہتر بنے گی اس کے اپنے پرزوں میں سے ہر ایک پرزہ اس کے لیے بہترین ہوگا' کیونکہ وہ اس گھڑی کے مقصد تخلیق کو بہترین طور پر پورا کرے گا۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ اس لیے یہ تعلیم جس پر انسانیت کو منظم کیا جارہا ہے بہترین تعلیم ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے لائق حمد وستائش ہے۔

جب یہ معرفت اچھی طرح سے صاف ہو کر انسان کے دل میں جم جاتی ہے' وہ دین اسلام کو دل سے قبول کر لیتا ہے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ جاتا ہے۔ اگر یہ معرفت اس کے دل میں راسخ نہ ہو' وہ لادینی بن جاتا ہے اور وہ راہ راست سے بھٹک کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔

آیئے اب اس آیت پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالیں۔

اچھی اور بُری چیزیں: دنیا میں دو قسم کی فکر رائج ہے۔

ایک فکر کے مطابق کوئی چیز اچھی ہے یا بُری ہے۔ جو چیز اچھی ہے وہ بنی ہی اچھی ہے۔ وہ ہر ماحول میں اچھی ہی رہتی ہے۔ جو بُری ہے وہ بنی ہی بُری ہے' وہ اچھے ماحول میں بھی بُری ہی رہتی ہے۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں کوئی چیز بُری نہیں ہے وہ کسی ماحول میں بُری بن گئی ہے اگر اس کا ماحول بدل دیا جائے تو وہ بُری نہیں رہے گی۔1

صحیح اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی فطرت میں بُری نہیں ایک چیز خاص حالات میں ایک خاص ضرورت پوری نہیں کرتی اسے بُری کہہ دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق دیکھا جائے تو کسی چیز کی اچھی یا بُری ہونے کا معیار یہ ہوگا کہ وہ چیز انسان کے ان تقاضوں کے ساتھ موافقت رکھتی ہے یا مخالفت۔ اچھی چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کے موافق ہے۔ اور بُری چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کی مخالف ہے یہ ہے۔ وہ اصول جو امام ولی اللہ دہلویؒ پیش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

1. جب کوئی قوم اپنے بلند درجے سے گر جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت پر غور کرنا اور اپنا حساب لینا چھوڑ کر بے فکری اختیار کر لیتی ہے تو یہ نظریہ اختیار کر لیتی ہے کہ ہر شے اپنی فطرت میں اچھی یا بری ہے ماحول کے بدل جانے سے اس کی اچھائی برائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ یہ خیال اس لیے بنا لیتی ہے کہ وہ اپنے بدلے ہوئے (برے) ماحول کی وجہ سے اپنے میں کسی برائی کی قائل نہیں ہونا چاہتی۔ وہ اپنی گراوٹ پر قناعت کر لیتی ہے اور یہ سوچ کر اطمینان کر لیتی ہے کہ بلا سے ماحول بگڑ گیا۔ تو کیا ہوا ہم تو اچھے ہی ہیں وہ ان خوبیوں کی جو وہ اپنے مخالفوں میں پاتی ہے قائل نہیں ہونا چاہتی' کیونکہ اگر وہ اپنے مخالفوں میں خوبیاں تسلیم کر لے تو اسے اپنے برے ماحول کو بدل کر وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہیں یہ ایک انقلاب ہے جس سے وہ عاری ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ نظریۂ انقلاب اس کے اندر نہ آنے اس کی حالت کا تغیر ناممکن ہوتا ہے۔ (مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَكَذٰلِكَ لِلْبِرِّ سُنَنٌ اَلْهَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤَيِّدِيْنَ بِالنُّوْرِ الْمَلَكِيِّ الْغَالِبِ عَلَيْهِمْ خُلُقُ الْفِطْرَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا اُلْهِمَ فِىْ قُلُوْبِ النَّحْلِ مَا يُصْلِحُ بِهٖ مَعَاشَهَا فَجَرَوْا عَلَيْهَا وَاَخَذُوْا بِهَا وَاُرْشِدُوْا اِلَيْهَا وَحُثُّوْا عَلَيْهَا فَاقْتَدٰى بِهِمُ النَّاسُ وَاتَّفَقَ عَلَيْهَا اَهْلُ الْمِلَلِ جَمِيْعُهَا فِىْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ عَلٰى تَبَاعُدِ بُلْدَانِهِمْ وَاخْتِلَافِ اَدْيَانِهِمْ بِحُكْمِ مُنَاسَبَةٍ فِطْرِيَّةٍ وَ اقْتِضَاءٍ نَوْعِيٍّ (حجۃ اللہ البالغہ' باب مبحث البرّ والاثم ج1 ص58)

(ایسے ہی اچھائی کی شکلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان اشخاص کے دلوں میں بذریعہ الہام ڈالی ہیں جن کی ملکی نور مدد کرتا ہے۔ ان پر فطرتی خلق غالب ہوتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے شہد کی مکھی کے دل میں وہ طریقے ڈالے گئے جن کے مطابق وہ معاشی زندگی بسر کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہ طریقے اختیار کر لیے اور ان پر کام کرتے رہے۔ اور دوسرے لوگوں کی بھی رہنمائی کرتے رہے۔ اور انہیں ان کے اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ پھر لوگوں نے ان کی پیروی شروع کر دی۔ اور اس طرح سب ملتوں کے لوگ کرۂ زمین کے مختلف خطوں میں بستیوں کے دور دور ہونے اور مذہبوں کے اختلاف کے باوجود زندگی بسر کرنے کے لیے ان طریقوں پر متفق ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ان سب گروہوں کے افراد میں ایک فطری مناسبت موجود ہے اور وہ سب ایک نوعی تقاضے سے متاثر ہوتے ہیں۔[1]

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو چیز انسان کے لیے بُری ہے ہو سکتا ہے کہ کسی اور مخلوق کے لیے اچھی ہو۔[2]

1۔ اس موضوع کے مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج (1) باب انشقاق التکلیف من التقدیر (ص 20)' (2) باب کیفیۃ استنباط الارتفاقات (ص 38)' (3) باب حقیقۃ السعادۃ وغیرہ (مرتب)

2۔ جیسے کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) جو حیوانات کے تنفس کے لیے مضر ہے لیکن نباتات کے لیے مایۂ حیات ہے۔ (مرتب)

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان دونوں اصولوں کے جمع کر لینے سے معلوم ہوا کہ کائنات میں کوئی شے بُری اور غیر مفید ہے ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک شے کسی نہ کسی لحاظ سے کسی نہ کسی حالت میں کسی نہ کسی مخلوق کے لیے مفید ہی ہے۔ کوئی چیز بیکار اور فالتو نہیں۔ جو چیز وجود میں آئی ہے اس کا وجود میں آنا ضروری تھا۔ کائنات کو جو فائدہ اس شے سے حاصل ہو سکتا ہے وہ کسی اور شے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ 1

اس سے بہرحال ہر شے کو وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا پڑتی ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو مفید بنایا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

حمد الٰہی کے چار گوشے:

انسان اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق ہے، چار پہلوؤں میں سمجھ سکتا ہے۔

(1) وہ رب العالمین ہے۔
(2) وہ الرحمٰن ہے۔
(3) وہ الرحیم ہے۔
(4) وہ مالک یوم الدین ہے۔

آیت نمبر 1: (ب) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جو اقوامِ عالم کا رب ہے''۔

رَبّ'': اس کے معنی ہیں کسی شے کو تدریجاً نشوونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا 2 انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ انسان وہ مقصد سمجھ لے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس میں فنا ہو جائے۔ یعنی اس مقصد کی تکمیل کے سوا اور کسی کام کا خیال اس کے ذہن میں نہ آئے۔ یہ انفرادی درجہ تکمیل ہے۔

---

1 امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ فَنَحْن ... نَعْلَمُ قَطْعًا اَنَّهٗ لَا یُوْجَدُ شَیْئٌ اِلَّا وَ هُوَ اَحَقُّ بِاَنْ یُّوْجَدَ (حجتہ اللہ البالغہ ج 1 'باب ذکر سنۃ اللہ ص 17) یعنی ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں جو شے وجود میں لائی جاتی ہے اس کا وجود میں لایا جانا ہی سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے (ورنہ وہ وجود میں لائی نہ جاتی)۔ (مرتب) 2 مفردات القرآن للراغب (قاسمی)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اَلْعَالَمِیْنَ : یہ جمع ہے عالم کی۔ اس کے تین معنی ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں۔

(2) مخلوقات کی مختلف قسمیں مثلاً عالم موالید (Organic World) عالم جمادات (Inorganic World)۔

(3) مختلف انسانی اقوام (Groups)

"رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کے معنی : اس میں شک نہیں کہ تمام کمالات الٰہی مخلوقات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ذات الٰہی ان کمالات کی وجہ سے لائق حمد و ستائش ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس سورت میں تیسرے معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع ہمیشہ اجتماعیت انسانی (Human Social Order) ہی رہا ہے۔ اور وہ انسانی سوسائٹی (مجتمع) کی ہر قسم کی اصلاح کے لیے آتے ہیں۔1

خصوصاً خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا خصوصی مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کی فطرت کے تحت تمام اقوام کے لیے عمومی اجتماعی تحریک کی تکمیل

---

1 انبیاء کی بعثت کی غرض امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنے اصل مشن کا جزو بنا لیتے ہیں---- بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ انسانی اجتماعیت کے ارتفاق دوم اور ارتفاق سوم مہمل چھوڑ دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے بھی ان ارتفاقات کے ترک کر دینے کا کبھی حکم نہیں دیا---- وہ ہمیشہ ارتفاقات میں راہ اوسط اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ' باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ص 104) (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کریں۔1 جب قرآن کریم کا یہ مقصد ہے اور سورۂ فاتحہ اس کا خلاصہ ہے تو اس سورت میں ربُّ العالمین کے یہ معنی ہی زیادہ موزوں ہیں کہ وہ اقوام کا پروردگار ہے۔

"ربُّ الاقوام"

بیشک انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے الٰہ (معبود و محبوب) کی حیثیت سے جانتا ہے اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے لیکن جب وہ عالمی تحریک شروع کرے تو اسے طبعی طور پر اپنے رب کو رب العالمین (رب الاقوام) کی حیثیت سے جاننا اور پہچاننا ہوگا۔ یعنی اسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اپنا رب یا اس کے خاندان یا قبیلے ہی کا رب نہیں ہے بلکہ تمام اقوامِ عالم کا رب ہے۔2 اور تمام اقوام کو ارتقاء کے اس درجے تک پہنچائے گا جس کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے۔ اس آگے پیچھے کرنے میں بھی حکمت ہے۔

---

1 حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض: امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تمام ملتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور ارتفاقات خراب ہو چکے تھے اور یہ حالت نہایت بُری حد تک پہنچ چکی تھی اس لیے اب حق اس غرض سے نازل ہوا کہ جہاد (انقلاب) جاری کیا جائے۔ عبادات کی اشاعت کی جائے اور انہیں اوقات معینہ پر ادا کرنے کی تاکید کی جائے۔ اور ایرانی اور رومی سلطنتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نبوی نظام حکومت بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر و برکت کا وہ دروازہ کھولا جو پہلے نہیں کھلا تھا۔ اور اس ذریعے سے ایسی جماعت (امہ) منظم کی جو تمام انسانوں کے لیے بہترین جماعت تھی۔ (تفہیمات الٰہیہ ج1' تفہیم نمبر 19 ' ص 83-82) (مرتب)

2 ہر ایک قوم کی ہدایت کے لیے مختلف درجوں کے رہنمایان انسانیت پیدا ہوتے رہے اور انسانیت آگے بڑھی۔ اب تمام اقوام مل کر رفتہ رفتہ ایک بننا چاہتی ہیں لیکن وہ اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ (1) مشرقی بلاک (Eastern Block)۔ مغربی بلاک (Western Block) قرآن حکیم کے نزول کے وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ وہ ان دونوں کیمپوں کو ملانا چاہتا ہے۔ شرق و غرب1 کے اس اجتماع کے لیے کتاب عظیم کام دے گی اس لیے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا تعارف رب العالمین کی حیثیت سے کراتی ہے یعنی سب

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بقیہ حاشیہ

قوموں کو ملا کر انسانیت کو ترقی دینے والا۔ اس اجتماع انسانیت کی تکمیل کے بعد ہی یہ سمجھ میں آئے گا کہ اجتماع کامل کے درجے (قبائلیت' شعوبیت' قومیت) طے کرنے پڑتے ہیں وہ سب ضروری اور لابد تھے۔ اور انسانیت سے یہ سب نہایت قابل تعریف طریقے سے طے کرائے گئے ہیں۔ الحمدللہ رَبِّ العٰلمین (عبیداللہ سندھیؒ)

(حاشیہ مولانا سندھی پر ذیلی حاشیہ:

---

1 پروفیسر P.A. Sorokin استاذ اعلیٰ اجتماعیت' ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) لکھتے ہیں کہ:

The classification of human population, system of culture, nations and peoples as Eastern and Western is largely artificial and Fictirous. At almost no time after 1492 have the peoples and cultures of Asia and Africa been absolutely isolated from those of Europe and the Americas, and their historical lines have hardly proceeded independently from each other... Even this relative seperation from one another of the peoples and cultures of East and West has been Steadily decreasing during the last five centuries.

Modern means of communication and transporation are daily bringing the West and the East closer and will continue to do so until these segments of mankind become as interdependent upon each other as are most of the peoples and ways of life of either East or West . (Sorokin P.A. The Basic Trends of our Times. College and University Press, New Haven, Conn. (U.S.A.) P. 61).

(انسانی آبادی' نظام ہائے ثقافت' اقوام اور عوام کی ''مشرقی'' اور ''مغربی'' میں تقسیم زیادہ تر مصنوعی اور غیر حقیقی ہے۔ 1492ء کے بعد ایشیاء اور افریقہ کے عوام اور ثقافتیں تقریباً کبھی بھی یورپ اور امریکاؤں (The Americas) کے لوگوں اور ثقافتوں سے حتمی طور پر منقطع نہیں رہے ہیں اور ان کی تاریخی زندگیاں مشکل ہی سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر چلی ہیں---- مشرق اور مغرب کے لوگوں اور ثقافتوں کی یہ نسبتی علیحدگی بھی گزشتہ پانچ صدیوں سے گھٹتی چلی آ رہی ہے۔ دور جدید کے ذرائع رسل و رسائل مغرب اور مشرق کو روز بروز ایک دوسرے کے قریب تر لا رہے ہیں اور لاتے رہیں گے یہاں تک کہ نوع انسان کے یہ دونوں ٹکڑے اسی طرح ایک دوسرے پر انحصار رکھنے لگیں جیسے خود مشرق اور مغرب کے اکثر لوگوں اور ان کے طریقہ ہائے زندگی کا ایک دوسرے پر انحصار موجود ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حقیقت میں ہر ایک قوم انسانیت عامہ کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اب ہر ایک نے اپنی زمین (Territory) اور اپنا آسمان (Air-Space) الگ الگ کر لیا ہے۔ کسی قوم کو دوسری قوم کے زمین و آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود ان سب حصوں' قوموں میں بنیادی انسانیت موجود ہے۔ جس حصے میں انسانیت اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے وہ حصہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے نیچے دوسری اصناف بہ تدریج پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے وہ انسان کے دل و دماغ کو پالتا ہے تاکہ وہ اپنا مقصد حیات حاصل کرنا سیکھے۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کیا جائے انسان وہ اپنی مرضی سے کرنا سیکھے۔

انسان اپنی نوعی ترقی کے دوران میں مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آب و ہوا اور دیگر جغرافیائی حالات کے اختلاف سے انسانی نوع کا ایک حصہ دوسرے حصوں سے الگ تھلگ ہو گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہر ایک حصے کی بولی بھی الگ الگ ہو گئی۔ اور اس طرح مختلف علاقوں میں رہنے والے انسان جغرافیائی اور لسانی اختلافات کی وجہ سے مختلف قومیں بن گئے۔

جب قرآن حکیم آیا' یہ تقسیم انتہا کو پہنچ چکی تھی اور انسانیت کی تکمیل کا دوسرا دور شروع ہونے والا تھا۔ جس میں مختلف قوموں کے درمیان میل جول بڑھے گا اور ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔

انسانیت کی تین بنیادی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی انسانیت میں تین بنیادی چیزیں ودیعت فرمائی ہیں۔

(1) **رائے کلّی:** یعنی انسانی اجتماع کی خدمت کا جذبہ' جس کی وجہ سے وہ اپنے اجتماع میں نظام صالح پیدا کرنے' انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی اصلاح کرنے اور حیات مابعد الممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کی تیاری کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنے اجتماع میں اپنی وجاہت قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(2) **حب جمال:** جس کی وجہ سے وہ اپنی تخلیقات میں افادے کے علاوہ حُسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(3) **عقل و درایت:** عقل انسان کو کسی چیز کی اشد ضرورت کا احساس دلاتی ہے اور درایت اس مشکل کے حل کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

انسانیت کے یہ تین خاصے اس کے بنیادی خاصے ہیں۔ یہ تینوں ہر ایک انسانی اجتماع میں پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک اجتماعِ انسانی میں ارتفاقات معاشی اور ارتفاقات عقلی پیدا ہو گئے۔

ارتفاقات معاشیہ: سے مراد ان آلات وغیرہ کی ایجاد ہے جن سے انسان کی مادی زندگی کی مشکلات دور یا کم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً گھریلو اشیاء وغیرہ۔

ارتفاقات عقلی: سے مراد ان فکری مسائل کا حل ہے جو انسان کو اپنی زندگی کے دوران میں پیش آتے ہیں۔ مثلاً مادے کی حقیقت' کائنات کی ساخت' ریاضی کے مسائل' تاریخ کے مسائل وغیرہ۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے قول کے مطابق انسان کی شہری زندگی' قومی زندگی اور بین الاقوامی زندگی انسان کی اس ارتقائی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ [1]

رَبُّ الْعَالَمِیْنَ نہ صرف افراد کی تربیت کرتا ہے بلکہ انسانی اجتماعات (Group Life) خاندان' قبائل' شعوب' اقوام' بین الاقوامی اجتماعات کی بھی تربیت کرتا ہے۔ اس تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی انسانیت کو ترقی دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر ایک انسانی اجتماع میں ایسے اہل عقل و درایت پیدا ہوتے رہے جو انسانیت کے بنیادی تقاضوں کی تسکین کے لیے علم و حکمت معاشرے میں پھیلاتے رہے۔ یہ انبیاء کرام اور حکماء الٰہی تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی ترقی کی نئی راہ کھولی' یعنی انسانی داخلی نفسی کیفیات پر زیادہ اور مستقل توجہ کرنا۔ اب دنیا کی قومیں اس راہ پر تیزی سے چلیں گی۔ اور ان میں یہ بات پیدا ہوتی جائے گی کہ مختلف اجتماعات ایک مرکزی نقطے پر جمع ہو سکیں۔ یہ بین الاقوامیت کا نیا دور ہوگا۔ جو سابق کے سیاسی بین الاقوامی' اجتماعات سے زیادہ پائیدار ثابت ہوگا۔ اس اختراع فائقہ کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے سے کر دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی کا بلند ترین نقطہ ہے جس پر وہ انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ قرآن ایک حکیم کو اس درجے تک پہنچانا

1. حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ابواب ارتفاقات اور بدو ربازغہ ابواب ارتفاقات (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

چاہتا ہے کہ وہ تمام انسانی کائنات کی حکمت سمجھ کر رب العالمین کو ہر لحاظ سے قابلِ تعریف سمجھے اور کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کو "رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" کی حیثیت سے اس لیے بھی پیش کرتا ہے کہ وہ نوع انسان کو ایک بین الاقوامی آئین دینا چاہتا ہے' ایسا قانون کوئی ایک شخص یا قبیلہ یا قوم نہیں بنا سکتی۔ ایسا قانون "رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" ہی بنا سکتا ہے جو فطرت انسانی کا خالق ہے (فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا)(الروم: 30:30) اس بین الاقوامی قانون میں قومی قانون بھی آ جائے گا۔ لیکن اسی قدر جس قدر وہ بین الاقوامی (قانون) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔

نظام ربوبیت:

اللہ تعالیٰ نوع انسانی کا رب ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تربیت کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔ جس طرح کائنات میں اس کی ربوبیّت کا نظام ہر عیب سے پاک اور ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اسی طرح انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے اس نے جو دستور قرآن حکیم کی شکل میں دیا ہے وہ بھی ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔[1]

---

1. نوع انسان کی ربوبیت کے دو شعبے:

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نوع انسان کا رب ہے اس کی ربوبیت کے دو شعبے ہیں۔

(1) تکوین نوع انسان (2) تشریع برائے نوع انسان (یعنی انسان کو پیدا کرنا اور اس کی رہنمائی اور زندگی کی تنظیم کے لیے اسے قوانین دینا۔) امام صاحبؒ ان دونوں باتوں کو درخت کی مثال سے واضح فرماتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں ایک درخت کا بیج بوتے ہیں وہ بیج زمین میں سے پانی میں حل شدہ خوراک لیتا ہے۔ اور کچھ غذا ہوا میں سے لیتا ہے اسی میں درخت کے نوعی تقاضے درجہ بدرجہ تصرف کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ درخت کے نوعی تقاضے خود اس بیج میں پوشیدہ تھے۔ وہی درخت کی صورت میں ظاہر ہوگئے اس کے پتے' پھول پھل' ذائقہ اور لکڑی کی خاصیتیں وغیرہ جن کے سبب سے ایک نوع کا درخت دوسری نوع کے درخت سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ سب اس بیج میں پوشیدہ طور پر پہلے سے موجود تھے۔

ایسے ہی مادہ حیوان کے پیٹ میں جنین اس حیوان کے نوعی تقاضوں کے مطابق پرورش پاتا ہے۔ اور نوع کے قویٰ ادراکیہ اور قویٰ عملیہ ظاہر ہوتے ہیں اور حیوان کی حرکاتِ نفس ساعت بہ ساعت قوت سے فعل میں آتی رہتی ہیں۔ انسان کی بالکل یہی کیفیت ہے۔ بلکہ اس کے جنین میں نوع انسانی کے خاص ارتفاقات اور نفسی مجازات' سعادت و شقاوت نوعیہ وغیرہ سب ظاہر ہوتی ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانیت کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر پیدا کیا ہے اسی طرح سے فردِ انسانی کو بھی بہت بلند معیار پر تخلیق کیا ہے۔ (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (ہم نے انسان کو بہترین پیمانے پر پیدا کیا ہے) سورۂ التین 4:95) اگر انسانیت کی تقسیم اقوام میں ہو اور ہر ایک قوم اپنے اندر ایسا نظام پیدا کرلے جس میں افراد کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کی جائے اور وہ پوری طرح سے ادا بھی ہوتے رہیں۔ اور افراد اپنے فرائض اس زندہ احساس کے ساتھ ادا کرتے رہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہیں' تو کسی کو انسانیت میں کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہ آئے گی۔ اور اس پروردگار کی تعریف کرنی پڑے گی جس نے انسانیت' اقوام اور افراد کو ایک نظام کے اندر پیدا کیا' اور سب کی رہنمائی کے لیے قرآن حکیم جیسا دستورِ حیات عطا فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

گویا نوع کے احکام ہی افراد میں ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ "نوع" ایک قالب ہے وہ مؤثر بالذات نہیں۔ یعنی افراد پر اپنے ارادے سے اثر نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کسی تاثیر کا موجد حقیقی ہے۔ بلکہ جو حقیقی موجد تاثیر ہے' یعنی خداوند تعالیٰ وہ قالب اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جس طرح ایک ماہر سنگ تراش ایک خوبصورت مجسمہ گھڑتا ہے تو وہ مجسمہ اصل میں سنگ تراش کی ذہنی تصویر کی شکل پر ہوتا ہے' اسی طرح ہر ایک نوع کے احکام اور تقاضے حضرت واجب جل مجدہ کی ذات کے اقتضاء سے اس کے علم میں پوشیدہ تھے' ذات واجب میں یہ احکام تاثیر کی حیثیت میں تھے اور مخلوق میں یہی احکام تاثر کے رنگ میں ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انواع کے نوعی تقاضے پہلے واجب جل مجدہ کے علم میں آئے' اس منزل کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔

اس کے بعد وہاں سے ایک تجلی کے ذریعے سے ملاء اعلیٰ کے اذہان میں آئے جو حامل عرش تکوین ہیں۔

اس کے بعد جب حالات سازگار پیدا ہوگئے تو انسانِ مقدر' انسانِ خارجی کی شکل میں (دنیا میں) ظاہر ہوگیا۔

اس مرتبے میں ربوبیت کے دو شعبے ہوگئے۔

پہلا شعبہ ان احکام کا ہے جو زمانے کی قیود سے بالاتر ہیں۔ ان احکام پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً انسان میں ضحک (ہنسی) نطق' ارتفاقات ضروریہ اور نیکی اور بدی کے اصول' جو نوعی تقاضے انسانی افراد کو اسی طرح بذریعہ الہام پہنچتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو طبیعی الہام ان کی صورت نوعیہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

دوسری ربوبیت ان احکام کے ذریعے سے ہوتی ہے جو زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان ہر زمانے میں اپنی نوعی صورت سے مطابقت پیدا کرتا رہے اور نیکی اور بدی کے اصولوں کو ہر زمانے کے مناسب شکلوں میں اختیار کیے رکھے۔ (مرتب)

www.tahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانی معاشرہ ایسی طرز پر پیدا کر دیتا کہ اس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا۔ جیسے باقی ساری کائنات ہے۔ لیکن اس کی حکمت نے چاہا کہ انسان اپنی سمجھ اور ہمت سے اچھا نظام قائم کرے۔ اس کے لیے اسے عقل دی اور عقل کی مزید رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام بھیج کر انسانی جماعتوں کو تعلیم دیتا رہا۔ اب اس نے قرآن حکیم کی شکل میں بین الاقوامی دستور حیات بھیج دیا ہے۔ اس لیے اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو انسانی معاشرے میں قرآن حکیم کے مطابق نظام پیدا کرنے اور چلانے میں اپنی پوری ہمت صرف کر دے۔1

کائناتوں کا خالق

اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بھی رب العالمین ہے کہ وہ تمام دنیاؤں کا خالق ہے۔2

1. یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ رب العالمین صرف اقوام و افراد کی تربیت نہیں کرتا بلکہ وہ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والی تحریکات اور نظام ہائے ثقافت کی بھی تربیت کرتا ہے۔ چنانچہ ہر اذان کے بعد ہمیں جو دعا مانگنی سکھائی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ (الخ)

اس میں دعوۃ (نماز کے لیے پکار) کی ربوبیت اور الصلوۃ القائمہ کی ربوبیت کی دعا مانگی گئی ہے۔ یہ دعاء اس لیے سکھائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ایک عظیم الشان تحریک کے بانی اور ایک نظام کے قائم کرنے والے ہیں، وہ مقام محمود حاصل کریں۔ اس مقام محمود کا وعدہ آپ سے اس آیت میں کیا گیا ہے۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (79:17) ''تیرا رب عنقریب تجھے مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''

مقام محمود قرآن حکیم کا بین الاقوامی غلبہ عظیم ہی ہے جو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو حاصل ہو چکا ہے جب بنی عباس نے بغداد میں بین الاقوامی مرکز قائم کیا۔ اور پھر ہند میں مسلمانوں نے اسی قسم کا مرکز قائم کیا۔ لیکن اس کا ظہور کامل اس وقت ہوگا جب تمام انبیاء کی قومیں لوائے محمدی کے نیچے آ جائیں گی۔ اور قرآن حکیم کے قانون کی فرمانبرداری کرنے لگیں گی۔ (مرتب)

2. کائنات کی وسعت: کائنات عظمیٰ (سب سے بڑی کائنات جو تمام کائناتوں پر مشتمل ہے) اس میں ہمیں اپنی دوربینوں (Telescopes) کی مدد سے بیس لاکھ جزیرائی کائناتیں (Island Universes) دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی کائناتیں جو ہماری ناقص دوربینوں کی پہنچ سے باہر ہیں، ان کی تعداد کروڑوں ہوگی ہم خود ایک ''جزیرائی کائنات'' میں بستے ہیں جسے کہکشانی کائنات (GalaxticUnivers) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے جو رات کو ہمیں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس نے کروڑوں کائناتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ ہر ایک کائنات پورے نظام کے ساتھ ایک جامع قانون کے تحت ترقی و ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ کائنات عظمیٰ کی ایک اہم مخلوق' انسان کو بغیر کسی رہنمائی اور دستور حیات کے چھوڑ دیتا؟ بڑی کائنات میں ایک ایک ذرہ قانون کے تحت کام کر رہا ہے۔ ساری کائنات میں کامل آہنگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے۔1

کرۂ زمین پر ہر ایک نوع کی زندگی کے خاص قاعدے ہیں۔ وہی ان کی ''شریعت'' ہیں۔ اور وہ اس شریعت کے تحت چل رہی ہے۔ یہ شریعت اس نوع حیوان کی فطرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ جزیرائی کائناتیں سحابوں (مادے کے روشن بادل)(Nebulac) کی شکل میں نظر آتی ہیں اور ہماری کہکشانی کائنات سے لاکھوں نوری سال 1 کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ہمارا نظام شمسی (Solar System) اس لمبے کہکشاں کے اندر ستاروں کے ایک جھرمٹ (Star Cluster) میں واقع ہے۔ جس میں ایک اندازے کے مطابق 47 ہزار ملین (ملین = دس لاکھ) اور دوسرے اندازے کے مطابق ایک لاکھ ملین ستارے (سورج) ہیں۔
(مرتب) Ctowther, J.G. An Outline of Universe Chapter I & II

(ذیلی حاشیہ)

1 ایک نوری سال (Light Year) سے وہ فاصلہ مراد ہے جو روشنی کی کرن ایک لاکھ 86 ہزار میل فی ثانیہ (سیکنڈ) کی رفتار سے چلتی ہوئی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ یہ پانچ کھرب اٹھاسی ارب میل سے زیادہ ہے۔ علم ہیئت میں ستاروں وغیرہ کے فاصلے اتنے لمبے شمار میں آتے ہیں کہ جلد ہی ہمارے ہندسے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان فاصلوں کو میلوں میں ظاہر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان بے حد طویل فاصلوں کے ظاہر کرنے کے لیے نوری سال کو اکائی مان کر کہا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ دس نوری سال یا دس ہزار نوری یا دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ (مرتب)

---

1 کائنات میں ہم آہنگی: قرآن حکیم کی سورت الملک میں آتا ہے کہ

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ ۝ (4-3:67)

یعنی کیا تجھے خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں تجھے فتور دکھائی دیتا ہے پھر لوٹا لوٹا کر دو دفعہ نگاہ دوڑا' تیری نگاہ درماندہ ہو کر اور تھک ہار کر واپس آ جائے گی۔ اور کائنات میں کہیں کوئی فرق وفتور نہ پائے گی ان آیات کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب (مشیر سائنس برائے صدر پاکستان) نے کراچی یونیورسٹی میں 12 فروری 1965ء کو ایک لیکچر دیا' جس کا عنوان مادے کے بنیادی ذرات (Fundamental Particles of Matter) تھا اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ ساری کائنات میں انتہا درجے کی یکسانیت اور موزونیت پائی جاتی ہے اور کہیں کوئی فرق یا بے قاعدگی دکھائی نہیں دیتی۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ انسان کی بھی ایک فطرت ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے بھی ایک دستورِ حیات ہونا چاہیے۔ وہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطے اور دستور کے ذریعے سے تمام اقوام کو ان کی اپنی انسانی فطرت کی تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے۔

آیت نمبر2: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾

''جو نہایت مہربان انتہائی رحم والا ہے۔''

ان دونوں لفظوں کا مادہ رحم ہے' جسے سب جانتے ہیں یہ اس سلوک سے معلوم ہو سکتا ہے جو ماں باپ اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔

''آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک عورت کسی غزوہ میں گرفتار ہو کر آئی' اس کا بچہ گم ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں محبت کا یہ جوش تھا کہ جو بچہ مل جاتا' اسے سینے سے لگا لیتی اور دودھ پلاتی۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے فرمایا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کیا' ہرگز نہیں۔ فرمایا: ''خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔''

''ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک پرندہ مع اس کے بچوں کے چادر میں لپٹا ہوا لایا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں ایک جھاڑی میں سے یہ بچے اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لایا۔ ان کی ماں یہ دیکھ کر میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا کپڑا کھول دیا تو یہ فوراً بچوں پر گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی محبت پر تمہیں تعجب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے' خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدر جہا زیادہ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ایک سو حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہے۔ انسان کو انسان سے محبت ہے۔ حیوان کو حیوان سے محبت ہے۔

دنیا میں انسان کی تربیت ماں باپ کے ذریعے سے ہوتی ہے (دوسرے حیوانوں کی زندگی کا بھی عموماً یہی قاعدہ ہے)۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ ماں باپ کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ خود کسی انسانی فرد کا ماں یا باپ بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی اولاد

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لیے ویسی ہی رحمت اور محبت اپنے اندر پاتا ہے' جیسی اس کے ماں باپ خود اس کے لیے ظاہر کرتے تھے۔

دنیا میں جتنے "ماں باپ" آج تک ہو چکے ہوں یا قیامت تک ہوں گے (انسانوں کے ہوں یا حیوانوں کے)' ان سب کی مہرپدری اور محبت مادری کو جمع کر کے اسے سوگنا کرلیا جائے' تو اللہ تعالیٰ کے رحم کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے (او کما قال)

رحمٰن اور رحیم

ذرا غور کیا جائے تو باپ اور ماں کی محبت میں ایک طبعی فرق نظر آتا ہے۔ باپ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد کمال حاصل کرلے' خواہ اولاد کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

ماں کی مامتا چاہتی ہے کہ اس کی اولاد کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جو پہلو باپ کی محبت سے مشابہ ہے وہ رحمانیت ہے اور جو ماں کی محبت کی مانند ہے وہ رحیمیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت چاہتی ہے کہ انسان مشقتیں اٹھا کر بھی کمال کے درجے طے کرتا رہے چنانچہ سورۃ رحمٰن میں آتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا) (55 :2-1)

اب قرآن حکیم پڑھنا' پڑھانا' اس کے اصول کی اشاعت کرنا' ان پر جماعت تیار کرنا' اس کے دستور کو دوسرے دستوروں پر غالب کرنا اور اس کی حفاظت کے لیے لڑنا مرنا' یہ سب رحمانیت کا تقاضا ہے۔

اس کی رحیمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے محبوب بندے اپنے اعمال کے نتائج سے بہترین فائدے حاصل کریں اور ہر قسم کی تکلیف' غم اور خوف سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ سورۃ الشعراء میں مومنوں اور کافروں کا تقابل کیا گیا ہے۔ کافروں کی نسبت بتایا گیا ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور وہ مغلوب ہوں گے۔ اور مومن پر رحم کیا جائے گا وہاں اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا ذکر فرماتا ہے یعنی وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (9:26) (تیرا رب ہی عزیز اور رحیم ہے)۔ گویا العزیز ہے بمقابلہ کفار' جنہوں نے

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدائے عزیز کی عزت کے خلاف کام کیا۔ یہ لوگ ضرور عذاب میں مبتلا ہونے چاہئیں۔ اور الرحیم ہے مومنوں کے ساتھ' اس لیے وہ انہیں جنت میں جگہ دے گا' جہاں انہیں کوئی تکلیف اور زحمت نہ ہوگی۔ پس قرآن حکیم میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر آئے گا' وہ ان دو معنوں میں سے کسی معنی میں آئے گا' اور اس کا مرجع یہ بنیادی آیت کریمہ ہوگی۔

بچہ ماں باپ کے بھروسے ہی پر ترقی کر سکتا ہے۔ جہاں ماں باپ کی قوتیں جواب دیتی جائیں اور ''اَلرَّحْمٰنِ'' اور ''اَلرَّحِیْمِ'' پر انسان کا بھروسہ بڑھتا جائے' وہ اپنی فطرت کے مطابق ترقی کرتا چلا جاتا ہے' اور اس کی انسانیت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرح انسانی فطرت کی طلب پوری ہو جاتی ہے۔

رحمت کی وسعت

اور ''اَلرَّحْمٰنِ'' اور ''اَلرَّحِیْمِ'' کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لیے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طاقت کا اندازہ لگاؤ۔ وہ تمام کائناتوں کو ارتقاء کی منزلوں سے گزار رہا ہے۔ وہ انسانی جماعتوں کے لیے ترقی کی راہیں کھولتا ہے۔ اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان کرتا ہے۔ اگر انسان اتنی وسیع طاقت کے مالک رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ پر بھروسہ کرنا سیکھ لے' جس کی محبت اور رحمت تمام دنیا کے ماں باپوں کی محبت سے سینکڑوں گنا وسیع ہے۔ اور جس کی طاقت (تجلّی) تمام کائناتوں کے گوشے گوشے تک پہنچتی ہے' تو انسان کی ترقی کی راہ میں کون سی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے؟

تمام کائناتوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہی سے ہوا ہے۔ ان کائناتوں کے اندر ارتقاء کے جو قوانین جاری ہیں' اور اس کی رحیمیت نے انسان کی راحت کے لیے جو سامان اس زندگی کے لیے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے پیدا کر رکھے ہیں' ان کا جتنا علم انسان کو ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اس بات کا قائل ہوتا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم کے تمام کام ہر لحاظ سے قابل تعریف اور لائق ستائش ہیں۔

نوٹ: اس سورۃ کا ''رب العٰلمین'' سورۃ الناس کے ''رب الناس'' ہی کا قائم مقام ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 3: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

''جو انصاف کے دن کا مالک ہے۔''

نظام عدل کی ضرورت: جنگل کے درختوں اور پودوں کو ربوبیّت الٰہی غذا بہم پہنچاتی ہے تو وہ نشوونما پاتے ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے ان کی شاخیں آپس میں پھنس جاتی ہیں۔ اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی مالی ہو جو انہیں الگ الگ کر دے۔ اور ضرورت ہو تو چھانٹ ڈالے تاکہ وہ اپنے حلقے میں بڑھتے رہیں۔ یہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مختلف استعداد کے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی انفرادی فطرت کی تکمیل کرتی ہے تو طبعی طور پر ان میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب یہ اختلافات بڑھتے ہیں تو معاشرے (Society) میں ایک فرد دوسرے فرد پر ظلم کرنے لگتا ہے۔ اب جو شخص اس معاشرے کو باہر سے دیکھے گا وہ فرشتوں کی طرح یہی کہے گا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (بقرہ: 30) (کیا تو کرۂ زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو اسے خراب کرے اور خون ریزی کرے)۔ لیکن جو شخص اسے اندر سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ انسان کے ہر فعل کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور یہ سلسلۂ اسباب مسلسل چلا جاتا ہے۔ انسانی معاشرے کے اندر سلسلۂ ظلم و طغیان بھی سلسلۂ اسباب سے خارج نہیں ہے۔ یہ انارکزم (Anarchism) نہیں ہے۔

انسانی معاشرے میں بعض اسباب کے زیر اثر ظلم و طغیان کا ظہور ہوا تو حکمت الٰہی نے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ انسان کٹ کٹ کر فنا ہو جائیں۔ بلکہ اس نے نظام عدل پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ انسان اپنی ترقی کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے جو اس کی ربوبیّت کی تفسیر ہے۔ اسی طرح عدلِ حق کا بھی محتاج ہے جو اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور مملوکیّت کا ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مالکیت اور ملوکیّت سب سے زیادہ واضح شکل میں انسانی نظام ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی قدرت اور قہرمانی باقی تمام غیر ذی ارادہ اشیاء پر ان کے ارادے کے بغیر ہی قائم ہے۔ لیکن انسان خود اپنے ارادے اور فیصلے سے اللہ تعالیٰ کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کرتا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے!! پس اس سورت کا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سورۃ الناس کا مَلِكِ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

النّــاس ہی ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ معاشرۂ انسانی کے قیام وقوام اور ترقی کے لیے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہت کے ذریعے سے قائم ہو یا عوامیّت اور جمہوریت کے ذریعے سے قائم ہو۔ کسی طرح سے بھی ہو۔ 1

1 امام ولی اللہ اور نظام عدل: امام ولی اللہ دہلویؒ نظام عدل کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

(1) ارتفاق ثالث: اس کی حقیقت یہ ہے کہ اصول مذکورہ کے مطابق انسان کے لیے تمدنی زندگی لازم ہے۔ کیونکہ حقیقت میں شہر سے مراد فصیل' منڈی اور بلند عمارات نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مختلف انسانی جماعتوں کے مابین ارتباط مراد ہے۔ اور اصول مذکورہ کی رو سے مختلف جماعتوں میں ارتباط پیدا ہو جانا طبعی طور پر لازم ہے۔ یہ تمام انسانی جماعتیں آپس کے معاونات اور معاملات کی وجہ سے ایک شخصیت پیدا کر لیتی ہیں۔ لیکن یہ شخصیت معنوی ہوتی ہے۔ اور خارجی یا داخلی اسباب اس کی شخصیت میں صحت اور مرض کی حالت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا شہر کے لیے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو حتی الامکان اس کی صحت قائم رکھے۔ اور اگر مرض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کا معالجہ بھی کر سکے۔ امام مع اپنے کارندوں کے تمدن کا طبیب ہوتا ہے۔ (البدور البازغہ ص 91 فصل فی مبحث ارتفاق الثالث)

(2) ایک اور جگہ مدینہ (شہر) کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اس میں (یعنی شہر میں) البتہ ایک وحدت ہوتی ہے تو اس وحدت کا صحت کے ساتھ قائم رکھنا لازم ہے۔ تاکہ تمدنی زندگی کے منافع کی تکمیل ہو سکے۔ تو وہ تدبیر (نظام) جس سے صحت قائم رہتی ہے اور تکمیل منافع ہوتی رہتی ہے وہی حقیقت میں امام ہے۔ وَلَيْسَ الْإِمَامُ عِنْدَنَا هُوَ الشَّخْصُ الْوَاحِدُ الْإِنْسَانِيُّ فَقَطْ (ہمارے نزدیک امام کوئی انسانی فرد نہیں ہوتا) البتہ اگر کوئی انسانی فرد شہر کا حاکم بن جائے اور وہ یہ نظام قائم کرنے کی استعداد بھی رکھتا ہو' گو وہ اپنی ذات سے آمر مطلق ہی کیوں نہ ہو' اور شہری زندگی (اس کے عمل سے) پوری صلاحیت سے چلے' تو اس لفظ کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے وہ بھی امام کہلا سکے گا۔ (ایضاً ص 91)

(3) شہری زندگی کی تنظیمی ضروریات پر بحث کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں: چونکہ مدینہ تامہ میں لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو جانے اور ان کی طبیعتوں اور غرضوں کے اختلافات کی وجہ سے آراء کے اختلاف کے باعث کسی نظام کا قیام مشکل ہو جاتا ہے' اس لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو نظام قائم کر سکے۔ ایسا شخص جو مذکورہ بالا (پانچوں صفات) کا حامل ہو امام برحق ہوتا ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اکثر اوقات امر واقع یہ ہوتا ہے کہ ایک صفت ایک شخص میں پائی گئی اور دوسری کسی اور میں' باقی کسی اور میں۔ مدینہ ناقصہ میں ہر ایک ضرورت کے لیے ایک رسم موجود ہوتی ہے جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ یا ایک ایک پیشے کے لوگوں کا چوہدری ہوتا ہے جس کی رائے مانی جاتی ہے یا اجتماع'' مِنْ عُقَلَاءِ الْقَوْمِ وَ مُبَرِّزِيهِمْ (قوم کے عقل مندوں اور سربرآوردہ لوگوں کا اجتماع) ہوتا ہے جو نظام قائم رکھتا ہے۔ (ایضاً ص 94) ایک اور جگہ (ایضاً ص 242) عقلاً کی جگہ ''حکما'' بھی فرماتے ہیں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

''انسانیت'' ذمہ داری کا نام ہے: انسان کی انسانیت میں اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ وہ ایک بات سمجھ لے اور پھر اسے عمل میں لائے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذمہ اٹھائے۔ وہ اینٹ پتھر نہیں ہے کہ ہلایا تو ہل گیا ورنہ ساکن پڑا ہے۔

ہم اپنی روزانہ زندگی میں ''نوکر'' اور ''غلام'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ نوکر اور غلام خود سوچ کر اپنی ذمہ داری پر کوئی کام نہیں کر سکتے' اس لیے ان پر ''انسان'' کا لفظ پوری طرح صادق نہیں آتا۔ اصل میں انسان کا ترجمہ حـــر (آزاد) ہے۔ یعنی وہ خود سوچ کر اپنی ذمہ داری سے کام کرتا ہے۔

اس جوہر حریت کو ترقی دینے اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کو یقین دلایا جائے کہ خدائے رحمٰن و رحیم نے اس کی ترقی کے تمام سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر وہ ان اسباب سے کام لے اور اپنے فرائض ادا کرے تو اس کی ترقی کے لیے وسیع میدان موجود ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اسے سزا بھگتنی ہوگی' کیونکہ اس کے اعمال کے نتیجے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ ہر ایک انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں گروی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا کا رجحان اس طرف ہے چنانچہ پی۔ اے سائزکن ہاورڈ یونیورسٹی لکھتے ہیں کہ:

Three significant trends in the qulfications of the new governments are already observable.

The first of these trends manifests itself in the rapidly increasing role of scientists and expert in the planning, developing, controlling and executing of an ever-increasing part of the important governing activities and policies," (Sorokin P.A. The Basic Trends of Our Times. College and University Press. New Haven. Conn U.S.A. P. 55.

نئی حکومتوں کے اوصاف میں تین معنی خیز رجحانات نمودار ہوتے صاف دکھائی دینے لگے ہیں۔ پہلا رجحان حکومتوں کی انتظامی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی منصوبہ بندی' تکمیل' نظم و نسق اور تعمیل و نفاذ میں حکماء (سائنسدانوں) اور (ہر شعبہ حیات کے) خصوصی ماہرین کی سرعت سے بڑھتی ہوئی اور زیادہ سے زیادہ حصہ داری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور وہ اس نتیجے سے کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس نتیجے سے آزاد نہیں کرسکتی۔

انسان میں یہ یقین جتنا زیادہ قوی ہوگا' وہ اتنا ہی اعلیٰ درجے کا نظام پیدا کرلے گا۔ اور اسے چلائے گا اور جتنے زیادہ انسانوں کو یہ یقین حاصل ہوگا' اتنی ہی انسانیت ترقی کرے گی۔ جتنا یقین کمزور ہوگا اتنی ہی انسان کی انسانیت کمزور ہوگی۔ وہ کام کرے گا لیکن اپنے آپ کو اپنے کاموں کے نتیجوں کا ذمہ دار نہیں سمجھے گا۔ ایسا شخص انسان نہیں نرا حیوان ہے۔ وہ جتنا ظلم کرے کرسکتا ہے۔

عمل اور اس کا نتیجہ

امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فعل کی تکمیل سے پہلے اس کا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ جونہی اس کا فعل پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے' اس کا نتیجہ جزا یا سزا مرتب ہو جاتا ہے۔ گو کبھی کبھی وہ نتیجہ فی الفور ظاہر نہیں ہوتا۔ پس انسان اپنے تمام اعمال میں مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کا محتاج ہے جو اس کے اعمال کے نتائج مرتب کرے۔

دین کے معنی ہیں جزاء۔ ہر ایک حرکت کا نتیجہ نکلنا ایک کائنات گیر قانون ہے۔ اس کے عمل کو نظام کلی (Universal) کہتے ہیں۔ اس نظام کلی کے تحت انسان کے عملوں کی جزاء (یا سزا) مرتب ہوتی ہے۔ اسے قانون مجازات کہتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انسان کو اس دنیا میں بھی جزاء اعمال ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ چنانچہ انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ (ج 1) میں ''مبحث کیفیۃ المجازاۃ فی الحیاۃ و بعد المماۃ'' کے عنوان سے ایک مستقل بحث لکھی ہے۔

بقول امام صاحب قانونِ مجازات کی اصل (Basic Application) حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے چنانچہ اگر حیوان ضرورت سے زیادہ چارہ کھالے تو اسے تخمہ (اپھارہ) ہو جاتا ہے۔ یا اگر زہریلی بوٹی کھا جائے تو سخت دردِ شکم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر درخت اپنی طبعی ضرورت سے زیادہ پانی جذب کرلے تو اس کا پھل خراب ہو جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ چونکہ انسان کو نہایت ذکی اور لطیف نفس دیا گیا ہے اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیے اس کے حق میں مجازات دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے، یعنی:

قسم اول ان افعال کے بارے میں جن کا تعلق بدن انسانی کے ساتھ ہے۔ جیسے زیادہ کھا جانے سے تخمے (اپھارے) میں مبتلا ہو جانا۔ یا زہر کھا کر مر جانا۔ یہ افعال جان بوجھ کر کیے جائیں یا غلطی سے سرزد ہوں۔ یا کسی کے جبر و اکراہ سے کرنے پڑیں۔ ان افعال کا اثر ضرور نکلتا ہے۔ ان افعال میں یہ شرط نہیں ہے کہ کرنے والے نے اپنے ارادے سے جان بوجھ کر کیے ہوں۔

قسم دوم ان افعال کے بارے میں جو انسان کا نفس اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور اس کا نفس ناطقہ ان کا رنگ اپنے اندر لیتا ہے۔

امام صاحب جزاء کے چار موطن (Levels) قرار دیتے ہیں۔

(1) اس دنیا میں

(2) عالم برزخ میں

(3) عالم حشر میں اور

(4) مجازات اجتماعی یعنی نوع انسان کی کلی جزاء۔

اس موضوع پر امام صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے (دیکھیے تفہیمات الٰہیہ' جلد 1' تفہیم 78' ص 331)

یوم الدین کی ضرورت

(1) اللہ تعالیٰ نے انسان کے عملوں کے نتائج مرتب کرنے اور اس کے کاموں کا بدلہ دینے کے مختلف قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی قاعدے کے مطابق دنیا یا آخرت میں اس کے عمل کا اچھا یا بُرا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ فرض کرو کہ بعض خاص حالات میں کسی شخص کو اپنے عمل یا عملوں کا بدلہ نہیں ملا (مثلاً سزا سے بچ گیا یا جزا پانے سے محروم رہ گیا) تو ضروری ہے کہ ایک دن ایسا ہو جب اسے اس کے عملوں کی پوری پوری جزا یا سزا ملے۔ اسے یوم الدین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس وسیع اور غیر محدود طاقت کے ساتھ تمام کائناتوں کا انتظام کرتا ہے اور تمام دنیا کی قوموں کی ترقی کے سامان بہم پہنچاتا ہے' اسی وسیع اور لامحدود

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

طاقت کے ساتھ ہر ایک انسان سے اس کے اعمال کی باز پرس بھی کرے گا۔ اس سے وہ مالک یوم الدین کہلاتا ہے۔1

(2) کسی انسان کا ایک فعل لمحوں اور ثانیوں میں تکمیل نہیں پاتا۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے عمل کا نتیجہ دنوں، ہفتوں، یا برسوں میں نکلے۔ لیکن اگر کوئی بہت بڑا اجتماع کوئی عمل کر رہا ہو تو وہ صدیوں سے پہلے تکمیل نہیں پاسکتا۔ اس کا نتیجہ بھی صدیوں ہی میں مرتب ہوسکتا ہے۔ اجتماعیت عامہ میں، جس میں تمام اقوام اور ساری کی ساری انسانیت شریک ہو، جو عمل ہو رہا ہے وہ انسانیت کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے اور کرۂ زمین سے انسانیت ختم ہو جائے۔ کیا انسانیت عامہ کے نوعی اجتماعی کام کی جانچ (Assessment) کے لیے کوئی وقت نہیں ہونا چاہیے؟ جس طرح افراد انسانی اور چھوٹے انسانی اجتماعات کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، اسی طرح نوع انسانی کی اجماعی اور اجتماعی جانچ پڑتال بھی ہوگی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے 'یوم الدین' پر اٹھا رکھا ہے۔2

(3) معاشرے میں بعض لوگ اس کام پر مقرر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دیں۔ لیکن یہ جزا دینے والے بھول چوک سے یا جان بوجھ کر غلطی کر جاتے ہیں۔ اس غلطی کا تدارک بعض اوقات اس دنیا میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک 'یوم الدین' ہو جس میں حاکموں اور فیصلہ کرنے والوں کے غلط فیصلوں پر نظرثانی کی جائے۔ اور لوگوں پر جو ظلم ہوا ہو، اس کا تدارک کیا جائے۔ یہ بھی 'یوم الدین' پر موقوف ہے۔

(4) خدائے رحمٰن و رحیم انسانوں کو جتنی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اگر انسان ان کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اسے ان سب نعمتوں کا حساب دینا ہوگا تو وہ ہر موقع پر سوچ سمجھ کر کام کرے گا۔ اور کسی نعمت کو ضائع نہیں کرے گا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ

---

1 تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں یہی بات انسان کو سمجھانے کے لیے آئی ہیں۔ ہر چیز کبھی کسی نبی کے ذریعے سمجھائی گئی ہے کبھی اس کے قائم مقام کے ذریعے سے۔ جسے حکیم کہتے ہیں۔ (مولانا عبیداللہ سندھی)

2 سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (ہم عنقریب تم دونوں گروہوں کے لیے فارغ ہو جائیں گے) (الرحمٰن 31:55) (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (284:2) ''یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر کرو یا چھپائے رکھو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔''

جملہ معترضہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے اور پھر آگے اس آیت کی تشریح میں تقریریں بناتے ہیں۔ کیا انہوں نے انسانیت اور اس کی ذمہ داری کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اتنی مخلوق پیدا کر کے انسان کو اپنا خلیفہ (نائب) کے طور پر ان سب پر حاکم بنایا ہے۔ کیا وہ ''اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن'' اپنے نائب سے حساب نہ لے گا؟ اگر انسان حساب دینے سے انکار کرتے ہیں تو گویا وہ انسان نہیں بننا چاہتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (286:2) ''اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر گرفت نہ فرمایئے'' آیت محاسبہ کی ناسخ ہے' حالانکہ وہ اس کی تکمیل کرتی ہے۔ اصل میں ان لوگوں کا کام ہی یہی ہے کہ تمام کام کی آیتوں کو بیکار بنا کر رکھ دیں۔ ہمارا فکر یہ ہے کہ ان لوگوں نے بچوں کو سکھانے کے لیے تفسیریں لکھیں تھیں (بڑی عمر کے لوگ تو زندگی کے تجربوں سے قرآن آسانی سے سیکھ لیتے ہیں)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ اب ناسخ و منسوخ کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ سارا قرآن اصل اور قابل عمل ہے۔ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

حدیث شریف (مسلم) میں آیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان سے الگ الگ سوال جواب کرے گا۔ اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ میں نے تجھے رزق دیا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ بندہ کہے گا یا اللہ! تُو تو بھوک پیاس سے پاک ہے' تجھے روٹی کیا دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ عاجز بھوکا انسان تیرے پاس آیا۔ تو نے اسے روٹی نہ دی۔ اگر اسے روٹی دے دیتا تو وہ مجھے پہنچ جاتی۔ پھر جماعت سے سوال ہوگا کہ تم نے اس نبی کی بات کیوں نہ مانی؟ الغرض زندگی کی تمام نعمتوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔

(الف) ایک نعمت ایک انسانی فرد کو دی گئی ہے اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔

www.rahnamia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ب) ایک نعمت ایک جماعت (قوم) کو دی گئی ہے' اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔
(ج) جو نعمتیں انسانیت عامہ کو دی گئی ہیں ان کا حساب ساری انسانیت کو دینا ہوگا۔
اس غرض کے لیے ساری انسانیت کا میدان حشر میں جمع کیا جانا ضروری ہے تاکہ سب کا انفرادی اور اجتماعی حساب لیا جائے۔ یہ ''یَوْمُ الدِّیْن'' ہی کو ممکن ہے۔
انسان کو یہ بات کہ اسے خدا تعالیٰ کے روبرو جواب دینا ہوگا، اپنی زندگی کے تمام درجوں میں یاد رکھنی چاہیے۔
(د) اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کر کے انسان کو اس کا حاکم بنا دیا ہے۔ وہ ان سے کام لیتا ہے اور فائدے اٹھاتا ہے۔ کیا ''اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن'' اپنے نائب سے اس کی ذمہ داریوں کا حساب نہ لے گا؟ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ گویا انسان نہیں بننا چاہتے۔
مختصر یہ کہ انسانیت کی ترقی کے لیے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے جس کے تحت قانونِ مکافات پوری طرح سے عمل کرے۔ لیکن اسے انسان کی موجودہ زندگی میں ایسے حالات اور قوانین کے تحت کام کرنا پڑتا ہے کہ ان قوانین کے طبعی تقاضوں کی وجہ سے قانونِ مکافات اپنا پورا عمل نہیں کر سکتا۔[1] اس لیے نہ افراد اور اقوام کے ظلموں کی پوری سزا مل سکتی ہے' نہ حاکموں کے ارادی اور غیر ارادی غلط فیصلوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ نیز افراد' اقوام اور انسانیت عامہ کے کام جاری رہتے ہیں جن کا انجام اس وقت ہوگا جب نوع انسان کا خاتمہ ہوگا۔ ایسے ہی افراد اقوام اور انسانیت عامہ کو جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کے استعمال کا حساب نوع انسان کے خاتمے ہی پر لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب امور نوع انسانی کے اس دور کے خاتمہ پر ایک یوم الدین کا تقاضا کرتے ہیں جب پورا پورا حساب لیا جائے اور مکمل عدل کیا جائے۔ یہ دن ضرور آئے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ حساب لینے اور انصاف کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کرے گا۔

---

1. امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ''جب ان اسباب میں جن پر فیصلے کا اجراء موقوف ہے طبعی طور پر تعارض پیدا ہو جائے اور اس فیصلے کے مطابق جو حالات پیدا ہونے چاہئیں ان کا کلی طور پر وجود میں لانا ممکن نہ ہو تو اس وقت حکمت الٰہی ان اشیاء کی رعایت کرتی ہے (یعنی ان اسباب کو کام کرنے دیتی ہے) جو خیر مطلق کے زیادہ قریب ہوں۔''
(حجۃ اللہ البالغہ ج 1' باب ذکر سنۃ اللہ' ص 17 - 18) (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

یوم الدین پر ایمان کا فائدہ

جب انسان یوم جزا کی معرفت پر پورا یقین کر لیتا ہے تو وہ اس بات سے بے فکر ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی حق مارا جائے گا یا وہ معاشرے کی خدمت کے لیے جو کام کرے گا جزا سے محروم رہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اگر اس حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق اس کے کسی عمل کی جزاء اسے دنیا میں نہیں مل سکی یا جو ظلم اس پر ہوا اس کی اصلاح نہیں ہو سکی تو ''یَوْمُ الدِّیْن'' پر اسے وہ جزا مل جائے گی' اور اس روز اس کی پوری دادرسی کی جائے گی۔ اس امر کے کامل یقین ہی سے انسانیت کی تنظیم کی قوت قاہرہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر انسان کو آخری یوم جزا کا یقین نہ ہو یا وہ اسے تسلیم نہ کرتا ہو تو وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور ظلم کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اس ذہنیت کے انسان کسی معاشرے میں اوپر آ جائیں تو وہ بے انتہا ظلم کر سکتے ہیں۔

غرض دنیا اور آخرت میں مَجَازَاۃ (اعمال کی جزا) کا جو سلسلہ کام کر رہا ہے[1] وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اور اس تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اسے اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ چلا رہا ہے۔

1. دنیا و آخرت میں ''مَجَازَاۃ'' (اعمال کی جزا و سزا) کا سلسلہ کیوں اور کیسے جاری و ساری ہے۔ اس کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے حجۃ اللہ البالغہ کی اہم بحث ''مبحث المجازاۃ'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مبحث میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا خلاصہ نہایت عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 4: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

"تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں"

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ' الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف بخوبی کرا دیا۔ ان تمام صفتوں کا مرجع ذات واحد ہے جسے اللہ کہا گیا ہے۔ ساری کائنات پر اس کی ربوبیّت' رحمانیّت' رحیمیّت اور مالکیّت کے نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالو اور فرد' خاندان' قوم' بین الاقوامی اجتماع اور انسانیت عامہ میں ان صفات کے ظہور و عمل پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل و عمل میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور ان ذات والا صفات کی ہر لحاظ سے تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ان صفات کا تصور انسان میں "اخبات" کا گہرا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"۔

جب انسانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیّن ہوگیا۔ اور یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اقوام کا رب (پروردگار) ہے۔ اور اس کی ربوبیّت انسانی معاشرے میں ماں باپ کی ربوبیّت جیسی لیکن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اور تمام جھگڑوں کو چکانے والا (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) وہی ہے اور وہی مظلوموں کے حقوق ظالموں سے لے کر دے سکتا ہے' تو انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کی حکومت درکار ہے؟ اس حالت میں انسانیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت' حاکمیت' ملوکیت اور مالکیت کو قبول کر کے ترقی کر سکتی ہے۔

جب انسانیت اپنے آپ کو اللہ "رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" اور "رَبُّ النَّاس" کے ساتھ باندھ لے تو وہ کبھی حسرت میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ یہ معنی ہیں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کے۔ گویا ہم اعلان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے سوا ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ ہم اسی کی غلامی کرتے ہیں' اپنے سارے دل کے ساتھ' اپنی ساری عقل کی معرفت کے ساتھ اور اپنے اعضاء و جوارح کی پوری تابعداری کے ساتھ۔ اب کوئی غیر اللہ ہم سے اس قسم کی پیروی اطاعت اور فرمانبرداری کی امید نہ رکھے۔

(الف) "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔

ہم تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ تیری کتابِ دستور "قرآن حکیم" کے کسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکم سے سرتابی نہیں کریں گے!

عبادت کیا ہے؟

جب کوئی شخص قرآن حکیم کو بطور کتاب الٰہی تسلیم کر لے تو اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسے پڑھنے میں اتنی محنت کرے کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ میں نے اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہے۔ اب وہ اس کتاب عظیم کے کسی حکم کی تاویل کر کے اسے منسوخ کہہ کر ٹال نہیں سکتا۔ وہ اس کے ہر ایک حکم کی خوشدلانہ تعمیل کرے گا یہی عبادت ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ آیا ہے اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ (17:75) امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام نے جس طرح قرآن حکیم جمع کیا وہ گویا خداوند تعالیٰ نے جمع فرمایا ہے۔ آگے آتا ہے وَقُرۡاٰنَهٗ (یعنی ہم پر اس کا پڑھانا بھی واجب ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرماتا رہے گا جو قرآن کو سمجھ کر آگے لوگوں کو سمجھاتے رہیں گے۔ اگر الفاظ قرآن حکیم کے پڑھے جائیں اور مطلب اپنا لیا جائے تو یہ قرآن پڑھنا نہیں ہوگا۔ جب ہم قرآن حکیم کے کسی لفظ، کسی حرف یا کسی شوشے کو نہیں بدلتے تو اس کے معنی کو کیوں بدلیں؟

''اِخبَات اِلَی اللہ''

جب ساری کائنات میں ایک ہی اللہ کا قانون جاری ہے اور ہر ایک انسان اور ساری نوع انسانی اس کے آگے جوابدہ ہے، تو کامیاب سوسائٹی وہی ہوگی جس میں اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا جائے، اسی سے محبت کی جائے، اسی کے قانون کو تسلیم کیا جائے اور اس کی پابندی کی جائے۔ اسے ''اخبات'' کہتے ہیں۔

ہم اپنے ماں باپ، اپنے اساتذہ، روحانی مشائخ اور عادل حکام کی عزت کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنے دلوں میں عزت، محبت اور اطاعت کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ''رب، رحمن، رحیم اور مالک یوم الدین'' تسلیم کر لینے کے بعد اخبات کے وہ تمام جذبات جو ہم ماں باپ، اساتذہ مشائخ اور حکام کے لیے اپنے دل میں پاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اب ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں اور ان کی جو اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی محبت اور اس کی اطاعت کے نیچے آ جاتی ہے۔ ہم

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان سب سے محبت کریں گے۔ اور ان کی اطاعت کریں گے کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور کراتے ہیں۔ اب ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف اس لیے ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قانون کو عمل میں لائیں اور اس کے مقابلے میں اپنے نفس کی ہر ایک خواہش' ماں' باپ' عزیز واقارب' دوست احباب کی ہر ایک خواہش استاد اور مرشد اور حاکم کے ہر ایک حکم کو ٹھکرا دیں جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے ٹکرائے' کیونکہ اب ہم اللہ تعالیٰ کے غلام' اس کے بندے اور اس کے ''عبد'' بن چکے ہیں۔

یہ وعدہ کہ میں ''تیری ہی بندگی کروں گا'' بڑا ذمہ داری کا وعدہ ہے۔ اس کا اقرار واعلان کر دینے کے بعد انسان اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے اور اس کا بن چکنے کے بعد وہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔

ہم خالص محبت کے ساتھ دل کھول کر اور عقل کے ذریعے پوری معرفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ پوری خوشی وخرمی کے ساتھ اپنے اعضاء و جوارح کو اس کے حکموں کی پیروی میں لگا دیتے ہیں اور غیر اللہ کو کسی معبودیت کا حقدار نہیں سمجھتے۔

گو عبودیت کے معنی واضح ہیں لیکن بعض اوقات اس لفظ کے مجازی استعمال سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے معنی معین کر دیئے جائیں چنانچہ ان معنوں کی تعین اس آیت کے اگلے حصے میں کر دی گئی ہے۔

(ب) ''**اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ**'' ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ہم نے جو ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنے کے لیے بہت سے سامان کی ضرورت ہوگی وہ ہم تجھ ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لیے تجھ ہی سے مانگیں گے۔ ہمارے پاس کام کرنے والی سوسائٹیوں کی تاریخ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے خدا سے مانگا اور خدا نے انہیں دیا۔[1]

---

1 چنانچہ امیر المومنین سید احمد (شہید) 1821ء میں حج کو جانے لگے تو آپ کے پاس صرف سو روپے کے قریب رقم تھی۔ روانگی کے وقت آپ نے وہ روپیہ بھی غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا اور خالی ہاتھ گھر سے نکلے۔ حالانکہ آپ کے ساتھ چار سو سے اوپر لوگ تھے' خدا کے بھروسے پر گھر سے نکلے۔ ایسے ہی کلکتے سے روانگی کے وقت آپ سارے بیڑے میں سے کمزور ترین جہاز میں سوار ہوئے اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز کر دے گا'' اللہ کے فضل سے سارے بیڑے کے ساتھ آپ کا جہاز بھی وقت پر جدہ پہنچا۔ (سیرۃ سید احمد شہیدؒ از سید ابوالحسن علی ندوی جلد اول ص 277 اور ص 320)

(c) ketabton.com: The Digital Library

غیر انقلابی کبھی مدد نہیں دیں گے

جب کوئی جماعت قرآن حکیم کے اصول پر معاشرہ (سوسائٹی) تعمیر کرنے کے لیے اٹھے گی تو جو شخص یا جماعت اس انقلاب کو پسند نہیں کرتی ' وہ کبھی اس انقلابی جماعت کو آگے بڑھنے نہیں دے گی' مدد دینے کا تو کیا ذکر!! اس لیے قرآنی انقلابی جماعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

برعظیم (پاکستان و) ہند میں قرآنی اصول پر انقلاب لانے والی جماعت دو باتیں ہرگز قبول نہیں کرے گی۔

(1) علمی سرمایہ داری (Brahmanism) اور

(2) معاشی سرمایہ داری (Capitalism)

جو لوگ قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھیں' انہیں صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کرنا ہوگا۔ یہ بھروسہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے جلد اور زیادہ مدد حاصل ہوگی۔

توحید اور حریت

اگر کوئی شخص ہمیں اس انقلاب میں کچھ مدد دیتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ اس بات کا حقدار نہیں بن جاتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس شخص کے حکم کی اطاعت کریں۔ ہم اس کی مدد کے لیے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور اس کی فیاضی کی تعریف بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس کا کوئی حکم نہیں مان سکتے' اس لیے کہ اصل میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ انہیں کسی ذریعے یا واسطے سے کسی دوسرے کو پہنچا دینا یہ حق پیدا نہیں کر دیتا کہ پہنچانے والے کی عبادت کی جائے۔ اگر وسائط کو ہماری بندگی کا حق حاصل ہو جائے تو انسانی معاشرے میں انارکی (نراج) پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ہر ایک "واسطہ" ہماری اطاعت کا طلب گار بن جائے گا اور ہم کسی کو بھی مطمئن نہیں کر سکیں گے۔ جب انسان یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور وہی اس کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے' تو وہ حاجت روائی کے لیے غیروں

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے دروازوں پر سر نہیں جھکاتا۔ توحید کا یہی مطلب ہے اور انسانی حریت قائم رکھنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔ اگر ہم یوں سوچنے لگیں کہ ہماری کوئی حاجت غیر اللہ بھی پوری کر سکتا ہے تو ہمیں ہر ایک معطی کا بندہ بن کر رہنا ہوگا' اور ہماری فکر و عمل کی آزادی چھن جائے گی۔ گویا اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اصل میں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں) کا طبعی نتیجہ اور اس کی تشریح ہے۔ پس کسی ترقی کُن معاشرے کی بنیاد صرف اس اصول پر ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی حاجتیں پوری کرنے میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کریں۔

جب انسان اپنی ذمہ داری پر اپنی سوسائٹی پیدا کرنے کا ارادہ کر لے گا' ایسی سوسائٹی جس میں صرف انسانیت کے طبعی تقاضوں کے مطابق ضابطہ اور دستور جاری کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں مل سکے گی (اور نہ اسے کسی اور سے مدد لینی ہی چاہیے) اس لیے کہ ایسی سوسائٹی چلانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی مدد قبول کی جائے گی تو لامحالہ وہ اس کی قیمت وصول کرے گا اور اپنی غلامی کرائے گا' جس سے انقلاب ختم ہو جائے گا اور رجعت پسندی پیدا ہو جائے گی۔

آیات نمبر 1 تا نمبر 4 میں انسان اور اس کے خالق کی نسبت معین ہو گئی' یعنی یہ کہ:

(الف) اللہ تعالیٰ ہی تمام اقوام کا رب ہے (رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ)۔

(ب) اس کی ربوبیت ان میں اسی طرح سے عمل کرتی ہے جس طرح سے باپ اور ماں کی محبت اور شفقت اولاد پر عمل کرتی ہے (الرحمٰن الرحیم)۔

(ج) وہی رب ان کے تمام جھگڑوں کا آخری فیصلہ کرنے والا اور ان کے حقوق دلانے والا ہے (مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ)۔

(د) اب انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس حاکم یا مالک کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ (اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ)

یہاں سورۂ فاتحہ کا نصف حصہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کی آیات میں جامع دعا سکھائی جاتی ہے' جو انسانیت عامہ کی سب سے بڑی اور جامع ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 5: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

"ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔"

یہ دعا ہے۔ اِهْدِ: یہ ھدایۃ سے ہے' جس کے معنی ہیں رہنمائی کرنا یعنی جہاں پہنچنا ہے اس منزل کی راہ بتانا اور چلانا۔

دعاء کی حقیقت

انسان کے ظاہری اعضاء میں علیحدہ علیحدہ قوتیں پوشیدہ ہیں۔ ان قوتوں کو استعمال کرنا انسان کے لیے طبعی بات ہے۔ ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے' وہ اس کے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہے مثلاً جس شخص کی آنکھیں صحیح سالم موجود ہیں' اس کے لیے روشنی سے فائدہ اٹھانا کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے' یہ اس کی شخصیت کا جز ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ہر ایک عضو کی خاص قوت کو سوچ کر اپنے "اَنَا" کا تصور بناتا ہے' چنانچہ جب انسان مَیں (انا) کہتا ہے تو اس میں چلنے' پکڑنے' سننے' دیکھنے وغیرہ کی سب طاقتیں آجاتی ہیں۔ اسے کوئی تردد نہیں ہوتا کہ انسان سن نہیں سکتا یا پکڑ نہیں سکتا' کیونکہ وہ سب کیفیات اپنے اندر ہر وقت موجود پاتا ہے۔ جس شخص میں کوئی طاقت نہیں ہے وہ اپنی شخصیت کو اس طاقت کے فوائد سے وابستہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے اوروں میں اس طاقت کا ظہور و عمل اس کے لیے موجب حیرت ہوتا ہے۔ دماغی طور پر ترقی یافتہ انسان اپنے دماغی عمل سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ دنیا انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ لیکن ان کے لیے وہ اعمال فطرت انسانی سے باہر کی چیز نہیں ہوتے۔ وہ انہیں اپنے انا میں مستور پاتے ہیں۔[1]

1۔ مثلاً مارکونی اطالوی نے بغیر تار کے پیغامات بھیجنے کا سلسلہ ایجاد کیا اور آئن سٹائن نے نظریہ اضافت پیش کیا جسے ابھی تک بہت کم حکماء پوری طرح سمجھ سکے ہیں۔ اس کے باوجود نظریہ اضافت سے مادے کے خواص کے متعلق جو نتائج نکلتے ہیں وہ تجربات سے صحیح نکلتے ہیں جیسے سورج گرہن کے وقت دور سے آنے والی روشنی کی کرنوں کا سورج کے اثر سے انحراف وغیرہ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

انسان میں ایک قوت ہے جسے ''ارادہ'' کہتے ہیں۔ اس کے استعمال سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں جو آنکھ یا کان کی قوت سے نہیں ہوسکتے۔ جب بدن کی طاقتیں ارادے سے متاثر ہوکر کام پر آمادہ ہو جاتی ہیں تو اسے ''ہمّت'' کہتے ہیں، یہ ارادہ اور ہمت [1] جس میں زیادہ ہوتے ہیں وہ بڑے بڑے کام کرسکتا ہے۔ اور جس میں نہیں ہوتے وہ ان کاموں کو انسانیت سے اجنبی چیز سمجھے تو تعجب نہیں۔

دعا کی پہلی اساس

دعا سے مراد اس ارادے کا اظہار ہے جو ہم اپنے دل میں بناتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہم عمل کریں گے۔ ہم اس راہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں گے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اس وقت ہم اپنے اللہ سے جو ربّ، رحمٰن، رحیم اور مالک و قادر ہے درخواست کریں گے کہ وہ ان رکاوٹوں کو ہمارے راستے سے دور فرمانے میں ہماری مدد کرے، یہاں تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

انسانی ارادہ کیسے کام کرتا ہے؟ اس کے عمل کا اصل منبع اور خزانہ حظیرۃ القدس ہے۔ اس سے ہر ایک انسان کا براہ راست تعلق ہے۔ جب انسانی ہمت حظیرۃ القدس تک پہنچ جاتی ہے تو وہ جو خیال بناتا ہے وہ خارج میں ظہور میں آجاتا ہے۔ انسانی ہمت کے حظیرۃ القدس تک پہنچ جانے کو شرعی اصطلاح میں ''دعاء'' کہتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے کے نکلنے کا نام ''استجابت'' ہے۔ اور حظیرۃ القدس کے ساتھ تعلق کو ''تعلق باللہ'' کہتے ہیں۔

دعا کے لیے دو ضرورتیں

حظیرہ القدس سے تعلق رکھنے اور اپنا راستہ زیادہ صاف کرنے کے لیے دو چیزیں کام دیتی ہیں۔

(1) دماغ میں اس منظر کا ہر وقت اپنے سامنے رکھنا۔ یعنی دماغ کا ہر وقت حظیرۃ القدس کی طرف متوجہ رہنا۔ اس توجہ سے ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جیسے آسمان کی طرف

---

1. امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاَعْمَالَ كُلَّهَا اَشْبَاحٌ'' وَاَرْوَاحُهَا هِمَّةُ الدَّاعِي وَالصِّفَةُ الْجَذَّابَةُ لِلْمَلٰئِكَةِ یعنی دعا مانگنے کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ صرف صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روح دعا مانگنے والے کی ہمت اور وہ صفت کہ جو ملائکہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے۔ (تفہیمات الٰہیہ ج 1، تفہیم نمبر 36، ص 132) (مرتب)

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیکھنے سے سورج نظر آتا ہے۔ کسی انسان کی جس قدر توجہ زیادہ ہوتی ہے جو دماغ کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے اسی قدر اس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ یعنی اس کی توجہ کا نتیجہ جلد نکلتا ہے۔

(2) انسان کے بدن کا حیوانی نجاستوں سے صاف ہونا اور لباس اور جگہ کا پاک ہونا' اور فکر اور ارادے میں کسی چھوٹی چیز کا دیر تک نہ ٹھہرنا' مثلاً بھوک لگی' کھانے کی خواہش پیدا ہوئی جو میسر آیا کھا لیا۔ اس کے بعد اپنی بھوک کا تصور بھی نہ رہا۔ یہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن بہت ضروری تھی پوری ہوگئی اور اس کا تصور اور خیال جاتا رہا۔ لیکن چند بھوکے انسان ہیں ان کے لیے روٹی کا انتظام نہیں ہے۔ ان کے لیے ایک دن کا انتظام کر دینے سے ان کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ اس کا انتظام سوچنے کے لیے کافی وقت اور توجہ کی ضرورت رہے گی۔ یہ ہے بڑا فکر جو جب تک پورا نہ ہو جائے سامنے رہنا چاہیے۔

جس شخص کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ قائم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاتا ہے۔ شرعی زبان میں اسے کہتے ہیں کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ حظیرۃ القدس کا سمجھنا تو اہل علم کا کام ہے۔ عام زبان میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (وہ اللہ پر ایمان لے آیا)۔ جن لوگوں میں یہ طاقت نہیں ہے وہ اس طاقت کے نتائج کو انسانی فطرت سے اجنبی چیز سمجھتے ہیں۔ کبھی اسے کرامت کہہ دیتے ہیں' کبھی معجزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فاقد البصیرۃ (گمشدہ بصیرۃ والے) لوگوں کی اصطلاحیں ہیں۔ ورنہ تمام نتائج جو انسان کی ہمت سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب انسان کی فطرت کا جز ہیں۔ اس سے باہر کی چیز نہیں ہیں۔[1]

1۔ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ معلوم رہے کہ اس فقیر کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خوارق عادات اپنی ذات کی حد کے اندر امور عادیہ ہی ہیں' بایں معنی کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ جب نفس ناطقہ کسب یا جبلت سے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ غیب کی باتیں اس پر کھل جاتی ہیں اور اس کی دعا قبول ہونے لگتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے یہ ہی سنت اللہ بھی جاری ہے کہ کوئی شخص جب تریاق کھالے' اس پر سے زہر کا اثر جاتا رہتا ہے' یا گوشت اور چربی خوب کھالے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ لیکن جو چیز جس طرح ہوتی نظر آتی ہے اس کے خلاف واقع ہو جانا خارق عادت کہلاتا ہے۔

نیز یہ بھی اس فقیر کو اطلاع دی گئی ہے کہ خوارق کی ہر ایک نوع ایک کسب ہے۔ جب کوئی شخص اس کسب سے تمسک (اختیار) کرتا ہے تو وہ خارق اس سے صادر ہونے لگتا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے

اگر ایک آدمی قوت قلب کے ساتھ دعا مانگے تو اس کی کچھ قیمت (تاثیر کی مقدار) مقرر کرلی جائے۔ اگر دوسرا شخص اسی ہمت کا شریکِ دعا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تاثیر یا قیمت بڑھتی جائے گی۔ اس طرح بڑھتے بڑھتے جب ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے تو حظیرۃ القدس اسے اپنا نمائندہ بنا لیتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان کے دل میں کوئی فکر آیا اور وہ کام ہوا۔ ان کی زبان سے دعا نکلی اور وہ قبول ہوئی۔

دینی اور لادینی جماعتیں

دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں وہ انسانوں کی جماعت کے مل کر کرنے ہی سے ہوئے ہیں۔ ان جماعتوں کی پہلی تقسیم یہ ہوگی۔

(1) حظیرۃ القدس کو ماننے والے، اور

(2) حظیرۃ القدس سے غافل

ان میں سے پہلی جماعت کی دعوت کتب الٰہیہ دیتی ہیں اور دوسری جماعت میں وہ لوگ ہیں جنہیں ہم لادینی کہتے ہیں۔ اس آخرالذکر جماعت کے کام بھی ہوتے تو حظیرۃ القدس ہی کی طاقت سے ہیں لیکن دماغی کمزوری کے باعث وہ اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ اس لیے انہیں 'غافلین' قرار دیا جاتا ہے۔ ہم نے لادینی لوگوں کی بہت سی جماعتوں کو بڑے بڑے کاموں میں کامیاب ہوتے دیکھا ہے، ان کے عمل کا تجزیہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ کچھ غفلت برتتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خدا پرست مذہبوں کے پابند، حظیرہ القدس میں فنا حاصل کرنے کے مدعی ظاہر

(بقیہ حاشیہ) آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل غرض..... جب کسی وجہ سے اپنی ہمتوں کو حظیرۃ القدس تک پہنچا دیتے ہیں، جیسے نماز استسقاء کے لیے لوگوں کے اجتماع عظیم سے، یا عرفات کے میدان میں رحمت کے نزول کی طلب کے لیے دعا، تو یہ نظام عالم میں اثر انداز ہوتا ہے۔

پس جب قوی عزم والا شخص جو جبلت یا کسب کے ذریعے سے (حظیرۃ القدس کی) کی قوت متفرقہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو کسی کام کی طرف توجہ کرتا ہے تو یہ عزیمت حظیرۃ القدس تک پہنچتی ہے اور وہاں کسی نہ کسی شکل میں تاثیر کرتی ہے جو اس ہمت اور اسباب موجودہ کے بقدر عالم مادی میں اثر کرتی ہے۔ (ہمعات، ہمعہ نمبر2) (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرتے ہیں ان کی ہمت ان لادینی لوگوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ اس لیے خدا پرست لوگ ناکام ہو رہے ہیں اور ان کے مقابلے میں لادینی لوگوں کی ہمت چونکہ ایک صحیح کام پر متوجہ ہوگئی ہے اس لیے وہ کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہمت کی تاثیر کے لیے جو شرطیں ہیں وہ دونوں کے لیے یکساں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب تک ایک انسان اپنے مقصد پر اپنی جان و مال دینا منظور نہ کرے، ہمت کا وہ نصاب پورا نہیں ہوتا جو حظیرۃ القدس تک پہنچ کر وہاں کی قوتوں کو حرکت میں لاسکتا ہے۔

دعا کی دوسری اساس

دعا کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی جائے وہ ضرور ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حکمت الٰہی کے مطابق جس چیز کی جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں وہ ضرور پیدا کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس امر کا اظہار کہ کس چیز کی ضرورت ہے ہم اپنے فیصلے (دعاء) سے خود کرتے ہیں۔

کبھی کبھی ہمارے فیصلے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری طلب کردہ چیز پیدا نہیں کی جاتی۔ لیکن ہماری ذمہ شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے فیصلے سے اچھی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ چیز پیدا کرنا مناسب نہیں ہوتا تو آگے چل کر ہمیں بتا دیا جاتا ہے کہ اس چیز کا پیدا کرنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن یہ اصول بہرکیف اپنی جگہ قائم رہے گا کہ ہم کوئی چیز اپنے ارادے اور فیصلے کے اظہار (دعاء) کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو وہ ہماری طلب اور ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دعا کا مطلب

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے سلسلے میں دعا کی ان دونوں بنیادوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ٹیڑھے اور غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ یہ فیصلہ کر لینا انسان کا بہت بڑا شرف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں غلطی ہوگی ہم اسے چھوڑتے جائیں گے۔ انسانیت کی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس فیصلے کا اثر یہ بھی ہونا چاہیے کہ اپنی فطرت کو اپنے اوپر حاکم بنائیں۔ جو چیز اس کے خلاف ہمیں سکھائی جائے' اس کا انکار کر دیں۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

فائدہ: جب ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ "رب العلمین" ہماری تائید میں ہے' جو چیز ہم مانگتے ہیں وہ ضرور عطا فرما دیتا ہے' تو ہم کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتے۔ مخالف طاقت کا ڈر دماغ سے نکال دینا ہی کامیابی کا گر ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرلی تو ہمیں اطمینان ہوگیا کہ ہمارا مخالف کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس سے ہماری طبیعت میں اول درجے کی ہمّت اور شجاعت پیدا ہوتی رہے گی اور جو چیز مانگتے ہیں اس کا عطا کرنا بھی مناسب ہے تو وہ چیز پیدا بھی کردی جائے گی۔

دعا کا فائدہ: جب انسان کے دل میں یہ خطرہ موجود ہو کہ مطلوب حاصل کرنے میں موانع (رکاوٹیں) ہیں تو قوت عملی نشاط کھو بیٹھتی ہے۔ اور قوت ارادی پورے زور کے ساتھ عمل نہیں کرتی اور نتیجہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اطمینان حاصل کرلیتے ہیں تو ان کی قوّتِ ارادی تمام مظاہرِ عمل میں ابھرنے لگتی ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات میں تحریف کرنے والوں اور فطرت انسانی کو مسخ کرنے والوں نے دعاء کے اس مفہوم کو بدل ڈالا ہے۔ فطرت سلیمہ ان کا انکار کرتی ہے۔ ہم اپنی حکمت عملی میں دعا کو علّت تامّہ کا ایک جزو مانتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کسی عمل کے بروئے کار آنے میں انسانی ارادے کو بھی دخل ہے۔

صراط مستقیم: یہ دو طرح سے سمجھا جاسکتا ہے:

(1) عقل ونظر کی روشنی میں' اور

(2) تاریخ و تجربے کی روشنی میں

(1) صراط مستقیم عقل کی روشنی میں:

عقل ونظر کی روشنی میں صراط مستقیم سے مراد ہے فطرت انسانی پر چلنا اور اس کے طبعی تقاضے پورے کرنا۔

جب انسان کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق ہے تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے' گویا اسے ایک بھولی بسری چیز یاد دلائی گئی ہے۔ اس لیے جو علم انسان کو دیا جائے' جو اخلاق انسان کو سکھائے جائیں اور سوسائٹی کا جو نظام اسے بتایا

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائے وہ ایسا ہونا چاہیے کہ فطرت انسانی پکار اٹھے کہ یہ میری ہی چیز ہے، جو مجھے بھولی ہوئی تھی۔

جب انسان کی فطرت سلیم ہو (یعنی بیمار نہ ہو) تو وہ اس تعلیم کی خوبیاں آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس کی صحت اور بیماری کا اندازہ عام لوگوں کی حالت سے مقابلہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک انسان ایک چیز سے نفرت کرتا ہے لیکن عام لوگوں کو دیکھیں تو وہ اس سے نفرت نہیں کرتے' تو یقیناً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص بیمار ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کی اصطلاح میں صراط مستقیم کی ہر چیز کو ''معروف'' کہا گیا ہے۔ یعنی سب کی جانی پہچانی ہوئی چیز۔ اس کے برخلاف جس چیز کو انسان کی فطرت سلیمہ قبول کرنے سے انکار کر دے قرآن حکیم اسے ''منکر'' کہتا ہے۔ یعنی وہ چیز جسے انسانی فطرت نہیں پہچانتی کہ یہ اس کی ہے۔

جو سوسائٹی انسانی فطرت سلیمہ پر قائم کی جائے گی وہ لامحالہ ''معروف'' کا حکم دے گی اور ''منکر'' سے روکے گی۔ اس تعلیم کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

جب ہماری طبیعت مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی پابند نہ رہے اور ہم اپنی پوری ہمّت کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگیں اور یہ بھروسہ اس بھروسے سے زیادہ ہو جو آغاز طفولیّت میں اولاد کو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے تو ہم اپنی فطرت کی تکمیل کے سوا کوئی بات نہیں سوچتے۔ اس وقت ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور دعا بھی فقط یہ کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (ہمیں سیدھی راہ' فطرت انسانی پر قائم رکھ)[1]

---

1. امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کی فطری ترقی کو چار منازل میں تقسیم کرتے ہیں۔

(1) ارتفاق اول: یعنی انسان کی وہ زندگی جب وہ چھوٹے چھوٹے دیہات بسا کر رہتا تھا۔

(2) ارتفاق دوم: جب اس نے قصبے بسا کر رہنا شروع کیا۔

(3) ارتفاق سوم: جب اس نے حکومت کا قومی نظام قائم کرلیا۔

(4) اتفاق چہارم: جب مختلف قومیں مل کر ایک بین الاقوامی نظام قائم کرلیں۔

یہ ارتفاقات' تہذیب نفس' تدبیرِ منزل' سیاستِ مدنیہ اور خلافت کبریٰ (انٹرنیشنل سٹیٹ) پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے تقاضے ہیں اور ان کی صحیح شکل صراط مستقیم ہے' (مرتب)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس دعا کا اجتماعی پہلو

سیدھے راستے پر چلنا انسانیت کا تقاضا ہے لیکن اِهْدِنِیْ (مجھے چلا) کی جگہ اِهْدِنَا (ہمیں چلا) کہنا ظاہر کرتا ہے کہ ایک فرد انسانی اپنے طبعی تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔ یہ تقاضے اعلیٰ درجے کے انسانوں کی سوسائٹی ہی میں پورے ہوسکتے ہیں۔

طلب ہدایت کی ضرورت

ایک بچہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے' اس کا طبی معائنہ ہوتا ہے اور تندرست پایا جاتا ہے۔ اب یہ کہا جائے گا کہ یہ بچہ مدرسے کی تکمیل کرنے کے قابل ہے۔ یہ حالت انسان کے طبعی تقاضوں کی سلامتی کی مانند ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک سو لڑکوں میں سے جو تندرستی کی حالت میں پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں' کتنے ہوتے ہیں جو کالج کی انتہائی جماعت تک پہنچ جاتے ہیں؟ جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے وہ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں کے اردگرد جو قوتیں ان کے طبعی تقاضوں کے خلاف کام کررہی ہیں' ان سے دب کر وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ پاتے۔

کائنات میں انسان تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے گرد بہت سی چیزیں اور قوتیں ہیں مثلاً جمادات' نباتات' حیوانات' جن' فرشتے وغیرہ' انسان کو ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ اس کی طبیعت اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔1

عام مشاہدہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے عقلی تقاضوں ہی سے اثر نہیں لیتا رہتا کبھی اس پر اس کے حیوانی جذبات بھی غالب آجاتے ہیں۔ جو غذا وہ کھاتا ہے اور جس سوسائٹی میں وہ رہتا اور کام کرتا ہے' اس سے بھی اس کی طبیعت اثر لیتی ہے۔ اس لیے اسے تعلیم کی ضرورت ہے لیکن تعلیم میں جبر کا دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف یہ بتا سکتی ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا کیا ہے جس کے مطابق اسے کام کرنا چاہیے۔ دعا کے نتیجے کے طور پر یہ رہنمائی انسان کو ملتی رہتی ہے۔ قرآن حکیم پر عمل کرنے والوں کو یہ رہنمائی کسی نہ کسی شکل میں ملتی رہے گی۔ اور جو لوگ قرآنی انقلاب کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے' ان کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔

---

1 امام ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول باب فی اسباب الخواطر الباعثۃ علی الاعمال میں ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان میں طبعی ماحول' ملاء اعلیٰ اور شیاطین کے اثرات وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ طبعی ماحول سے مراد معاشی و معاشرتی ماحول ہے۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 6 : صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا''

ہم نے جو سیدھا راستہ مانگا ہے یہ اس کی مزید تشریح ہے۔

صراط مستقیم تاریخ کی روشنی میں : پچھلی آیت میں صراط مستقیم کی جو طلب نظریے کی شکل میں تھی وہ اس آیت میں تاریخ اور تجربے کی روشنی میں معیّن کر دی گئی ہے۔

مُنْعَمْ علیہ سوسائٹی : انسان مدنی الطبع ہے۔ وہ تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس کے فطری قوٰی کی تکمیل سوسائٹی کے اندر رہ کر ہوسکتی ہے' کیونکہ ہر شخص کے قوٰی کی تکمیل کے لیے نمونہ سوسائٹی ہی میں مل سکتا ہے۔ اور اس کا نظام نظریات (Ideology) اجتماع میں شامل ہوئے بغیر جاۓ گیر نہیں ہوسکتا، ایسے ہی اس کی ارتقائی زندگی اجتماع کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ اس آیت میں ایک سوسائٹی کی درخواست کی گئی ہے جو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ (انعام یافتہ لوگوں) کی ہے۔ جس اجتماع کے افراد کے فطری قوٰی کی ترقی کا سامان اللہ تعالیٰ بہم پہنچا دے وہ انعام یافتہ معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ جو شخص اس جماعت میں منسلک ہو جائے' وہی صراط مستقیم پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کی تعیین اور سوسائٹی کی طلب انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو وہ خود لائق ملامت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک آدمی کو بھوک یا پیاس لگتی ہے وہ خوراک یا پانی تلاش نہیں کرتا اور مر جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر آتی ہے اور وہ خود ہی لائق ملامت ہے۔

خدا تعالیٰ کا بہترین انعام یہ ہے کہ کسی سوسائٹی میں اپنا علم ہو اور وہی اس سوسائٹی پر حکومت کرتا ہو۔ انسانی حریت انہی حالات میں قائم رہ سکتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایسی سوسائٹی دی جائے جو اعلیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگوں پر مشتمل ہو۔ 1

---

1 امام ولی اللہ دہلویؒ انسانی معاشرے کی ترقی کی مختلف منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے ارتفاق رابع (بین الاقوامی نظام یا خلافت کُبریٰ) کا ذکر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ''جب (بین الاقوامی سطح پر) حکمران وجود میں آ جاتا ہے اور ملک کا نظام نہایت اعلیٰ پیمانے پر درست کر لیتا ہے جابر سے جابر حاکم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں اور بادشاہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو ''تمت النعمة'' نعمت الٰہی کامل ہو جاتی ہے۔'' گویا امام صاحبؒ کے نزدیک بین الاقوامی حکومت بلند ترین نعمت ہے جو کسی انسانی معاشرے کو مل سکتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ منیریہ مصر ج 1 ' باب الارتفاق الرابع' ص 47)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء

قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ (69:4) (منعم علیہ یعنی انعام یافتہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوتے ہیں)۔ اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) علمی اور (2) عملی

اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو علم اور عمل میں تفریق نہیں ہوسکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی انسان میں ایک قوت زیادہ ہو، کسی میں دوسری۔ اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کمی بیشی کے لحاظ سے انسان کی علمی اور عملی قوتوں کے دو درجے ہوسکتے ہیں۔

(1) فاعلی اور (2) انفعالی

(الف) انبیاء

جس انسان میں علمی اور عملی قوتیں فعالیّت کے بہت بلند درجے پر ہوں وہ منبع علم[1] سے براہ راست علم حاصل کرسکتا ہے اسے نبی کہتے ہیں یہ صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کرنے والے اساتذہ ہیں۔

(ب) صدیقین

جس شخص میں علمی قوت انفعالی لحاظ سے بلند درجے کی ہو، وہ منبع علم سے براہ راست تو علم حاصل نہیں کرسکتا، لیکن اگر اس میں عملی قوت بہت بلند درجے کی ہو تو اسے صدیق کہتے ہیں۔

---

1. امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض فرشتے مقرب ہیں۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ (Medium) ہیں ان کے اجتماعات بھی ہوتے ہیں جنہیں ملاء اعلیٰ کہتے ہیں۔ انسانی اجتماع کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات پہلے اس ملاء اعلیٰ میں نازل ہوتی ہیں۔ ان کا اجتماع روح اعظم کے پاس ہوتا ہے تو ان کے انوار آپس میں مل جاتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ اس اجتماع میں بنی آدم کے لیے پروگرام طے ہوتے ہیں جن کا علم اس سارے زمانے کے سب سے پاک دل انسان کو بذریعہ الہام دیا جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1، باب ذکر الملاء الاعلیٰ، ص 15، 16 ملخصا) (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ج) شہداء

جو لوگ قوت عملی میں بلند درجہ کے مالک ہوتے ہیں لیکن صدّیق سے کم درجے کے ہوتے ہیں اور علم میں بھی اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں، لیکن وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسے کامیابی سے چلا نہ سکیں تو اس کوشش میں جان تک لڑا دیتے ہیں۔ وہ شہید کہلاتے ہیں۔

(د) صالحین

جو لوگ علم و عمل میں نچلے درجے کے ہوتے ہیں لیکن صدّیقوں اور شہیدوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور عمر بھر امرِ حق میں کوشش کرتے رہتے ہیں، وہ صالح کہلاتے ہیں۔

ایک ترقی کُن سوسائٹی میں اِن چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ ایسی سوسائٹی میں نبی بطور معلم کام کرتا ہے۔ وہ صدّیق اور شہید پیدا کرتا ہے اور صالحین کو جمع کرتا ہے۔ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں گے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں۔ اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنی چاہتے ہیں:

(الف) جس میں نبی اپنی زندہ تعلیم کے ساتھ تو موجود ہی ہے۔

(ب) اس میں صدّیق ہوں جن کی فطرت کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ وہ اس تعلیم کو پوری طرح سے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا جان و مال قربان کر سکتے ہیں۔

(ج) جس میں شہید ہوں جو قرآن حکیم کے پروگرام کو چھوڑنا برداشت نہ کریں خواہ انہیں جان دینی پڑے۔

(د) جس میں صالحین ہوں جن کی ہر ایک کام کرنے والے کو ضرورت ہوتی ہے۔[1]

1. خیر القرون کی تشریح بقول امام ولی اللہؒ: تاریخی طور پر اس قسم کی مکمل سوسائٹی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے پیدا کی اس سوسائٹی کی نسبت خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ (بہترین دور میرا دور ہے اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس دور کے بعد آئیں گے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے)۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 7 : غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ۝

''نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے''

(الف) اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

''مَغْضُوْب عَلَيْهِمْ'' کون ہیں ؟ :

انسانی زندگی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص میں صرف علم ہی علم ہو اور دوسرے میں فقط عمل ہی عمل۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ علم اور عمل ایک نہ ایک حد تک ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں۔ جس شخص نے اپنا علم تو بڑھا لیا اور عملی قوتوں کو ترقی نہ دی وہ ''مغضوب علیہم'' ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو پہنچانتے ہیں۔ اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کے باوجود وہ عمل کے لیے نہیں اٹھتے۔ انعام یافتہ لوگ ایسے نہیں ہوسکتے، ہم ان سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ لفاظی کے ذریعے سے لمبے لمبے خواب سنائیں گے اور طرح طرح کے سنہرے باغ دکھائیں گے۔ سادہ مزاج انسان ان کی صحت اور غلطی کا فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔ ہم ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام ولی اللہ دہلویؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قرن اول زمان آنحضرت ﷺ بود از ہجرت تا وفات، وقرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلاف ہا پدید آمد و فتنہا ظاہر گردید (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصد اول ص 121)

یعنی ''خیر القرون کا پہلا درجہ حضرت محمد ﷺ کا زمانہ ہے، جو ہجرت سے وفات تک کا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور ہے اور تیسرا درجہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت تک کا زمانہ ہے۔☆ اس کے بعد اختلافات پیدا ہوئے اور فتنوں نے سر اٹھایا۔''

یہ خیر القرون (اپنے تینوں درجوں میں) رہتی دنیا تک ہر ایک ترقی کن معاشرے کے لیے نمونہ رہے گا۔ اس مکمل سوسائٹی کو قرآن حکیم وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (100:9) (سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار میں سے ہیں) کی اصطلاح سے ظاہر کرتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (29:48) (محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی) میں مَعَهٗ (اس کے ساتھ والے) میں اس جماعت مہاجرین وانصار کی طرف اشارہ ہے۔ مہاجرین اور انصار کے دور کے بعد جو لوگ ان کی پیروی کر کے ہر زمانے میں ایسے ہی معاشرے پیدا کرتے رہیں گے۔ وہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (100:9) میں داخل ہوں گے اور وہ بھی مَعَهٗ میں شامل ہوں گے۔ ان کے لیے خیر القرون نمونہ ہوگا اور وہ خود اپنے زمانے کے لیے نمونہ ہوں گے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مصداق قرار پائیں گے۔

☆ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا کہنا ہے کہ پہلا درجہ حضرت نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کا زمانہ ہے اور دوسرا درجہ سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے کوئی نیا کام نہیں کیا چنانچہ:

(1) خلافت کے نظم ونسق میں خلل آیا یعنی زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ مرکزی حکومت کو ادا کرنے سے انکار کردیا تو جبراً انہیں مرکزی حکومت کے تحت لے آئے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ''مغضوب علیہم'' کی مثال یہودیوں سے دی جاتی تھی۔ 1 جب اسلامی نظام موجود ہو تو جو لوگ جہاد سے گھبرائیں وہ اس حد میں آتے ہیں اور جب اسلامی نظام ٹوٹ گیا ہو اور جہاد کے لیے جس نظام کی ضرورت ہے وہ نہ رہے تو جو لوگ انقلاب کے ذریعے اس نظام کو دوبارہ پیدا کرنے کی ہمت نہ بنائیں وہ بھی اسی حد میں داخل ہیں۔ جو علماء کہلا کر جہاد اور انقلاب سے بچنے کی کوشش کریں۔ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(2) جو مہم حضرت نبی اکرم ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں بھیجنے کا اہتمام فرما رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کی وجہ سے رک گئی تھی' وہ روانہ کر دی۔

(3) نبوت کے مدعیوں کا قلع قمع کیا۔

(4) تقسیم معاش کا وہی اصول رکھا جو نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا یعنی ہر ایک خاندان کو بقدر ضرورت دینا اور مناصب اور اسلامی خدمات کی وجہ سے کمی بیشی نہ کرنا۔

(5) جو وظیفہ اپنی ضروریات کے لیے بیت المال سے لیا تھا وہ وفات کے وقت واپس کر دیا یہ اول درجے کا دور ہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے آگے چل کر اسلامی خدمات اور قرابت نبی اکرم ﷺ کی بنا پر وظائف میں کمی بیشی کر دی۔ لیکن اول تو انہوں نے اس تقسیم میں بھی عدل سے کام لیا اور جسے حساب کی رو سے جتنا حق پہنچتا تھا اتنا دے دیا۔ اس میں کسی وجہ سے رو رعایت نہیں کی۔ دوسرے' بعد میں اس کمی بیشی کے اصول کو جاری کرنے پر افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر میں اگلے سال انہی ایام میں زندہ رہ گیا تو یہ نیا قاعدہ بدل کر سیدنا ابوبکرؓ کا اصول عمل میں لاؤں گا لیکن وہ اپنی شہادت کی وجہ سے یہ اصول نہ بدل سکے۔ یہ دوسرے درجے کا بہترین دور ہے۔

سیدنا عثمان غنیؓ کا دور تیسرے درجے کا بہترین دور ہے۔ کیونکہ انہوں نے بیت المال سے اپنا حق پورا لینا شروع کر دیا تھا اگرچہ وہ اسے بھی اپنے حاجت مند عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے۔

اول درجے کے لوگ اسلامی حکومت پیدا کریں گے تو ان کے لیے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کا دور نمونہ ہوگا لیکن عام لوگ کثرت سے شامل ہوں گے تو سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور نمونہ ہوگا یا سیدنا عثمان غنیؓ کا دور قابل قبول ہوگا اس سے کم درجے کی کوئی حکومت نبوی طریق کی اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ (مرتب)

1 امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''دہلی کے اکثر علماء'' اس کی مثال تھے۔ (الفوز الکبیر۔ الباب الاوّل) مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ کے زمانے میں جو لوگ جہاد کے نام سے گھبراتے تھے۔ وہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ آج جو لوگ انقلاب کے نام سے گھبراتے ہیں وہ بھی اس مد میں داخل سمجھنے چاہئیں۔ یہ لوگ نہ مسلمانوں کی سوسائٹی کے معزز ممبر ہیں نہ امام ولی اللہ کی سوسائٹی کے آدمی ہیں۔ نہ مولانا شیخ الہند کے آدمی ہیں اور نہ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھی)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سب سے زیادہ اس شق میں شامل ہیں۔ ایسے نام نہاد علماء کے غلط نظریات اور رویوں کو ختم کر دینا چاہیے جب تک کسی انقلابی جماعت میں یہ بات نہیں آتی وہ قرآن کی حکومت پیدا نہیں کر سکتی۔

(ب) اَلضَّآلِّیْنَ

ضالین کون ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن میں صحیح علم نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے لیکن عملی قوت بہت زیادہ ہے۔ ان کی مثال رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نصاری 1 تھے۔ وہ مسیحؑ کو ''ابن اللہ'' مانتے ہیں۔ لیکن رومی سلطنت جیسی وسیع سلطنت بھی چلاتے ہیں۔ انہیں مسیحؑ کو ابن اللہ ماننے کا نقصان یہ پہنچا کہ مسیحؑ کے درجے کے جو خدام انسانیت پیدا ہوئے ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح وہ انسانیت میں گمراہی پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ اس سے زیادہ کیا تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ''مُنْعَمْ عَلَیْہ'' بندے تھے۔ اور اس لیے ''اَنْعَمْتَ عَلَیْهِم'' سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوا اور لوگوں پر بھی انعام کیے ہیں ان کا انکار کیوں؟ یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔

ہمارے زمانے میں جو علماء قرآنی سیاست کو چھوڑ کر سیاست میں کسی قوم کی تقلید کرتے ہیں وہ ''مغضوب علیہم'' کی زد میں آتے ہیں۔ اور جو انگریزی دان دوسری قوم کی سیاست کی تقلید کرتے ہیں وہ ''الضالین'' کی شق میں شامل ہیں۔ جو بات تم خود نہیں سمجھتے اور اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، اس کی ذمہ داری مت لو، سمجھ بوجھ کر جو سیاسی کام کر سکتے ہو، وہ کرو، ورنہ خاموش بیٹھو۔

ایسے ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا وہ بھی ''ضالین'' میں سے ہیں۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ہمارے زمانے کے لوگوں کے لیے قرآن سمجھنے کی تمام لفظی و معنوی دقتیں دور کر دی ہیں۔ اب اس کتاب عظیم کا سمجھنا

1. امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کے بعض مشائخ طریقت اور مولانا شیخ الہند کے زمانے میں جہاد کے مخالف یا اس کی اہمیت نہ سمجھنے والے ''ضالین'' میں داخل ہیں۔ ہمارے جو ساتھی انقلاب کو نہیں جانتے یا اسے جاننے کی کوشش نہیں کرتے وہ ہمارے ساتھی نہیں ہیں ہم جس انقلاب کے داعی ہیں اس کے اصول وہی ہیں جو امام ولی اللہ دہلویؒ نے ''خیر القرون'' سے لے کر مدون کیے ہیں۔ (عبید اللہ سندھیؒ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہایت آسان ہوگیا ہے۔ اب بھی یہ کہنا کہ قرآن حکیم سمجھ میں نہیں آسکتا پر لے درجے کی گمراہی (ضلالت) ہے (نعوذ باللہ من ذلک)۔

آمین

اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ خدایا! کرۂ زمین پر صالح سوسائٹی موجود ہے تو ہمیں اس کے ساتھ ملنے کی توفیق فرما۔ اگر نہیں ہے تو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ایسی سوسائٹی خود پیدا کریں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ارادے کے بغیر صراط مستقیم کی تعمیل ہو بھی نہیں سکتی۔

قرآن کا مقصد

قرآن حکیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے جو صراط مستقیم پر چلتی ہو۔ اس لیے وہ ہر شخص سے سورۂ فاتحہ کا اقرار کرانا چاہتا ہے' تا کہ یہ ہر وقت اس کے ذہن میں رہے۔ اور وہ اس امر کو ہر دم ملحوظ خاطر رکھے کہ اس کی زندگی کا مقصد اس قسم کی سوسائٹی پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

بین الاقوامی دعا

قرآن حکیم عالمگیر اجتماعی تحریک کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس دعا میں جو عالمگیر اجتماعی تحریک کا عنوان ہے' قومی مقتضیات کا تعین نہیں کیا گیا۔

عقلی نظریات کے اعتبار سے لوگ مختلف طبقات کے ہوتے ہیں' گو سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے صراط مستقیم ایک قوم کے ذہن میں کسی شکل میں آتی ہے اور دوسری قوم کے ذہن میں کسی اور صورت میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو دعا الہام فرمائی ہے وہ ان تمام تشخصات سے پاک ہے جو قومی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنی انسانی فطرت کے مطابق خدا

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعالیٰ پر بھروسہ کر لیتا ہے اس کے لیے صراط مستقیم کی دعا کیا مشکل ہے؟ کسی سلیم الفطرت انسان کے لیے صراط مستقیم پر پیدا ہونے والے اجتماع کی دعا کرنا مشکل نہیں ہے۔

ایسے ہی صراط مستقیم کے عملی پہلو کی تعیین اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے ذریعے سے اس کی تفصیل میں کسی قوم کے بڑے آدمی کا نام نہیں لیا گیا۔ جو شخص سلامتی فطرت کے ساتھ اپنے "رب" پر اعتماد کر لیتا ہے' کیا وہ ان لوگوں کے اجتماع سے الگ رہ سکتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا؟

ہم نے انبیاء کرام کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دعا نہیں دیکھی جو شخصی' قومی' جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو۔ صرف سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے جو ان تمام اثرات سے پاک ہے۔ اس پر تمام اقوام جمع ہو کر آمین کہہ سکتی ہیں۔

صلوٰۃ کیا ہے؟

صلوٰۃ (نماز) اصل میں اس بات کا نام ہے کہ انسان اپنے پورے ارادے اور اپنی ہمت کے ساتھ ملاء اعلیٰ کے ساتھ اتصال پیدا کرے اور وہاں سے آنے والی تجلی الٰہی سے قلبی رابطہ قائم کرے۔ اس اتصال اور رابطے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو چیز طلب کرے گا حسب حالات اسے دی جائے گی۔ اور سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز جو انسان اللہ تعالیٰ سے طلب کر سکتا ہے' وہ اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق ہے۔ انسان کی فطرت سلیمہ کے تقاضے ہی صراط مستقیم ہیں۔ اس لیے ملاء اعلیٰ میں تجلی الٰہی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ دعا کرتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یہ اصل چیز ہے جو انسان کو ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ اس لیے نماز گویا یہ دعا مانگنے یا سورۂ فاتحہ پڑھنے کا نام ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنا اس صلوٰۃ کے مبادی ہیں۔ اور رکوع و سجود اس کے مکملات ہیں۔اس کی روح یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ اپنے ''رب'' کے حضور میں کھڑا ہے اور اپنی احتیاج پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے۔اس کے ساتھ جو آیات یا سورت پڑھی جاتی ہے وہ گویا اس دعا کا جواب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت یہی قرآن ہے تم جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو ہدایت یاب رہو گے۔ اس کے بعد رکوع و سجود اس دعا کے قبول ہونے کے لیے شکریے کے اظہار کے طور پر ہیں۔1

اب جو مسلمان صلوٰۃ ادا کرے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرے کیونکہ اِھْدِنَا کا یہی تقاضا ہے۔2

www.rahimia.org

---

1 نماز کا یہ مفہوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے معیّن فرمایا ہے۔ (عبیداللہ سندھی)

2 حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ بِصْفَیْنِ (یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگئی ہے)۔

جب بندہ کہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری ستائش و تعریف کی)۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)۔ اور جب بندہ عرض کرتا ہے: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)۔ اور جب بندہ کہتا ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ○ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ (یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے) (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی جنگ انقلاب

سورۂ محمد ﷺ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سابقہ اقوام اور قرآن حکیم

قرآن مجید نے اممِ سابقہ و اقوامِ پیش (پہلی اقوام) کا تذکرہ بار بار کیا ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ اس قانونِ ہدایت وشقاوت کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائی جائے۔ جابجا ان اقوامِ متمدنہ وعظیمہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو آنے والی اقوام سے زیادہ قوی اور مستحکم تمدن رکھتی تھیں۔ لیکن جب انھوں نے احکامِ الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا۔ اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کردی تو کوئی انسانی سعی وتلاشِ فلاح ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچاسکی۔ یہاں تک کہ آج ان کے آثار و اَظلال (نشانات) بھی دنیا میں باقی نہیں۔

(اسلام کا نظریہ جنگ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ص 29)

www.tafrimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

حیوانی اور انسانی زندگی کے اصول

دنیا میں جب مادہ ترقی کرتے کرتے شعور کا تھوڑا سا اظہار کرنے لگتا ہے تو اس میں زندگی کی کھینچا تانی یا کشمکش (Struggle for Existence) شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جانداروں کی سب سے نچلے درجے کی شکل امیبا (Amoeba) ہے جو ایک خلیے کا جاندار (Monocellular Organism) ہے۔ اسے بھی اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حرکت اور کوشش کرنی ہی پڑتی ہے۔ جانداروں میں جوں جوں جسمانی بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے' خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کشمکش زیادہ شدید ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شیر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھانے کو اور وھیل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جانے کو لپکتی ہے۔

ان حیوانوں میں جہاں تک اپنی حیوانی ضرورتیں حاصل کرنے لیے لڑنے اور مارنے کا تعلق ہے' رحم یا انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ فطرت نے انہیں ان باتوں کے سوچنے کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن جوں ہی حیات (زندگی) حیوانیت سے ذرا اوپر اٹھتی ہے اور اس میں تعقل کا نور روشن ہوتا ہے۔ زندگی کی کھینچا تانی صرف حیوانی اصول پر کام کرنے کی جگہ عقل کے نیچے آ جاتی ہے۔ اور اب انصاف اور رحم کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بے عقل حیوانی طبقے میں بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا قانون جاری تھا تو حیوانوں کے عقلمند طبقے یعنی انسانوں میں بقاء اتقی یا انفع (Survival of the best) کا قانون اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اسی بات کو ذرا کھول کر بیان کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیوانوں میں زندگی کی جو کشمکش جاری ہے' اس میں فقط وہی حیوان زندہ بچتے ہیں جو اپنے اردگرد کے حالات

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں۔ جسمانی طاقت اور دشمن سے بچنے کے ذریعوں کے مالک ہوں۔ روزمرہ کی زندگی میں چالاکی' پھرتی اور ہوشیاری سے رہنے کے لائق ہوں اور بھوک سہنے کے لحاظ سے دوسرے جانوروں سے بہتر ہوں۔

لیکن انسانی سوسائٹی میں زندگی کی کھینچا تانی صرف اوپر بتائی ہوئی چیزوں میں گھری ہوئی نہ رہی بلکہ عام لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے اور انصاف قائم کرنے' خوبصورتی سے محبت اور اپنے آپ کو بری عادتوں سے پاک کرنے کا خیال بھی اس کھینچا تانی میں داخل ہوگیا اس لیے اب یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ حیوانی زندگی کی کھینچا تانی انسانی اصول کے نیچے آ گئی۔ اس لیے انسانی جماعتوں میں سے وہ جماعت انسانی حیثیت سے ..... حیوانی حیثیت سے نہیں' بلکہ انسانی حیثیت سے ..... زیادہ دیر تک زندہ رہے گی جس میں:

(الف) عام انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف کرنے کا جذبہ۔

(ب) خوبصورتی سے محبت۔

(ج) اور اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا خیال زیادہ ہوگا اور جس میں ان باتوں پر زیادہ زور سے' اور زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ' کام ہوتا ہوگا۔ ایسی قوم زیادہ متقی ..... اتقی ..... کہلائے گی۔[1]

انسانی سوسائٹی میں انقلاب کی ضرورت

جب کوئی انسانی سوسائٹی کشمکش کے فقط حیوانی اصول پر اتر آتی ہے' وہ انسانیت کے اونچے درجے سے گر جاتی ہے۔ اور بہتر انسانی اصول پر کام کرنے والی جماعت (جماعت اتقی) یا تو اسے بالکل فنا کر دیتی ہے یا اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں زندگی کی ضرورتیں تمام افراد کو انصاف کے ساتھ بہم

1۔ قرآن حکیم کی اس آیت ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (13.29) (خدا کے نزدیک تم سب میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈر کر عدل کے قانون کی زیادہ پیروی کرتا ہے) میں اسی اصول کی طرف اشارہ ہے۔ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ تقویٰ کے معنی میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَائِ ذِی الْقُرْبٰی الایہ (16-9) پس عدل قائم کرنا تقویٰ کا سب سے ضروری نتیجہ ہے۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

پہنچائی جانے کی جگہ سمٹ کر ایک چھوٹے طبقے کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور وہ طبقہ (انسانیت کے) بڑے طبقے کو ان سے محروم کر دیتا ہے۔ اس سوسائٹی میں انقلاب (Revolution) آ جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ جماعت جس کے پاس زندگی کے سامانوں کی کثرت ہے، باقی رہے۔ بلکہ یہ جماعت انقلابی قوتوں (Revolutionary forces) کے مقابلے میں آ کر فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے بس اور بے کس لوگ (Have-notes) غالب آ جاتے ہیں جن کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب گو کم ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں آپس میں انصاف کے ساتھ بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ اچھی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر چکے ہیں۔

قیصر و کسریٰ اور عرب کشمکش کا جائزہ

ساتویں صدی عیسوی میں قیصر روم اور کسریٰ ایران کے ساتھ عربوں کی جو جنگیں ہوئیں وہ اس نکتے کی بہت اچھی مثال ہیں۔

ان جنگوں میں ایک طرف قیصر روم اور کسریٰ ایران تھے۔ یہ ہر قسم کے دنیاوی سامان کے مالک تھے۔ لیکن عدل اور انصاف نہیں کرتے تھے بلکہ غریبوں کا خون چوس کر عیش کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تھے۔ ان کے پاس جنگی سامان تو ایک طرف، کھانے پینے کی عام چیزوں کی بھی کمی تھی۔ لیکن یہ لوگ قرآن حکیم کی وہ تعلیم لے کر اٹھے تھے جس میں عوام کی بھلائی، خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین، انصاف، حُبّ جمال اور تہذیب نفس کے بہت اچھے قاعدے تھے۔ عرب کے لوگ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نتیجے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کشمکش میں اونچے درجے کے اصول محض مادی سامان کی زیادتی پر غالب آئے کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

قرآن حکیم کی اجتماعی انقلابی تعلیم

قرآن حکیم کی تعلیم اجتماعی انقلابی تعلیم ہے۔ اس کا فائدہ انسانیت کے کسی خاص طبقے کو نہیں پہنچتا، بلکہ اس کا فائدہ ساری انسانیت کو ایک جیسا پہنچتا ہے۔ اس لیے اس کے اصول پر ہر ایک قوم میں انقلاب کا آنا ضروری ہے۔ وہ خدا پرستی کو انسانیت کا ایک لازم جز ٹھہراتی ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی پروہت طبقے (Priesthood) کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کی مدعی ہے۔ جس کا عام لفظوں میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ مطلب ہے کہ انسان کی طبعی ضرورتیں کھانا پینا' کپڑا لتہ' مکان' تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لیے ایک جیسے ہوں۔

قرآن حکیم کی جماعت کا سیاسی غلبہ

جس سوسائٹی پر قرآن حکیم حکمران ہوگا اس میں کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا' کوئی شخص ننگا اور بے گھر بے در نہ ہوگا اور نہ جاہل اور بے عمل رہے گا۔ ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر ایک انسان کو بہم پہنچاتی ہے' وہاں وہ ایک انسان کی طبعی حیوانی ضرورتیں فراہم کرنا سب انسانوں کا فرض قرار دیتی ہے۔ اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتی ہے۔ جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے' لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی' کاہلی' غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے' وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اللہ تعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔ یہ ہیں وہ باتیں جنہیں دنیا میں چلانے کے لیے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

دین اور سیاست کا باہمی تعلق

انسانی تاریخ کا یہ سب سے المناک حادثہ (Tragedy) ہے کہ وہ اونچے درجے کے اصول' جنہیں قائم کرنے کے لیے حجاز کا پہلا بڑا انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں ہوا' ہوتے ہوتے بادشاہوں کا کھلونا بن کر رہ گئے۔ چنانچہ ان بادشاہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (سورہ جاثیہ 23:45) (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا) میں ذہنیت کی اسی خرابی کی طرف اشارہ ہے۔ ان بادشاہوں اور امیروں کے نزدیک دین کیا تھا؟ یہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے مسئلے۔ باقی رہی حکومت اور اس کے متعلق چیزیں۔ جیسے ٹیکس وصول کرنا' جزیہ جمع کرنا' فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا' مخالفوں کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور معاہدے کرنا۔ یہ سب سیاست کی باتیں ہیں۔ ان میں بادشاہ اور امراء اپنی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور صرف اسی مصلحت کا خیال رکھتے تھے جس کا تعلق ان کی ذات یا خاندان کی حکومت کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے یہی لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ ”انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا۔“

حضرت نبی کریم ﷺ ساری عمر جہاد اور عدل قائم کرنے میں لگے رہے[1] نماز، روزہ، وغیرہ فرض ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا زیادہ تر وقت انہیں ”دنیاوی“ باتوں میں گزرتا تھا۔ قرآن کی اشاعت ہے، باہر سے آنے والے وفدوں سے ملاقاتیں ہیں، بادشاہوں کو قرآن کی طرف دعوت ہے، مقدموں کے فیصلے ہیں، لشکروں کی تیاری ہے، جو حکمران آپ کی دعوت نہیں مانتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں ان پر لشکر کشی ہے، مالیہ کی جمع ہے، تعلیم کا انتظام ہے، غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری ہے، ان کے قرضوں کو ادا کرنے کا انتظام ہے، یتیموں کی جائیدادوں کا اہتمام ہے، بیواؤں کی نگرانی ہے۔ غرض ہر وہ کام آپ ﷺ نے کیا ہے جسے بعد میں ”سیاسی“ قرار دے کر اور دین سے الگ کر کے بادشاہوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور جس سے علماء نے ہاتھ اٹھا لیا۔ پس اگر سیاست ”مذہب“ یا ”دین“ سے الگ کوئی چیز ہے اور سیاست کا تعلق ”دنیاداری“ کے ساتھ ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک اور برکت والی زندگی ”مذہبی“ کی بہ نسبت ”دنیاوی“ زیادہ تھی۔

انقلابی روح کو مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت

اس حجازی انقلاب کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ تعمیری زمانے میں انقلاب کی روح کو بہت مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ تعمیر ادھوری

1. امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ: ”چونکہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں انسانی سوسائٹی خدا تعالیٰ کی توحید کو بھول چکی تھی اس لیے حضرت ابراہیمؑ توحید کی اشاعت ہی کے لیے آئے۔ چنانچہ انہوں نے طہارت، نماز، حج، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر کی عبادتیں جاری کیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ملتوں --- میں گڑ بڑ پڑ چکی تھی اور ان کے ارتفاقات (معاشی زندگی کے طریقے) خراب ہو چکے تھے اور یہ خرابی اُس خرابی سے کہیں زیادہ تھی جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد قائم کرنے، عبادتوں کی اشاعت کرنے اور ان کے اوقات معین کرنے کے لیے بھیجا۔ اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی امپریلزموں کو برباد کر کے نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں ایک بین الاقوامی حکومت پیدا کی جائے۔“ (تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ 60)

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہ جاتی ہے۔

حکومت و نظام حکومت کی دو بنیادیں

حکمت ولی اللّٰہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اجتماعی (Social) ہوگی اور مشورے سے کام کرے گی اور غیر رأسمالی (Anti-capitalistic) ہوگی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ رأسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کرلیں۔

دوسرے درجے کا قانون (Laws) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے راسمالیت (Capitalism) یا سرمایہ داری پیدا کرنی شروع کر دی ہے تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti-capitalist) قانون بنا دے۔

(الف) قانون دان اور مجتہدین

اس کے لیے ضروری ہے کہ قانون دان مجتہدین (1) کی ایک جماعت مرکز میں جمع رکھی جائے۔ یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ (2) ہے۔

جس زمانے سے مسلم علماء نے دین اور سیاست کی علیحدگی کو برداشت کیا' اسی زمانے سے بادشاہوں نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے ماں باپ کی میراث (ترکہ) سمجھ کر عیاشیوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور عام لوگوں کا دخل حکومت اور بیت المال (3) کے انتظام میں ختم ہوگیا۔ اب سب مالی معاملات بادشاہ کے ہاتھ میں آگئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت میں عالموں کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ شیخ الاسلام (4) کا عہدہ بھی قائم ہے' جو گویا ''دینی'' باتوں میں بادشاہ کو ''مشورہ'' دیتا

(1) مجتہد وہ عالم ہے جو اپنی تعلیم و تربیت اور تحقیق اور ایمانداری کی وجہ سے اس قابل سمجھا جائے کہ وہ اصول سے ضمنی قاعدے نکال سکے + (مرتب)

(2) فرض کفایہ یہ ہے کہ چند ایک آدمیوں کے ادا کرنے سے سب جماعت کی طرف سے ادا ہو جائے۔ اگر کوئی شخص بھی اسے ادا نہ کرے تو سب مجرم قرار پاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فرض عین وہ ہے جو ہر ایک شخص کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

(3) حکومت کا ٹیکس وغیرہ سے جمع کیا ہوا خزانہ۔

(4) مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑا عالم جو سرکاری طور پر بادشاہ کو مذہبی معاملات میں مشورہ دینے کے لیے مقرر ہوتا تھا۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے۔ لیکن کوئی عالم اجتہادی قوت کا مالک نہیں اٹھتا جو زمانے کی ضرورت کے مطابق قانون بنا سکے۔ بادشاہ اقتصادیات اور سیاسیات کے مالک بن بیٹھے۔ اور انہوں نے عالموں کو ان دونوں میں دخل دینے سے روک دیا (الا ماشاء اللہ)۔ اور عالم لوگ صرف نکاح اور میراث کے مسئلے بیان کرنے کو رہ گئے۔ چونکہ انہوں نے سوسائٹی کی عملی زندگی کی باتوں یعنی روزمرہ کے اقتصادی اور سیاسی مسئلوں سے بحث کرنی بند کر دی اور دین اور اس کے مسئلے حکومت کے عہدوں' روزمرہ کے انتظام اور عملی فرائض سے علیحدہ کر کے سکھانے لگے۔ اس لیے ان کی علمی اور اجتہادی قوت کمزور ہو گئی۔

اب انہیں بین الاقوامی سیاسیات کی خبر رہی نہ ملکی اقتصادیات کی۔ اگر عالم لوگ روزمرہ کی عملی سیاسیات اور پیداواری اور تقسیمی اقتصادیات میں دخل دیتے رہتے' تو آزادی خواہ لوگ حکومت کے معاملوں میں دخل دینے لگتے اور وہ عوام کے حقوق کا مطالبہ کرتے اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بیت المال سے کوئی خاص حقوق حاصل نہ کرنے دیتے۔ یہ ان بادشاہوں اور امیروں پر بہت بھاری گزرتا جو اپنی ''خواہشوں کو اپنا معبود'' بنائے بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے علماء سے وہ طاقت ہی چھین لی جو ان میں بلند فکر اور گہری تدبیر کرنے کی طاقت پیدا کر سکتی تھی۔ بلکہ عالموں کے اثر کو فنا کرنے کے لیے یہ پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ اب دین میں مجتہد پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جن عالموں نے اس پراپیگنڈے میں بادشاہوں کی طرفداری کی' وہ بادشاہوں پر اعتراض کرنے میں سب سے زیادہ چپ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوتے ہوتے مسلمانوں سے انقلابی فکر ہی نکل گیا۔

(ب) احسانی جماعت

یہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے یہ ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ باطن کے لحاظ سے یہ صورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندرونی حصے کا کائنات کے اس مثالی حصے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے جو عالم مثال کے اس حصے میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اسلام میں جو لفظ ''احسان'' استعمال ہوتا ہے' وہ عالم مثال کے ساتھ دلوں کے اسی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ہم نے مرکز کے لیے ایسی جماعت کی ضرورت جتائی ہے جو قانون بنا سکتی ہو' ویسے ہی اہل احسان کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے جس کا کائنات کے روحانی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرکز کے ساتھ تعلق (1) ہو۔ تعمیر کے دور میں انقلاب کی روح کے ساتھ ربط قائم رکھنے سے یہ دو باتیں مراد ہیں۔

اوپر جو بات ہم نے تھوڑے سے لفظوں میں بتائی ہے اسے کھول کر بیان کریں' تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کے اس حصے میں جو فضائی کرنوں (Cosmic Rays) کے پیدا کرنے والے خط سے بھی زیادہ لطیف ہے اور جو عالم مثال کے سب سے اونچے حصے میں ہے' وہ عقلی قوتیں جمع ہوتی ہیں جو اس مادی کائنات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ حضرت امام ولی اللہ دہلوی کی اصطلاح میں اس جگہ کو حظیرۃ القدس (Sanctus Permagnum) کہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ایک عکس (پرتو) آتا ہے جسے حضرت امام دہلویؒ تجلی اعظم فرماتے ہیں۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ مادی کائنات کے تمام بڑے بڑے حادثے (Events) پہلے حظیرہ القدس ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک نئی شان (Phase) ظاہر ہوتی ہے۔ وہ احسانی جماعت جس کا تعلق حظیرہ القدس کے ساتھ ہوتا ہے شان الٰہی کے ہر نئے ظہور کو محسوس کر لیتی ہے اور بتا سکتی ہے کہ واقعات کا آئندہ رخ کیا ہوگا۔ ان اہل احسان کے انکشافات کی مدد سے علمی اجتہاد کے مالک عالم اللہ تعالیٰ کی ہر نئی شان کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کرتے رہیں گے۔ اس طرح انقلابی تعمیر رجعت پسندی (Re-astion) سے محفوظ رہ کر ترقی کرتی رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ رجعت پسندی یا ارتجاع پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب لوگ مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ایک عرصے تک غافل رہیں۔

اہل احسان اور اہل فقہ کی اہمیت

اسلامی زمانے میں یہ کام اہل اصلاح و احسان سے متعلق تھا۔ اب ہم یہ سمجھ نہیں سکتے کہ مسلمان قرآن حکیم سے منہ موڑ کر اپنے مرکز کو مجتہدین اور اہل احسان سے خالی رکھ کر اور خدا کی طرف توجہ کیے بغیر کس طرح نجات پا سکتے ہیں۔

(1) خطیب بغدادی جو حضرت امام ابو حنیفہ کا بہت سخت مخالف ہے تاریخ بغداد میں کئی موقعوں پر لکھتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی مجلس مشاورت کے چالیس ممبر تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ امام قاسم بن معن لغوی' امام عبداللہ بن مبارک محدث' امام ابو یوسف فقیہہ' امام زفر جیسے ذکی اور حضرت امام داؤد ابن نصیر طائی جیسے سرتاج صوفیاء کی موجودگی کو لازم سمجھتے تھے۔ (مرتب)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہمارے زمانے میں مغربی ملکوں میں یہ فرض اجتماعی سائنسدانوں کے سپرد ہے۔ وہ مختلف قوموں اور ملکوں کے عام رجحانات کے متعلق اعداد و شمار جمع کرتے ہیں۔ پھر ان کا بہت ہی گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کر کے نتیجے نکالتے ہیں جو بہت حد تک صحیح ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ نہیں ہے اس لیے ان کے نتیجے کمزور' ناقص اور نامکمل رہتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کافی مضبوط اجتماعیت پیدا کر لی ہے۔

حق یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر نہیں کرتی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور چاہیے کہ ہر ایک نفس دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے لیے کیا فراہم کیا ہے۔" (سورہ حشر 18:59)

پس جو شخص اللہ کی نشانیوں کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے' اس کے سامنے اسلام کا مستقبل بالکل روشن ہے۔ ہر ایک قوم قرآنی انقلاب کو اپنے اندر کامیاب بنا سکتی ہے کیونکہ اس انقلاب کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم موجود ہے۔ حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے جس طرح اسے پہلی مرتبہ حجاز میں کامیاب بنا کر دکھا دیا وہ نمونہ قیامت تک کے لیے کافی ہے۔

امام ولی اللہ دھلویؒ کی اہمیت

برعظیم پاک و ہند میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہی شخص پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھنے والا اور حجازی انقلاب کے سب واقعات کا عالم ہے۔ اس کا نام ہے **امام ولی اللہ دہلوی** (اللہ کی رحمتیں ہوں اس پر)۔ حضرت امامؒ نے قرآن حکیم کی انقلابیت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک منحصر کر دیا ہے۔ اور برعظیم پاک و ہند کے متعلق امید ظاہر کی ہے کہ یہی انقلاب یہاں دہرایا جائے گا(1) اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں۔

(1) کیا عجب کہ تاریخ نے زمانہ حال میں جو پلٹا کھایا ہے' وہ اس کا پیش خیمہ ہو اور پاکستان آنے والے انقلاب کا پیشرو ثابت ہو۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

والی اللٰہی حکمت پر قرآنی تفسیر

اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں، آئندہ صفحات میں آنے والی سورت، سورۃ ''قتال'' یا ''محمد''۔ کی تفسیر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ شارح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اسی انقلابی رنگ میں کی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآنی انقلاب کس طرح قومی پیمانے سے ترقی کر کے کل قومی انقلاب بن جاتا ہے اور کل قومی میدان میں اس انقلاب کا نصب العین (Ideal) کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہاں بھی حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مطالعہ کر کے اس کی بنیاد پر ایسی سرمایہ شکن (Anti-Capitalist) جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم کی غیر راسمالی تعلیم کو اپنائے اور اس ملک میں اس انقلاب کو کامیاب بنائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والعاقبة للمتقین
الّذین ان مکنٰھم اللّٰہ فی الارض یقیمون الصلوة ویوتون الزکوة وھم یوقنون
والصلوة والسلام علی رسوله محمد صاحب دعوة الانقلاب العمومی وعلٰی اصحابه الذین اتبعوه فی ساعة العسره کما اتبعوه فی ساعة الفتح والذین اتبعوه باحسان اللھم اجعلنا منھم۔ آمین

''ہماری آخری بات یہی ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام قوموں کو پالنے اور ترقی دینے والا ہے۔ اچھا انجام انہی لوگوں کا ہوسکتا ہے جو اللہ سے ڈر کر عدل قائم کرتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں کسی ملک میں حکومت دے دے تو وہ نماز کی شکل میں اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں اور خدا کی غریب مخلوق کی خدمت کے لیے اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ نکال کر اسے پاک کر کے کھاتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے تمام

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کاموں کی جوابدہی کرنی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو اس نبی اعظمؐ پر جو کل قومی انقلاب کی دعوت دینے کے لیے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جنہوں نے تنگی کے دنوں میں بھی اس کی پیروی کی اور فتح کے دنوں میں بھی اس کے قدموں کے نقوش پر چلے اور ان لوگوں پر بھی جو ان انقلابی مجاہدین کی پوری طرح پیروی کریں!

خدایا ہمیں ان انقلابیوں کا ساتھی بنا۔ آمین۔

المرتب۔
بشیر احمد۔ بی اے، لودیانوی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب

انقلاب! اے انقلاب!

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دِہ خدایاں کِشتِ دہقاناں خراب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

شیخِ شہر از رِشتۂ تسبیح صد مومن بدام
کافرانِ سادہ دِل را برہمن زُنّار تاب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

میر و سلطان نرد باز و کعبتین شاں دغل
جانِ محکوماں ز تن بروند و محکوماں بخواب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

(اقبالؒ)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سورۃ قتال یا سورۃ محمد (47)

تمہیدِ سورت

قرآنی انقلاب اور جنگ

www.rahimia.org

سورت کا نام:

سورۃ محمد (ﷺ) کا دوسرا نام سورۃ قتال بھی ہے۔ یہ مدنی سورت ہے یعنی مدینہ منورہ میں جنگ بدر کے بعد سن 2 ہجری میں اتری۔

پچھلی سورت سے ربط

اس سورت سے پہلے حٰم والی سورتیں ہیں جو سب کی سب مکی ہیں۔ ان میں عالمگیر کل قومی انقلاب کی تیاری کے متعلق قومی پیمانے پر کام کرنے کے لیے تعلیم دی گئی ہے جو روح کے اعتبار سے حنفیّ ہے۔ یعنی اس کے بنیادی اصول وہ ہیں جو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے پیدا ہوئے۔ ان کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور سرمایہ شکنی (Anti-Capitalism) ہے۔ یہی انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس انقلاب کی تیاری تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ہوتی رہی۔ ہجرت کے بعد یہ انقلاب ایسے پیمانہ پر آ گیا کہ اسے جماعتی حلقے سے نکال کر قومی پیمانے پر چلایا جائے‘ چنانچہ سورۃ محمد (ﷺ) یا قتال میں ہمیں اس انقلاب کے لیے قومی جنگ کے متعلق چند قاعدے بتائے گئے ہیں۔

اگلی سورت کے ساتھ ربط

اس سورت کے بعد سورۃ فتح آتی ہے جس میں قومی انقلاب کے پورے ہو جانے کے بعد‘ جس کا اظہار صلح حدیبیہ میں ہوا اس کا کل قومی نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے' اس سورت میں جنگ کے متعلق چند احکام دیئے گئے ہیں۔ قرآن کا جنگ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلام کوئی انفرادی اور رہبانی تحریک نہیں ہے جس کا تعلق فقط چند اونچے درجے کے انسانوں کے ساتھ ہو۔ بلکہ یہ اجتماعی اور انقلابی تحریک ہے' جس کا تعلق ساری انسانیت کے ساتھ ہے۔

اجتماعی تحریک کی دو قسمیں:

اجتماعی تحریکات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) ارتقائی تحریکات (Evolutionary Movements)

(ب) انقلابی تحریکات (Revolutionary Movements)

ارتقائی تحریکیں

ارتقائی تحریکات میں :

(الف) تحریک کے پھیلنے کا ذریعہ فقط پراپیگنڈہ ہوتا ہے۔

(ب) اس قسم کی تحریکوں میں جنگ بطور ایک آلے کے بالکل شامل نہیں ہوتی۔

(ج) اور نہ اس میں جماعت بندی ہوتی ہے۔

انقلابی تحریکیں

انقلابی تحریک میں:

(الف) ایک نصب العین (Ideal) ہوتا ہے۔ اس پر جماعت بندی ہوتی ہے۔

(ب) وہ جماعت اپنے پروگرام (Programme) کو ملک میں چلانے کے لیے حکومت کی کل پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔

(ج) اس لیے جنگ بھی اس کے پروگرام میں ضرور شامل ہوتی ہے۔

قرآنی تحریک ارتقائی نہیں انقلابی ہے

انقلابی لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو رجعت پسندوں (Reactionaries)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے بھی پاک کریں۔ وہ اس کا انتظار نہیں کرسکتے کہ رجعت پسند ان پر حملہ کریں تبھی ان کے حملے کا جواب دیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر رجعت پسندوں پر حملہ کر کے ان کی حملہ آور ہونے کی طاقت چھین لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً سورہ فتح میں، جس میں کل قومی جنگوں کی طرف اشارہ ہے، صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ کیا وہ جنگ مدافعانہ (Defensive) تھی؟ تاریخ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تحریک ''ارتقائی'' نہیں ''انقلابی'' تحریک ہے۔

جن لوگوں نے اسلامی جنگوں کو مدافعانہ قسم ہی میں بند کر دیا ہے، انہوں نے اجتماعی تحریکوں کے اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر کل قومی انقلابی تحریک ہے، جس میں مدافعانہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور جارحانہ جنگیں بھی۔

انتفاعی جنگ

البتہ جنگ کی ایک اور قسم بھی ہے جو گری ہوئی انسانی سوسائٹیاں کرتی رہی ہیں اور آج کل بھی اس قسم کی جنگیں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنا کر اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس قسم کی جنگ کو ہم انتفاعی جنگ (Exploitative War) کہتے ہیں۔ یہ منڈیاں حاصل کرنے یا امپیریل فائدے حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ جیسے مغربی قوتیں ایشیا اور افریقہ میں کرتی رہی ہیں۔ اس میں کسی خاص صالح فکر کے پھیلانے اور انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم اس قسم کی جنگ کا ہرگز حامی نہیں ہے۔ وہ فقط ایک صالح فکر کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اس میں وہ مدافعانہ اور جارحانہ حملوں کی تقسیم نہیں کرتا۔ ہمیں اس قسم کی جنگوں کے لیے، چاہے وہ مدافعانہ ہوں یا جارحانہ، کسی عذر خواہی (Apology) کی ضرورت نہیں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن کا فکر

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی کے لیے ایک ایسا صالح فکر پیش کرتا ہے۔ جس میں انسانیت کے سب پہلو آ جاتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معادی (آخرت کی) تیاری بھی۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دنیا میں سربلند ہو کر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے۔ اور انہیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ اس انصاف اور خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اتنی بڑی ذمہ داری صرف اس لیے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ انسانیت کی خدمت، خدا پرستی کا جزو ہے اور خدا دوستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتی۔

کافر کون ہے؟

اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پا کر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لیے اٹھے، تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں اسے "کافر" کہا جاتا ہے۔ اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔ قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے، بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت پیدا کر کے لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں، جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کر سکیں۔

اسلامی انقلاب کے اُس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران تھا اس کے نیچے وہ لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے اس فکر کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس انسانیت کی خدمت کرنے والے فکر سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

خیال چھوڑ دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ قرآنی جماعت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا۔

''کافروں'' سے لڑنا کیوں ضروری ہے؟

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام اپنے سب مخالفوں سے لڑتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے' کہ اسلام کو انقلابی تحریک نہیں سمجھا گیا۔ واقعی اگر اسلامی تحریک ارتقائی تحریک ہوتی ' تو اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جیسے اوپر دکھایا جا چکا ہے' وہ ایک انقلابی تحریک ہے۔ اس لیے وہ رجعت پسندوں (Reactionaries) کو' اگر وہ عملاً مخالفت کریں' اپنے حلقہ اثر میں نہ کبھی زندہ رہنے دے سکتی ہے اور نہ اپنے اصول چھوڑ کر ان سے مصالحت (Compromise) کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر رجعت پسندوں کو طاقتور رہنے دیا جائے' تو ملک میں نراج (Anarchy) پیدا ہو جائے گا۔ البتہ مخالفین میں سے جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس کے نظام کے اندر رہنا چاہیں' انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ اس حالت میں قرآنی حکومت ان کی حفاظت بھی کرے گی اور ان کے جائز قانونی حقوق کی حمایت بھی کرے گی۔ اور ان کے ساتھ انصاف کا پورا پورا معاملہ کرے گی۔

اسلام اور جنگ

تاریخ اسلام کے کسی بھی زمانے میں جب اسلامی حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی کسی قانون کے کسی ماہر یا قرآن حکیم کے کسی تفسیر کرنے والے نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا کہ جہاد اور قتال اسلامی تعلیمات کا جز نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ جب سے مصر وغیرہ پر یورپی طاقت کا غلبہ ہوا یہ نیا فلسفہ گھڑ لیا گیا ہے کہ اسلام میں جنگ نہیں ہے' قتال نہیں ہے۔ جہاد سے مراد قلمی اور زبانی تبلیغ ہی ہے اور بس۔

یورپ کا فریب

حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے مشرق کی عام کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو اسلامی ملکوں میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے''۔ یعنی اس میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

خود عقلی اور روحانی قوت نہیں ہے۔ اس کی جواب دہی کے لیے چند (خود ساختہ) عقلمند تیار ہو گئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے۔ مگر یورپ کے فکری حملے سے وہ بھی پورے طور پر نہ بچ سکے۔ اور ان سے بھی یہ کہلوا لیا گیا کہ اسلام میں فقط مدافعانہ جنگ (Defensive War) کی اجازت ہے۔ (جیسا کہ مولوی چراغ علی نے اپنی کتاب تحقیق الجہاد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگیں دفاعی تھیں (تحقیق الجہاد صفحہ نمبر 2)۔ حالانکہ خود یورپ اس وقت جارحانہ جنگ (Aggressive War) تو ایک طرف' وہ انتفاعی جنگ (Exploitative War) میں مصروف تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ کی عذر خواہانہ دستاویز تیار کرا کے اسے خوب شہرت دی۔

رجعت پسندوں کا ایک فریب

اس دور میں مسلمانوں میں جو رجعت پسند (Reactionaries) جنگ کو اسلام میں سے نکال نہ سکے' انہوں نے اسلام کی انقلابی روح کو فنا کرنے کے لیے ایک اور چال اختیار کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ قتال امیر کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اس کی وہ شرطیں بیان کر کے خاموش ہو گئے جن کے پورا ہوئے بغیر قتال نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد اور قتال کے لیے ایک نظام کی ضرورت ہے' جو بدقسمتی سے ہم اس وقت قائم نہیں کر سکے تھے۔ لیکن انہوں نے اس سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ قتال کی یہ شرطیں پوری نہ ہو سکیں تو کیا کیا جائے؟ اگر ان کی آرام طلبی اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی تکلیف اٹھاتی تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس کا جہاں یہ مطلب ہے کہ بہت سے جہاد کرنے والے موجود ہوں' تو بعض لوگ جو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکیں' ان کا عذر مان لیا جا سکتا ہے' وہاں اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر کوئی بھی اس میں حصہ نہ لے' تو سب کے سب مسلمان مجرم ہیں۔ اگر وہ اس طرح سوچتے تو وہ ضرور اس بات کی کوشش کرتے' کہ ایسا نظام پیدا کیا جائے' جس میں جہاد ہو سکے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرا فریب

ایک اور جماعت نے جہاد کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے اسے مہدیؒ کی آمد کے ساتھ لگا رکھا ہے۔ ان روایتوں کو صحیح مان لینے کے بعد بھی' جن میں مہدی کے آنے کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں' یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کا کل قومی غلبہ کسی مہدی یا پیغمبر کی آمد سے بندھا ہوا نہیں ہے۔ یہ تعلیم اپنے آپ کو غالب کرنے کی آپ ذمہ دار ہے۔

نمونے کی جماعت

غرض جب انقلابی جماعت انسانیت کے خلاف نظام کو برباد کر کے اس کی جگہ صحیح انسانی نظام قائم کرنے کے لیے تیار ہو جائے' تو یہ جماعت سب کارکن جماعتوں کے لیے نمونہ بن جاتی ہے۔ یہ جماعت قتال کا حکم دیتی ہے اور اس کے ذریعے غلبہ پاتی ہے۔ اس حالت میں حق کی پیروی یہی ہوتی ہے کہ قتال کیا جائے' یعنی جو شخص قتال میں شریک ہو یا کوئی ایسا کام کرے' جو قتال کے حق میں ہو' اس کے موافق ہو اور اس میں مدد دینے والا ہو' تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اس کے حق میں ہوتی ہیں۔ اور خدا کی رحمت اس پر اترتی ہے۔ اور جو شخص قتال کی مخالفت کرتا ہے یا عذر معذرت کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے' ملا اعلیٰ سے اس پر ناراضگی اترتی ہے اور وہ منافق گِنا جاتا ہے۔

منافقین کا اخراج

انقلابی جماعت کو سب سے زیادہ خطرہ ان منافقوں ہی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس جماعت کے اندر رہ کر اس میں پریشان خیالی پھیلاتے ہیں۔ اس لیے لڑنے والی اسلامی جماعت میں سے منافقوں کا نکالا جانا ضروری ہوتا ہے' لیکن یہ کام ہوشمندی کے ساتھ کرنے کا ہے۔

اسلامی حجازی انقلاب نے کامیابی کی سب منزلیں بڑی جلدی طے کرلیں۔ اور اس کی جماعت نے تیاری کرنے اور لڑنے کی طاقت پیدا کرنے میں زیادہ دیر نہیں

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

لگائی۔ پھر بھی اس میں منافق گھس ہی آئے۔ شروع شروع میں مصلحت یہی تھی کہ منافقوں پر تشدد نہ کیا جائے۔ کیونکہ عام مسلمان انقلابی اپنے علم سے منافق اور غیر منافق میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے کسی شخص کے منافق ہونے نہ ہونے کا فیصلہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کر سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں پر تشدد کرنے کا اشارہ کر دیتے' تو یہ غلط فہمی پید ہو سکتی تھی کہ آپ جس شخص کو پسند نہیں کرتے' اسے منافق قرار دے کر مروا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بات کسی قانون کے نیچے نہ آتی ' بلکہ ایک شخص کے فیصلے پر رہ جاتی ہے۔ حالانکہ جماعت کی ترقی کے لیے شخصی فیصلے کی جگہ باقاعدہ قانون کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے عام طور پر بچتے رہے' کہ جماعت کی کسی بات کو اپنی ذاتی رائے سے چلائیں۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ جماعت کے عوام میں اللہ کے قانون کی پیروی کا جذبہ مساوات کے ساتھ پیدا ہو' اور وہ سمجھ لیں کہ قانون کے سامنے چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی سب برابر ہیں۔ فقط قرآن کے سمجھنے کے لیے آپؐ کی ذات پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ یہ سب باتیں آپؐ نے اپنے ان ساتھیوں کو' جو ہر وقت اور ہر حالت میں آپؐ کے ساتھ شریک رہے' سکھادیں اور انہیں علم میں پکا (راسخین فی العلم) بنا دیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے' تو آپ کی جماعت میں قانون الٰہی کی پیروی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔

غرض حٰم والی سورتوں میں کل قومی انقلاب کے لیے عربی مزاج کو ڈھالنے کی جو کوشش کی گئی تھی' اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ جو لوگ اپنے اندر یہ ذہنی تبدیلی پیدا کر لیں اور اس تعلیم پر پورا پورا ایمان لے آئیں' وہ ان لوگوں سے الگ ہو جائیں جو اس تعلیم کو نہ مان کر جمود اور شرک میں پھنسے رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ترقی پسند انقلابی طبیعت رکھنے والے لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں جمع ہو گئے۔ یمن اور نجد کے باشندے اور عراق اور شام کے قریب بسنے والے لوگ پہلے پہل اس جھگڑے سے الگ رہے اور دیکھتے رہے کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے' اس کے ساتھ معاملہ کر لیں گے۔ لیکن حجاز میں رجعت پسندوں اور انقلابیوں کے جو دو گروہ بن گئے تھے ان میں جنگ ہونی لازم تھی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حجازی انقلاب کی منزلیں

حضرت محمد رسول ﷺ نے ' جو حجاز کی انقلابی جماعت کے رہنما تھے ' اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر کل قومی انقلاب کا پکا ارادہ کر رکھا تھا:

(1) سب سے پہلے تو لوگوں کو اپنے پروگرام کی طرف بلایا۔

(2) پھر انقلاب کے لیے ایک مضبوط جماعت تیار کی۔

(3) کوشش کی کہ مخالفین آپ ؐ کی تعلیم قبول کر لیں۔

(4) مدینہ منورہ میں مرکز قائم کیا۔

(5) جنگ کی تیاری کی۔

(6) مدینے والوں اور ارد گرد کے رہنے والوں کی قوت جمع کی۔

(7) جنگ کی۔

(8) مخالفوں کو ان کے مرکز سے نکال دیا۔

(9) ان پر غلبہ پایا اور

(10) اپنا قانون ماننے اور نہ ماننے والوں پر چلایا۔

یہ فتح درجہ بدرجہ کل قومی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور یہ کامیابی قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق انقلاب کرنے والوں کے لیے رہتی دنیا تک نمونہ رہے گی۔ اس سورت میں اسی پہلی انقلابی جنگ --- بدر --- کا ذکر ہے۔

=========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ محمد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ
اَمْثَالَهُمْ ۝۳ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ
اَوْزَارَهَا ڮ ذٰلِكَ ۭ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ
بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ
تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ
وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ
اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ
زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ
فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ
خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا
فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝۱۵ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ
تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ
اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ
فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ
الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا
عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ
اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ
اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ
الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ
اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ
وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ
وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا
الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيُحْبِطُ
اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا
اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ
مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

www.rahmania.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ
تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ
الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝٣٨

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

تفسیر سورۂ محمد

آیت نمبر ۱: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''جن لوگوں نے صرف دشمنی نکالنے کی خاطر اس تعلیم کو ماننے سے انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ چلنے سے روکا اللہ نے ان سب کے اعمال اکارت کر دیئے۔''

کافر کون ہیں؟

(الف) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''جن لوگوں نے دشمنی کی راہ سے انکار کیا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآنی انقلاب کی تعلیم کو ماننے سے انکار کر دیا اور سوچ سمجھ کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔

کافروں کی طرف سے رکاوٹ

(ب) وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا'' انہوں نے قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے والے انقلابیوں کے لیے ایسے حالات پیدا کر دینے کی کوشش کی کہ وہ اس تعلیم پر آزادی کے ساتھ عمل نہ کر سکیں۔ مثلاً ان کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اور غلط فہمیاں پھیلائیں' انہیں تکلیفیں دیں' ان کا بائیکاٹ کیا' انہیں قید کیا' بعض کو قتل بھی کر دیا۔ جب یہ انقلابی ان مصیبتوں سے بچنے کے لیے اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہاں سے بھی گرفتار کر کے لانے کی کوشش کی۔

کافروں کی ناکامی

(ج) اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (اللہ تعالیٰ نے رجعت پسندوں کے اعمال اکارت کر دیئے)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ لوگ اپنی ان کارروائیوں سے، جو وہ اِن مسلم انقلابیوں کے خلاف کر رہے تھے، کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور قرآن حکیم پر لوگوں کے اجتماع کو روک نہ سکے۔ اب جو انہوں نے جنگ کے ذریعے سے انقلاب کو روکنے کی کوشش کی ہے، تو یہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اگر رجعت پسندی کے مقابلے میں یہ انقلابی طاقت نہ ہو تو رجعت پسندی تمام دنیا پر چھا جائے اور انسانیت کو تباہ کر دے۔

کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت

قرآنی جماعت جو ان لوگوں سے جنگ کرے گی تو اس لیے نہیں کہ وہ اس کی بات نہیں مانتے، بلکہ اس لیے کہ وہ اس کی بات کو آگے بڑھنے دینے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآنی تحریک کا مقابلہ نہ کریں اور اس کے نیچے امن چین سے رہیں، تو ان سے کوئی جنگ نہیں ہے اسلامی فتوحات کے زمانے میں جس قوم نے اپنی حکومت چھوڑ دی اور اسلامی حکومت کے نیچے رہنا مان لیا اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی گئی اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا۔ قرآن حکیم صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانیت میں سے رجعت پسند قوتوں کے غلبے کو توڑ دے اور اپنا انقلاب قائم کر دے۔

آیت نمبر 2: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور اس (ایمان کے مطابق) نیک عمل کیے اور ایمان لائے اس چیز پر جو محمد پر اتاری گئی۔ اور وہی ہے سچی بات ان کے رب کی طرف سے۔ (اللہ نے) ان کی برائیاں ان سے دور کیں اور ان کا حال سنوارا۔''

ایمان دار کون ہیں؟

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور جو لوگ ایمان لائے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حنفیت کے عام قاعدے مان لیے اور پورے یقین کے ساتھ ان کی کامیابی کے لیے اپنا جان و مال اور سب

(c) ketabton.com: The Digital Library

کچھ قربان کر دینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ یہ ایمان کا عام درجہ ہے' اور اس میں تمام تعلیمات شامل ہیں' جو انبیاء کرام لے کر آئے۔ انکی ترقی یافتہ اور صاف شکل حنیفیت ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (انہوں نے نیک کام کیے): کاموں کی اچھائی اور بھلائی کی جانچ یہ ہے کہ وہ کہاں تک ان کے ایمان کے مطابق ہیں۔ اگر وہ ان کے ایمان کے مطابق ہیں تو صالح ہیں ورنہ نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (انہوں نے اس تعلیم کو مان لیا جو محمد پر اتری):

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جہاں حنیفیت کی تحریک کے داعی ہیں' وہاں اس کے آخری درجے کے مستقل امام (Leader) بھی ہیں اور وہ اس کا کل قومی درجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امت تیار کی' وہ قرآن حکیم کو عالمگیر درجے پر کامیاب بنائے گی۔

حق کیا ہے؟

وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے): یہ تعلیم تمام پہلے انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ اور انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس لیے یہ اصل چیز ہے' اور پائیدار دائمی تعلیم ہے۔ اس کے خلاف چل کر کوئی انسانی جماعت کسی زمانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ضروری ہے' کہ اب اسے کل قومی درجے پر انسانیت میں حکمران بنایا جائے۔

لغزشوں کی معافی

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ

"ان کی لغزشیں چھپا دی جائیں گی اور ان کے حال کی درستی کر دی جائے گی۔"

جب کوئی جماعت وسیع پیمانے پر انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھتی ہے تو اس سے لغزشوں کا ہو جانا طبعی بات ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ جان کی بازی لگا دیتی ہے اور حق کو حق سمجھ کر قبول کرتی ہے۔ اور جہاں اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے فلاں غلطی

ہوگئی ہے' وہ فوراً اس سے باز آ جاتی ہے اور اس کا بدلہ اتارنے اور درستی کرنے کی کوشش کرتی ہے اور پھر حق پر قائم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی پہلی لغزش توجہ کے قابل نہیں رہتی۔

مثلاً ایک دیہاتی ہے وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ اسے انسانیت کے صحیح اصول سمجھا دیئے جاتے ہیں اور رجعت پسند طاقتوں کا جو طریق ہے وہ بھی اسے بتادیا جاتا ہے۔ اتنی سی تعلیم ایک آدمی کو چند منٹ میں دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اسے آمادہ کیا جاتا ہے' کہ وہ حق کی تائید میں اپنی جان دے دے۔ وہ اس پر آمادہ ہو جاتا ہے' اور آخر دم تک اس پر قائم رہتا ہے۔ ایسے شخص میں بہت سی ظاہری کمزوریاں ہیں۔ وہ شاید غلطیاں بھی کرتا ہے۔ مہذب افراد اور متمدن قومیں اس میں ہزار عیب نکال سکتی ہیں۔ لیکن انقلابی قانون میں یہ تمام غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی حالت درست کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تہذیب اور شائستگی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں' جس کے بعد تہذیب اور شائستگی کا اور کوئی معیار دنیا قبول نہیں کرتی۔ اس طرح وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے "مہذب" لوگوں کی نظروں میں عیب تھیں' اب مہذب کہلانے کے لیے اچھی قرار پاتی ہیں۔

غرض جو لوگ اس انقلابی قانون کے پابند ہوں' اس کے غلبے کی کوشش کریں' اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار اور مالک قبول کریں' ان کی حالت درست ہو جاتی ہے اور انہیں دنیا میں امن' عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں حاکم بن کر رہتے ہیں۔

آیت نمبر 3: ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

ترجمہ: "یہ اس لیے' کہ جو منکر اور دشمن ہیں وہ جھوٹی بات پر چلے اور جو ایماندار ہیں انہوں نے اپنے رب کی طرف سے سچی بات مان لی۔ یوں اللہ لوگوں کو ان کے حال بتاتا ہے۔"

کامیابی کی گارنٹی

رجعت پسند کافروں نے اس انقلاب کو مٹانے کے لیے لاؤ لشکر تیار کیا اور بہت

(c) ketabton.com: The Digital Library

بڑی فوجی جمعیت اور سامان فراہم کرلیا۔ ان کے مقابلے میں انقلابی مومنوں کی حالت بہت کمزور تھی۔ ان کے پاس نہ پورا سامان جنگ تھا' نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ البتہ انہیں یقین تھا کہ ہم سچائی پر ہیں۔ اس لیے وہ مضبوطی سے اڑے رہے' اور فتح نے ان کے قدم چومے۔ پس یہ فتح اس بات کا نتیجہ تھی' کہ انہیں اپنے مقصد کے سچے ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ یہ چیز رہتی دنیا تک تمام قوموں کے لیے ایک مثال ہے۔ پس جو لوگ عالمگیر انقلاب کے لیے اٹھیں' وہ اسی مقصد کو لے کر اٹھیں' جو صحیح انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہو' جیسے ان حجازی انقلابیوں نے کیا۔ وہ اس مقصد پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔ اس وقت ان کی فتح یقینی ہے۔

کفار جس پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں' وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ ایک چھوٹے سے طبقے کو پہنچتا ہے۔ اور اس میں خدا ترسی بھی صحیح شکل میں نہیں آتی ' جو انسانیت کی طبعی پیاس بجھا سکے۔ لیکن قرآن حکیم کا پروگرام عوام کے فائدے کے لیے ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اور اس کی دعوت بنیادی انسانیت کے لیے ہے جو نہایت پائیدار--- حق[1]--- ہے جب تک انسانیت موجود ہے۔ اس تعلیم کا قائم رہنا اٹل ہے۔ اس کے مقابلے میں جو غلط تعلیم آئے گی وہ پاش پاش ہو جائے گی۔

قواعد جنگ

اگلی آیت میں بتایا جاتا ہے' کہ اس قسم کی جنگ کے وقت کون سے قاعدے سامنے رکھنے چاہئیں۔

آیت نمبر 4:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝

1. ''حق'' کے بنیادی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں جو چیز انسانی فطرت کے مطابق اور موافق ہوتی ہے وہ پائیدار ہوتی ہے۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''سو جب تم دشمنوں کے مقابلے میں آ ؤ تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو بندھن مضبوط کرلو۔ پھر یا احسان کرو یا معاوضہ لے لو' یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہ سن چکے۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان سے بدلہ لے' لیکن وہ تم کو ایک دوسرے سے جانچنا چاہتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

رجعت پسندوں کا خاتمہ کردو

(الف) فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (جب اس تحریک کے نہ ماننے والوں سے تمہاری جنگ اور مقابلہ ہو' تو ان کی گردنیں مارو۔)

انقلاب کا یہ لازم جز ہے کہ رجعت پسندوں کے غلبے کو پوری طرح توڑ دیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ جنگ میں ذرا بھی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو

(ب) حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا

(یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو تو ان پر بندھن مضبوط کرلو' یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔)

مخالفین کی اتنی سرکوبی کرو کہ ان کے دلوں میں سے انقلابی جماعت کے خلاف کھڑے ہونے کا ارادہ نکل جائے۔ جب وہ لڑنے سے رک جائیں تو انہیں گرفتار کر لو۔ اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو کہ وہ اپنی تحریک کو زندہ نہ کرسکیں۔ ان کی اشاعت اجتماع اور تنظیم کو روکنے کے لیے بندشیں لگا دی جائیں' یہ بندشیں اور سختیاں اس وقت تک جاری رہنی چاہئیں جب تک ان کے حوصلے پست نہ ہو جائیں۔ اور انقلاب کے مقابلے میں کوئی رجعت پسندانہ حرکت نہ کرسکیں اور لڑنے کا خیال قطعاً ان کے ذہنوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے نکل جائے۔[1]

قیدیوں کے متعلق احکام

(ج) فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (پھر بعد میں احسان کرو یا معاوضہ لو)۔

انقلاب میں جو قیدی گرفتار ہوں' ان کے متعلق دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(1) انہیں معاوضے کے بغیر بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کے متعلق ہوسکتا ہے' جو رجعت پسندی سے باز آ جائیں اور جن کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ واقعی آئندہ ہمارے مقابلہ میں نہیں آئیں گے۔

(2) معاوضے لے کر چھوڑ دیا جائے۔

اس کی چار شکلیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) دشمن کے آدمی یرغمال کے طور پر لے لیے جائیں۔

(ب) مسلمان قیدیوں کے معاوضے میں رہا کر دیا جائے۔

(ج) روپیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔

(د) مکاتبت یعنی ''قیدی کا کما کر اپنی رہائی کا معاوضہ ادا کر دینے کا معاہدہ'' کرلیا جائے۔

یہ سب قواعد حالت جنگ کے لیے ہیں۔

کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ اسلام میں ''غلامی'' نہیں ہے۔

ان کا یہ بیان ہے کہ ''قرآن حکیم صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم دیتا ہے پھر یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ

---

1. امام ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب بدور البازغہ (صفحہ 80) میں فرماتے ہیں کہ ولیکن اول نظرہ الی قھر الاعداء و تفریق اجتماعھم وجبن قلوبھم والیاس من النجاۃ۔ (امام کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا غلبہ دشمن پر رہے وہ ان کا کوئی اجتماع نہ ہونے دے ان کے دلوں کو کمزور کرتا رہے اور انہیں کبھی اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ نجات پاسکیں۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

چھوڑ دیا جائے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انہیں ہمیشہ غلام بنا
کر رکھا جائے۔ ان کی اولاد کو بھی غلام بنانا تو ایک طرف رہا۔ یہ
جاہلیت 1 کی رسم تھی کہ غلام بنانے کے بعد انہیں رہا نہ کرتے تھے۔
قرآن حکیم نے غلام بنانے کی جاہلی رسم کو قطعاً موقوف کر دیا۔ اور حکم
دے دیا کہ مذکورہ بالا دوصورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں انہیں
رہا کر دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یورپ نے غلامی کی آزادی میں
جو کچھ کیا وہ اسلام کی پیروی میں کیا۔"

ہمارے نزدیک ان لوگوں کے نکالے ہوئے نتیجے پر ایک تاریخی اعتراض آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے پہلے دور میں اس پر عمل نظر نہیں آتا۔ حالانکہ خلفاء راشدین کے عہد میں اس آیت پر ان معنوں میں سب سے پہلے عمل ہونا چاہیے تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غلامی کی تنسیخ کے متعلق جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے بہت ہی مبالغے سے کام لیا ہے۔ خاص کر اس آیت سے دلیل لینا کہ غلامی منسوخ کردی گئی ہے' تکلّف سے خالی نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی شکلیں

اس آیت میں جو فِدَآءً (معاوضہ لے کر) آیا ہے اس سے فقط یہی مراد نہیں ہے کہ ان قیدیوں کی رہائی کے معاوضے کا روپیہ لے لیا جائے یا قیدیوں کا آپس میں ادلا بدلا (باہمی تبادلہ) کر لیا جائے' بلکہ ہمارے نزدیک اس میں مکاتبت بھی داخل ہے۔ ایک آدمی گرفتار ہو کر قید ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے کہ اس کے فدیے کا روپیہ دے کر رہا کرا لے۔ اور نہ دشمن کے پاس مسلم قیدی ہیں کہ ان میں سے کسی کے بدلے میں اسے رہائی ملے۔ اور نہ اس کی ایسی حالت ہے کہ اسے بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔ ایسا جنگی قیدی یقیناً غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ ایسے غلاموں کے متعلق سورہ نور میں جداگانہ حکم موجود ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

---

1. حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب میں اسلام پھیلایا۔ اس سے عین پہلے جو زمانہ تھا اسے جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں۔

www.rahirnia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا واٰتوھم من مال اللّٰہ الذین اٰتٰکم

(تمہارے لونڈی غلام میں سے جو مکاتبت چاہیں ان کو مکاتبت دے دو' بشرطیکہ تم ان میں بھلائی دیکھو۔ اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے انہیں کچھ دے دو۔)

کن قیدیوں کو رہا کیا جائے؟

یہاں ''بھلائی'' سے مراد یہی ہے کہ وہ رہا ہونے کے بعد مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ یا اگر وہ مسلم سوسائٹی ہی میں رہنا پسند کریں تو اس پر کسی طرح سے بار نہ ہوں۔ جب تک کسی شخص کے متعلق یہ ثابت نہ ہو کہ وہ جنگ سے باز آجائے گا یا مسلم سوسائٹی کے لیے مضر یا بار ثابت نہ ہوگا' اسے عمر بھر قید رکھنا جائز ہے۔ لیکن جب اس کی ''بھلائی'' کا یقین ہو جائے تو اس سے مکاتبت کر لی جائے۔ اور اس سے اس کا زر فدیہ قسطوں میں وصول کر لیا جائے۔ اگر وہ روپیہ ادا نہ کر سکے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس قیدی کی مالی مدد کریں۔ اگر مسلمان اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے اس کی مدد نہ کر سکیں تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کے جمع کیے ہوئے مال میں سے اس مُکاتِب کو دے۔

بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگی قیدیوں کے معاملے میں قرآن حکیم نے جو قوانین دیئے ہیں' ان میں خود ان قیدیوں کی بھلائی کا بھی بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی طرف ان لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی جنہوں نے غلامی کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق سیدنا عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کسی جنگی قیدی نے مکاتبت چاہی ہو اور اس حق سے محروم کیا گیا ہو۔ اس دور میں اس قانون پر برابر عمل ہوتا رہا۔ مگر بنی امیہ کے زمانے میں اس قانون سے غفلت شروع ہوئی' البتہ اس زمانے میں مسلمان عالم اس غفلت پر تنبیہہ کرتے رہے' گو بعد کی صدیوں میں اس امیر طبقے نے غلامی کو باقاعدہ جاری کر لیا جو بے حد افسوسناک ہے۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قید کے طریق

اصل بات یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (1) مرد اور (2) عورتیں۔ انہیں رکھنے کے بھی دو طریق ہو سکتے ہیں۔

(الف) جداگانہ قید خانے بنا کر جیسے آج کل دستور ہے۔

(ب) اپنی آبادی کے ساتھ مخلوط کر کے نگرانی میں لے لیا جائے۔

(الف) جداگانہ قید خانے

قیدیوں کو جداگانہ قید خانوں (Concentration Camps) میں رکھنے سے بہت سی خرابیاں اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔ چند درج ذیل ہیں:

(1) قیدیوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ اور نہایت گندے گناہ مثلاً صدومت (Sodomy) جاری ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان کی انسانیت فنا ہو جاتی ہے اور وہ کسی اچھی سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں رہتے۔

(2) ان قیدیوں سے قید خانوں میں نہایت سخت مشقت لی جاتی ہے۔

(3) جو لوگ ان قیدیوں کی نگرانی کرتے ہیں وہ ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔

(4) یہ قیدی انقلاب کو کبھی قبول نہیں کر سکتے اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات کو پرورش کرتے ہیں۔

یہ خرابیاں انگلستان، جرمنی اور دوسرے یورپی اور امریکی ملکوں کے قید خانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسری بڑی جنگ 1939-45ء میں یورپی ملکوں نے اپنے دشمنوں کے قیدیوں سے جو وحشیانہ سلوک کیے ہیں ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(ب) خاندانوں کے اندر قید

اسلامی قانون، حکومت کو اجازت دیتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو جنگی قید خانوں میں رکھنے کے بجائے ذمہ دار خاندانوں میں تقسیم کر دے۔ اس نظام میں انہیں باقاعدہ طور پر گھروں میں جگہ دی جاتی ہے اور وہاں وہی کھانا اور لباس پاتے ہیں جو گھر والوں کو ملتا ہے۔ ان کے ساتھ سختی کا سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ان سے سخت مشقت لی جا سکتی

www.rahima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے۔ اس خانگی نگرانی میں وہ نکاح، تجارت اور صنعت وحرفت بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ قیدی اسلامی سوسائٹی میں ہضم ہو جاتے ہیں۔ وہ گھر والوں سے اچھے اخلاق اخذ کرتے ہیں اور اسلام کی انقلابی تعلیم کو عملی شکل میں نہایت قریب سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے امکان ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت اس تعلیم کو قبول کر لیں اور اسلامی سوسائٹی کے باقاعدہ رکن بن جائیں۔ جیسے اوپر لکھا جا چکا ہے' اسلام کے پہلے دور میں ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا۔ بعد کی خلاف ورزیاں انہیں منسوخ نہیں کر سکتیں۔

کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت ہے

غرض اسلام میں غلامی انقلابی روح کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص انقلاب کی طاقت کو فنا کرنے کے لیے میدان جنگ میں آتا ہے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ قانون کی نظر میں واجب القتل ہے۔ لیکن قرآن حکیم اس کی زندگی اس خیال سے بخش دیتا ہے کہ شاید وہ انقلابیوں کی نگرانی میں رہ کر اور قریب سے ان کا مطالعہ کر کے انقلاب کی حقیقت سمجھ لے۔ اور اس کی مخالفت ترک کر دے۔ لیکن جو شخص اس انقلابی تحریک پر ایک غیر انقلابی کے نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے، اس کے نزدیک تو انسانیت کو ظلم سے بچانے کے لیے انقلاب کرنا ہی ناجائز ہے۔ وہ اس انقلاب کے دشمنوں کو دشمن کی حیثیت سے کس طرح دیکھ سکتا ہے' اور ان دشمنوں کو واجب القتل کس طرح قرار دے سکتا ہے؟ اور جب وہ انہیں واجب القتل ہی نہیں سمجھتا تو ان کی جان بخشی کر کے اصلاح کی نیت سے انقلابیوں کی نگرانی میں دینا۔ جسے عرف عام میں ''غلامی'' کہا جاتا ہے کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے؟ لیکن اس میں سارا قصور اس کی غیر انقلابی ذہنیت کا ہے۔ جب وہ اس معاملے پر انقلاب اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے نظر ڈالے گا' تو وہ دنیا کا بہترین حکیم ہونے کے باوجود اسلام کے نظام نگرانی سے بہتر نظام تجویز نہ کر سکے گا۔ اسلام محض ''بلند نظریات'' کا مجموعہ نہیں ہے' بلکہ عملی زندگی کے لیے بہترین نظام عمل بھی ہے۔

غلامی کے منکروں کی غلطی

جو لوگ اسلام میں سے نام نہاد غلامی کا جز نکال کر اسے مغربی ملکوں کے نزدیک

(c) ketabton.com: The Digital Library

پیاری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان ملکوں میں بھی انقلابی موجود ہیں جو اسلام کے ان ''بہی خواہوں'' کی وجہ سے اس عملی مذہب سے اس لیے نفرت کر سکتے ہیں کہ یہ انقلابی نقطۂ نگاہ سے عمل کے قابل مذہب نہیں ہے۔ ایسے مذہب سے صرف ارتجاع پسند (Reactionaries) ہی خوش ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ پرست رجعت پسند مغربی اقوام نے غلاموں کو جو فرضی آزادی بخشی ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ گوری قوموں کو قانوناً غلامی سے مستثنیٰ کر کے رنگ دار قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ اور اب تو گورے افراد کے متعلق بھی اعلانیہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں ان ''آزاد'' مزدوروں کی حالت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان حالات پر کوئی مہذب قوم فخر نہیں کر سکتی۔

(د) ذٰلِكَ (یہ ہے قانون)

(ہ) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا)

یعنی خدا ہی اسباب پیدا کر کے انہیں سزا دیتا۔ مثلاً زلزلہ، طوفان، وبائی بیماریاں وغیرہ کے ذریعے سے ظالم طبقات کو فنا کر دیتا۔

آزمائش کا مقصد

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ

(لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے بعض کو بعض کے ذریعے سے)

تمہیں جنگ کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے کہ تمہیں امتحان میں سے گزارا جائے اور حقیقی انقلابیوں کو جو اس کی تعلیم کو سب سے اونچے درجے پر قائم کرنے کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ اس پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ ڈینگیں مارنے والوں سے جدا کر دیا جائے۔

شہید کی محنت ضائع نہیں جا سکتی:

(و) وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ

(اور جو لوگ قتل ہوئے اللہ کے راستے میں وہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں جانے دے گا)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس طریقے میں یہ بات بھی پیش آئے گی کہ بعض حق پسند انقلابی شہید ہو جائیں گے لیکن ان کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اگر وہ خود اپنی محنتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے تو دنیا میں ان کی نسلیں ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور ان کی ہم خیال جماعت عزت اور حکومت پائے گی۔ اور مرنے کے بعد شہیدوں کو جنت میں بے حساب ترقی کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی۔

آیت نمبر 5: سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''انہیں راہ دے گا اور ان کا حال سنوار دے گا۔''

چونکہ یہ لوگ حق کی حفاظت میں اپنی جان دے رہے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو ترقی کی راہ پر لگا دے گا۔ اور ان کی حالت اس زندگی میں ہی درست کر کے انہیں اونچے مرتبے پر پہنچا دے گا۔ اور مرنے کے بعد ان کی ترقی کا یہ سیدھا راستہ قائم رہے گا۔ اور وہ اس زندگی میں بھی اونچے درجے حاصل کرتے رہیں گے۔

آیت نمبر 6: وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

ترجمہ: ''اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جو انہیں معلوم کرا دی ہے۔''

جنت کا تصور مادی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اوپر (عرشِ الٰہی) سے ایک ہی شکل میں آتی ہے لیکن مختلف مواطن (طبقات) (Stages) میں سے ہر موطن (Stage) میں اس درجے کے مطابق شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے بارش کہ وہ کرۂ ہوا کے ٹھنڈے طبقے میں اولوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے نچلے طبقے میں پانی کے قطروں کی صورت میں اور جب زمین پر آتی ہیں تو زمین کے ہر ایک قطعے کے موافق مختلف تاثیرین پیدا کر لیتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ بنیادی قانون ہے۔

ایک انسان مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جائے گا۔ اگر اس کے قلب اور دماغ میں اس موطن کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے تو وہاں جا کر آرام اور خوشی محسوس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرے گا۔ یہ سرور اور راحت اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ایک شکل ہے۔

ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے وہ اپنی جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے۔ کیا وہ مصر کے بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہوسکتا ہے؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے، محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جنتیوں میں سے بعض چھوٹے درجے کے جنتی ایسے ہوں گے جنہیں وہ نعمتیں نصیب ہوں گی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی ان کا دسواں حصہ نصیب نہ ہوا ہوگا۔ اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی، ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی ہی میں فنا ہوگئی اور اپنے معاشی' معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کر کے اپنے اندر ان قانونوں کے مطابق کیے ہوئے عملوں کے جوہر نہ لے گی' وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی؟ غرض آزادی' حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کر کے اس کے نیچے آزادی' حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی لذت اور راحت معلوم کرا دی گئی ہوگی جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس و عرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اس لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں گے۔ ہمارے نزدیک عَرَّفَهَا لَهُمْ (جو انہیں معلوم کرا دی گئی ہے) کے یہ معنی ہیں (باقی صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔)

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامیابی کی شرط

آیت نمبر 7: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جما دے گا۔''

جب مسلمان تمام قوموں میں سے ظلم اور جہالت دور کرنے کا پکا ارادہ کرلیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیں تو وہ ضرور غالب آئیں گے۔ یہی انقلاب ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا۔ اور ان کی انقلابی جماعت' چاہے وہ چھوٹی ہی ہو، بہت بڑی اجتماعی طاقت پر غالب آجائے گی۔ کیونکہ اس انقلاب کی بنیاد علم، عقل اور عدل پر ہے۔ یہ انقلاب سب لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے گا۔

پائیداری کی شکل

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (تمہارے پاؤں مضبوطی سے گاڑ دے گا)

جب تک کوئی چیز سوسائٹی کے صرف عقلمند طبقے میں رہتی ہے اور عوام میں نہیں آتی، وہ پائیدار نہیں ہوتی۔ لیکن جب وہ عوام میں گھر کر لیتی ہے وہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا انقلاب کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اسے عوام میں جائے گیر کرنا چاہیے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب جس جس علاقے میں سرایت کر گیا وہاں اب تک اس کا اثر باقی ہے۔

مخالفین کی ناکامی:

آیت نمبر 8: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ اس کے منکر ہوئے وہ منہ کے بل گرے اور ان کے کام کھو دیئے۔''

جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ ناکام رہیں گے۔ اور ان کے عمل اکارت جائیں گے۔ وہ اپنی کوششوں سے جو نتیجہ پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ پیدا نہ ہوگا۔ چونکہ وہ دنیا میں غلط پروگرام چلا رہے تھے' اس لیے مرنے کے بعد بھی وہ اپنے صحیح

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقام پر نہ پہنچ سکیں گے۔

آیت نمبر9: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ اللہ نے جو اتارا وہ انہیں پسند نہ آیا پھر اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسا پروگرام دیا ہے جو تمام انسانیت کے لیے مفید ہے۔ اور قرآن کو ماننے والی جماعت اس تعلیم کو کامیاب بنانے اور انقلاب کرنے کے لیے اٹھی ہے۔ اس کے مقابلے میں جو ارتجاعی ہیں وہ محدود طبقوں کے فائدے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اس لیے یہ انقلابیوں کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مستقبل انقلابیوں کے ہاتھوں میں ہے' وہی کامیاب ہوں گے۔

ناکامی کی تاریخی شہادتیں

اگلی آیتوں میں قرآنی انقلاب کی کامیابی پر تاریخی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت نمبر10:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝

ترجمہ: ''کیا وہ ملک میں پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ جو ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ اللہ نے انہیں برباد کر دیا۔ اور منکروں کے لیے ایسی ہی سزائیں ہیں۔''

قرآنی انقلاب کے مخالفین گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس تحریک کی بنیاد عوام کی بھلائی اور اللہ کے ساتھ تعلق پر ہو وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے۔ اور اس کے مخالفین ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ عرب میں حضرت صالح علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی مخالفت کرنے والی قوموں کے آثار موجود ہیں۔ جب ان قوموں نے صالح انقلابی جماعت کا مقابلہ کیا اور ناکام رہے' تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جس انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں' اس کے مقابلے میں

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ ارتجاعی (رجعت پسند لوگ) کس طرح ٹھہر سکتے ہیں؟ یہ یقیناً ناکام رہیں گے اور برباد کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں قرآنی انقلاب پوری طرح کامیاب ہوا اور پھر بہت ہی بڑے کل قومی پیمانے پر تمام دنیا پر غالب آیا۔

جنگ کا انجام

آیت نمبر 11: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۝۱۱

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کا رفیق تو اللہ تعالیٰ ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کا کوئی رفیق نہیں ہے۔''

انقلابیوں کی کامیابی اس لیے یقینی ہے کہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ اس تحریک کو عوام تک پہنچانے کے لیے مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ ارتجاعی (Reactionaries) ناکام رہیں گے کیونکہ ان کی تحریک عوام کے لیے مفید نہیں۔ اس لیے اللہ اسے پھیلنے سے روک دے گا۔

کافر و مومن کا تقابل

آیت نمبر 12:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۝۱۲

ترجمہ: ''اللہ ان لوگوں کو' جو ایمان لائے اور جنہوں نے (اس ایمان کے مطابق) اچھے کام کیے' یقیناً باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور جو منکر اور دشمن ہیں وہ ایسے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا گھر آگ ہے۔''

قرآن حکیم کے بات کہنے کا یہ عام طریقہ ہے کہ وہ مومن اور کافر کا مقابلہ کر کے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک کی برتری اور دوسرے کی ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی مومن اور کافر کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور کافروں کو بہت گری ہوئی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کو مان کر اسے عمل میں لانے اور اسے پھیلانے اور غالب کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہیں' وہ مومن ہیں ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو اس تحریک کو اپنے ذاتی فائدوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا مطمع نظر یا نصب العین حیوانیت سے اونچا نہیں اٹھتا۔ وہ دنیا کو فقط اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہم اس سے کہاں تک لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً لباس' مکان' کھانا اور دوسرا سامان عیش کتنا جمع کر سکتے ہیں۔ اور اس سے کتنا مزہ پا سکتے ہیں۔ لیکن ایک حکیم جانتا ہے کہ حیوانی نصب العین کو ترقی دینا انسانیت کے اصلی فائدوں کے بالکل خلاف ہے۔ جو قوم حیوانی نصب العین میں ترقی کرتی ہے وہ اپنے نفوس کے اندر ایسی گندی اور گرے ہوئے درجے کی عادتیں جمع کر لیتی ہے جو مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے جہنم پیدا کر دیں گی۔ جو قوم دنیا میں قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرتی ہے وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کی خدمت کرنے والی اونچے درجے کی حکومت پیدا کر کے عزت حاصل کر لیتی ہے۔ وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے نفوس کے اندر اس تعلیم و تربیت سے ایسی عادتوں کے نتیجے لے جاتی ہے جو اس کے لیے بہشت کی زندگی پیدا کر دیں گے۔

ان باتوں کو نہ سمجھنا اور دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آخرت کی زندگی تباہ کر لینا نری حیوانیت ہے۔

مخالفین انقلاب کو تنبیہہ

آیت نمبر 13: وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيٓ أَخْرَجَتْكَ ۚ أَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اور کتنی سوسائٹیاں تھیں جو اس تیری سوسائٹی سے جس نے تجھے نکالا' زیادہ زور آور تھیں۔ ہم نے انہیں غارت کر دیا۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔''

مکے والوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو' جو انہیں اعلیٰ

(c) ketabton.com: The Digital Library

درجے کی انسانیت کی تعلیم دیتے تھے' اتنا تنگ کیا کہ انہیں اپنے فکر کی حفاظت کرنے اور پھیلانے کے لیے مکہ معظمہ سے نکل جانا پڑا' اور ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے؟ نہیں۔ مکے والوں سے بھی زیادہ مالدار طاقتور اور مضبوط سوسائٹیاں اور حکومتیں دنیا میں ہو چکی ہیں جو انسانیت سے گر کر اور حیوانیت میں ترقی کر کے بے احتیاط زندگی بسر کرتی تھیں۔ جب انہیں ان کی انسانیت یاد دلانے والے لوگ ان میں پیدا ہوئے تو انہوں نے ان نیک انسانوں کی مخالفت کی' نتیجہ دنیا کی تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہے۔ نمرود' فرعون وغیرہ طاقتور تھے' لیکن ان کے مقابلے میں ابراہیم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام وغیرہ باوجود کمزور ہونے کے کامیاب ہوئے۔ ان ''طاقتوروں'' کی تباہی کا وقت آیا' کسی طاقت نے ان کی مدد نہ کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی طاقت ظالم کو ہمیشہ اونچے مقام پر رکھ نہیں سکتی۔ ظلم کو آخر گرنا ہے۔ تو یہ بے چارے مکہ والے کب اس انجام سے بچ سکتے ہیں؟ یہ ایسی جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں جو نہیں معلوم کتنے عظیم الشان کل قومی انقلابوں کی پیشرو (Pioneer) ثابت ہوگی۔

آیت نمبر 14 : اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝

ترجمہ: ''بھلا جو لوگ اپنے رب کے واضح راستے میں ہیں' ان کے برابر ہو سکتے ہیں جنہیں ان کا برا کام بھلا دکھایا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں؟''

ایک جماعت انقلاب کی بنیاد کو اپنی عقل سے صحیح جانتی ہے۔ اور اپنے دل کی شہادت سے مانتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسری جماعت ہے جو اجتماعیات کے اس انقلابی اصول کو محض بناوٹ سے مانتی ہے' ورنہ اصل میں اس کے افراد عوام سے انتفاع (Exploitation) کے اصول پر جمع ہو گئے ہیں۔ ان کا اجتماع ظاہری ہے' ان کے عملوں کی جو اصل حقیقت ہے' یعنی انتفاع (Exploitation) ' وہ نہایت گھناؤنی ہے۔ لیکن پراپیگنڈہ کے زور سے اسے قوم پروری' خدمت وطن وغیرہ کے نہایت شاندار الفاظ سے ظاہر کر رہی ہے۔ جیسے موجودہ زمانے میں یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں کا حال ہے کہ ان کے آئین اور قانون کی بنیاد اصل میں تو انتفاع (Exploitation) پر ہے' لیکن جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے اور عام لوگوں کو وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

نظام اچھا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ لیکن جب اس قسم کا نظام ایسے انقلابی سے ٹکراتا ہے جس کی بنیاد صحیح انسانیت پر ہو تو اس ''خوشنما نظام'' کا ٹوٹ جانا لازم ہے۔ فرعون' نمرود' قیصر و کسریٰ کے نظام اسی قسم کے تھے۔ وہ ٹوٹ چکے' آئندہ بھی ایسے نظاموں کا یہی حشر ہوگا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر)

یہ لوگ فقط اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں جن کی بنیاد حیوانیت پر ہے۔ ان کی کوئی عقلی یا اجتماعی بنیاد نہیں ہے۔ اگر ان کا پروگرام کامیاب ہوگیا تو یہ سرمایہ پرست جماعت اپنے فائدے کے لیے حکومت قائم کر کے بیٹھ جائے گی اور عوام سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہے گا۔

بہشت کا تصور قومی نقطہ نگاہ سے:

آیت نمبر 15: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ
وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬
وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ
مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ
اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اس بہشت کا حال جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے' اس میں دریا بہتے ہیں جن کے پانی میں بو نہیں ہے' اور نہریں ہیں دودھ کی۔ جس کا مزہ نہیں بگڑا' اور نہریں ہیں شراب کی' جس میں مزہ ہے پینے والوں کے لیے' اور نہریں ہیں شہد کی' جھاگ اتارا (صاف کیا) ہوا' اور ان کے لیے وہاں سب طرح کے میوے ہیں' اور معافی ہے ان کے رب سے' کیا یہ برابر ہیں ان کے' جو آگ میں سدا رہے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے تو کاٹ نکالے ان کی آنتیں؟''

(الف) وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

(سب طرح کے میوے ہیں ان کے لیے وہاں)

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرنے کے بعد کی زندگی' امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیقات کے مطابق' مثالی (مادہ سے ماوراءٔ عالمِ مثال کی) زندگی ہے۔ اس میں مادیات کا جوہر موجود ہے لیکن وہ مادی خواص سے بالکل پاک ہے۔ اس زندگی میں انسان کے عمل ہی مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر کے مختلف لذتیں اور عذاب کی صورتیں پیدا کرلیں گے۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ (باب ذِکرِ شيئٍ من اسرار الوقائع الحشريه) میں فرماتے ہیں کہ:

"حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے' وہ اس شخص کی صورت نوعیہ کے اعتبار سے ہوں گی جو اس کے حق میں پوری طرح ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے۔ اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی۔ لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلد سمجھ جائیں گے۔)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جنھیں تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جدوجہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی جس میں پانی ہوگا۔ یہی حوض کوثر ہے۔ جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادے کا مظہر ہے)۔ اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں' لذیذ مشروبات' خوبصورت عورتوں' عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ص 79، جلد اول)

ایسے ہی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تفہیمات الٰہیہ (جلد اول' تفہیم نمبر 78) میں فرماتے ہیں:

"انسان جب اس منزل (عالمِ برزخ) سے گزر جائے تو وہ ایک

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اورعالم میں داخل ہوتا ہے' جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں۔ اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جوعنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں' جاتی رہتی ہیں۔ اوراب ہرایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہرہو کرغلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضہ کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے' وہ لنجا' لنگڑا یا کانہ یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخلیہ صحیح ہو' تا کہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آ جاتے ہیں۔ اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔

یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (بے شک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لیے آج تیری نگاہ تیز ہے۔) (22/50)

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں بائیں ہاتھ میں آجانا۔ ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا۔ پل صراط سے گزرنا۔ چہروں کا سفید یا سیاہ ہوجانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔

میزان

ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے.......

(اس کے بعد شاہ صاحب نے حساب اور تجلی الٰہی کا مفہوم بیان کیا ہے)

حوض

حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی، وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی۔ جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی.......

(اس کے بعد شاہ صاحب نے "نامہ اعمال" چہروں کا سیاہ و سفید ہونا اور شفاعت رسل کا مطلب بیان فرمایا ہے)

اور جب انسان اس موطن (عالمِ حشر) سے گزرنے کے بعد ایک دوسرا موطن پیش آتا ہے۔ وہاں انسان کی صورتِ نوعیہ کے تقاضوں کے مطابق رحمتِ الٰہی اور غضبِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

صورتِ نوعیہ' ایک بدن کا تقاضا کرتی ہے۔ اور ہر بدن قویٰ طبعیہ اور قویٰ شہویہ کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور ہر قوت کی ایک لذّت ہے اور ایک اَلم ہے۔

پس رحمتِ الٰہی ہر قوّت کی لذّت کی صورت میں اور غضبِ الٰہی ہر قوّت کی تکلیف کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور جب رحمت وغضب کا تعلق انسانی اعمال و اخلاق اور ملکاتِ نفسانی کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ تمام لذّات و آلام (مصائب) بھی رحمت وغضب کے مراتب کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً مقربین کو عطا کی جانے والے کھانے پینے کی چیزیں اور رہنے کے مقامات' ابرار (نیکیوں) کو عطا کی جانے والی چیزوں اور مقامات سے بہتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ (اُس عالم میں) خدا کے خاص مقرّب بندوں کو چشمۂ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔" (تفہیمات الٰہیہ ص 332 تا 335، جلد اول)

ظاہر ہے کہ یہ تشجّمات (یعنی اعمال کا خاص شکل اختیار کر کے ظاہر ہونا) ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسری۔ چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا' اس لیے اس نے ان تشجّمات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے' جس میں صاف' بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے۔ اور انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا ہے۔ یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے۔ وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔

پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے' ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

(ب) وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

(اور معافی ہے ان کے رب سے)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہوگئی ہے، تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے، بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں۔ 1 اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دھل جاتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے۔ وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے، لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے۔ اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے روک نہیں لیا جاتا۔ اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو مسلمان انقلاب کی راہ میں اپنا جان و مال دے کر کامیاب ہوگئے، ان کی معمولی (شخصی) غلطیاں ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ اس جماعت کی لغزشیں انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے دنیا بھول جاتی ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں وہ کسی شمار میں نہیں لائی جاتیں۔ اور وہ معاف ہو جاتی ہیں۔

اس آیت میں ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے ایک تو انقلابیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، کہ لغزشوں کے خوف سے انقلاب سے پیچھے نہ رہیں اور نہ ان منافقوں کی بات سنیں جو ان غلطیوں کا خوف دلا کر انقلاب کو ناجائز کہہ رہے ہیں۔ دوسرے، ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے مسلمانوں کے دلوں کا اطمینان پورا کر دیا گیا ہے تاکہ بے خوف ہو کر انقلاب کو کامیاب بنائیں۔

انسان جب مادیات سے الگ ہو کر بہشت میں جائے گا تو اس کی فطرت بدل نہیں جائے گی، بلکہ اس کے حیوانی جذبات، نفس کی خواہشیں اور عقلی مطالبات اس کے ساتھ

---

1 حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی مثال اس سلسلے میں پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک صحابی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے، حضرت ابن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو ان تیاریوں کی خبر دینے کے لیے ایک خفیہ خط لکھا جو آنحضرت ﷺ کے اشرے سے پکڑا گیا۔ لیکن حضرت ابن ابی بلتعہ کو ان کی جنگ بدر کی خدمات کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ مرتب

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائیں گے۔ لیکن ان میں ترقی کا سلسلہ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ انسان آخرکار اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ بہشت کی زندگی کا یہ سب سے اونچا مقام ہے۔

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد ماجد (شیخ عبدالرحیم) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ان کے والد نے خواب میں جنت دیکھی' جس میں ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں۔ وہ رونے لگ گئے۔ جنت میں جو لوگ متعین تھے وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس جگہ رونے کا کیا کام؟ یہ تو آرام اور خوشی کا مقام ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھئی ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی حاجت نہیں۔ ہمیں تو اور ہی چیز چاہیے یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلیوں کا دیکھنا۔ ان موکلوں کو الہام ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (ان بندگانِ خدا کے فردوس کے باغ بطور مہمانی کے ہیں)(107/18)
> یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان پہلی مرتبہ آ کر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں ذرا ستا کر ہمارے مشاہدے کے لیے ترقی کرو۔
> حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔'' (انفاس العارفین ص 96)

غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کی جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے' انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے۔ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ' جو صحراؤں میں ملتا ہے' انہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (اس کی طرح جو آگ میں ہمیشہ رہے گا)

اس کا عطف اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ پر ہے۔ بَيِّنَةٍ پر ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ جس شخص کے عمل اسے بھلے کر کے دکھائے گئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیا دونوں (جنتی اور جہنمی) برابر ہو سکتے ہیں؟

مخالفین انقلاب کی حالت

یہاں تک اس انقلاب کے غلبے کا ذکر تھا۔ یہ بادشاہوں کے غلبے کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کے پہنچوانے کا ذریعہ ہے اور راستے کی منزل ہے۔ آیت نمبر 16 سے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس نقلاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

منافقین

آیت نمبر 16: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''اور ان میں سے بعضے ہیں کہ تیری طرف کان رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلیں تو انہیں، جنہیں علم ملا، کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں۔''

وہ لوگ جو انقلاب کے مخالف ہیں، یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تحریک کیا چاہتی ہے؟ لیکن ان کا یہ رجحان وقتی ہوتا ہے۔ وہ جھٹ، اور طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بعض مسلمانوں سے باتیں ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن نہایت بدذوقی کے ساتھ۔ ان کا اصل منشاء یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس انقلاب کی حقیقت معلوم کریں، بلکہ محض اپنے فائدوں کی حفاظت چاہتے ہیں۔ وہ ان نازک جذبات سے بالکل کورے ہیں جو انسان کو گرے ہوئے طبقات کی مدد کے لیے اکسائیں۔ اب ان میں سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رہا، وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ چھوٹی چھوٹی جنگوں سے یہ انقلاب عرب پر کیسے قابض ہو جائے گا۔ اور پھر ایک بین الاقوامی تحریک بن کر نمودار ہوگا۔ اس بے سمجھی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا رہبر بنا رکھا ہے۔ وہ قانون کی پابندی کرنا نہیں چاہتے۔ اس لیے وہ اس عظیم الشان انسانیت گیر انقلاب کے نتیجے سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ ایک قسم کے نفاق میں مبتلا ہیں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنی خواہشوں کی پیروی یا تو جاہل لوگ کرتے ہیں یا وہ مالدار جو اللہ کو یاد نہیں کرتے۔

مومنین کی حالت:

آیت نمبر 17: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ راہ پر آئے انہیں اور دی سوجھ اور پرہیزگاری۔''

ان منافقوں کے برخلاف وہ مومن ہیں جو اس انقلاب کو خوب سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک انسانیت کی خدمت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ انہیں جب اس سلسلے میں کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو وہ جھٹ اسے سمجھ لیتے ہیں۔ اور کام پر لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ملک میں ظلم غالب آ جائے تو اسے دور کرنے والے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ وہ اس حقیقت کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کو جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے' تو یہ انسانیت میں سے ظلم دور کر کے حق قائم کرنے کے لیے ہے۔ اور حق قائم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف

تقویٰ سے مراد:

(الف) انسان کا وہ صحیح وجدان ہے جو ظلم کو پہچان لیتا ہے۔

(ب) اور اس میں پھنسنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' میں تقویٰ کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (سورہ نحل 90:16)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے' اجتماع انسانی میں احسانی حالت پیدا کرنے اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش اور منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عدل

اس آیت میں عدل سے مراد اجتماع انسانی میں مساوات قائم کرنا ہے۔ تا کہ ہر ایک فرد کو زندگی کی ضرورتیں آسانی کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔

احسان

احسان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اس طرح بجا لائے گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے یا کم سے کم اس یقین کے ساتھ بجا لائے کہ وہ ہر لحہ انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور ایک دن اس سے جواب طلبی کرے گا۔

قریبیوں کو دینا

وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی انسان کو جس سے قریبی تعلق ہے بھوکا نہ سونے دے۔ ننگا نہ رہنے دے۔

فحشاء منکر اور بغی و نافرمانی کے تین درجے ہیں۔ پہلے تین اجزاء' عدل' احسان اور ایتاء ذی القربیٰ مثبت ہیں اور آخری تین اجزاء فحشاء' منکر اور بغی" منفی ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد عدل اور احساسِ ذمہ داری کا احساس ہے۔ پس اتھم تقوٰھم (انہیں تقویٰ دیا) سے مراد عدل اور ذمہ داری کا پیدا کرنا ہے جس جماعت کے افراد میں یہ چیز پیدا ہو جائے وہ ظلم کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی' خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی کی طرف سے۔ اور چاہے اس کے اپنے اندر ہو یا کسی اور اجتماع کے اندر۔

قرآن کا انقلاب اجتماعِ انسانی میں یہی تقویٰ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اجتماع میں سے ہر ایک قسم کا ظلم دور کرنے کے لیے اپنا جان و مال سب کچھ قربان کرنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عملوں کی جوابدہی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

الساعة سے کیا مراد ہے؟

آیت نمبر18:(الف) فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا

ترجمہ: ''اب یہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر اچانک آ کھڑی ہو۔ اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔''

الساعة سے مراد پہلے درجے میں اس دنیا میں انقلاب کی گھڑی ہے' اور کامل درجے میں انسانیت عامہ کے اُس انقلاب کا وقت ہے جب ساری نوع انسان کو خدا کی تجلی کے سامنے' جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے' پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔(۱)

اس سے پہلی آیت میں جس تقویٰ کا ذکر ہے اسے اگر اس ''الساعة'' سے ملایا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ اجتماع انسانی میں کل قومی پیمانے پر تقویٰ قائم کرنے کی جس انقلابی گھڑی کا انسانیت کو انتظار تھا۔ اس کی نشانیاں آ گئی ہیں۔ اب اپنے آپ کو اس انقلاب کے قبول کرنے کے لیے تیار کرلو۔ یعنی اس انقلاب کے حصہ دار بن جاؤ تو بچ جاؤ گے نہیں تو پس جاؤ گے۔

ہمارے نزدیک قرآن حکیم کے بین الاقوامی انقلاب کی آمد کی خبر دینے والی پہلی سورت ''النحل'' ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا امر آ گیا ہے۔ جلدی مت کرو) (1/16)۔ اس میں بھی امراللہ سے عالمگیر انقلاب (Universal Revolution) مراد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

(سورہ التوبہ (9/33)' سورۂ فتح (28/48)' سورۂ صف (9/61)

---

(1) اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا لیکن تو نے میری خبر نہ لی؟ انسان کہے گا اے میرے پروردگار تو تو ساری اقوام کا رب ہے تیری خبر گیری کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اسے تمام نظاموں یعنی ادیان پر غالب کرے۔''

اب جب مومنین اسی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور انہوں نے وہ شرطیں پوری کرلی ہیں جو اس انقلاب کے لیے ضروری ہیں' ان کی کامیابی کی گھڑی جو انقلاب کی ساعت ہے' اچانک ہی آ جائے گی۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی اور انقلابی فوجیں یکا یک مکہ معظمہ میں داخل ہو کر اس پر قابض ہو گئیں۔

(ب) فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ

ترجمہ: ''پھر کہاں نصیب ہوگا انہیں جب آ جائے گی ان کی یاد دہانی؟''

جب انقلاب کی گھڑی آ پہنچی اور مومنوں کا غلبہ اور کافروں کی شکست اٹل ہو گئی تو اس وقت یاد دہانی کا وقت نہیں ہوتا۔ اس لیے ان لوگوں کو ابھی سے سمجھ جانا چاہیے۔ اور انقلاب کی قوتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ نہیں تو وہ پیس ڈالے جائیں گے۔

اس انقلاب کی غرض

آیت نمبر 19 (الف): فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

ترجمہ: ''پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔

یہ انقلاب اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی۔ چاہے وہ شخص نبی اکرم ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ خاندان بنی ہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ یہ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابیوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوئی ہیں' وہ انہیں معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ اپنے پاس سے دے گا۔ وہ دنیاوی اجر کی خاطر کام نہیں کر رہے۔

نبی قانون کی آخری اپیل کا مقام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف قانونی غلطی تو منسوب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ قانون کے لحاظ سے تو غلطیوں سے پاک ہیں لیکن اپنی جماعت کے لیڈر ہونے کی وجہ سے ان غلطیوں کے ذمہ دار ہیں جو انقلاب کے دوران میں آپؑ کے ساتھیوں سے ہوئیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں کی بھی تلافی کریں جو ان کی معافی کا سبب بن جائے (اس مسئلے پر مزید روشنی سورہ فتح میں ڈالی گئی ہے)۔

(ب) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اللہ تمہارے لوٹنے کی جگہ اور گھر جانتا ہے۔''

تم اس انقلاب میں کس نتیجے پر جا کر ٹھہرو گے اور راستے میں تمہیں کیا کیا دقتیں اور تکلیفیں پیش آئیں گی؟ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم اپنا کام کیے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری منزل کی تیاری تم سے کراتا رہے گا۔

منافقوں کی حالت

(اگلی آیات میں منافقین کی حالت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔)

آیت نمبر 20 (الف): وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ

ترجمہ: ''اور ایمان والے کہتے ہیں کہ ایک سورت کیوں نہ اتری؟''

مومنین اور قتال

مومنوں کی ایک جماعت انقلاب کی پہلی صف میں آنے کے لیے بے تاب ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جنگ کا حکم ملے او وہ ارتجاعیوں (Reactionaries) کا سر کچل ڈالیں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ب) فَإِذَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ

ترجمہ: ''جب ایسی سورت اتری جس میں جنگ کا ذکر آ گیا اور وہ ذکر بھی ایسا صاف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔''

ترقی کن انقلابی مومنوں کی جماعت جنگ کے لیے آمادہ ہے۔ اس کی خاطر جنگ کی سورت' سورت قتال نازل ہوگئی ہے۔ اس سورت میں جنگ کا حکم ایسے الفاظ میں آ گیا ہے کہ ان سے مراد فقط میدان جنگ میں جا کر لڑنا ہے۔ پھر یا مارنا ہے یا مرنا ہے' اس کے سوا اس کی اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ اس سورت کی چوتھی آیت جس میں جنگ کا ذکر ہے ایسی ہی آیت ہے۔

منافقین اور جنگ

(ج) رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

ترجمہ: ''تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں گویا ان پر موت کی سی غشی طاری ہوگئی ہے۔''

یہ جنگ کا حکم سن کر منافقوں پر جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے' موت کی سی غشی چھا جاتی ہے۔ کیونکہ اُن کی خواہش تو یہ ہے کہ انقلاب برپا ہو جائے اور وہ حکومت قائم کر لیں لیکن لڑنا نہ پڑے' کیونکہ اس میں جان اور مال جانے کا خطرہ ہے۔

انسانیت کے تمام طبقے یکساں نہیں ہیں' بلکہ اس میں کئی قسم کے لوگ ہیں۔ ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم ہے۔ ان کے درمیان بے شمار قسم کے جھگڑے ہیں۔ اگر انقلابی جماعت اپنے مخالف ارتجاعیوں (Reactionaries) کو مہلت دے' انہیں غلط پروگرام پر رہنے دے اور قتل نہ کرے تو وہ ارتجاعی (Reactionaries) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انقلابی جماعت کمزور ہے۔ اور وہ ارتجاعی جرأت پا کر انہیں تباہ کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ کیا اس صورت میں جنگ کے بغیر انقلاب ہوسکتا ہے؟ اگر انقلابی جماعت لڑائی نہ کرے تو بھی ارتجاعی (Reactionaries) ضرور جنگ کی طرح ڈالتے ہیں۔ اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو جماعت

www.rahnimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس حالت پر راضی رہتی ہے اور جنگ وقتال کا نظام اپنے اندر قائم نہیں کرتی ' وہ کبھی اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔ اب یہ انقلابی چاہتے ہیں کہ انہیں جنگ کی اجازت مل جائے لیکن ان میں جو منافق ہیں وہ جنگ سے گھبراتے ہیں۔ جنگ کی اجازت آتے ہی ان پر موت کی سی غشی چھا گئی۔

(د) فَاَوۡلٰی لَهُمۡ ترجمہ: ''تو خرابی ہے ان کے لیے''

اگر یہ لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار نہ کرلیں تو ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اور یہ لوگ ہوتے ہوتے ارتجاعی (Reactionaries) بن جائیں گے' جو کفر ہے۔

آیت نمبر 21: طَاعَةٌ وَّقَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ

ترجمہ: ''حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی' پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کا بھلا ہے۔''

قولِ معروف کیا ہے؟

(الف) طَاعَةٌ وَّقَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ ترجمہ: ''حکم ماننا اور بھلی بات کہنا۔''

جو شخص اطاعت اور قول معروف پر بیعت کر کے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جائے' اس سے پہلے ہی دن جواب طلبی کی جاسکتی ہے۔

جماعت کے منظور کیے ہوئے قاعدوں کے اندر جو حکم دیا جائے وہ قولِ معروف ہوتا ہے۔

اگرچہ ظاہر میں ان لفظوں سے کوئی خاص بات سمجھی نہیں جاسکتی۔ لیکن فرمانبرداری کا پکا وعدہ اور جماعت کے فیصلے کو ہر حالت میں مان لینے کا پکا ارادہ' ایک سچے انسان کو جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کرسکتا ہے' یہی انقلاب ہے۔

عزم اور سچائی کے فوائد

(ب) فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ”جب تاکید ہو کام کی تو اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔“

مومنوں کی انقلابی جماعت اس بات پر جمع ہو جائے کہ جنگ کا وقت آ گیا ہے تو اس وقت قول معروف یہی ہے کہ ان کی اجماعی بات کی اطاعت کی جائے کیونکہ بیعت کی شرط یہی ہے۔ اگر اپنی بیعت کے قول کو صدق اور صفائی کے ساتھ پورا کر دیا جائے تو یہ اچھا ہے۔ کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ میں جان بچے گی یا نہیں۔ اور اگر جنگ میں کامیاب ہو گئے تو انقلابی حکومت کا قیام یقینی ہے۔ حکومت تک پہنچانے کے لیے بیعت کے قول کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جنگ سے جی چرانا سخت جرم اور گناہ ہے۔

منافقین کو کوئی ذمہ دار پوزیشن نہیں دی جاسکتی

آیت نمبر 22: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ”پھر تم سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو تم ملک میں خرابی ڈالو گے اور قرابتیں کاٹو گے۔“

جو لوگ آج جنگ میں جانے سے جی چراتے ہیں اور جنگ کے قانون کی پیروی نہیں کرنا چاہتے‘ وہ امن کے زمانے میں قانون کی پابندی کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا یہ لوگ اُس وقت عام ملکی قانون کی خلاف ورزی نہ کریں گے؟ ہمسایوں اور ہم وطنوں کے حقوق پامال نہ کریں گے؟ فطری رشتے کاٹ نہ ڈالیں گے؟

ایک آدمی جو قانون کے اندر رہ کر میدان جنگ میں جاتا ہے اور اپنے افسر کی ماتحتی میں نیک نامی سے فارغ ہوتا ہے‘ وہ اخلاق کی سند لے کر آتا ہے۔ اگر اسے امن کے زمانے میں حاکم بنا دیا جائے تو وہ قانون کو خوب چلائے گا اور اعلیٰ پیمانے پر ضبط قائم رکھے گا۔ اور اپنے افسران اعلیٰ کی پوری پوری اطاعت کرے گا۔ لیکن جو لوگ قانون کے اندر رہ کر لڑائی میں حصہ لینا نہیں چاہتے‘ وہ حاکم بنتے ہیں تو عام طور پر شہوت رانی اور جذبات انتقام پورا کرنے کے لیے حکومت کرتے ہیں۔ جو لوگ جنگ کے وقت گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور لڑائی سے جی چراتے ہیں‘ وہ امید رکھتے ہیں کہ لڑائی کے بعد جب موقع آئے گا تو انہیں حکمران بنا دیا جائے گا یہ لوگ بہت

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ لوگ حکومت کریں گے تو ہر قسم کے سماجی فسادات پیدا کریں گے۔ پس جو لوگ قرآن کی اطاعت کا عہد توڑیں گے اگر انہیں حکومت دی گئی تو وہاں بھی کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔

یہ منافقوں اور کمزور دل لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ (Analysis) ہے۔ اسے تاریخِ اسلام کے کسی خاص عہد سے کوئی تعلق نہیں۔

منافقین کی غلط ذہنیت

آیت نمبر 23: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں موند دیں۔''

مسلمانوں کی جماعت میں، جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے، شامل ہونا اور اللہ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے۔ لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں، وہ اس نعمت سے محروم ہیں وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آ گئی ہے، وہ اس جماعت سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے۔ اس سے ارتجاعی (Reactionary) قوتیں چھٹ جاتی ہیں۔ اور ترقی کن طاقتیں برسر اقتدار آ جاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن حکیم کی حکمت۔ یہ ناسمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں۔ نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتوئ اور حکم دینا ہے، لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم سب سے زیادہ یاد تھا جب وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس سے کسی نے کہا کہ آپ جنگ پر نہ جائیں اور یہیں رہ کر تعلیم دیں۔ اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جاننے والوں میں سب سے برا میں ہوں! کیونکہ ایسے موقع پر پیچھے رہنے کی خواہش صرف

(c) ketabton.com: The Digital Library

بزدل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اپنے لیے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا کہ جنگ کو فرض جان کر بھی جنگ میں شریک نہ ہو' یا جنگ کی تیاری نہ کرے اور وعظ کہتا پھرے۔

انقلاب اور جہاد

اب آیت نمبر 24 سے 28 تک ان مرتدین کا ذکر آتا ہے جو جنگ سے بھاگتے ہیں۔

آیت نمبر 24: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝

ترجمہ: ''کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟''

جو لوگ قرآن حکیم کے صریح احکام کے باوجود جنگ یا اس کی تیاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کے دلوں سے رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی سمجھ نکل جاتی ہے (خدا اس سے بچائے)۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر آپ جنگ میں شہید ہو جاتے تو تحریک اسلام کو کتنا خطرناک نقصان پہنچتا؟ پھر بھی آپ ہمیشہ جنگ میں شرکت فرماتے رہے اور کبھی اس سے جی نہ چرایا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کے الفاظ میں آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ۔ (سورہ توبہ:129/9) (اگر یہ جنگ میں نہ جائیں تو اکیلے جنگ پر جاؤ اور لڑو۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے)' تو کیا ہمارے عالمان قرآن اسے نہیں سمجھتے؟ یہ کیوں اس سے جی چراتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس بات کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے ان پر خدا کا غضب ہے۔ جس فرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بری نہیں ہیں اس سے کون بری ہو سکتا ہے؟ پس ہر ایک عالم و عامی کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم کو غالب کرنے کے لیے لادینیت کی ہر شکل کے خلاف انقلاب لانے کی پوری پوری کوشش کرے۔ اور اگر اس میں اسے مال و جان کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو برداشت کرے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

نماز' روزہ اور قتال

آیت نمبر 25: اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡهُدَی ۙ الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰی لَهُمۡ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''جو لوگ سیدھی راہ دیکھ لینے کے بعد پیٹھ دکھا گئے۔ ان کے دلوں میں شیطان نے کوئی بات بنائی ہے اور ان سے دیر کے عدے کیے ہیں۔''

جو لوگ مسئلہ قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویلیں کرتے پھریں اور اس فرض سے بچنے کے لیے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں مثلاً کہیں: ''کہ ہماری سرحد پر جنگ نہیں ہے'' یا ''ملک میں مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے۔'' ''مسلمان بے حد کمزور اور پراگندہ ہیں'' وغیرہ وغیرہ۔ انہیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز' روزہ وغیرہ فرائض تو مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے اور رہنے کے لیے یہ شعار (خاص نشان) کی طرح ہیں۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے یا پابندی کے ساتھ بجا نہیں لاتا۔ اس کی وفاداری اس جماعت کے ساتھ پکی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس جماعت کی تنظیم میں داخل ہونے کا جو اصل مقصد ہے اور جس کے لیے نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تسلیم کرنا اور پابندی کے ساتھ بجا لانا پہلی شرط ہے' وہ یہ ہے کہ دنیا سے ظلم دور کیا جائے۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو۔ اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے۔ مثلاً ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدم توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں۔ اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکر معاش سے نجات پا کر اللہ کی یاد میں لگ سکیں۔ ہر ایک اس شخص کا فرض ہے جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

جب وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز' روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے۔ مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے۔ اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں۔ گویا وہ اپنے نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ عمل بھی کام نہ دیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کوئی کاشتکار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے، ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے۔ کیونکہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے۔ اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے؟ اسی طرح جب خوشے نکل آئیں تو ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اگر اب یہ کام نہ کیا تو پانی دینے تک سب عمل بے کار جائیں گے۔ اس پر اگلے باقی کاموں کو سوچ لینا چاہیے۔

اسی طرح اسلام میں ایک عمل کر کے اس کے بعد دوسرا عمل نہ کیا تو پہلے سارے عمل بیکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نمازیں پڑھیں لیکن جہاد نہ کیا یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی۔ اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی' تو سب عمل اکارت گئے۔ دنیا کا نظام اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل کے بعد دوسرا زوردار عمل نہ کیا جائے تو پہلے عمل کا نتیجہ بھی اکارت چلا جاتا ہے بس جہاں انسان ٹھہر جاتا ہے وہیں سب عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ زندگی چلنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے اس میں جمود کا نام موت ہے۔

جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کی صلح کی (جس کا ذکر اگلی سورت میں آتا ہے)

تو عرب میں آپؐ کی پوزیشن مضبوط ہوگئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی اس قومی انقلاب کی منزل سے اگلی منزل' کل قومی انقلاب کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کی طرف خط لکھ کر انہیں دھمکایا کہ اگر وہ اس

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب میں شریک نہ ہوں گے تو وہ برباد کر دیئے جائیں گے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿الم نشرح۔7/94﴾ ''جب تو ایک کام سے فارغ ہو جائے تو پھر محنت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔'' یعنی ایک کام سے فارغ ہوتے ہی دوسرا زوردار کام شروع کر دو۔

منافقین اور کفار کا سمجھوتہ

آیت نمبر 26: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''یہ اس واسطے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے بیزار ہیں کہا کہ ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کاموں میں اور اللہ ان کا خفیہ مشورہ کرنا جانتا ہے۔''

یہ منافقین اور کمزور دل لوگ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر جنگ سے گریز کرتے ہیں تو اس کا بھید یہ ہے کہ ان منافقوں نے قرآن حکیم کے مخالفوں سے سازش کر رکھی ہے۔ انہوں نے ان کافروں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ان کی تھوڑی بہت مخالفت کرتے رہیں گے۔ لیکن میدان جنگ میں جا کر ان کے خلاف لڑیں گے نہیں۔

آیت نمبر 27: فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے' ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے۔''

یہ لوگ جو حق کا راستہ چھوڑ کر جھوٹ کا راستہ اختیار کر رہے ہیں یعنی باطل کے خلاف میدان میں نہیں آتے' یہ مریں گے تو انہیں سخت عذاب دیا جائے گا اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے؟

آیت نمبر 28: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ وہ چلے وہ راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے اس کی خوشنودی ناپسند کی۔ چنانچہ اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

انہیں موت کے وقت یہ دردناک عذاب اس لیے ملے گا کہ یہ لوگ اس بات سے بھٹک گئے جو خدا کو پسند تھی۔ اب ان کے تمام نام نہاد نیک اعمال بے نتیجہ ہیں۔ اب ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن مغرب کی طرف رخ کر کے چل دے۔ وہ چلے گا بھی' فاصلہ بھی طے کرے گا' اپنے بدن کو تھکائے گا بھی' لیکن اصل منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔ اس لیے اصل منزل کے لحاظ سے یہی کہا جائے گا کہ اس کے سفر کا عمل اکارت گیا۔ حالانکہ مغرب کو چلنا بجائے خود ایک عمل ہے۔ اگر وہ صحیح سمت کو کیا جاتا تو نتیجہ پیدا کرتا۔ لیکن سمت بدل جانے سے نتیجہ خیز نہ رہا۔ ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے اچھے عمل نتیجہ خیز نہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ انسانیت میں سے ظلم دور کرنے کے لیے جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

صوفیاء کا فریضہ

ہم نے ہند کے مسلمانوں کی طرف سے پہلی عمومی جنگ 18-1914ء (18-914 ہندی) میں حصہ لے کر بعض باتیں اپنے تجربے سے دیکھیں' جن کا ہمیں اپنی پڑھنے پڑھانے کی زندگی میں کبھی سان گمان بھی نہ ہوتا۔ (1) اس تجربے سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے دینی علوم اور ارشاد و احسان (2) بہترین عملوں میں سے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان عملوں سے کسی حالت یا کسی شکل میں کافروں کی مدد نہ ہوتی ہو۔ نہیں تو اللہ تعالیٰ ان نیک عملوں کو بھی بے کار اور بے اثر کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صوفی اپنے مریدوں کو اللہ اللہ کرنے میں اتنا لگائے رکھتا ہے کہ وہ انہیں قرآن حکیم کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے تیار نہیں کر سکتا اور اس طرح کافروں کو فائدہ پہنچتا ہے تو ان نیک عملوں کے فائدہ مند ہونے میں شبہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد اور امر بالمعروف کے مسئلے میں فقیہ رازی (3) نے ''احکام

(1) حضرت مولانا سندھیؒ 1915ء میں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گئے اور جلاوطنی کے تیئس چوبیس سال گزار کر 1939ء میں برعظیم ہند میں واپس آئے۔ انہوں نے اگست 1944ء میں وفات پائی۔ (مرتب)

(2) ارشاد: خدا کے حکموں کی طرف رہنمائی۔ احسان: تصوف کے اعمال (مرتب)

(3) احمد بن علی ابوبکر الرازی الجصاص: پیدائش 305ھ (719ء) وفات 370ھ (980ء) بلند پایہ حنفی امام۔ ''احکام القرآن'' (تین جلدوں میں) ان کا شاہکار ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

القرآن" میں نہایت اچھی طرح کھول کر بات کی ہے۔ ہمارے لیے وہ کافی اور شافی ہے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے طریق پر انقلابی روح قائم رکھی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ حنفیہ کے لیے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک سے پیچھے رہنے کا کوئی عذر باقی رہ گیا ہے۔ (1)

آیت نمبر 29: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ۝

ترجمہ: "کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے' خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینے ظاہر نہ کرے گا؟"

کیا ان منافقوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی خیانت ان کی بے ایمانی اور بددیانتی ظاہر نہ کی جائے گی؟ ایک نہ ایک دن ان کی دوستی دشمنی کا فیصلہ کرنا ہوگا' ان کی خفیہ سازشیں ہرگز قائم رہنے نہیں دی جاسکتیں۔

آیت نمبر 30: وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَکُمْ۝

ترجمہ: "اگر ہم چاہیں تو تجھے وہ لوگ دکھا دیں اور تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے اور (اب بھی) تو ان کی بات کے ڈھب سے انہیں پہچان لے گا اور اللہ کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔"

اگر خدا چاہے تو آپؐ کو ان لوگوں کی شناخت ان کے چہروں سے ہو جائے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ آپؐ کو ان منافقین کی کوئی ایسی عام نشانی بتا دے کہ وہ قاعدے میں آسکے۔ مثلاً ان کی بول چال اور لب ولہجہ سے آپ جان سکتے ہیں کہ کس طرح جنگ کی بات ٹال جاتے ہیں۔

منافقوں کا اخراج

آیت نمبر 31: وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ۝

(1) اس مسئلے پر الجصاصؒ کے خیالات سورۂ فتح کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اور البتہ ہم تمہیں جانچیں گے تاکہ معلوم کرلیں کہ تم میں لڑائی کرنے والے اور قائم رہنے والے کون ہیں اور تمہاری خبریں تحقیق کرلیں۔''

اور اگر کمزور لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور جنگ میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ ہو جائیں تو منافق بن جاتے ہیں۔ انقلاب کی حالت میں جنگ کے وقت مجاہدین اور منافقین کی تمیز لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبردار کردیا اور وہ اپنے اجتہاد سے انہیں پہچان لیتا ہے۔ اور انہیں مسلمانوں کی پہلی لائن سے نکال دیتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔(1)

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانے میں فرمایا تھا کہ اب جب مسلمان مضبوط ہوگئے ہیں، ہم منافقین کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرسکتے جو حضرت رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔

منافقین کو پہلی لائن سے نکال دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب حکومت منظم ہو جائے۔ شروع شروع میں حکومت منظم نہ تھی کہ انہیں باہر نکال دیتی یا انہیں سزا دیتی۔ حکومت منظم ہو جانے کے بعد منافقین کو صرف نکالا ہی نہیں جائے گا بلکہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو ان کے حق میں بولنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ہم انقلابی جماعت کے لیے یہ شرط مقرر کرتے ہیں کہ وہ منافقین کو ہرگز جماعت میں قبول نہ کرے اور جب وہ شامل ہو جائیں، تو انہیں اس وقت تک نہ نکالے جب تک تنظیم مکمل نہ ہو جائے اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی طرح صبر سے کام لے۔

آیت نمبر 32: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝

ترجمہ: ''جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہوگئے رسولؐ کے، سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کردے گا ان کے سب کام۔''

(1) اس موضوع پر مزید بحث سورۃ فتح میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر 33: يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوٓا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر چلو اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے معنی

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرت ﷺ اس قرآن حکیم کے نظام کے لیے لڑتے رہے' تم بھی انہیں کے قدموں کے نشانوں پر چلو۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے' ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کرلو۔ تم جو نماز' روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو وہ اس مقصد کی تمہید تھی۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے' بھول گئے یا تم اس کے لیے کھڑے نہ ہوئے۔ تو پہلے کیے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

کفار کا انجام

آیت نمبر 34: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا' پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔''

جو لوگ قرآن کی حکومت اور اس کے نظام کے قیام کی مخالفت پر اڑے رہے اور لوگوں کو اس نظام پر چلنے سے روکتے رہے' لڑ کر' پراپیگنڈہ کر کے یا کسی اور طرح مجبور کر کے' تو اگر وہ اسی حالت میں مر گئے اور انہوں نے اس انقلاب میں حصہ نہ لیا' تو مرنے کے بعد کی زندگی میں ان کی ترقی رک جائے گی۔ اور وہ جہنم کے جس گڑھے

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں پڑیں گے، اسی میں پڑے رہیں گے۔

مضبوطی اور پائیداری کی ضرورت

آیت نمبر 35: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝

ترجمہ: ''تم بودے نہ ہو جاؤ کہ پکارنے لگو صلح۔ اور تم غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمہیں تمہارے کاموں میں۔''

تمہیں چاہیے کہ بودے پن کا اظہار کر کے ''صلح!'' مت پکارنے لگو۔ بلکہ پائیداری اور بہادری کے ساتھ جنگ کرو۔ اللہ کی تمام قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم یقیناً کامیاب ہو گے۔ دوسری جگہ ہے کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال:61/8) (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ)۔ یعنی اگر مخالفین صلح کی درخواست کریں تو اس وقت صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ لیکن خود کمزوری دکھا کر صلح کرنے سے موت بہتر ہے۔ اگر تم قرآن حکیم کو بلند کرنے یا اسے بلند رکھنے کے لیے لڑو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد، عورت، بچہ، بوڑھا میدان جنگ میں جائے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی شکل میں جنگ میں حصہ لے (تفصیل سورۂ فتح میں آئی ہے)۔

مال خرچ کرنے کی ضرورت

آیت نمبر 36: اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْــَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝

ترجمہ: ''دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے (یعنی عدل کرو گے) تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال نہ مانگے گا۔''

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ادنیٰ درجے کی زندگی یعنی حیوانی زندگی، جو عقل کے ماتحت نہ ہو اور جس کی غرض انسانیت کو ترقی دینا نہ ہو، لغو اور بے ہودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ لیکن تمہاری جان اور تمہارا مال خود تمہارے اپنے صحیح نظام کے قیام پر خرچ ہونا ضروری ہے۔ اگر تم اس نظام کو مان کر انصاف اور عدل قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے تو اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ خدا تو غنی ہے۔ اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق جنگ میں حصہ لے۔

غرض اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے ہی سے انقلابی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔

آیت نمبر 37: إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ۝

ترجمہ: ''اور اگر وہ تم سے مال مانگے اور پھر تم کو تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ ظاہر کر دے تمہارے دل کی تنگیاں۔''

انقلابی پارٹی اپنے ممبروں کا سارا مال طلب نہ کرے، ورنہ یا تو وہ چھپا لیا کریں گے یا ان کے دلوں میں میل آ جائے گا۔ اور وہ تحریک میں پوری خوشدلی کے ساتھ حصہ نہیں لے سکیں گے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بقدرِ ضرورت رکھ لے۔ اور باقی مال تحریک کے لیے دے دے۔

آیت نمبر 38: هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۚ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ۝

ترجمہ: ''سنتے ہو تم! لوگ تمہیں بلاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ پھر تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ جو شخص بخل کرے گا وہ اپنے آپ سے بخل کرے گا۔ اللہ تو بے نیاز ہے۔ تم ہی محتاج ہو۔ اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہاری جگہ۔ پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔''

تحریک کا تقاضا ہے کہ تم اپنا مال اس میں خرچ کرو۔ اگر تم بخل کرو گے تو یہ تحریک برباد ہو جائے گی اور دشمن تمہیں ذلیل کر ڈالیں گے اور تمہارا سارا مال لے جائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

خرچ کرو گے تو فتوحات حاصل ہوں گی اور زیادہ مال و دولت ملے گا۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، تم ہی محتاج ہو) اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود تمہاری اپنی قومی ضرورتیں ہیں جو مال کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں یعنی قومی ضرورتوں میں مال خرچ کرو گے تو خدا تمہیں اتنی دولت دیگا کہ تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

(اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو اللہ تمہاری بجائے اور قوم بدل لے گا)

اگر تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور قرآن حکیم کو غالب کرنے کی تحریک میں جان و مال سے کوشش نہ کی تو کوئی دوسری جماعت اس کام کے لیے تیار ہو جائے گی۔ جو مال بھی خرچ کرے گی اور جان بھی لڑائے گی۔ وہ تم جیسی سست اور کاہل اور جان و مال سے دریغ کرنے والی جماعت نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا انٹرنیشنل نظام بہت بڑی قربانی کا طالب ہے اس راہ میں بہت خطرے ہیں۔لیکن آخرکار بین الاقوامی غلبہ اور عزت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جماعت اور اللہ کی راہ میں خرچ

اللہ کے فضل سے حضرت محمد ﷺ کی تیار کی ہوئی جماعت نے جان اور مال سے کسی جگہ بھی دریغ نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جماعت کل قومی انقلاب کا مرکز بن گئی۔ اور وہ انقلاب حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے تک مکمل ہوگیا۔

اس کے بعد جب عربوں نے اس بین الاقوامی تحریک کو قومی بنا لیا، اور رفتہ رفتہ جان و مال سے دریغ کرنے لگے، تو عجمی قومیں غالب آگئیں۔ قرآن کی سرمایہ شکن طاقت بہرکیف غالب رہنی چاہیے۔ جب اس کی سرمایہ شکنی میں فرق آئے گا اور سرمایہ پرستی پیدا ہوگی، ضرور انقلاب آئے گا۔ اور کوئی نہ کوئی سرمایہ شکن طاقت اوپر آ جائے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

موجودہ دور کی ضرورت اور امام ولی اللہ دہلویؒ

اب جبکہ دنیا کے کسی خطے میں بھی سرمایہ شکن خدا پرست طاقت برسر اقتدار نہیں ہے۔ ضروری ہے اور انسانیت کا طبعی تقاضا ہے کہ سرمایہ شکنی اور خدا پرستی کے مجموعی پروگرام پر انقلاب برپا ہو۔ یہ انقلاب کس خطے میں ہوگا؟ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ لیکن حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ کی دور بین نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ انہوں نے تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں بیان کر دیا ہے۔(1)

بہر کیف اس سورت میں قرآن حکیم کے جس انقلاب کی طرف دعوت دی گئی ہے وہ ساری انسانی نوع کے لیے مفید ہے۔ اور آج بھی جب انسانی سوسائٹی راسمالی (Capitalist) اور غیر راسمالی (Anti Capitalist) کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قرآن کریم ہی کی تعلیم صحیح معاشیات پیدا کر کے پائیدار امن پیدا کرسکتی ہے' تاکہ اسلام کا مکمل نظام دنیا میں نافذ ہو۔ ضرورت پڑے تو یہ رجعت پسند طاقتوں کو قوت کے ذریعے سے ختم کرنے کا داعی ہے۔ لیکن رجعت پسندی کو کسی حالت اور کسی شکل میں بھی قبول نہیں کرسکتا۔

✦ ✦ ✦

(1) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تفہیمات میں لکھا ہے:
"میرا پختہ یقین ہے کہ اگر کبھی ہندوستان پر ہندوؤں کا قومی سطح پر عمومی غلبہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضہ کرتی ہے کہ ان کے حکمران طبقہ کو دین اسلام کے قبول کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ جیسا کہ ترکوں کو غلبہ حکومت کے بعد اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی، اور ایسا نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے عمومی پہلو کے پھیلاؤ کی وجہ ہوگا۔ (دیکھئے تفہیمات، ص 269، ج 1) (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی عنوان انقلاب

سورۂ فتح کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کا مقصدِ اصلی

مختصراً قرآن کا اصلی مقصد انسانیتِ عامہ کا تزکیہ اور اس کا ارتقا ہے۔ وہ تمام انسانیت کو اسی بنیادی اُصول ومقصد کی طرف لَوٹانے آیا ہے۔

اس کا پیغام یہ ہے کہ سب انسان ایک ہیں۔ رنگ ونسل اور قوم کا فرق حقیقی نہیں۔ دھڑے بندیاں اور گروہ بنانے کی طبقہ وارانہ ذہنیت غلط ہے۔ قرآن نے زندگی کے یہی عالم گیر اور ناقابل تغیر اُصول پیش کیے ہیں۔ ان کو اگر غور سے سمجھ لیا جائے تو ذہن وحدتِ انسانیت کی صحیح روح کو پالیتا ہے۔

(شعور وآگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص 24)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

ضبط کی ضرورت

قرآن حکیم کل قومی پیمانے پر انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے، اس کا ایک نصب العین یا مرکزی فکر ہے۔ وہ اس فکر کو ایک جماعت کی مکمل تیاری کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کے ایک حصے اور ملک کے ایک خطے میں خاص شکل میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کوئی جماعت ضبط (Discipline) کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اور جتنا بڑا انقلاب ہو' اتنے ہی زبردست ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی جماعت میں ضبط

جو جماعت بہت سخت ضبط کی مالک ہوتی ہے وہ صلح اور جنگ میں اپنی مرکزی جماعت کے فیصلے کی پوری پوری فرمانبرداری کرتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت پیدا کی، وہ جنگ میں ضبط کے مظاہرے کئی بار کر چکی۔ صلح کرنے میں ضبط کے بہترین مظاہرے کا موقعہ حدیبیہ میں پیش آیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے کمزور دشمن کی بدترین شرطیں صرف اس لیے مان لیں کہ وہ بنیادی طور پر ان اصول کی حفاظت چاہتا تھا' جن کی حفاظت کے لیے یہ انقلاب برپا کیا جا رہا تھا۔ یعنی دین حنیفی کے مرکز کعبۃ اللہ کا احترام۔ آپؐ کی جماعت نے اس اصول کو پوری طرح نہ سمجھتے ہوئے بھی اس صلح کو صرف اس لیے مان لیا کہ وہ ایک زبردست ضبط میں آئے ہوئے تھے۔ اس ضبط کی انتہا یہ تھی کہ جب آپؐ نے اس جماعت سے موت پر بیعت لینی چاہی تو ہر ایک شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے۔ اور جو شخص بھی اس وعدے کو توڑے گا اسے ضبط توڑنے کی بڑی سے بڑی سزا بھی مل سکتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس ضبط کا مقصد

اس اونچے پیمانے کا ضبط پیدا کرنے کا مقصود کیا ہے؟ اس سورت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم اس ضبط کو سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ خدا پرستی قائم ہو۔

انقلاب کی طبعی رفتار

اس بات کو کھول کر بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کا انقلاب ایک مضبوط ضابط جماعت کے ذریعے سے عمل میں آیا جس نے اپنا کام عرب میں شروع کیا۔ اس انقلاب کی طبعی رفتار یہ تھی:

(1) ذاتی انقلاب (2) محدود جماعت کی تیاری (3) قومی انقلاب

(4) بین الاقوامی انقلاب

(1) ذاتی انقلاب

ذاتی انقلاب کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

(1) قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (انعام 162,163:6)

یعنی تو کہہ دے کہ میری بدنی اور مالی عبادتیں میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ ہی کے راستے میں ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔

(ب) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (تحریم 6:66)

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو۔ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(2) محدود جماعت کی تیاری

محدود جماعت کی تیاری مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی چنانچہ حکم آیا کہ

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء 214:26)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنے قریبی قبیلہ والوں کو آنے والے انقلاب کی تنبیہہ کر دو۔

(3) قومی انقلاب

آنے والے قومی انقلاب کی طرف بہت سی آیات اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(یوسف 12:1-2)

یہ واضح کتاب کی آیات ہیں' ہم نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا' تا کہ تم عقل مند بنو۔

(4) بین الاقوامی انقلاب

بین الاقوامی انقلاب کا بھی۔ جو قرآنی تحریک کا معراج ہے۔ بہت سی آیات میں ذکر موجود ہے مثلاً

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (ص 38:87)

یہ قرآن تمام دنیا کی قوموں کے لیے یاددہانی ہے۔

صلح حدیبیہ کا مقام تاریخ اسلام میں

صلح حدیبیہ اس حیثیت سے تاریخ اسلام میں نقطہ تغیر (Turning Point) کا حکم رکھتی ہے کہ اب قرآنی انقلاب کی علمبردار جماعت انفرادی اور جماعتی انقلاب کی منزلیں طے کرنے کے بعد قومی انقلاب کی منزل بھی ختم کرنے والی تھی۔ اور ضبط اور تیاری کے سب سے اونچے نقطے پر پہنچ چکی تھی۔ اب اللہ کی حکمت چاہتی تھی کہ اسے بین الاقوامی میدان میں لائے۔ چنانچہ سورۂ فتح میں اس آنے والی تبدیلی کی پیش گوئی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (48:16)

جو اعرابی (گنوار) اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں گئے اور پیچھے رہ گئے' ان سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک شدید جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا۔

اس آیت میں اولی باس شدید (شدید جنگجو قوم) سے بقول امام ولی اللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دہلویؒ ایرانی اور رومی مراد ہیں۔ اسی کی طرف آگے چل کر ان الفاظ میں بھی اشارہ موجود ہے۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا (21:48)

اور وہ مالِ غنیمت جس پر ابھی تم نے قدرت حاصل نہیں کی۔

ان غنیمتوں سے بھی ایرانی اور رومی جنگوں کی غنیمتیں مراد ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آتے ہی محرم 7ھ (628ء) میں عرب کے اردگرد کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اسلام کی طرف بلاوا بھیج دیا۔ یہ دعوت نامے کیا تھے' آنے والے انقلاب کی تنبیہہ تھی' جو ان قوموں کو اپنے اندر ہضم کرنے والا تھا۔

چنانچہ قیصر روم کو تحریر فرمایا کہ:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم' من محمدٍ عبداللّٰہ ورسولہٖ الٰی ھرقل عظیم الروم' سلام علٰی من اتبع الھدٰی' اما بعد! فانی ادعوک بدعایة الاسلام' اسلم تسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسین۔ الخ۔ (بخاری' باب بدأ الوحی ص 3 جلد اول)

یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہ یہ خط محمد (ﷺ) کی جانب سے ہے جو اللہ کا بندہ اور اس کا ایلچی ہے۔ ہرقل شاہ روم کے نام' سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد حمد وصلوٰۃ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام قبول کرلے تو تمام آفتوں سے بچ رہے گا' اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تو نے انکار کیا تو تمام دہقانوں اور کاشتکاروں کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

اور کسریٰ ایران کو لکھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم : من محمدٍ رسول اللّٰہ الٰی کسرٰی عظیم فارس' سلام علٰی من اتبع الھدٰی وامن باللّٰہ ورسولہٖ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ الٰی الناس کافةً لینذر من کان حیًّا اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : یہ خط محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے جو اللہ کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسول ہیں۔ کسریٰ شاہ ایران کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی پوجا کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو اس کا پیغام پہنچانے کے لیے مقرر کیا گیا ہوں تا کہ جو لوگ زندہ ہیں انہیں تنبیہہ کر دی جائے' اسلام لے آ' تو بچ رہے گا۔ اگر تو اسلام نہ لایا تو مجوس کے تمام گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

امام ولی اللہ کا فکر

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک:

''نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد اِن دو سلطنتوں اور روئے زمین کے اسی قسم کے ظالمانہ نظاموں کو تباہ کرنا تھا' کیونکہ خصوصاً ان دونوں بادشاہتوں میں معاشی عدم توازن انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا امیر طبقہ دولت کی زیادتی کی وجہ سے عیاشیوں میں مبتلا ہو کر' خدا فراموشی کے سبب سے عوام پر حد درجہ ظلم کرنے لگ گیا تھا۔ اور عوام بھاری بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر بیلوں اور گدھوں کے درجے میں آ چکے تھے۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی کی بھلائی کے خیالات سے بالکل کورے ہو چکے تھے۔''[1]

آنحضرت ﷺ نے ان دو بادشاہوں کو جو خطوط ارسال فرمائے ان کی عبارت نہایت معنی خیز ہے۔ اور اوپر بیان کی ہوئی باتوں کی طرف نہایت لطافت کے ساتھ اشارہ کرتی ہے۔ دونوں میں عوام کی اخلاقی بربادی اور دوسری زندگی کی بھلائی سے محرومی کا ذمہ دار ان بادشاہوں کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہرقل کے نام جو خط ہے اس میں ہے کہ:

فان ابیت فانّ علیک اثم الیریسین

''اگر تو نے اسلامی انقلاب کو قبول نہ کیا تو تیرے ماتحت جو کاشتکار طبقہ تباہ ہو رہا ہے اس کے گناہوں کا یقینی طور پر تو ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔''

1. حجتہ اللہ البالغہ طبع مصر' باب اقامتہ الارتفاقات و اصلاح الرسوم' جلد اول ص 105

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایسے ہی کسریٰ ایران کے نام جو گرامی نامہ ارسال فرمایا اس میں ہے کہ:

فان ابیت فعلیک اثم المجوس

''اگر تو اسلامی انقلاب کے نیچے نہ آیا تو تیری ساری رعایا' مجوس کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔''

جیسے اوپر بتایا جا چکا ہے اب عرب کے انقلاب کی تحریک قومی حدوں سے باہر نکل کر اپنی تعلیم کی حقیقی روح کے پھیلنے کے لیے بین الاقوامی میدان تلاش کر رہی تھی۔ اس کا اشارہ کسریٰ کے خط میں موجود ہے جس کے خاص الفاظ یہ ہیں:

انی رسول اللہ الیٰ الناس کافۃً

''میں اللہ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو پیام پہنچانے آیا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کے سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب کو قومی پیمانے پر عرب میں بالکل کامیاب بنا کر دکھا دیا۔ اور اس کے بین الاقوامی پھیلاؤ کے لیے جن قوتوں کی ضرورت تھی انہیں جگا کر اس انقلابی جماعت کے نیچے کر دیا۔ اور ان دعوت ناموں کے ذریعے عرب کے اردگرد کی سلطنتوں کو یہ انقلاب قبول کرنے کے لیے سوچنے کو کافی وقت دیا۔ اتنا کام کرنے کے بعد جو انتہائی کامیابی کا پوری طرح کفیل تھا' آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ باقی کام آپ کی تیار کی ہوئی جماعت نے عین اس پروگرام کے مطابق پورا کر دیا۔ جس کی مدات (Items) آپ انہیں سکھا گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے سے شروع ہو کر حضرت عثمانؓ کے زمانے تک قرآنی انقلاب بین الاقوامی پیمانے پر اس طرح مضبوط ہو گیا کہ اس زمانے کی کوئی سیاسی طاقت اس کے مقابلے میں آنے کے قابل نہ رہی۔

سورۂ فتح کا قیمتی سبق

اس سورت میں ہر زمانے کے سیاسی کام کرنے والوں کے لیے (چند) نہایت قیمتی سبق اور نہایت مفید رہنمائی ہے۔

(الف) پہلے قومی انقلاب لایا جائے

وہ یہ کہ جس زمانے میں قرآنی انقلاب ارتجاع (Reaction) کی نذر ہو جائے'

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک جماعت پہلے اس علاقے میں کامیاب مرکز بنائے جس میں وہ بستی ہے۔ اور پھر وہاں سے اس انقلاب کی شاخیں دوسری قوموں میں پہنچائے۔ اور ہر ایک قوم کے انقلابی اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی کی کوشش کریں۔ گویا اگرچہ اسلامی انقلاب اصل میں بین الاقوامی ہے' لیکن شروع ہی میں اسے عملاً بین الاقوامی پیمانے پر چلانا حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایک قوم کے اندر رہ کر ایسی جماعت تیار کی جائے جو تمام قوموں میں کام کرے اور تمام قوموں کو ایک ہی وقت اس قانون کے نیچے لانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:"

"وھٰذا الامام الذی یجمع الامم علٰی ملۃٍ واحدۃٍ' یحتاج الٰی اصولٍ اخرٰی غیر الاصول المذکورۃ فیما سبق' منھا ان یدعو قوماً الی السنۃ الراشدۃ' ویزکیھم ویصلح شانھم ثم یتخذھم بمنزلۃ جوارحہٖ فیجاھد اھل الارض ویفرقھم فی الاٰفاق وھو قولہ تعالٰی. کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس الی آخر الآیہ .....
و ذالک لان ھٰذا الامام نفسہ لا یتأتّٰی منہ مجاھدۃ اممٍ غیر محصورۃٍ"

(حجۃ اللہ البالغۃ' باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان' مطبع مصر جلد اول ص 118)

"یعنی جو امام بین الاقوامی کام کے لیے مقرر ہو وہ اوپر بیان کئے ہوئے اصول کے خلاف اَور اصول پر کام کرے گا۔ مثلاً وہ ایک قوم کو زندگی گزارنے کے صحیح قاعدوں کی دعوت دے گا اور انہیں پاک اور درست کر کے اپنا آلہ کار بنائے گا اور انہیں ساتھ لے کر دوسری قوموں سے لڑے گا۔ اور انہیں مختلف قوموں میں بکھیر دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت میں کنتم خیر امۃ اخرجت اللناس (تم مسلم امت کا بہترین حصہ ہو جو تمام دنیا کی قوموں کے لیے چنے گئے ہو) کا یہی مطلب ہے۔ کام کرنے کا یہ طریق اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ ایسا امام تن تنہا ساری قوموں سے جہاد نہیں کرسکتا۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ب) موت قبول کرنے کی منزل

اس سورت میں اس حقیقت پر بھی پوری روشنی ڈالی گئی ہے کہ قرآنی تحریک میں ایک منزل آسکتی ہے جب اسے آگے بڑھانے کے لیے موت قبول کرنی پڑے اور جیسے صلح حدیبیہ کی تفصیل سے معلوم ہوگا' موت قبول کرنے کی شکل اللہ کی راہ میں جنگ کرنا بھی ہوسکتی ہے۔

(ج) قرآن اجماعی جنگ کا قائل ہے

اس سورت کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف جنگ کا قائل ہے بلکہ جنگ اجماعی (Total War) کا قائل ہے۔ یعنی اس کے نزدیک ہر شخص جان و مال سے اس میں پورا پورا حصہ لے گا۔ یہاں تک کہ بیمار' لولے' لنگڑے اور اندھے بھی اپنا اپنا حصہ ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی تحریک اگر جنگ کا انکار کرتی ہے تو اسے ہر شکل میں ناجائز سمجھے گی اور کامل طور پر اہنسا (عدم تشدد) پر کاربند ہوگی۔ اگر وہ جنگ کو جائز سمجھتی ہے تو وہ جنگ کو اجماعی اور کلی حیثیت سے قبول کرے گی۔ اور اپنے ہر ایک ممبر کو اس کی پوری طاقت کے مطابق اس میں حصہ لینے کا ذمہ دار سمجھے گی۔ کوئی شخص بہانہ بنا کر اس ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا۔

ہندوستان کی موجودہ صورتحال

ہندوستان اس وقت (1943ء) ایک زبردست لادینی سرمایہ پرست نظام کے نیچے ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی چالیس کروڑ آبادی میں سے چند مالداروں کو مستثنیٰ کر کے باقی ساری آبادی بھوکی یا آدھی بھوکی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ طرح طرح کی کمزوریوں اور بیماریوں میں پھنسی ہوئی ہے اور جہالت میں مبتلا ہے۔ اسی لیے وہ اپنی انسانیت کو بھولی ہوئی ہے وہ نہ یہ جانتے ہیں کہ آپس میں ان کے کیا حق اور فرض ہیں اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے ساتھ ان کے کیا تعلقات ہونے چاہئیں۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۂ فتح چاہتی ہے کہ ہندوستان کے اس بھول گھر میں ایسی جماعت پیدا کی جائے جو حجازی بین الاقوامی انقلاب لانے والی جماعت کی طرح انتہائی ضبط کی مالک ہو۔ اس کے ارکان اس سرمایہ پرستانہ نظام کو توڑنے کے لیے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ موت کو قبول کر کے پوری پوری اور انتہائی کوشش کریں اور فی الحال یَقْتُلُوْنَ (قتل کرنا) کو ملتوی رکھ کر یُقْتَلُوْنَ (قتل ہونا) کو قبول کریں[1] ان کی نظر بین الاقوامی ہو' وہ ہر ایک انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا عدل کرنے کو تیار ہوں۔ اور چالیس کروڑ کی مظلوم انسانیت کو سرمایہ پرستی اور اس کے پیدا کیے ہوئے معاشی ظلم سے نجات دلا کر اس کے لیے اللہ کو پہچاننے کا راستہ آسان کر دیں۔

وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی نبیہ الکریم صاحب الانقلاب العظیم وعلی الذین معہ اشدءُ علی الکفار الذین یفسدون الارتفاقات المعاشیۃ والارتفاقات المعادیۃ رحماءُ بینھم سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

"آخری بات یہ ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سب قوموں کا پالنہار ہے۔ اور رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اس نبی اعظم پر جو عالمگیر انقلاب کی دعوت دینے آیا۔ اور اس کے ساتھیوں پر' جو ان کافروں پر سخت ہیں جو انسانی سوسائٹی کے معاشی ارتفاقات اور معادی ارتفاقات خراب کرتے ہیں۔ آپؐ کے ساتھی آپس میں بہت نرم اور رحم دل ہیں۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے اس کے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔)

بشیر احمد (بی اے' لدھیانوی)

---

1. اس آیت کی طرف اشارہ ہے **یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون** (وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں) (سورہ توبہ 111:9)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الفتح (48)

تمہید سورت

سورت کا موضوع

سورۂ محمدؐ (یا قتال) سورۂ فتح اور سورۂ حجرات نفس مضمون کے اعتبار سے ایک مرتب مجموعہ ہے۔ جس میں اسلامی انقلاب کی تنظیم پر بحث کی گئی ہے۔ جس کے لیے بیرونی حملوں سے بچاؤ، کل قومی پھیلاؤ اور اندرونی معاشرتی زندگی کی تنظیم کے قوانین دیئے گئے ہیں۔

سورۂ محمد (یا قتال) ہجرت کے پہلے ہی سال جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی عربی جنگوں کی ضرورت کے پیش نظر میدان جنگ کے قوانین دیئے گئے ہیں۔

انیس سال کے تھوڑے عرصے میں یہ انقلابی جماعت ضبط اور نظم میں ترقی کر کے ایسی بے نظیر قوت ضبط کی مالک ہوگئی ہے کہ وہ صلح اور جنگ میں ایک ہی نظریے کے ماتحت کام کرنے کے قابل ہوگئی۔ یہ وہ حالت ہے جس میں اسے اللہ تعالیٰ نے بین الاقوامی پھیلاؤ (Expansion) کے قابل سمجھا۔ چنانچہ سورۂ فتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں اتری، اس انقلابی جماعت کی اس اعلیٰ درجے کی حالت کا نقشہ کھینچ کر آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی خبر دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان جنگوں میں اس جماعت کا نظریہ کیا ہونا چاہیے۔

سورۂ حجرات میں غیر مصافی قانون (Civil Laws) اور معاشرت کی چند دفعات سکھائی گئی ہیں۔

سورۂ فتح کا مرکزی واقعہ

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ ان کی

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ 6 ھ میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ گویا آپ اور مسلمان مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف [1] کر رہے ہیں اس خواب کی کیفیت سن کر غریب الوطن مسلمان جو عرصے سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے بے تاب تھے، اور بھی بے چین ہوگئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ بھی عمرہ [2] کے لیے جانے پر تیار ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی جماعت ذی قعدہ 6 ھ میں مدینہ منورہ سے نکلی۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ پندرہ سو صحابہ تھے۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جن میں سے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل۔ جب آنحضرت ﷺ ذی الحلیفہ کے گاؤں میں پہنچے تو آپؐ نے عمرے کا [3] احرام باندھا۔ اور قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس (Scout) بھیجا کہ قریش کی خبر لائے۔ چنانچہ جب آپؐ عسفان کے قریب پہنچے تو وہ سکاؤٹ واپس آیا۔ اور اس نے خبر دی کہ قریش آپؐ کو روکنے اور آپ سے لڑنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔

جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لیے گھر سے نہیں نکلے۔ لیکن اگر کوئی ہمیں بیت اللہ (کعبہ) تک پہنچنے سے روکے گا تو اس سے لڑیں گے۔ یہ سن کر حضرت نبی اکرم ﷺ آگے بڑھے اور کچھ دور جا کر آپؐ نے فرمایا کہ خالد بن ولید غُمیم میں ہے۔ ہم دائیں کو ہو چلیں۔ یہاں تک کہ آپؐ اپنی جماعت سمیت اس وادی تک پہنچ گئے جہاں سے مکہ کو جاتے ہیں۔ یہاں آپؐ کی اونٹنی یکا یک ٹھہر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قریش مجھ سے کسی ایسی بات کا مطالبہ کریں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمات [4] کی تعظیم ہوتی ہو تو میں ان کی بات مان لوں گا۔ آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر اترے۔ یہاں سے مکہ صرف 19 میل تھا۔

یہاں سے آپؐ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔

[1] گرد گھومنا۔ یہ حج کی ایک رسم ہے (مرتب) [2] عمرہ چھوٹا حج جو حج کے مقررہ دنوں کے علاوہ کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ (مرتب) [3] وہ خاص بن سلا لباس جو حج کے دنوں میں پہنا جاتا ہے۔ (مرتب) [4] وہ جگہیں جن کی عزت کی جاتی ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تا کہ انہیں خبر دیں کہ مسلمان صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ساتھ ہی انہیں ہدایت کر دی کہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان چھپے چھپے رہتے ہیں ان سے بھی ملیں اور انہیں فتح کی خوشخبری دیں۔ اور انہیں اطمینان دلا دیں کہ مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اور کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بلوح کے مقام پر قریش کی جماعت سے ملے اور پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر اس خبر کا جو اثر پڑ سکتا تھا' وہ ظاہر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے تمام حاضرین سے اس امر پر اقرار لیا کہ اگر اب لڑنا پڑے تو ثابت قدم رہیں گے۔ مسلمانوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت ابو سنانؓ الاسدی نے بیعت کی۔ ایک صحابی حضرت سلمہؓ بن اکوع نے تین مرتبہ بیعت کی' یعنی شروع میں' بیچ میں اور آخر میں۔

یہ خبریں سن کر قریش کے ہوش جاتے رہے اور انہوں نے صلح کے لیے آدمی بھیجے۔ آخر ان باتوں پر صلح ہوگئی۔

(1) یہ صلح دس سال تک رہے گی۔

(2) جو قبیلے قریش سے ملنا چاہیں' قریش سے مل جائیں اور جو مسلمانوں سے ملنا چاہیں' مسلمانوں سے مل جائیں۔

(3) اگلے سال کعبہ کا طواف کرلیں۔

(4) اگر مکہ والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کے پاس چلا جائے تو اسے قریش کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان قریش میں چلا گیا تو اسے واپس نہیں دیا جائے گا۔

اس شرط پر ابھی بحث ہو ہی رہی تھی کہ ایک مسلمان ابو جندلؓ بن سہیل مکہ سے آیا اور تمام مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ قریش کے سفیر نے معاہدے کی شرط کے مطابق اسے طلب کیا حالانکہ ابھی اس شرط پر بحث ہو رہی تھی۔ اس آخری شرط سے سب مسلمان سوائے حضرت ابوبکرؓ کے سخت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کی ترجمانی حضرت عمرؓ نے کی۔ آپ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ:

(c) ketabton.com: The Digital Library

''یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا:

''یقیناً''

پھر انہوں نے پوچھا کہ:

''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا:

''یقیناً''

پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ:

''کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟''

آپؐ نے فرمایا کہ:

''کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال کریں گے؟''

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ:

''نہیں''

تو آپ نے فرمایا کہ:

''یقین رکھو ہم ضرور یہاں آئیں گے اور طواف کریں گے۔''

حضرت عمرؓ نے اسی قسم کی باتیں حضرت ابوبکرؓ سے بھی کیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی وہی جوابات دیئے' جو آنحضرت ﷺ نے دیئے تھے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت جو بات فرمائیں اسے مرتے دم تک بے چون و چرا مانتے رہو۔ غرض یہ شرط منظور ہوگئی اور آنحضرت ﷺ نے ابو جندلؓ کو قریش کے سفیر کے حوالے کر دیا اور ''ابوجندل'' سے صرف اتنا فرمایا: ''ابو جندل! خدا تیری مصیبت دور کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا۔'' ابو جندلؓ نے صبر کے ساتھ اپنی مصیبت کو قبول کرلیا اور تمام مسلمان یہ تلخ گھونٹ پی کر بھی چپکے ہو رہے۔

ابھی حضرت نبی اکرم ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ 80 آدمی کوہ نعیم سے صبح کے وقت اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کی حالت میں قتل کر دیں۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں معاف کر کے رہا کرا دیا۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس معاہدے کے بعد آپ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ راستے میں سورہ فتح کی شروع کی آیتیں اتریں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ (فتح: 1-2-3:48)

ترجمہ: ہم نے تجھے کھلی فتح دی اور تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کر دے اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کر دے اور سیدھی راہ کی طرف تیری راہنمائی کرے اور تجھے زبردست مدد دے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ:

"یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟" (یعنی حدیبیہ کا صلح نامہ)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "ہاں یہی چیز ہے جسے فتح قرار دیا گیا ہے۔"

آپؐ مدینہ منورہ میں ذی الحجہ کے شروع میں واپس تشریف لے آئے۔ یہاں کوئی تین ہفتے ٹھہرے ہوں گے کہ محرم میں خیبر پر چڑھائی کر دی۔ اس معرکے میں صرف ان مسلمانوں کو شامل ہونے کی اجازت تھی جو حدیبیہ کے واقعے میں شریک رہ چکے تھے۔

صلح کا نتیجہ اور اثر

اس صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور ان کے مخالفوں میں راہ و رسم بڑھا اور میل جول زیادہ ہوا تو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے۔ اور لوگ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے اثر لے کر مسلمان ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ کی چوتھی شرط کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ "مخالفین میں سے جو شخص مسلمان ہو کر شرط کے مطابق مخالف کیمپ میں بھیجا جائے گا' وہ ضرور وہاں بھی اپنا کام کرتا رہے گا۔" چنانچہ حضرت ابو جندلؓ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے' عین معاہدہ لکھے جانے کے وقت قریش کے حوالے کر دیئے گئے۔ انہیں مکہ معظمہ لے جا کر قید کر دیا گیا۔ لیکن جو شخص ان کی نگرانی پر مقرر ہوتا وہ ان کے سمجھانے سے مسلمان ہو جاتا۔ اب دونوں مل کر تلقین

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرتے اس طرح ان قیدیوں کی تلقین سے تین سو کے قریب آدمی مسلمان ہو گئے۔ قریش مکہ نے بہتیرا چاہا کہ آنحضرت ﷺ معاہدے کی اس شرط کو توڑ کر ان مسلمانوں کو اپنے ہاں لے لیں۔ لیکن آپؐ نے معاہدہ توڑنا قبول نہ فرمایا۔ آخر قریش کو خود ہی ان مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا پڑا۔

حدیبیہ میں اسلامی جماعت کے ضبط کا حال اوپر بیان ہو چکا۔ یہ لوگ تو آنحضرتؐ کے سامنے تھے۔ لیکن حضرت ابوجندلؓ آپؐ سے دور ہوتے ہوئے بھی جماعتی ضبط کے اتنے پابند نکلے کہ جب مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے قرار دیا کہ ابو جندلؓ نے ابوالعاص کی کے جس قافلے کو لوٹا ہے اس کا مال اسے واپس کر دیں تو انہوں نے اس فیصلے کی اطلاع پاتے ہی ابوالعاص کے قافلے کا سارا اسباب یہاں تک کہ رسی اور اونٹ کی مہار تک ابوالعاص کے حوالے کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ابوالعاص سارا مال حقداروں تک پہنچا کر مسلمان ہو گیا!

غرض اس صلح کے نتیجے کے طور پر لوگ کثرت سے اسلام لانے لگے۔ چنانچہ جہاں حدیبیہ کے واقعے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے وہاں ایک سال بیچ دے کر اگلے سال فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار ''قدوسی'' 1 تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ اب مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کے بادل چھٹ رہے تھے۔ گویا اس صلح نے اسلام کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

=========

1 یہ تورات کا لفظ ہے دیکھو کتاب استثناء باب 33 آیت 2 (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الفتح (48)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا
عَزِيزًا ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ
إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾
لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾ وَيُعَذِّبَ
الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ
عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ
وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿٧﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا
يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ
وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾
سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ
لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا
وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَن لَّمْ
يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿١٣﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَّحِيمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا
نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ

www.fahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ قُلْ
لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ
أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم
مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى
الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾
لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي
قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً
يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ ۖ وَلِتَكُونَ آيَةً
لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ
أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ
خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ
عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ
تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي
رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾ إِذْ
جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ
بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ
تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ
رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ
السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ
شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ
الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر سورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قومی انقلاب

آیت نمبر 1: اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ہم نے تجھے کھلی فتح دی۔''

جو صلح فتح کی قائم مقام ہو' وہ جماعت کی مضبوط تنظیم پر موقوف ہوتی ہے۔

انقلاب کیا ہے؟

ایک استاد ایک نیا فکر لے کر اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کام کرنے کا صحیح طریقہ سمجھاتا ہے۔ وہ اس تعلیم ہی کے ذریعے سے ایک نظام پیدا کر لیتا ہے۔ جس سے وہ دنیا سے ہر قسم کا ظلم دور کر کے انسانوں کے تعلقات خدا کے ساتھ قائم کرنے کے موقعے بہم پہنچاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مضبوط نظام' جس میں ایک فرد اپنا سب کچھ اس نظام پر قربان کرنے کو تیار ہے' باطل پر غالب آ جاتا ہے۔ یہی انقلاب ہے۔

مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن

اس وقت جب حدیبیہ کے مقام پر دونوں جماعتیں ملیں' دونوں کی کیا حالت تھی؟ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا نظام نہایت مضبوط تھا۔ ان میں ضبط (Discipline) اور اطاعت (Obedience) انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے برخلاف اہل مکہ کمزور تھے۔ ان کے بڑے بڑے سردار مر چکے تھے۔ اور اب اہل مکہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے بھی مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط تھی۔ کیونکہ وہ اچانک مکہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے عین پاس پہنچ چکے تھے۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے جب مکہ والوں نے صلح پیش کی تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے وہ شرطیں جھٹ مان لیں۔ رفتہ رفتہ عام مسلمانوں نے بھی انہیں قبول کر لیا۔ یہ قبولیت ان کے اندرونی نظام کی قوت کے سبب سے تھی۔ نہ اس لیے کہ سب مسلمان صلح کی حکمت کو سمجھ گئے تھے۔ اس صورت میں یہ صلح قیامت تک مسلمانوں کے لیے فخر کا سبب گنی جائے گی۔ اس سے جو فائدے نکلے انہوں نے مخالفوں کو بھی سمجھا دیا کہ اسلامی نظام میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ اور اس کے نیچے کیا کیا دانائیاں چھپی ہوئی ہیں۔

جنگوں کا نقصان

اب تک اہل اسلام اور اہل مکہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان کی وجہ سے اہل مکہ ان فائدوں پر غور نہیں کر سکے تھے جو اسلام کا انقلاب قبول کرنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اس مطالعے کے لیے انہیں نہ وقت ملا تھا' نہ آسانیاں حاصل ہوئی تھیں۔ اس صلح کے بعد ان لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول بڑھا تو انہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو سوچنا شروع کیا۔ اور انہیں وہ فائدے نظر آئے جو جنگ اور نفرت کے گرد و غبار میں سے نظر نہ آ سکتے تھے۔ اب اچھے اچھے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اس طرح قرآنی انقلاب کو ایسے کام کے آدمی مل گئے جنہوں نے آگے چل کر نہایت شاندار تعمیری کارنامے کیے۔

صلح کا فائدہ

یہاں ایک اور بات بھی سوچنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قریشِ مکہ عرب میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر ان کی اجتماعیت نہ ٹوٹتی اور کسی وجہ سے اپنے پہلے فکر سمیت اسلام میں داخل ہو جاتے' تو اپنے قدیم (مشرکانہ) فکر پر نئی اجتماعیت پیدا کر کے اسلام کے اندر ایک مستقل کھینچا تانی کا باعث بنتے۔ لیکن اس صلح کے بعد انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسے عام انسانیت کے لیے مفید سمجھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے قدیم خیالات چھوڑ کر اسلام کا نظریہ لے لیا اور اس کی مضبوطی کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 2: (الف) لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

ترجمہ: ''تا کہ تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کرے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی پہلی اور پچھلی غلطیوں کی معافی کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ جو لوگ نبیوں کو عام طور پر اور آنحضرت ﷺ کو خاص طور پر معصوم(1) مانتے ہیں اور عقلی طور پر اس کے سوا چارہ نہیں کہ انہیں معصوم مانا جائے۔ ان کے لیے یہ دماغ میں چبھنے والا فکر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

ہم اس ''معافی'' کے مسئلے کو اس طرح حل کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قریش پر حملہ کرنے کے لیے آئے ہی نہیں' بلکہ ان کی کمی پوری کرنے اور تعلیم دینے کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 249 میں فرماتے ہیں کہ:

> ''واضح رہے کہ یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ میں دو خصوصیتیں جمع ہوگئی ہیں۔
>
> (1) نبوت عامہ (2) قریش کی سعادت کا سبب
>
> آپ کی نبوت میں مفہمیت (2) کی تمام قسمیں آ گئی ہیں۔ اس سے ہر ایک رنگ دار اور گوری قوم کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب (حکمت الٰہی کی) مصلحت کلی (3) کا تقاضا ہوا کہ ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دی۔
>
> باقی رہی قریش کی سعادت تو ان کی لمبی حکومت کی وجہ یہی سعادت تھی۔

(1) جس سے کوئی غلطی نہ ہوسکتی ہو۔ (مرتب)

(2) جسے خدا کی طرف سے کوئی بات سمجھائی جائے۔ اسے مفہم کہتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے کئی درجے ہیں۔ ان میں معمولی القاء سے لے کر صاف لفظ وحی تک سب آتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 84۔

(3) سب انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی چیز یا بات۔

(4) ایسی حکومت جس کی بنیاد قومیت کی جگہ انسانیت پر ہو۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہوا کہ ہندوستان کے ہندو مستقل عمومی حکومت (4) پیدا کریں۔ تو یقیناً قانون الٰہی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کرلیں۔ جیسے ترکوں نے قبول کرلیا تھا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی عمومیت اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں۔ کبھی تو آپ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں' کبھی اس حیثیت سے کہ آپ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں۔'' (تفہیم نمبر 69)

اسی فکر کو حجۃ اللہ البالغہ' جلد اول ص 124 اور ص 128 میں یوں ظاہر فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ملت حنیفیہ اسماعیلیہ میں پڑی ہوئی کجی کو ٹھیک کرنے' اس کی بگڑی ہوئی شکل کو صاف کرنے اور اس کا نور پھیلانے کے لیے تشریف لائے۔ جب حقیقت یہ ٹھہری' تو لازم آیا کہ اس ملت کے اصول تو قائم رکھے جائیں اور اس کے طریقے نہ ہٹائے جائیں۔ کیونکہ جب نبی اپنی قوم کی طرف مقرر ہو کر آتا ہے تو اس قوم میں کچھ اچھے طور طریقے باقی ہوں تو وہ انہیں نہیں بدلتا۔ کیونکہ ان کو بدلنا بالکل بے معنی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے بھی ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی شریعت پر نظر ڈالی تو جو چیز حضرت اسماعیلؑ کے اصل طریقے پر دیکھی اسے باقی رہنے دیا اور جو چیز بدل چکی تھی اور جس میں فساد اور خرابی آ چکی تھی اسے ہٹا دیا۔ آپ نے ملت حنیفیہ کی اشاعت کے بے حد کوشش کی کہ یہ قانون تمام قوموں پر غالب آ جائے۔ اس سلسلے میں ملت حنیفیہ میں جو تحریفات (1) دیکھیں ان کو مٹا دیا اور بڑے زور سے ان کی نفی کی۔ اور جو ارتفاقات (2) صحیح تھے انہیں قائم رکھا۔ اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں جو خراب رسمیں آ گئی تھیں۔ ان سے روکا اور جبراً منع کیا۔

1 تبدیلیاں

2 زندگی گزارنے کے طور طریقے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور اس ملت کے اصول پر بین الاقوامی حکومت قائم کی۔ اور جو لوگ اس بارے میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ان کی مدد سے جنگیں بھی کیں۔ یہاں تک کہ مخالفین کی مخالفت دھری کی دھری رہ گئی اور خدا کا قانون سب قوموں میں چل کر رہا۔" (ملخصاً)

اور الخیر الکثیر میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی پہلی حیثیت میں اپنی قوم کے لیے نبی بن کر آئے۔ جب اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو آپ کی قوتیں چودھویں کے چاند کی جگہ سورج بن کر چمکنے لگیں۔ پھر ایک اور ترقی ہوئی کہ آپ کی شان کو پورا پورا کمال حاصل ہوا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہے۔ اب آپ کرۂ زمین کے ہر ایک گوشے کے امام بنائے گئے۔" (الخیر الکثیر، ص 261/الخزانۃ السادسہ)

آپ کی ان دو حیثیتوں کی حکمت "حجۃ اللہ البالغہ" میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"جو امام سب قوموں کو اپنی ملت پر جمع کرنے کے لیے اٹھتا ہے وہ پہلے ایک قوم کو صحیح اصول کی دعوت دیتا ہے۔ انہیں غلط کاریوں سے پاک کرتا ہے۔ ان کی حالت درست کرتا ہے۔ اور پھر انہیں اپنا دست و بازو بنا کر دنیا کی سب قوموں سے جنگ کرتا ہے۔ اور اپنی قوم کے لوگوں کو سب قوموں کے اندر پھیلا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کسی امام کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اکیلا سب قوموں سے جنگ کرتا پھرے۔" (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 118، باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان)

اس اصول نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں کس طرح کام کیا؟ اس کی تشریح آگے چل کر حجۃ اللہ البالغہ میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مہاجرین اور انصار کی پہلی جماعت' قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان

(c) ketabton.com: The Digital Library

عربوں کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرایا۔ کیونکہ ان علاقوں میں عرب عنصر موجود تھا۔ اسے اپنی اپنی قوام کے اندر عربی اسلامی انقلاب کے لیے تیار کیا گیا۔ پھر ان عراقیوں کے ہاتھوں ایران' اور شامیوں کے ہاتھوں روم فتح کرائے (کیونکہ انہیں ان علاقوں کے باشندوں سے مناسبت تھی)' پھر ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان اور ترکستان' اور رومیوں کی مدد سے حبشہ دغیرہ کے علاقے فتح کرائے۔''

معلم منتقم نہیں ہوسکتا

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جو عرصے تک ابراہیمی دعوت کے حامل رہے' اس اونچے رتبے سے گر چکے ہیں۔ اور حکمت الٰہی قریش یعنی بنی اسماعیل کو اس دعوت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اور اب وقت آ گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو دعا کی تھی : رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (2 : 129) (یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے جس امت مسلمہ کے اپنی نسل سے اٹھانے کی دعا کی ہے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج)' وہ پوری ہو۔ قریش میں بھی اس دعوت کے اصل مدعا پر ایمان موجود تھا۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ ہمارا وجود ابراہیمی دعوت کے اظہار کے لیے کمال رکھتا ہے۔ مگر جہالتوں کے سبب وہ بہت سی غلط باتیں اختیار کر چکے تھے۔ ان غلطیوں کو دور کرنا' ان کے اخلاق سنوارنا' انہیں صحیح ابراہیمی طریقہ ذہن نشین کرانا' پھر اس کی حکمت اور حکمت کے اندر قانون سازی سکھانا، تاکہ ساری دنیا کی مختلف قوموں میں یہ طریقہ ''امام'' کے طور پر مان لیا جائے' سب باتیں رسول اکرم ﷺ کے فرض منصبی میں داخل ہیں۔ اب اگر قریش غلطی کرتے ہیں اور آپؐ کے ساتھ جہالت اور نادانی کا معاملہ کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جن نبیوں کا ذکر آیا ہے ان کے حالات میں ان کی قوموں کا یہی سلوک دکھایا گیا ہے۔ اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ کو قریش کے مقابلے میں انتقامی جذبہ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ معلم (استاد) ہیں۔ آپ کے فرض منصبی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ آپ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قریش کو معاف کرتے رہیں کیونکہ انتقام اور تعلیم جمع نہیں ہو سکتے۔ جونہی استاد میں انتقامی جذبہ پیدا ہوا اس کی شان معلّمی ختم ہوئی۔(1)

جماعت میں جذبہ انتقام:

لیکن رسول اکرم ﷺ ایک جماعت کے امام اور ایک پارٹی کے مرکز بھی ہیں۔ وہ جماعت یکا یک اس بلند اخلاقی سطح (Level /Stage) پر نہیں آسکتی۔ ان کے لیے یہی عام قاعدہ ہو سکتا ہے کہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی جائے) (نحل 126:16)۔ وہ رفتہ رفتہ اس سطح سے اونچی اٹھے گی۔ اس لیے یوں فرض کر لینا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کے دل میں انتقامی جذبہ پیدا نہ ہوگا، فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے فلاں شخص قریش کی جہالت کا انتقامی جواب دینا چاہتا ہے۔ اس وقت آپ کا اس پر خاموش رہنا اور اسے اس امر سے نہ روکنا کیا آپ کو اس کے فعل کا ایک حد تک ذمہ دار نہیں بنا دیتا؟ لیکن سوسائٹی میں یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کو اس کی طبعی رفتار سے ترقی کرنے سے روکا جائے۔ ایک شخص انتقامی جذبے سے جواب دیتا ہے وہ آخر تک پہنچ لے تو اس کے بعد تو درست کرنا ممکن ہے۔ لیکن اگر اس کے انتقامی جذبے ہی کو کچل دیا جائے تو وہ اپنی فطری تکمیل سے عاجز آجائے گا۔ اس کی تکمیل کی بہترین سبیل یہی ہے کہ اسے موقع دیا جائے کہ وہ اپنا کام پورا کر لے۔ آخر میں اسے سمجھا دیا جائے گا کہ تم نے غلطی کی۔ اس کی تلافی کرو۔ اس طرح اسے اعتدال پر لانا ممکن ہے۔ لیکن اس کی شخصیت میں سے انتقام کا جذبہ ہی نکال ڈالنا ممکن نہیں۔

جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر

رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں، مثال کے طور پر، حضرت عمرؓ ہیں۔ وہ ایک

---

(1) قرآن حکیم میں ہے کہ واصبر وما صبرک الا باللّٰہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون (سورۂ نحل 127:16) (اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو ان کے فریب سے) (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خاص شان رکھتے ہیں۔ ان کی فطرت یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی زیادتی کرے تو وہ دس گنا زیادتی کر کے اس کا جواب دیں گے۔ یہ تو ممکن ہے کہ انہیں زیادہ انتقام لینے سے روک دیا جائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ انہیں نفس انتقام ہی سے باز رکھا جائے۔

کیا حضرت عمرؓ کے کاموں میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی شرکت نہیں مانی جائے گی؟ اور کیا آپؐ ان کے ایک حد تک ذمہ دار قرار نہیں پائیں گے؟

یہ ہے ذنب اور اس کا تدارک کرنا اس کی معافی کا سبب ہے۔

صلح میں ایک پوشیدہ حکمت

مسلمان دراصل عمرے کے لیے نکلے تھے۔ لیکن دشمن اسے ظاہری صورت کے لحاظ سے جنگی چال قرار دے سکتا تھا۔ کیا چپکے سے شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لینا لڑائی کی چال نہیں ہے؟(1) اس لیے قریش کا آپؐ کو روکنا ایک حد تک حق بجانب تھا۔ اور اس پر حضرت عمرؓ کا برہم ہونا بھی طبعی چیز تھی۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کے طرف دار ہو جاتے تو لڑائی قطعی طور پر ہو کر رہتی۔ اور اگر لڑائی ہو جاتی تو نہ صرف قریش کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کام کرنا قیامت تک ناممکن ہو جاتا' جس سے آپؐ کی فطرت کی تکمیل اس طریق پر نہ ہوتی جس کے لیے قدرت نے آپ کو پیدا کیا تھا' بلکہ مسلمانوں کی ان خفیہ جماعتوں کو بھی نقصان پہنچ جاتا جو مکے میں موجود تھیں (ان کی تفصیل آگے آتی ہے)

صلح کا جواز

اسلام جس انقلاب کا نام ہے۔ اس میں دفاع (Defence) بھی ہے اور ہجوم اور اقدام (Offence) بھی۔ دفاعی جنگ سے تو کوئی منکر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس

(1) مشہور یونانی شاعر ہومر (Homer) ٹرائے (Troy) کے شہر کی فتح کا حال لکھتے ہوئے یونانیوں کی اس چال کا ذکر کرتا ہے جس میں انہوں نے ایک بڑا لکڑی کا گھوڑا بنایا اور پھر بہت سے یونانی نوجوان رات کے وقت اس کے پیٹ میں گھس بیٹھے۔ ٹرائے (Troy) والے اس گھوڑے کو گھسیٹ کر اپنے شہر کے اندر لے گئے۔ رات کے وقت یہ نوجوان گھوڑے کے پیٹ میں سے نکل پڑے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں حملہ آور کو جو نقصان پہنچے اس کی ذمہ داری مدافعت کرنے والوں پر عائد ہوتی ہی نہیں، لیکن ہجومی جنگ (Offensive War) میں ہجوم کرنے والوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خصوصاً جب انقلاب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو۔ ان ہجومی حملوں میں مخالفین کا جو نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری سے حملہ آور بچ نہیں سکتے۔ لیکن قرآن حکیم اس ذمہ داری کو ایک اونچی سطح پر لاتا ہے، اور وہ یہ کہ کیا ان حملہ آوروں کا مقصد لوٹ مار اور فتح تھا؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اگر مسلمانوں کا مقصد اب اور پہلے فتح و غارت گری ہوتا تو وہ حدیبیہ کے واقعے میں، جب وہ مکہ والوں سے یقیناً زیادہ طاقتور تھے دب کر صلح نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ قرآنی انقلاب کا منشا لوٹ مار اور فتح نہیں اور نہ وہ کسی امپیریلزم (Imperialism) کا حامی ہے۔ جسے دوسروں پر جبراً ٹھونستا پھرے۔

اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اتنی سمجھ دی اور اتنا دل گردہ عطا فرمایا کہ تنہا ساری جماعت کے فیصلے کے خلاف ڈٹ گئے، اور قریش کی تمام شرطیں صرف اس لیے مان لیں کہ وہ بیت اللہ کی عزت کرانا چاہتے تھے۔ کیا آپؐ کے مشن کا مقصد یہ نہ تھا کہ ابراہیمی طریقہ رائج کیا جائے؟ جب قریش اس دین کے مرکز کی عزت کے لیے شرطیں پیش کرتے ہیں، چاہے وہ کیسی بھی نامعقول شکل میں ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں مان نہ لیا جائے۔ لیکن جماعت میں یہ سمجھ عام طور پر نہیں آسکتی تھی۔ اس لیے قریش جارحانہ حملہ آور (Aggressors) کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ صلح کی تجویز پیش کرنا ہی بڑی جرأت اور ہمت کا کام تھا۔ صرف ایک حضرت ابوبکرؓ تھے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ متفق ہوئے۔ وہ آپ کی سوسائٹی میں نہایت سمجھدار اور اثر والے بزرگ تھے۔ ان کی سمجھ سب میں سرایت کر گئی، جس نے سب کو ٹھیک کرلیا۔ اور فیصلہ وہ ہوا جس سے قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملنے پر تیار ہوگئے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

پچھلی ''غلطیوں'' کا ازالہ

جب میل ملاپ بڑھا تو قریش کو معلوم ہوا کہ آپؐ میں کوئی انتقامی جذبہ ہی نہیں۔ اور نہ آپ کا مقصد اپنا امپریلزم قائم کرنا ہے۔ جہاں ظاہر میں انتقام کی صورت نظر آتی تھی، وہاں بھی اصل میں رحمت ہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جو آپ کی جان کے لاگو تھے' اب آپ پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ بعد میں آپؐ کی تحریک کو عرب میں جو ترقی حاصل ہوئی اور قریش نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک جو کام کیا اور صرف رسول اللہ ﷺ کے اشارے کے ماتحت رہے' وہ سب اسی فیصلے کی برکت تھی جو حدیبیہ میں ہوا۔

غرض اسلامی انقلاب سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے ان کا منبع حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک اور آپ کے قریب ترین ساتھی تھے اور اس صلح نے ثابت کر دیا کہ آپؐ ذاتی طور پر فتح اور شکست اور لوٹ مار کے خیال سے بہت اونچے ہیں۔ لیکن آپؐ کی انقلابی جماعت کے اُور کارکن آپ کی طرح غلطی کرنے سے پاک نہیں تھے۔ ان سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں' اس صلح نے آپؐ کو ان سے بھی بری ثابت کر دیا۔ اور یہ بھی دکھا دیا کہ آپؐ کے ساتھیوں کی غلطیاں بھی عام غارت گر جماعتوں کی خودغرضانہ غلطیوں سے زیادہ اونچی طرز کی تھیں۔ آگے چل کر آپؐ کے ساتھیوں کے اس کریکٹر پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

اگلی ''غلطیوں'' کا ازالہ

قریش کے ساتھ آئندہ جو معاملات پیش آئیں گے ان میں بھی انتقامی صورتیں اسی طرح آئیں گی، جس طرح پہلے آ چکی ہیں۔ وہ بھی سب ظاہر ہیں۔ ''ذَنب'' ہوں گی۔ لیکن اس واقعہ نے جس طرح پہلی نام نہاد غلطیوں کے متعلق تمام شبہے دور کر دیئے اور انتقام کا الزام آپؐ پر سے دھو دیا۔ اسی طرح آئندہ بھی جو شخص ظاہری انتقامی شکلوں کو اس فیصلے کی طرح سامنے رکھ کر دیکھے گا' وہ سوچ ہی نہیں سکے گا کہ رسول اللہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ﷺ قریش کے لیے کوئی انتقامی فکر پیدا کر سکتے تھے۔ اس طرح آئندہ انتقامی صورتیں بھی اس واقعے کی روشنی میں صاف ہو جائیں گی۔ اور نام نہاد ''ذنب'' کا گمان کلیۃً زائل ہو جائے گا۔

جس قوم کے ساتھ تم اب مل کر کام کرنا چاہتے ہو اس کی یہ نظیر ہے۔

انسان کی ارتفاقی زندگی اور انتقام

امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ ایک ادنیٰ حصہ ہے کہ انسان ارتفاقات (1) کی ترقی سے اپنی حیوانیت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس تمام عمل کے پیچھے انسان کی عقلیت یا ملکیت کام کرتی ہے۔ ارتفاقی زندگی میں پہلی منزل گھر کی زندگی ہے۔ گھریلو زندگی میں انتقامی جذبے کے ماتحت کوئی ترقی نہیں ہو سکتی اور نہ گھر کے لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ کر کوئی کام ہو سکتا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک بادشاہ کی اطاعت کر رہے ہیں مگر بادشاہ کون ہے؟ باپ میں انتقام نہیں ہوتا، صرف رحمت اور محبت ہوتی ہے۔ مگر بادشاہ کے حکم میں انتقام آتا ہے۔ جب ایک ہی شخص بادشاہ بھی ہو اور باپ بھی ہو تو صورت یہ ہوگی کہ ظاہر میں انتقام ہوگا۔ لیکن اندر سے رحمت اور محبت۔ اس طرح خانگی زندگی ترقی کرے گی۔ محلے، گاؤں، شہر، ملک اور ممالک یا بین الاقوامی زندگی میں بھی اسی طرح ترقی کرنی چاہیے۔ اگر انتقام کی صورت آ جائے تو کوئی حرج نہیں مگر انتقام کی سپرٹ نہ ہو۔ جب مخالف لوگ ہمارے ساتھ مل کر بیٹھیں تو انہیں معلوم ہو کہ وہ انتقام نہیں تھا بلکہ رحمت تھی۔ جب کوئی تحریک اس انداز پر ترقی کرتی ہے وہ انسانیت میں جائے گیر ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں نے اسلام کو فقط فاتحانہ انداز میں بند کر دیا ہے' یعنی لڑے اور فتح پائی تو یہ اسلام ہے' اور شکست کھا گئے تو کفر ہے۔ وہ کبھی اسلام کو دنیا میں کامیاب نہیں بنا سکتے۔ جب تک فتح و شکست میں ایک ہی جذبہ --- محبت اور رحمت --- کام نہ کر رہا ہو۔ اور اس کے پیچھے فائدہ پہنچانا اور خدمت کرنا نظر کے سامنے نہ ہو' اس وقت تک

(1) زندگی بسر کرنے کے طور طریقے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلام مکمل نہیں ہوتا (1) مگر لوگوں نے رسول ﷺ کو ایسی ہستی بنا رکھا ہے جس کے کسی فعل یا نمونے کی پیروی ممکن ہی نہیں۔ اس طرح وہ ایک نمونہ جو ساری انسانیت کے لیے پیش (2) کیا گیا تھا، نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔

"اتمام نعمت" سے کیا مراد ہے؟

(ب) وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ترجمہ: "اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کرے۔"

قریش جو تیری اپنی قوم ہے وہی تیرے دست و بازو بن کر کام کریں گے اور دعوت ابراہیم کو دنیا میں اونچے درجے پر غالب کریں گے یعنی اسے بین الاقوامی مرکز میں لا کر غلبہ دیں گے۔

"اتمام نعمت" کے معنوں کے لیے امام ولی اللہ دہلویؒ کی وہ تشریح دیکھنی چاہیے جو وہ "بین الاقوامی سیاست" کے عنوان سے حجۃ اللہ البالغہ میں کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فلما كثر ذٰلک فی الملوک اضطروا الٰی الخلیفة وهو من' حصل له من العساكر والعدد ما یرٰی كالممتنع ان یسلب رجل اٰخر ملكه فانه انما یتصور بعد بلاءٍ عامٍ وجهدٍ كبیرٍ و اجتماعاتٍ كثیرةٍ وبذل اموالٍ خطیرةٍ تتقاصر الانفس دونها وتحیله العادة واذا وجد الخلیفة واحسن السیرة فی الارض وخضعت له الجبابرة انقادله الملوک تمت النعمة

(حجۃ اللہ البالغہ الجزء الاول' باب مبحث الارتفاقات' ص 47)

"یعنی جب قومی بادشاہوں میں حسد اور بغض بڑھ گیا تو انسانوں کو

---

(1) حضرت نبی اکرم ﷺ نے احد کے ایک معرکے میں شکست کھا کر دانت شہید کراتے ہوئے فرمایا رب اغفر قومی انهم لا یعلمون (خدایا میری قوم کو بخش دے یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔) یہ تھا جذبۂ محبت و اُلفت جس نے حدیبیہ کے بعد آپؐ کے مخالفین کے دلوں میں بھی اثر کیا۔ اور ثابت کر دیا کہ آپ معلم اور باپ ہیں' منتقم اور فاتح نہیں (مرتب)

(2) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ (تمہارے لیے اللہ کا یہ رسول ایک نمونہ ہے) (سورۃ احزاب 21:33)

(c) ketabton.com: The Digital Library

خواہی نخواہی ایسے خلیفہ کی ضرورت پڑی جسے فوج اور سامان جنگ کی اتنی کثرت حاصل ہو کہ کسی شخص کا اس سے ملک چھین لینا ناممکن کے قریب ہو۔ کیونکہ ایسے بادشاہ سے ملک کا چھیننا اسی صورت میں تصور میں آتا ہے جب اس کے سب ملکوں میں عام بغاوت پیدا ہو جائے اور اسے ملک داری سے ہٹانے کے لیے بہت ہی کوشش کی جائے۔ بڑے بڑے اجتماعات کیے جائیں اور بے انتہا روپیہ صرف کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کوشش سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ناممکن کے قریب سمجھا جاتا ہے کہ ایسے بادشاہ کو اس کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ جب ایسا خلیفہ قائم ہو جائے اور اس کی سیرت بھی اچھی ہو اور بڑے بڑے زبردست لوگ اس کے تابع ہو جائیں اور اردگرد کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت اختیار کرلیں تو سمجھنا چاہیے کہ نعمت انتہا کو پہنچ گئی۔"

گویا حضرت امامؒ کے نزدیک بین الاقوامی غلبہ ہی کا نام اتمامِ نعمت ہے۔

سیدھی راہ

(ج) وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ترجمہ: "اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔"

رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کا صحیح پروگرام یہ ہے کہ قریش آپؐ کی تعلیم کے خادم بنیں۔ اور آپؐ کے اصول پر جو حکومت پیدا ہو' اسے چلائیں۔ تاکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا عمل میں آئے۔

ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (البقرہ 2:127-129)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! (اسے) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا تابع بنائے رکھ اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے حکموں کے نیچے رہ کر زندگی بسر کرے۔ اور ہمیں مناسک سکھا اور ہم پر رحم فرما۔ تو رحمت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اس نسل میں (جس کی ہم نے دعا کی ہے) انہی میں سے ایک (ایسا) رسول پیدا کر جو انہیں تیرے حکم پڑھ کر سنائے۔ قانون سکھائے (اس قانون کی) حکمت بتائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے۔''

اگر یہ صورت پیدا نہ ہو اور آپؐ دوسری قوموں کی مدد سے اپنا پروگرام کامیاب بنا کر دکھا دیں۔ تو گو آپؐ انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان کرنے والے گنے جائیں گے۔ لیکن ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا مصداق نہ ٹھہریں گے۔ پہلے نبیوں کی برکتوں کا مصداق بننا تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ آپؐ قریش کو اپنا مددگار بنائیں۔ پہلے سب نبی اپنی اپنی قوم کو دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ اور انہیں ساتھ ملا کر کام کرتے رہے ہیں۔ اس لیے آپؐ کا بھی فرض ہے کہ اپنی قوم کو ساتھ ملائیں۔ کیونکہ کام کرنے کا طبعی طریقہ یہی ہے۔ اس سے آپ کا طریقہ وہ ہو جائے گا' جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آپؐ تک ایک ہی طرح قائم رہا۔ یعنی پہلے قومی انقلاب مکمل کرنا پھر اسے بین الاقوامی درجے تک کامیاب بنانے کی کوشش کرنا۔ اگر آپؐ بھی اس طریق پر کام کریں تو یہ طریقہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مستقل پروگرام بن جائے گا۔ اگر آپؐ پہلے نبیوں کے طریق سے ہٹ کر طریقہ اختیار کریں تو وہ آئندہ انسانیت کے لیے تبدیل نہ ہو سکنے والا پروگرام نہ ہوگا۔ غرض حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا کہ پہلے اپنی قوم کو درست کیا اور انہیں اپنا دست و بازو بنایا۔ پھر ان کی مدد سے دوسری قوموں کے ایک ایک حصے کو ساتھ ملایا۔ پھر اس حصے نے اپنی اپنی قوم میں یہ انقلابی کام کیا۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم پھیلا کر اس انقلاب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے قوم بقوم اسلام پھیلنے کا جو طریق تاریخی طور پر ثابت کیا ہے اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ آج بھی جو قوم قرآن کے انقلاب کو بین الاقوامی درجے پر کامیاب بنانے کا تہیہ کرے، وہ اسی طریق سے اسلام کی تعلیم کامیاب بنا سکتی ہے۔ یہ تنظیم و تربیت ہی انقلاب کی روح ہے۔

آیت نمبر 3: وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا

ترجمہ: ''اور اللہ تجھے زبردست مدد دے۔''

کل قومی حکومت تیری اس کمزور جماعت ہی کے ذریعے سے مہیا ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے پہلے ان غریب اور بے کس عربوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ کر رکھ دیئے۔ اور ان کی جگہ قرآن کا قانون چلایا۔ اس انقلاب کی بنیاد انسانی فطرت کی ضرورتوں پر تھی۔ اس لیے رفتہ رفتہ سب قوموں کے عقلمند لوگوں نے اسے مان لیا۔ اس طرح یہ تحریک روز بروز بڑھتی گئی۔ یہ سب کچھ اس صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھا۔

آیت نمبر 4: (الف) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھ جائے۔''

صحابہؓ کا ایمان

نبی اکرم ﷺ کی جماعت نے یہ سن کر کہ حضرت عثمانؓ جو اہل مکہ کے پاس گفت وشنید کرنے گئے تھے شہید کر دیئے گئے ہیں، آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ اس خبر سے صلح کا دروازہ کھلا اور حضرت نبی اکرم ﷺ صلح کے لیے سب سے نچلے نقطے پر اتر آئے۔ یہ بات اس لڑنے والی طاقت کو جو موت پر بیعت کر چکی تھی سخت ناگوار گزری۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے ذریعے سے سب کو ان ناگوار شرطوں پر اطمینان عطا کیا۔

پہلا ایمان موت کی بیعت سے ظاہر ہوا اور دوسرا ایمان ان ناگوار شرطوں پر صلح

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قبول کرنے سے۔

(ب) وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔''

اب ان کی کیفیت وہی ہے جو آسمان پر اللہ کے فرشتوں کی ہے۔ یہ جماعت رسول اللہ ﷺ کے لیے فرشتوں کی طرح ہے۔ کہ وہ آپؐ کے حکم کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں۔(1)

(ج) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ترجمہ: ''اور اللہ علم اور حکمت (دینے) والا ہے۔''

اللہ دنیا والوں کو حکمت دینا چاہتا ہے۔ اس علم و حکمت کے دینے کے لیے اس نے فرشتوں جیسے انسانوں کا لشکر تیار کر دیا ہے۔

آسمانی فرشتے حکمت لاتے ہیں اور انسانوں کو دیتے ہیں۔ اب ان انسانوں (مسلمانوں) کا کام یہ ہے کہ حکمت الٰہی کو دنیا میں پھیلائیں۔ یہ لڑتے ہیں تو باغی طاقت کو تباہ کرنے کے لیے' جو مسکینوں کو آگے بڑھنے سے رکتی ہے۔ اور صلح کرتے ہیں تو مسکینوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ دینے کے لیے۔ یہ اللہ کی خوشنودی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انسانیت کی خدمت

یہاں ہم اس جملے کو صراحتاً دہرا دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت کی خدمت کرنا ہر ایک شریف انسان کا طبعی فرض ہے۔ جس طرح ماں باپ بچے کی خدمت بے غرضی کے ساتھ کرتے ہیں' اسی طرح ایک شریف انسان اپنے احاطۂ انسانیت کی خدمت کرنا اپنا طبعی فرض جانتا ہے۔

یہ خدمت دو شکلیں اختیار کرتی ہے۔

1- ایک انسان ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں سونے چاندی اور عزت کی شکل میں مانگتا ہے۔ یہ بادشاہوں کی جماعت ہے۔

(1) فرشتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (وہ اللہ کے کسی حکم کی بھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے) (التحریم 6:66)۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

2- دوسرا گروہ وہ ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں پیسے اور عزت کی شکل میں لینا ضروری نہیں سمجھتا' اس کی عزت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہے۔ یہ نبیوں کی جماعت ہے۔

قرآن عظیم اس دوسری جماعت کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہر ایک قوم میں اس قسم کے لوگوں کا نمونہ پیدا کردے گا۔ اس کے لیے نمونے کی جماعت وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے تیار کی۔ اسی نمونے پر ہر ایک قوم میں جماعتیں بنی چاہئیں۔ یہاں تک کہ سب قومیں اسی نقطے پر جمع ہو جائیں۔ یہ ہے قرآن کا اصلی مقصد۔

اس خدمت سے اس جماعت کا مقصود کیا ہے؟ وہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر5: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾

ترجمہ: ''تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں پہنچا دے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور ان کی برائیاں ان پر سے اتار دے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اس خدمت کا مقصد

اس جماعت کا نصب العین دنیا کی عزت نہیں ہے۔ وہ اپنی جان اور مال قربان کر کے اللہ کے قانون کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہی قانون ہے جس کے ذریعے سے غریب اور مسکین طبقے کا انتفاع (Exploitation) ختم ہوسکتا ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق کی یہ خدمت کسی دنیاوی لالچ سے نہیں کرتے۔ وہ جنت عدن (ہمیشگی کے باغات) کی زندگی چاہتے ہیں۔ گو ان کی خدمات کا طبعی نتیجہ یہ بھی ضرور ہوگا کہ وہ دنیا میں بھی سرفراز ہوں گے اور زرخیز اور زرریز علاقوں کے مالک بنیں گے۔

وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

ترجمہ: (ان کی برائیاں ان سے اتار دے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

غلطی کی معافی کیوں؟

اب انہوں نے جس اطاعت شعاری کا اظہار کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی غلطیوں سے فائدہ اٹھانا اپنا مقصد نہیں بنایا۔ وہ جنگ کرتے تھے' تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ تاکہ اس کا قانون چلے اور مظلوم انسانیت ظالم طبقے کے ظلم سے چھوٹے۔ اور صلح قبول کی تو فقط اللہ کے حکم کے تابع ہو کر۔ تاکہ اس کا نام بلند ہو اور مظلوم انسانیت کچلی نہ جائے۔ ان کی اس ذہنیت کی وجہ سے ان کی غلطیاں جو انقلاب کے دوران میں ان سے ہوئی ہیں معاف کر دی جائیں گی۔

اس قسم کی بخشش کا اعلان ان لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جنہوں نے سب سے پہلے معرکۂ انقلاب یعنی جنگ بدر میں حصہ لیا۔ ان کی نسبت ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سب غلطیاں معاف کر دی ہیں۔ اس معافی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ان غلطیوں سے اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ان کا یہ مقصود تھا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا

ترجمہ: (یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے حجاز میں سے ایک جماعت کو چن لیا ہے۔ اور انہیں بہت سے امتحانوں میں آزما لیا ہے۔ اب یہ بہت اونچے درجے پر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کل قومی غلبہ دیا جائے گا۔

آیت نمبر 6: وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

ترجمہ: "اور تاکہ دغاباز مردوں اور دغاباز عورتوں کو اور اللہ کے متعلق طرح طرح کے برے گمان کرنے والے مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ مصیبت کا پھیر انہی پر پڑتا ہے۔ اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ نہایت ہی برے ٹھکانے پر پہنچے۔"

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھڑ دلے: منافقین

قریش میں سے جو لوگ اس قرآنی انقلاب کے نظریے کو پوری طرح بغیر کسی شرط کے مان چکے ہیں' وہ غلبہ پائیں گے۔ لیکن جو اہل قریش کسی مصلحت کی وجہ سے اس انقلاب کو قبول کرتے ہیں یا حنیفیت--- تحریک ابراہیمی--- پر پورا یقین نہیں رکھتے وہ قطعاً ناکام رہیں گے۔

آئندہ چل کر بھی جو لوگ قرآنی نظریہ انقلاب پوری طرح مانیں گے وہی بین الاقوامی کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ اور تھڑ دلی(1) کے ساتھ اطاعت کرنے والے (منافقین) یا اس پروگرام پر پورا بھروسہ نہ رکھنے والے' جو اس میں اِدھر اُدھر سے اور چیزیں شامل کرنا چاہیں گے (مشرکین) ناکام رہیں گے۔

(الف) وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

ترجمہ: ''اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔''

مسلمانوں کے اندر ایک جماعت ہے جو قرآن کی اطاعت کا نام تو لیتی ہے۔ لیکن صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو عزت کے ساتھ قبول نہیں کرتی۔ بلکہ اپنی مصلحتوں کے ماتحت مانتی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ان کی اپنی ضرورتوں کے مطابق ہوا تو مان لیتے ہیں نہیں تو انکار کر دیتے ہیں۔ گو وہ کھلم کھلا انکار نہیں کرتے لیکن عملاً اسے مانتے بھی نہیں۔ یہ منافقوں کی جماعت ہے۔ ان کا اصل مقصد دنیا کی عزت اور روپیہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ان کے ذاتی فائدوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ اور ان کی ساری سکیمیں برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ ان کے لیے موت اور عذاب ہے۔

(ب) وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

ترجمہ: ''اور شرک کرنے والے مرد اور شرک کرنے والی عورتیں۔''

رجعت پسند مشرکین

قریش میں مومنوں اور منافقوں کی جماعتوں کے علاوہ ایک اور گروہ بھی ہے۔ یہ

(1) بزدلی' نامردی' کم حوصلگی

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوگ حنیفیت پر پورا یقین نہیں رکھتے۔ حنیفیت سے پہلے جو دور تھا اور جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر ارتجاعی (Reactionary) بنا دیا۔ اس کے علموں اور ہنروں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ فقط اللہ پر بھروسہ کر کے دنیا اور دین اس کے حوالے نہیں کرتے۔ بلکہ اس میں تھوڑا سا شرک ضرور ملا لیتے ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ محض خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کیا جائے' اور اس میں دنیا بھی شامل نہ ہو' تو دنیا سے بہتر زندگی (جنت میں) مل سکتی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو محض خیال کے درجے پر سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اس پرانی ذہنیت کو چھوڑ کر نئی انقلابی ذہنیت کو قبول نہیں کر سکتے۔ ان کا نام قرآن حکیم کی اصطلاح میں مشرکین ہے۔ جب مسلمانوں کو محض اللہ پر بھروسہ کر کے کامیابی ہوگی اور وہ آگے بڑھ جائیں گے' تو یہ مشرکوں کے اصول کے قطعاً خلاف ہوگا۔ وہ مسلمانوں کی کامیابی ناممکن سمجھتے ہیں۔ یہ مشرک لوگ بھی شکست کھا جائیں گے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اور عذاب میں پھنس جائیں گے۔

(ج) الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ

ترجمہ: ''اللہ کی نسبت طرح طرح کے برے گمان باندھنے والے۔''

مشرکین کی تحلیلِ نفسی

یہ مشرک خدا پر پورا بھروسہ نہیں رکھتے۔ انہیں یقین نہیں کہ خدا پر پورا پورا بھروسہ کر کے آخرت میں ہماری ایسی مستقل زندگی شروع ہو سکتی ہے جس کے مقابلے میں اس عارضی دنیاوی زندگی کو قربان کر دینے میں کوئی گھاٹا نہیں ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کی کامیابی کے لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً تناسخ کو ماننے والی قومیں موت کے بعد زندگی مانتی ضرور ہیں مگر اس زندگی کو اس دنیاوی زندگی ہی میں مجسم مانتی ہیں۔ وہ اس مستقل زندگی کا تصور کر ہی نہیں سکتے جو اس دنیاوی زندگی سے آگے ہے۔ اس لیے انہیں دنیاوی زندگی قائم رکھنے کے لیے حکمران طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ اپنے دینی پروگرام کی مخالفت کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتہ کیے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتے۔ یہ نتیجہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے خدا کے متعلق ان کی بدظنی کا کہ وہ تنہا ہماری زندگی کا کفیل نہیں ہوسکتا۔ مشرکوں کی یہ بدظنی انہیں دنیاوی زندگی میں قدم قدم پر مصالحت (Compromise) کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنے نصب العین (Ideal) پر قائم نہیں رہ سکتے۔

اللہ کے متعلق اس نیم منفیانہ ذہنیت کا آخری نتیجہ اس کا قطعی انکار ہی ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے متعلق انسان کی ذہنیت یہ ہو کہ آدھا اقرار ہوا اور آدھا انکار' تو کامیابی ناممکن ہے۔ اور صحیح معنوں میں بین الاقوامی انسانی حکومت پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو خدا کا قطعی انکار کرکے تو یہ نعمت (کل قومی حکومت) حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس وقت یورپ میں امپیریلزم (Imperialism) کے ردعمل کے طرز پر' جو غلط سیاست اور غلط مذہبیت کی پیداوار تھا' کمیونزم (Communism) پیدا ہو چکا ہے۔ اس میں خدا کا انکار لازم ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے انکار کی وجہ ہی سے وہ بھی امپیریلزم کی شکل اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا پہلا قدم استماریت (Dictatorship) ہے۔ جس کا لازم نتیجہ امپیریلزم ہوگا۔ اسے اس دوسری بڑی جنگ (1935ء) میں امپریلسٹ طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا جس کی وجہ سے اسے اپنا کمنٹرن (Commintern) یعنی بین الاقوامی نظام توڑ کر ان سرمایہ دار طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنی پڑی۔

نام نہاد کمیونزم میں جس قدر مسکین نوازی ہے' اس سے کہیں زیادہ مسکین نوازی امام ولی اللہؒ کے فلسفے میں ہے۔ اور اس میں مزدور اور کاشتکار کے حقوق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد خدا کے صحیح اور صاف تصور پر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کارکن اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زندہ تصور کے ساتھ گزارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہے یا کم سے کم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ تصور بھی ایک زندہ اور پائیدار شکل میں اپنے سامنے رکھتا ہے کہ اگر اس نے کم تولا یا کسی کے حق کو ناجائز طور پر پاؤں تلے روندا تو وہ دنیا میں بھی سزا پائے گا اور مرنے کے بعد بھی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عملوں کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ امام صاحب کی حکمت اسے یہ بھی سکھاتی ہے کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے والے کارکن کو خدا کے سوا کسی سے اپنے عمل کا بدلہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

لینا ضروری نہیں۔ انسان بیشک اس لیے پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت بین الاقوامی درجے پر چلائے۔ لیکن وہ اس حکومت کے ذریعے سے اپنے لیے یا اپنے خاندان کے لیے کوئی فائدہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

قرآن حکیم کی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی حکومتیں بے نظیر ثابت ہوئیں۔ اور آج تک دنیا ان کی مثال پیدا نہیں کرسکی۔ اب اس دور میں بھی امیرالمومنین سید احمد شہیدؒ (1786ء-1831ء) اور ان کے ساتھیوں نے انہی اصول پر اس نمونے کی حکومت پیدا کر کے ایک دفعہ پھر دکھا دی۔ اور ثابت کر دیا کہ اس قسم کی حکومت پیدا کرنا ہر زمانے میں ممکن ہے۔ قرآن حکیم کے ماننے والوں کے لیے اس میں بہت بڑی عبرت اور ذمہ داری ہے۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ترجمہ: ''ان پر مصیبت کا پھیر پڑتا ہے۔''

وہ نہ دنیا پائیں گے' نہ آخرت۔

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

ترجمہ: ''اللہ ان پر غضبناک ہوا' اور اس نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔''

یہ انقلاب ان مذہبی قوموں کے لیے عذاب ہے جو ابراہیمی طریق سے پہلے کے طریق کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ اس میں یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں اور ہندو اور بدھسٹ بھی، جو ابراہیم علیہ السلام کے نئے پیدا ہوئے طریق کو قبول نہیں کرتے۔

آیت نمبر7: وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں' وہ عزت دینے والا' حکمت دینے والا ہے۔''

منافقوں اور مشرکوں کی جماعتیں الگ کردینے کے بعد مومنوں کی جو خالص جماعت رہے گی وہ زمین پر آسمانی فرشتوں کی مانند ہوگی۔

قرآنی سیاست کے بنیادی اصول

قرآن حکیم کا پروگرام حقیقت میں پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کے اصول پر صحیح اترتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف ایک خیال رکھنے والوں کو اکٹھا کرے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس اصول پر کام کیا۔ اور ان مٹھی بھر لوگوں کو جمع کیا جو قرآن کے سارے قانون کو دل و جان سے کامل طور پر بلا شرط مانتے تھے۔ اور صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو خوشی کے ساتھ قبول کر کے کیوں اور کیسے کے سوالات پوچھے بغیر اطاعت کرتے تھے۔

ہمارے خیال میں اب بھی جو لوگ سب ''مسلمانوں'' کو اکٹھا کر کے آگے بڑھنے کا پروگرام رکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ انہیں ان مسلمانوں میں سے وہ جماعت بنانی چاہیے جو ذہن اور عمل کے لحاظ سے انقلابی ہو اور اس میں صرف ایک فکر کے لوگ شامل ہوں۔ صرف اسی صورت میں کام اچھا اور جلد ہو سکتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ترجمہ: ''اللہ عزت دینے والا، حکمت دینے والا ہے۔''

انٹرنیشنل طاقت کا وعدہ

اللہ تعالیٰ مومنوں کی اس جماعت کو عزت اور حکمت دینا چاہتا ہے۔ یعنی یہ جماعت مضبوط حکومت قائم کرے گی، جس کی کوئی دوسری حکومت بے عزتی نہ کر سکے گی۔ اور یہ حکمت و دانش کے مالک ہوں گے۔

آیت نمبر 4 میں تھا علیما حکیما (علم اور حکمت دینے والا) یعنی یہ لوگ علم اور حکمت میں طاق ہو کر تمام علمی سوسائٹیوں کو قائل کر لیں گے کہ ایسی تحریک کے سوا کوئی تحریک انسانیت کو مجموعی طور پر آگے بڑھانے والی نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اتنی بلند انٹرنیشنل طاقت بنا لیں گے کہ ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اس انٹرنیشنل طاقت کا ڈھانچہ بنا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے اسے بہت دور تک پھیلا دیا۔ اور اس کی عزت اتنی بلند ہو گئی کہ دنیا کی تمام دوسری طاقتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

آیت نمبر 8: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۙ

ترجمہ: ''ہم نے تجھے احوال بتانے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔''

نبی اکرم ﷺ بطور معلم اور نذیر

حضور ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں:

(c) ketabton.com: The Digital Library

(1) معلم (2) جماعت کے لیڈر

معلم کی حیثیت میں آپؐ شاگردوں کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا ہے اور فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا۔ یہاں آپؐ کی شان معلمی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ شاگرد آپؐ کے ساتھ ایک جماعت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ آپؐ اس جماعت کے رہنما ہیں۔ یہ جماعت منافقوں اور مشرکوں سے بالکل الگ اور خاص صفتوں کی مالک ہے۔ یہ جماعت قرآن کے اس پروگرام پر چلتی ہے کہ مظلوم انسانیت کی خدمت کرو۔ ظالموں کو گراؤ۔ اور مظلوموں کی (1) داد رسی کرو۔ اور اس سارے کام کا بدلہ صرف اللہ سے مانگو۔ اس پروگرام پر جو ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتا ہے۔ اسے حضرت نبی اکرم ﷺ کامیاب زندگی کی بشارت دیتے ہیں۔ (مبشرا) اور اسے یقین دلاتے ہیں کہ اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے فوائد محفوظ ہیں۔

جو لوگ اس پروگرام پر ٹھیک نہیں چلتے' انہیں خبردار کرتے ہیں کہ جن کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی ناکام رہے گی' وہ بہانے بنا کر دل کو خوش کرلیں' لیکن کامیابی نصیب نہ ہوگی (نذیرًا)۔

آیت نمبر9: لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

ترجمہ: ''تم ضرور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو۔ اور اس کا وقار قائم کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔''

خدا کی محبت کے معنی

(الف) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

حضرت نبی اکرم ﷺ کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت ہے انہیں ایک استاد کی ضرورت ہے' جو انہیں بتائے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔ اور خدا کی محبت کے دعوے سے انسانوں کی خدمت کس طرح ہونی چاہیے۔

(1) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا (سورہ قصص 5/28)

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدا کی طرف سے الزام

مرنے کے بعد ہر ایک انسان سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میں نے تجھ پر جو انعام کیا' تو نے اس سے میرے لیے کیا کیا؟ وہ لمبی چوڑی باتیں بنائے گا۔ مگر اسے یہ کہہ کر جھوٹا کر دیا جائے گا کہ میں تیرے دروازے پر بھوکا پیاسا اور بیمار ہو کر آیا۔ لیکن تو نے مجھے نہ کھانے کو دیا' نہ پینے کو' نہ میری تیمارداری کی۔ حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اپنی تعلیم میں اسے بہت اچھی طرح کھول دیا ہے۔ اس چیز کو عام ذہنیت سے نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اسے پوری پوری اہمیت دینی چاہیے۔

معاشی مسئلے کی اہمیت امام ولی اللہؒ کے نزدیک

امام ولی اللہ دہلویؒ معاشی زندگی کے اس پہلو کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کھانے پینے کی فکروں سے آزاد نہ ہو جائے' وہ شائستگی کی ایک منزل سے دوسری منزل میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر وہ ان تفکرات میں پھنسا رہے تو اس کی طبعی ترقی رک جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام دہلویؒ بدور بازغہ ص 50 میں فرماتے ہیں کہ:

> ''انسان شائستگی کے دوسرے درجے تک اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے' جب وہ بھوک پیاس اور تسکین جذبہ جنسی، وغیرہ طبعی حاجتوں سے فارغ البال ہو جائے۔'' (البدور البازغہ، ص 50)

اس حقیقت کو' کہ انسان کی ابتدائی ضرورتیں پوری نہ ہوں تو سوسائٹی پر کیا اثر پڑتا ہے' ایک تاریخی مثال کے ذریعے سے بھی واضح کرتے ہیں۔ جس میں ایرانی اور رومی سوسائٹی کی گراوٹ دکھا کر قرآنی انقلاب کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں۔(1)

معاشی مسئلے کے بعد

غرض بھوک کا مسئلہ انسانی معاشرے (Society) کا بہت ضروری مسئلہ ہے۔ لیکن یہ مسئلہ فقط اسی پر ختم نہیں ہو جاتا کہ کسی انسان کا ایک وقت پیٹ بھر دیا جائے۔

1 حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 105

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کے بال بچوں کا کون ذمہ دار ہے؟ پس ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو مستقل شکل میں حل کیا جائے۔ اور بھوکوں کو اس قابل بنا دیا جائے کہ انہیں خیرات کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اس کے بعد ہی وہ ترقی کرنے کے خیالات سوچ سکتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ایک بھوکے پیٹ کی ضرورت پوری نہ کرنے پر ایک بڑے آدمی کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے۔ تو کیا ایک انسان کی دماغی ضرورت پورا نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حساب نہ ہوگا؟ ایک انسان کا دماغ بھوکا ہے' اسے علم چاہیے جس کے پاس علم ہے وہ اسے علم کیوں نہیں پہنچاتا؟ خدا اور بندے کے درمیان بھوکوں اور پیاسوں کے متعلق جواب طلبی کے سلسلے میں جو بات چیت ہوگی' اس کے بعد یقیناً ان لوگوں سے بھی جواب طلبی کی جائے گی جو مظلوم انسانیت کو علم سے محروم رکھتے ہیں' جو شخص علم دینے کی اجرت طلب کرے گا' وہ سارا بنا بنایا نظام بگاڑ دے گا۔

حجازی انقلابیوں کی افضلیت

ہم نے اشتراکی کارکنوں (Communist Workers) کو کام کرتے دیکھا۔ ہم عش عش کر کے رہ گئے۔ لیکن جب ہم نے کیمونسٹ حکمرانوں کو دیکھا تو ہمیں ان پر لعنت بھیجنی پڑی۔ ہم نے دیکھا کہ زار کی قیصریت ان کے گھروں میں ناچ رہی ہے۔ ان مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی پہلی جماعت کی عزت سمجھ میں آتی ہے۔ ہم قرآن عظیم کے اس پروگرام کے سوا (جسے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک کامیاب کر کے دکھایا گیا اور جس کی تفصیل امام ولی اللہ دہلوی نے بیان کی ہے)'(1) اور کسی چیز کو قابل اطمینان نہیں پاتے۔ چنانچہ روس کے پنچائتی پرجا راج (U.S.S.R) کے آئین کی دفعہ 12 میں ہے کہ:

The principle applied in the U.S.S.R. is that of Socialism: "From each according to his ability, to each according to his work."

> "روس کے پنچائتی پرجاراج میں اشتراکیت کا یہ اصول کارفرما ہے کہ ہر شخص پنچائت کا کام اپنی قابلیت کے مطابق کرے اور اسے اس کے کام کے مطابق دیا جائے۔"

(1) ازالۃ الخفاء میں (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے پہلے جانشین (خلیفہ) حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں یہ اصول کارفرما تھا کہ' ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق خدمت کرے اور اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب بعض لوگوں نے بعض لوگوں کو افضل قرار دینے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ:

اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذالک وانما ذالک شئی ثوابه علی اللّٰه جل ثناء ہ وهذآ معاش فالاُسوۃ فیه خیر من الاثُرۃ (کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص 42۔ طبع بیروت)

ترجمہ: ''یعنی تم نے سب سے پہلے ایمان لانے والے اور بہت لمبے زمانے سے اسلام کی خدمت کرنے والے لوگوں کا جو ذکر کیا ہے تو مجھ سے کون بہتر جانتا ہے۔ لیکن وہ تو ایسی چیز ہے جس کا ثواب انہیں ان کے پروردگار کے ہاں سے ملے گا اور ہم تو معاش تقسیم کر رہے ہیں اس میں تو فوقیت کی بہ نسبت مساوات بہتر ہے۔''

غرض ہم نے رسول کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر صرف اس لیے بھیجا ہے کہ یہ جماعت جو خدا سے محبت رکھتی ہے، ان سے محبت کا پروگرام سیکھ لے۔ اور اسے کامیابی سے چلائے۔ خدا سے محبت کرنے کا مطلب ہے خدا کی مظلوم مخلوق کی خدمت کرنا اور اس خدمت کا اجر اللہ سے مانگنا۔ اور یقین رکھنا کہ جو خدا تمہیں آسمان میں جنت دے سکتا ہے۔ وہ تمہارے لیے زمین پر بھی راحت' آرام اور عزت کی جنت پیدا کرسکتا ہے۔ یہ درجے طے کرانا رسول اللہ ﷺ کا کام ہے۔ اللہ پر یہ پکا ایمان ہونا چاہیے کہ اس نے جو تعلیم دی ہے وہ ٹھیک ہے۔ اور اس پروگرام پر عمل کرنے سے دنیا میں بھی ہمارے لیے جنت بن سکتی ہے۔ ہم یہاں بھی حکومت اور عزت کے لحاظ سے کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

(ب) وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اس آیت میں غائب کی جتنی ضمیریں ہیں وہ سب اللہ کی طرف پھرتی ہیں۔''

وَتُعَزِّرُوْهُ : ''اللہ کی مدد کرو''

رسول اللہ ﷺ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے اسے غالب کرنے میں جو مدد دی جائے گی وہ اللہ ہی کی مدد ہے۔

وَتُوَقِّرُوْهُ : ''اللہ کا وقار قائم رکھو۔''

رسول اللہ ﷺ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے' اس کا وقار دنیا میں قائم کرنا اللہ کا وقار قائم کرنا ہے۔

وَتُسَبِّحُوْهُ : ''اسے پاک سمجھو۔''

یہ خیال نہ کرو کہ مدد مانگنے سے اللہ محتاج ہو گیا۔ یہ خیال غلط ہے۔ اسے عیب سے بالکل پاک سمجھو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تعلیم کے غلبے کا مطلب ہے غریبوں اور مسکینوں کا غلبہ۔ پس اللہ کی مدد کرنے اور اس کا وقار قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسکینوں کی مدد کرو۔ اور وہ جس ظلم کے جوئے تلے آئے ہوئے ہیں۔ اس سے انہیں نکال کر ان کا وقار قائم کرو۔ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

آیت نمبر10: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: ''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے اور جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''

بیعت رضوان کی حقیقت

یہ عہد اللہ سے براہ راست ہے۔ یہ گویا تعزّروہ اور توقّروہ کی عملی تفسیر ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ "اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔"

یہ ہے رسول اور مسلمانوں کا باہمی تعلق۔ رسول مسلمانوں کے سامنے خدا بن کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ خدا کا نمائندہ ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے اور اس کی کے ساتھ جو عہد باندھا جاتا ہے اس کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھ معاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی پوری پوری اہمیت ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنی چاہیے کسی معاملے پر خدا کے ساتھ معاہدہ کرنا بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لینا ہے۔

فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ

"جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے۔"

عہد شکنی کی سزا

جو شخص خدا کے ساتھ عہد باندھ کر توڑتا ہے وہ اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔ جماعتی سیاست (Party Politcs) میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص پارٹی کے ڈسپلن کو قبول کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ جب وہ اپنی جماعت کے فیصلے کے خلاف کوئی حرکت کرنے لگے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے خلاف ضابطے کی انتہائی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اور وہ غداری کر کے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ مرنے کے بعد تو وہ خدا کے عذاب میں پڑے گا ہی' اس دنیا میں بھی وہ بڑی سے بڑی سزا پانے کے لائق ہے۔ جو جماعت خدا کے قانون کو چلانے کے لیے اٹھے اسے اس قسم کا انتہائی ضبط قائم کرنا پڑے گا۔ اور کسی رکن کے متعلق کسی قسم کی رواداری' جنبہ داری اور رعایت نہیں کرنی ہوگی۔ چونکہ اس کا فیصلہ قطعی ہوگا' اس لیے معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا اور پھر اسے انتہا تک پورا کرنا ہوگا۔ انقلابی جماعتوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ قرآنی انقلابی جماعت اس قسم کے شدید ضبط (Iron Discipline) سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتی۔ یہ ہر ایک انقلابی جماعت کی طبعی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ضرورت ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: ''جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''

جو شخص اپنے عہد کو پارٹی ڈسپلن (جماعتی انضباط) کے مطابق پورا کرے گا' وہ ہر قسم کی عزت اور اختیارات کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بہت بڑا اجر پائے گا۔ یہ اجر جلدی ہی ملے گا۔ (اس میں ایک جنگ کی طرف اشارہ ہے جس پر مسلمانوں کو جانا ہوگا۔ اس کا ذکر آیت نمبر 15 میں آئے گا۔)

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ارتجاعی ذہنیت

جو لوگ جند اللہ (خدائی لشکر) کے مخالف ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔

(1) منافق اور (2) کافر

آیات 11 تا 21 میں منافقوں کا ذکر ہے اور 22 تا 26 میں کافروں کا۔

آیت نمبر11: (الف) سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

ترجمہ: ''اور اب وہ لوگ جو گنواروں میں سے پیچھے رہ گئے' تجھے کہیں گے ہم اپنے مالوں اور گھروں کے کاموں میں لگے رہ گئے۔''

منافقین

جو بدوی (أعراب) اس سفر میں آپ کے شریک نہ ہوئے' اب انہوں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ہم اتفاقاً مال اور گھر بار کے جھگڑوں میں پھنس کر پیچھے رہ گئے اور سفر میں آپ کے ساتھ نہ جا سکے' نہیں تو مسلمانوں نے نمونے کی جو زندگی دکھائی' ہم اپنے کو اس سے کم درجے کا نہیں مانتے۔

(ب) فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ''ہمارا گناہ بخشو''

ہم اسے غلطی مانتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں نہ جا سکے اور درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے قصور کو مان کر معافی مانگ لے، اس کا جرم اور قصور نہیں مانا جاتا۔ وہ گویا ایسا ہے جیسے اس نے جرم کیا ہی نہیں (1) تو گویا یہ لوگ اپنے آپ کو اس جماعت کے برابر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم انہیں اس غلط بیانی پر تنبیہ کرتا ہے۔

(ج) يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

(1) التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (الحدیث) (جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے، جس سے گناہ ہوا ہی نہ ہو) (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''وہ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

چونکہ وہ منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اس لیے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ سفر میں ان کے نہ جانے کی وجہ گھر بار اور مال کے جھگڑوں میں پھنسنا نہیں تھا' بلکہ اصل میں ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی' کیوں؟ اس پر سے اگلی آیت میں پردہ اٹھایا گیا ہے۔

(د) قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا

ترجمہ: ''تو کہہ، کس کا بس چلتا ہے اللہ سے۔ اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ۔''

یعنی ہمارا تو اس معاملے میں کوئی دخل نہیں۔ تم اگر شوق سے ہمارے ساتھ چلتے تو ہم تمہیں پیچھے نہ رکھ سکتے تھے۔ اور نہ تمہیں کسی نفع سے روک سکتے تھے۔ اب اگر تم نے ہمارے ساتھ چلنے کا ارادہ نہ کیا' تو ہم تمہیں اس نقصان سے نہیں بچاسکتے جواب تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔ (اس نقصان کا ذکر آگے آیت نمبر 15 میں آتا ہے) نفع ونقصان تمہارے اپنے فیصلے کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام کو صحیح سمجھ کر خود آگے نہیں بڑھتا اسے آگے بڑھانے کی نبی یا اس کی جماعت میں کوئی طاقت (اختیار) نہیں۔ اس لیے کہ یہ کام صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(ہ) بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''بلکہ اللہ تمہارے سب کاموں سے خبردار ہے۔''

توفیق باندازۂ ہمت

وہ تمہارے عملوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان کے مطابق تمہیں کام کرنے کی توفیق دے گا۔ پس اس جماعت میں شامل ہونے کے لیے لگاتار نیکی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درجہ اس قسم کا نہیں ہے کہ اتفاقاً ہاتھ آجائے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر12: بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا

ترجمہ: ''کوئی نہیں، تم نے تو خیال کر لیا تھا کہ رسول اللہ اور مسلمان کبھی اپنے گھر لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اور کھب گیا تمہارے دلوں میں یہ خیال اور تم نے طرح طرح کی بری اٹکلیں کرنی شروع کیں۔ اور تم لوگ تباہ ہونے والے تھے۔''

منافقین کی نفسی تحلیل

یہ لوگ جو اس سفر میں شریک نہ ہوئے تو اس لیے نہیں کہ مال و اولاد کے جھگڑوں میں پھنسے رہے۔ بلکہ دراصل ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی۔ انہوں نے یہ خیال پکا رکھا تھا کہ قریش ان سے ضرور مقابلہ کریں گے۔ اس لیے جنگ ہوگی۔ یہ لوگ مارے جائیں گے ہم کیوں مفت کی مصیبت سہیڑیں (برداشت کریں)۔ یہ اب گھروں کو واپس نہیں آسکتے۔

وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ترجمہ: ''تمہارے دلوں میں بات کھب گئی تھی''

تمہارے دلوں میں یہ چیز جچ گئی تھی اور تم مان بیٹھے تھے کہ یہ لوگ شکست کھا جائیں گے اور زندہ نہ لوٹیں گے۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ

تم نے یہ برا خیال پختہ بنا لیا تھا کہ بس اب اسلام ختم ہوگیا۔ جانے دو انہیں۔ ہم ان کے ساتھ موت کے منہ میں کیوں جائیں۔

یہ منافقت کی ایک کھلی نشانی ہے کہ منافق نفع کا تصور کیے بغیر کسی للٰہی تحریک میں شامل نہیں ہوسکتا۔ وہ سب سے پہلے روپے اور پیسے کا حساب کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس تحریک میں شامل ہونے سے مجھے کتنا نفع حاصل ہوگا۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مالی نفع حاصل نہ ہوگا تو وہ بھولا بن کر کسی نہ کسی طرح اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سچ ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا (اقبال)

ایک منافق سے بڑھ کر اس حقیقت کو اور کون سمجھ سکتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ترجمہ: ''تم تباہ ہونے والے لوگ تھے''

یہ بات نہیں کہ تم سے اتفاقاً غلطی ہوگئی اور تم پیچھے رہ گئے' بلکہ تم جان بوجھ کر فیصلہ کر کے پیچھے رہے۔ تم نے ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا' لیکن ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے میں طاقت صرف کرنا اپنی محنت کو برباد کرنا ہے۔ اور تمہاری حرکت ایسی ہی ہے۔

آیت نمبر 13: وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے لیے دہکتی آگ''

حجاز کو پاک کیا جائے

جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح ایمان نہیں لاتا جس طرح خالص مومنین ایمان لائے (جن کا ذکر آیت نمبر 4 میں آچکا ہے)' ان کے لیے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں' ہے۔ تکلیفیں اٹھانا اور تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے آخر میں جلنا، یہ ان کے لیے طے شدہ ہے۔

یہ حجاز میں رہنے والے مخالفین کے لیے ہے۔ ان کے لیے اس سرزمین میں رہنے کے لیے زندگی کی کوئی صورت نہیں چھوڑی گئی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح خالص مومنین ایمان لا چکے ہیں۔ چونکہ حجاز کو اس قرآنی انقلاب کا مرکز بنایا جانے والا ہے' اس لیے وہاں کی ارتجاعی طاقت کو زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دیا جاسکتا۔ اب تک مسلمانوں میں یہ تخیل باقی ہے کہ حجاز میں خلاف اسلام کام کرنے کو بہت بڑا جرم مانتے ہیں۔ اس لیے کہ (ع)

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

آیت نمبر 14: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کا راج اللہ ہی کے لیے ہے۔ بخشے جسے چاہے اور عذاب میں ڈالے جسے چاہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

زمین پر اللہ کی بادشاہی

آسمان کی پادشاہی تو فرشتوں کے ذریعے سے ہے۔ زمین کی پادشاہی اس جماعت کے ذریعے سے قائم ہوگی۔ وہ اللہ کے قانون کو زمین میں چلائیں گے۔

یہ انقلاب حضرت عثمانؓ کی شہادت تک رہا۔ اس وقت تک حجاز میں خدا کی پادشاہی قائم تھی۔ قرآن کا قانون تھا اور اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت تھی۔ وہ اپنے آپ کو قانون کا مالک نہیں سمجھتی تھی۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کا نائب سمجھ کر اس کے حکموں کو بجا لاتی تھی اور ان پر عمل کرتی کراتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بن کر اپنے ساتھیوں کو' جو خدا کے قانون کی عزت اور وقار قائم کرنے میں آپؐ کے شریک تھے' اپنے ذریعے سے خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بنا دیا۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط

ترجمہ: ''تاکہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب میں ڈالے''

جو شخص اس قانون کو جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے قانون کی تعمیل کے قریب ہوتا جاتا ہے' اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ جو آدمی اس قانون سے ہٹتا اور درجہ بدرجہ پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہے اسے عذاب دیا جائے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ترجمہ: ''اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت کے ذریعے سے جو نظام قائم کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک صحیح کام کرنے والے آدمی کے گناہ بخشے جائیں۔ اور اللہ کی رحمت سے وہ پروگرام سامنے لایا جائے جس میں انسانیت کی ترقی ہے۔

آیت نمبر15: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ط قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ط بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے۔ جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو' آؤ ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ، چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا۔ تو کہہ دے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے۔ یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے' نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدے سے۔ کوئی نہیں' لیکن وہ تھوڑی بات سمجھتے ہیں۔''

اخلاقی فتح کے نتیجے

جب مسلمان حدیبیہ سے واپس آئے تو خالی ہاتھ گھر آئے۔ یہ تو نہ تھا کہ کوئی فتح کر کے آئے یا کوئی معرکہ مار کر آئے تھے۔ اور وہی آ کر لوگوں کو بتاتے کہ ہم نے یہ فتح حاصل کی' وہ معرکہ مارا۔ بلکہ یہ صرف اخلاقی فتح (Moral Victory) ہے۔ وہ لمبی مدت کے لیے نتیجہ خیز ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ثمرات دیتی رہے گی۔ مگر وہ اس وقت تو کوئی چیز ہاتھ میں لے کر نہیں آ رہے۔ ان لوگوں کو وعدہ دیا گیا کہ چند روز گھر میں رہ کر تیاری کرلو۔ اس کے بعد تمہیں خیبر جانا ہوگا۔ اور وہ سارا ملک تمہیں مل جائے گا۔ جو غنیمت یہاں (اس سفر میں) چاہیے تھی اور نہیں ملی، اس کی جگہ خیبر کا وعدہ انہیں مدینہ پہنچنے سے پہلے دے دیا گیا۔ گویا ان کے پاس آج قیمتی مال نہیں ہے۔ لیکن کل کو مل رہے گا۔ ورنہ گھر جا کر بال بچوں کو سمجھانا کہ ہم فتح پا کر آئے ہیں' سخت مشکل ہے۔ چنانچہ چند روز کے بعد انہیں خیبر جانے کا حکم دیا گیا۔ اب جو لوگ حدیبیہ جانے سے رہ گئے تھے ان کی رال ٹپکنے لگی کہ ہم بھی ساتھ جائیں گے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ تم نہیں جاسکتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں صاحب! ہم سے تو حسد کیا جاتا ہے اور ہمیں فائدہ حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے۔ تم خدا کی بات جھٹلانا چاہتے ہو۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ ہم حدیبیہ والوں کو خیبر بطور انعام دیتے ہیں۔ تم لوگ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے' خیبر میں شریک ہو کر خدا کی بات کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ یہ تمہاری شرارت ہے تم اب نہیں جاسکتے۔

اِلٰى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوْهَا ''غنیموں کی طرف کہ تم انہیں حاصل کرو''

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی خیبر کا مال غنیمت۔

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ "اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے۔"

خدا نے یہ حکم پہلے سے دے رکھا ہے کہ حدیبیہ والوں کے سوا کوئی دوسرا اس معرکے میں شریک نہ ہوگا۔ اس کا اشارہ آیت نمبر 10 کے آخری حصے میں آچکا ہے جہاں ان مسلمانوں سے، جنہوں نے بیعت کی تھی، اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا "یہ لوگ بات پوری طرح سمجھتے ہی نہیں"

خیبر کی فتح کا بھید

وہ بات کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ وہ دنیاوی نفع کی باتوں کو تو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر نفع کے ملنے یا نہ ملنے کا حقیقی راز نہیں سمجھتے۔ خیبر یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کو مفت دینا تو مقصود نہیں۔ یہ دنیا کا ایک باغ ہے جو یہودیوں کو ایک خاص خدمت پر مقرر ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اور وہ خدمت یہ تھی کہ وہ حقیقی دین کو قائم کریں۔ بعد میں انہوں نے نافرمانی کی۔ اب انہیں سزا دینا ہے۔ ایک دوسری قوم کو جو خدا کے حکموں کو فرشتوں کی طرح بجالاتی ہے۔ یہ جنت ارضی (1) دی جائے گی۔ جو شخص فرشتوں کی طرح کام نہ کرے اور وہ جنت چاہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ احمق ہے۔ وہ بات ٹھیک طرح سے نہیں سمجھتا۔

---

1. زمین کا باغ (مرتب)

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کل قومی انقلاب کی تیاری

آیت نمبر16: قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ
تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ
تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶﴾

''پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہہ دو کہ آئندہ تمہیں ایک قوم کے مقابلے میں بلائیں گے جو بڑے سخت لڑاکو ہیں۔ یا تو تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا اگر تم پلٹ جاؤ گے' جیسے پہلی بار پلٹ گئے تھے تو تم کو دردناک عذاب دے گا۔''

آنے والا امتحان

جب آپؐ عمرے کے ارادے سے مدینہ منورہ سے تشریف لے جانے لگے تو آپ نے سب مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی۔ مگر بدوؤں نے سمجھا کہ یہ جو عمرے کو جا رہے ہیں تو یہ چال ہے۔ حقیقت میں لڑائی ہوگی اور یہ لوگ مارے جائیں گے۔ اس لیے بدو اس سفر میں ساتھ نہ ہوئے۔ پھر جب مسلمان صلح کر کے واپس آگئے تو یہ بدو لوگ بہت پریشان ہوئے کہ ہم نے ساتھ نہ جانے میں غلطی کی۔ اور لگے طرح طرح کے بہانے اور عذر پیش کرنے (جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے)۔ اب ان سے کہا گیا۔ اگر تم سچے ہو کہ تم ہمارے ساتھ جانے اور اس وقت آنے والے خطرات میں پڑنے کے لیے تیار تھے' لیکن کسی غلطی سے پیچھے رہ گئے تو ایک دفعہ بات گزر گئی' تمہیں دوسرا موقعہ دیا جائے گا۔ اگر تم نے اس وقت کام پورا کیا تو جو غنیمت خیبر کے معرکے سے نہیں ملنے والی تھی وہ بھی دلا دی جائے گی۔

اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ''ایک جنگجو قوم''

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیصر و کسریٰ سے مقابلہ ہوگا

''ایک جنگجو قوم'' سے قیصر و کسریٰ کی بادشاہتیں مراد ہیں۔ ان کے مقابلے کے لیے اعراب کو دعوت دی جائے گی۔

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ

''یا تو وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے یا وہ اطاعت اختیار کرلیں گے۔''

یا تو تم انہیں قتل کرو گے یا وہ اطاعت اختیار کرلیں گے۔ یعنی بعض لوگ مارے جائیں گے اور باقی اطاعت قبول کرلیں گے۔ ان دو باتوں میں سے ایک ہو کر رہے گی۔

فَاِنْ تُطِيْعُوْا ''اگر تم نے اطاعت کی''

اگر تم نے اس وقت اعلان جہاد کی اطاعت کی اور لڑائی میں شریک ہوئے۔

يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ''تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا''

تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی مزدوری دے گا یعنی بے اندازہ غنیمت ہاتھ آئے گی۔ جس سے اب کی کسر بھی نکل جائے گی۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

''اگر تم پلٹ گئے جیسے پہلے پلٹ گئے تھے' تو دردناک عذاب دے گا۔''

اگر تم پیچھے ہٹ گئے اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے' جیسے اب حدیبیہ کے سفر سے ہٹ گئے تھے' اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے تھے تو تم کو سخت سزا دی جائے گی اور دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

امام ولی اللہؒ کے خیالات

امام ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''اجماع مفسرین کے مطابق اس آیت کے نزول کا موقع اور صحیح حدیثوں کے مضمون کے مطابق اس آیت کے آگے پیچھے کی آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے 6 ھ میں ارادہ فرمایا کہ عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپؐ نے بدوؤں کو اور وادیوں میں بسنے والوں کو دعوت

(c) ketabton.com: The Digital Library

دی کہ وہ اس سفر میں آپ کے ساتھ چلیں۔ کیونکہ پختہ گمان تھا کہ قریش مکہ میں داخل ہونے سے روکیں گے اور بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں قریش کے جو آدمی مارے گئے تھے' ان کے سبب سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے خیال تھا کہ وہ کہیں جنگ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائیں۔ ایسے حالات میں عقل کا تقاضا ہے کہ بہت سے آدمی مل کر جائیں تاکہ قریش کے شر سے بچے رہیں۔ بہت سے بدوؤں نے آنحضرت ﷺ کی اس دعوت پر کان نہ دھرا اور سفر میں ساتھ نہ گئے۔ بعض گھربار اور کاروبار کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور نہ جاسکے۔ مگر مخلص مسلمان جو ایمان کی بشاشت میں سرتاپا غرق تھے۔ آپؐ کے ساتھ جانے کو سب سے بڑی نیکی سمجھ کر آپؐ کے ساتھ ہو گئے۔

جب یہ قافلہ حدیبیہ کے مقام کے قریب پہنچا تو قریش جاہلیت کی حمیت میں مبتلا ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ قصہ مختصر وہاں مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح کرنی پڑی۔ مکہ مکرمہ کے باہر ہی قربانیاں کیں اور واپس آ گئے۔ چونکہ عمرہ ادا نہ کر سکنے اور مغلوبانہ صلح کرنے کی وجہ سے یہ مخلص مسلمان بہت ہی غمزدہ تھے' حکمت الٰہی نے چاہا کہ ان دلوں کے زخموں کو بھر دے۔ چنانچہ انہیں خوشخبری دی گئی کہ تمہیں خیبر کا بہت سا مال غنیمت ملے گا۔ اور اسے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا جو حدیبیہ میں موجود تھے اور کسی کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ

''تم غنیمتوں کی طرف جاؤ گے تاکہ انہیں لو' تو یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے ہمیں اپنے ساتھ جانے دو۔ وہ اللہ کا فیصلہ بدلنا چاہتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔ اللہ نے پہلے سے یہ فرمایا ہے۔''

اور جس جماعت نے حدیبیہ میں بیعت کی اس پر اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا ہوا فرماتا ہے کہ:

www.rahmania.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سورہ فتح:18/48)
”یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرتے تھے تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے۔“

اور اس بیعت سے ایک شخص جد بن قیس کے سوا جو منافق تھا اور کوئی نہ پھرا، بغویؒ وغیرہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے درخت کے نیچے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ مقام ان بہترین مقاموں میں سے ہے جہاں صحابہ کرام نے بلند مرتبے حاصل کئے اور وہ غنیمتیں حاصل کیں جو کچھ عرصے کے بعد ان کے ہاتھ لگیں۔ مثلاً حنین کی غنیمتیں اور دوسری غنیمتیں جن پر عرب کبھی قادر نہ ہوتے۔ ان غنیمتوں سے فارس اور روم کی غنیمتیں مراد ہیں۔ اس زمانے میں فارس اور روم کی وہ شوکت اور دبدبہ تھا اور لشکروں کی وہ کثرت تھی اور سامان جنگ کی وہ فراوانی تھی کہ عرب ان پر غلبہ پانے یا ان سے مال غنیمت حاصل کرنے کا خیال تک دل میں نہ لاسکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وعدکم اللّٰہ مغانم کثیرۃً (اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کرتا ہے)۔ یہ عرب کی غنیمتیں ہیں مثلاً حنین کے اموال غنیمت فعجل لکم ھٰذہٖ (پس جلدی کر دی تمہارے لیے یہ)۔ یہ خیبر کی غنیمتیں ہیں جو حدیبیہ کے بعد ہی انہیں حاصل ہوئیں۔ واخریٰ لم تقدروا علیھا (اور دوسری وہ جن پر تم نے قدرت نہ پائی) یہ فارس اور روم کی غنیمتیں ہیں۔

اس کے علاوہ حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہیں دھمکائے اور ان کی فضیحت کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قل للمخلفین (الآیۃ) اور جنگجو قوموں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت پہلے ہی سے دے دے۔ تاکہ وہ دعوت قبول کرنے نہ کرنے پر خوب غور کرلیں اور پہلے ہی بصیرت حاصل کرلیں۔ اور طرح طرح کے عقلی قیاسات ان کے حال کو پریشان نہ کردیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ستدعون (تم کو عنقریب بلایا جائے گا)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدووں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے بلایا جائے گا۔ یہ دعوت ان پر شرعی ذمہ داری ڈال دے گی۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے تو ثواب پائیں گے اور اگر اسے قبول نہ کریں گے تو عذاب پائیں گے۔" (ازالتہ الخفا مقصد اول، ص 38)

آیت نمبر 17: لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ۝

ترجمہ: "اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف ہے۔ اور نہ بیمار پر تکلیف ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو کوئی پلٹ جائے اسے دردناک عذاب دے گا۔"

اجماعی جنگ

یہ جو دعوت دی جا رہی ہے کہ آئندہ جنگوں میں شریک ہو، یہ صرف اعراب (بدووں) کو ہی دعوت نہیں دی جا رہی بلکہ قرآن کے ہر ایک ماننے والے کا فرض ہے کہ جنگوں میں شریک ہو۔ تیاری کے اس حکم سے کوئی شخص بھی باہر نہیں ہے البتہ اندھے، لنگڑے اور مریض کو تکلیف نہیں دی جاتی کہ وہ میدان جنگ میں جا کر ہی جنگ میں شامل ہو۔

اعمیٰ (اندھے) اعرج (لنگڑے) اور مریض (بیمار) کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت نمبر 91 سامنے رکھنی چاہیے جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

''یعنی ضعیفوں اور بیماروں پر اور ناداروں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔''

ابوبکر جصاصؒ کا قول

سورہ توبہ کی ایک آیت (1) کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاصؒ الرازی الحنفی جو چوتھی صدی ہجری کے نامور فاضل ہیں لکھتے ہیں کہ:

وقوله "وجاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله" فاوجب فرض الجهاد بالمال والنفس جميعًا : فمن كان له مال وهوا مريض او مقعد اوضعيف لا يصلح للقتال فعليه الجهاد بما له بان يعطيه غيره ليغزوبه.

كما ان من له قوة وجلد وامكنه الجهاد بنفسه كان عليه الجهاد بنفسه وان لم يكن ذا مالٍ ويسارٍ بعد ان يجد ما يبلغه.

ومن قوى على القتال وله مال فعليه الجهاد بالنفس والمال.

ومن كان عاجزًا بنفسه معدمًا فعليه الجهاد بالنصح لله ولرسوله بقوله (ليس على الضعفاء ولا على المرضٰى ولا على الذين لا يجدون ما ينفقون حرج اذا نصحوا الله ورسوله) (احکام القرآن' الجزالثالث ص 117)

''یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم وجاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله نے جہاد کا فرض مال اور جان دونوں سے ادا کرنا واجب کر دیا ہے:

(1) جو شخص مالدار ہو اور بیمار یا بیٹھنے ہی کے قابل ہو یا کمزور ہونے کی وجہ سے جنگ کے ناقابل' اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال سے جہاد کرے۔ یعنی کسی شخص کو جس کے پاس مال نہ ہو' مال دے دے۔ کہ وہ اس کے ذریعے سے جہاد کرے۔

---

1. وہ آیت یہ ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط (التوبہ 41:9) (نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں) (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

(2) جوشخص مالدار نہ ہو لیکن وہ خود جہاد کرسکتا ہو اور مقام جنگ پر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ خود جہاد کرے یہ اس کا فرض ہے۔

(3) جوشخص تندرست بھی ہو اور مال دار بھی ہو وہ مال اور جان دونوں سے جہاد کرے اس کا یہی فرض ہے۔

(4) جوشخص جسمانی لحاظ سے عاجز ہو اور مفلس بھی ہو تو اس آیت **لیس علی الضعفاء ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لا یجدون ماینفقون حرج اذا نصحوا للّٰہ ورسولہٖ** کے مطابق اس پر کم سے کم یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہی کرتے رہیں۔ (یعنی بری خبریں نہ خود پھیلائیں نہ حتی الامکان ایسی خبروں کو پھیلنے دیں بلکہ ان کی تردید کرتے رہیں۔ غرض ان سے جو بن پڑے اس میں کوتاہی نہ کریں)۔

امام الحکمتہ امام ولی اللہ دہلویؒ ''حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص 174 میں فرماتے ہیں کہ:

واذا اراد الخروج للغزو عرض جیشہ یعاھد الخیل والرجال فلا یقبل من دون خمس عشرۃ سنۃً کما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفعل ذٰلک لا مخذلًا وھوالذی یقعد الناس عن الغزو (۱) ولا مرجفًا وھوالذین یحدث بقوۃ الکفار''

''یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی جنگ پر تشریف لے جانے کے لیے نکلتے تو سارے لشکر کا جائزہ لیتے۔ چنانچہ آپؐ پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو لشکر میں شامل نہ فرماتے۔ اور نہ مخذل اور مرجف کو ساتھ لیتے۔ مخذل وہ ہے جو لوگوں کو جنگ سے باز رکھے اور مرجف وہ ہے جو دشمن کے لشکر کی قوت اور طاقت بیان کر کے لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرے۔''

(1) گویا حضرت امامؒ کے نزدیک نام نہاد امن پسندوں (Pacifists) کی تحریک کا معاشرہ انسانی میں کوئی مقام نہیں۔ اگر اس سے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ لوگ حق کی حمایت میں لڑنے سے باز رہیں۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب اگر یہ اندھے اور لنگڑے وغیرہ مخذل اور مرجف ہیں تو کیا وہ خدا اور رسول کے خیر خواہ ہوسکتے ہیں؟ ان کے خیر خواہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم اتنا کام ضرور کریں کہ لوگوں کو لڑنے کی ترغیب دیتے رہیں اور کفار کے زور کی جو باتیں ہوں ان کی تردید کرتے رہیں اور مسلمان کی کمزوریوں کو چھپائیں۔ گویا اس چوتھی جماعت (Category) کے لیے بھی جو نہ صحت سے مالا مال ہیں' نہ مالدار ہیں۔ پراپیگنڈہ کرنے میں حصہ لینا فرض قرار دیا گیا ہے۔

آج کی دنیا جانتی ہے کہ جنگ میں پراپیگنڈہ نصف سے زیادہ طاقت کا مالک ہے۔ اس اصول پر کوئی شخص بھی جہاد سے فارغ نہیں ہوسکتا۔ گویا قرآن کے نزدیک جنگ اجماعی چیز (Total War) ہے۔ جس میں جہاں تک طاقت ہو اس میں حصہ لے۔ کوئی مرد اور عورت تندرست اور بیمار اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔

لڑنے والی طاقت (Battle Force) کو سامانِ جنگ اور روٹی' کپڑا وغیرہ بہم پہنچانا اور ملک کے انتظام کے لیے پیچھے سے نظام خانگی (Home Front) کو قائم رکھنا' جنگ جیتنے کے لیے ضروری ہے۔ ہماری عورتیں اور بچے مریض اندھے اور لولے لنگڑے ہوم فرنٹ (Home Front) کے کام میں مصروف رہیں گے۔

وہ کیسے مسلمان ہیں جو عذروں کی بناء پر جہاد سے الگ رہنا چاہتے ہیں؟ میرے استاد (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا) کے ارشاد کے لیے جس سند (ابوبکر جصاصؒ رازی کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر) کی ضرورت تھی وہ وقت پر ہاتھ نہ آسکی۔ ورنہ ہماری دیوبندی جماعت میں سے سوائے اس شخص کے جو سچ مچ منافق ہوتا کوئی پیچھے نہ رہتا۔ اب ضرورت ہے کہ اس جماعت میں سے نفاق کو دور کیا جائے۔ جو جہاد کے لیے تیار نہیں ہے وہ کیوں میرے استاد کی جگہ پر بیٹھتا ہے؟ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے۔

غرض اولی باسٍ شدیدٍ (سخت جنگجو لوگوں) سے لڑنا پڑے گا۔ ان سے یہ لڑائی قیامت تک جاری رہے گی۔ اس مقابلے کے متعلق قرآن حکیم کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہیں ہوسکتی۔ اور بھرتی کے متعلق مذکورہ بالا حکم عمومی اور دائمی حیثیت رکھتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے گا اسے اللہ باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل

اس حصہ آیت میں خالدین (ہمیشہ) کا لفظ نہیں ہے۔ اس لیے اس سے مراد دنیا کی جنات ہیں۔ جہاں خالدین کا لفظ آئے گا وہاں مراد یہ ہوگی کہ مومن اس دنیا کے باغوں سے نکل کر سیدھے ان جنات میں پہنچ جائیں گے جو دائمی (خالدین) ہیں۔

ایک شخص (مثلاً فرعون) دنیا میں غرق کر دیا گیا اور وہ اس کے بعد ہی عذاب میں ڈال دیا گیا' گویا اس کا عذاب لگاتار رہا۔ اور اس عذاب کو خلود (ہمیشگی) حاصل ہوگیا۔ ہمیشگی کے باغات میں داخلہ بھی اسی طرح ہوگا کہ یہاں دنیا میں حکومت' امن' اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی راہ میں شہید ہوئے تو سیدھے جنات عدن (ہمیشگی کے باغات) میں پہنچ گئے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا

''جو شخص پیٹھ پھیرے گا اسے دردناک عذاب دیا جائے۔''

غلامی کا عذاب

جو لوگ ہمت اور طاقت کے باوجود جہاد میں حصہ نہیں لیں گے انہیں دوسری قوم کی غلامی کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اور جو لوگ اس عذاب غلامی میں مبتلا ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی پوری کوشش نہ کریں گے' انہیں اس میں مبتلا رکھا جائے گا۔

افسوس ہے اس قوم کے حال پر جو غلامی کا احساس بھی کھو بیٹھے اور بڑے اطمینان سے غیر فکر کی حکومت کا جوا برداشت کرتی رہے! اس کے عوام انقلاب یا جہاد میں کیا حصہ لے سکتے ہیں؟

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

صلح حدیبیہ میں ایک بھید

آیت نمبر18: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

ترجمہ: ''یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے اس درخت کے نیچے' پھر ان کے دلوں میں جو تھا وہ اللہ نے معلوم کیا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا قریبی فتح کا''

موت سے مصافحہ

جب حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ پہنچی' رسول اکرم ﷺ نے سب صحابہ کو بلا کر موت پر بیعت طلب کی۔ سب نے بن پوچھے بیعت کر لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنے والی خونریز جنگوں کے پیش نظر مسلمانوں کو موت کے لیے تیاری کرانی شروع کر دی تھی۔ جو جماعت اہل مکہ کے مقابلے میں موت قبول کر لیتی ہے' کیا وہ قیصر و کسریٰ سے مذاق کرنے جائے گی؟ سلطان محمد کی فوج قسطنطنیہ کے بادشاہ کے مقابلے میں کھیلنے کے لیے گئی تھی یا موت سے ہاتھ ملانے؟

واقعہ یہ ہے! کہ جس دن سے مسلمانوں نے موت قبول کرنے کا یہ فکر چھوڑا ہے' اسی دن سے ان کی حکومتیں برباد ہونے لگی ہیں۔ اب ہم اس حالت کو دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی ایک دردناک عذاب میں مبتلا ہے۔ اب ہم اپنے ملک میں اپنی مضبوط حکومت بنائے بغیر دم نہیں لے سکتے۔ اب ہمیں بین الاقوامی جھگڑوں میں زیادہ دیر تک پھنسا کر منتظر نہیں رکھا جا سکتا۔ اور نہ ہم مخذلوں کی اطاعت کر سکتے ہیں۔ کوئی پیر ہو، کوئی لیڈر ہو، کوئی حاکم ہو، وہ اپنے اپنے گھر جا کر مریں۔ اب ہمارے سر پر حکومت چلانا چھوڑ دیں۔ اب ہم ان کی نہیں سن سکتے۔ اب ہمیں اپنے ملک میں اپنی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

طاقت سے اپنی حکومت چلانی ہوگی۔ اس کے پروگرام پر غور کر کے اس کی مدّات کو آگے پیچھے کرنا ہمارا کام ہوگا۔ اب ہم کسی ایسے آدمی کی جو ہماری مصیبت میں شریک نہ ہو۔ کوئی تجویز یا مشورہ سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

"آپ ﷺ کی جماعت کا طریق تنظیم"

اب ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ہم خلافت باطنہ کی مدد سے خلافت ظاہرہ کے قیام کے ساتھ اپنا قدم آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ہم اس اصول کو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں' اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اس طریق تنظیم کی تفصیل امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں میں مل گئی۔ یہ ہماری ضرورت تھی' جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری رہنمائی فرمائی' جو شخص ہماری مصیبت میں ہمارا شریک نہیں ہے' وہ بھلا ہماری ضرورت کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ ہماری سکیم میں ایک زبان بولنے والا گروہ جو کلچر میں ایک قسم کی یک رنگی رکھتا ہے' ایک اکائی ہے۔ جو شخص ان کی زبان نہیں بولتا' وہ ان کی مصیبت میں شریک بھی نہیں ہوسکتا۔

قومی حکومت

ملک کے ایک مستقل ٹکڑے میں' جس میں ایک زبان بولنے والا گروہ رہتا ہے' اور جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے' ہماری فقط یہ کوشش ہے کہ یہ اکثریت قانون سازی کی طاقت کی مالک بن جائے۔ اور اس کے ووٹ کے بغیر وہاں کوئی حکومت نہ چل سکے۔ اس کے لیے ہمیں اس اکثریت کو تعلیم دینی ہوگی۔ اسے مختلف سیاسی مسالک فکر (Schools of Political Thought) سمجھا کر اپنا مسلک معین کرنا ہوگا۔ جب ہم اس پروگرام سے فارغ ہو جائیں گے' تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

(الف) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

"بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے' جب وہ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے' اس درخت کی نیچے۔"

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ کا اظہار خوشنودی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اظہار خوشنودی ان کے موت قبول کرنے پر ہوا ہے۔ ان لوگوں نے جس ضبط اور قربانی کا اظہار کیا ہے' وہ یقیناً قابل فخر ہے۔ کوئی جماعت اس اعلیٰ درجے کے ضبط اور قربانی کے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ وہ جماعت ہے' جس کے نمونے کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ ہر اس جماعت کے لیے جو کامیابی کی خواہش کرے' قیامت تک نمونے کی جماعت رہے گی۔

(ب) فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ''جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ اسے جانتا تھا۔''

یعنی وہ گھٹا ہوا جوش اور طاقتور ہونے کے باوجود مغلوبانہ صلح کے ماننے پر مجبور ہونے سے پیدا ہونے والے جذبات، جو ڈیڑھ ہزار کی عظیم الشان منظم جماعت کے دلوں میں اندر ہی اندر لہریں مار رہے تھے۔

(ج) فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ ''ان پر اطمینان اتارا''

محض جوش کافی نہیں

محض جوش کامیابی کا کفیل نہیں ہوسکتا۔ محض جذبۂ قربانی منزل مقصود تک پہنچانے کی ہمیشہ کی گارنٹی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ٹھنڈے دل سے سوچنے اور غور کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ و صلح کی مصلحتوں پر غور کرنے میں مدد دینے والی فضا پیدا کر کے ان کے دلوں کو سکون بخشا۔ انہیں موت قبول کرنے میں کوئی تشویش پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اس لیے ان کا موت قبول کرنے کا جذبہ عارضی ہیجانی حالت کا فیصلہ نہیں ہے۔ بلکہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ ہے' جس پر انہیں پورا پورا اطمینان ہے۔ اس قسم کے فیصلے سے ایک مستقل مزاج جماعت کبھی نہیں پھرا کرتی۔

(د) وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ''اور انہیں قریبی فتح کا بدلہ دیا''

خیبر کی فتح کا وعدہ

انہیں یہاں لوٹ سے روک کر' خیبر کی جنگ میں کامیابی کا یقین دلایا۔

آیت نمبر19: (الف) وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ''اور بے شمار غنیمتیں جو وہ لیں گے''

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور ان سے یہ وعدہ بھی کیا گیا' کہ انہیں خیبر میں بہت سا مال ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہونے پر' آپؐ نے اور آپ ﷺ کی اس جماعت نے جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھی' تین ہفتے کے قریب مدینے میں قیام کیا۔ اور پھر خیبر پر دھاوا بول دیا۔ وہاں سے بہت مال ہاتھ آیا۔

(ب) وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

''اور اللہ عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے۔''

''عزت'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سلطنت اتنی مضبوط اور وسیع بنا دے گا' کہ کوئی ان پر حملہ نہ کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی سلطنت بہت سی قوموں کے ساتھ لڑ کر اور فتح پا کر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

آیت نمبر20: (الف) وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا

ترجمہ: ''اللہ نے تمہیں وعدہ دیا بہت سی غنیمتوں کا جو تم لو گے۔''

اللہ نے تم سے وعدہ کیا' کہ تم بہت سی غنیمتیں حاصل کرو گے۔

(ب) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ''اس نے یہ (خیبر کی فتح) قریب کر دی' تمہارے لیے۔''

یعنی خیبر کی فتح جلد ملے گی۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسری فتوحات حاصل ہوتی رہیں گی۔

(ج) وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ''اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔''

وہ تم سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

(د) وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ''تا کہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو۔''

یہ بات مومنوں کے لیے ایک نشانی ہوگی' کہ اگر ہم موت کے لیے تیار ہو کر گئے' تو لوگوں کے ہاتھ رک جائیں گے۔ اور وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ جیسے حدیبیہ اور خیبر میں ہوا۔

(ہ) وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ''اور تمہیں سیدھی راہ پر چلائے گا۔''

تمہیں انسانیت کی بنیادی ہدایت عطا کی جائے گی' جس کی آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام نبی دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ اور تمہیں اس کل قومی قانون کے چلانے کی طاقت دی جائے گی۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر21: (الف) وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا

''اور ایک اور فتح جو تمہارے بس میں نہیں آئی۔''

روم اور ایران کی فتوحات کا وعدہ

تم نے ابھی ایران اور روم سے لڑنے کی تیاری نہیں کی' جب تم اس جنگ کے قابل ہو جاؤ گے' تو اور غنیمتیں بھی حاصل کرو گے۔

(ب) قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا

''وہ (فتح) اللہ کے قابو میں ہے۔ اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ان کے مقابلے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حدیبیہ کے واقعے تک اپنی قومی تنظیم کر چکے تھے۔ اب انہیں بین الاقوامی غلبہ حاصل کرنے کے لیے تیاری کرنے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

آیت نمبر22: (الف) وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ

''اگر کافر تم سے لڑتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر جاتے۔''

اس وقت کافر نہیں لڑے۔ گو بعض لوگ لڑنا چاہتے تھے۔ اگر وہ لڑتے تو انہیں شکست ہوتی۔

(ب) ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا

''پھر وہ کوئی حمایتی اور مددگار نہ پاتے۔''

انہیں کسی قبیلے کی طرف سے مدد نہ ملتی۔

آیت نمبر23: سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

ترجمہ: ''اللہ کی یہی سنت ہے' اور یہ پہلے سے چلی آتی ہے۔ تُو اللہ کے اس قاعدے کو بدلتے ہرگز نہ پائے گا۔''

نبی کے مقابلے میں کافروں کا شکست کھانا قانون الٰہی ہے۔ یہ کبھی نہیں بدلتا۔ اسی طرح نبی کی تعلیم پر چلنے والی قوم بھی کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔

آیت نمبر24: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے' اور تمہارے ہاتھ ان سے مکے کی گھاٹی میں روک رکھے، بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا انہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ دیکھتا ہے۔''

اس سفر میں جنگ نہ ہونے کی وجہ

چند آدمی لڑنے کی کوشش کرنے کے لیے آئے تو دونوں جماعتوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دیئے گئے۔ اہل مکہ ڈر گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کا غلبہ مان لیا۔ اور مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کی حکمت عملی نے روکے رکھا۔ اور لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

آیت نمبر25: (الف) هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ

ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا' اور تمہیں مسجد حرام سے روکا۔ اور نیاز کی قربانی بند پڑی رہ گئی' اس بات سے کہ اپنی جگہ پہنچے۔''

یہ لوگ مجرم تھے۔ انہوں نے قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ مسجد حرام سے روکا اور ھدی (قربانی) کو اپنے مقام پر پہنچنے نہ دیا۔ یہ حقیقت میں شکست کے مستحق تھے۔ ان کی شرارت کے باوجود انہیں شکست کیوں نہ دلائی گئی؟

(ب) وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

ترجمہ: ''اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد' ایمان والے اور عورتیں ایمان والیاں جن کا تمہیں علم نہیں تھا کہ تم انہیں پیس ڈالتے۔ پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑتی بے خبری سے۔''

بات یہ ہے کہ چند کمزور اور محتاج مرد اور عورتیں جو ایمان والے ہیں' (1) مکے میں

(1) چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ بھی حکم دیا کہ مکے میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مومن ہیں' ان سے مل کر انہیں فتح کی خوشخبری دیں۔ اور انہیں خبر دے دیں کہ عنقریب ''اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ پھر وہاں ایمان پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔'' (زاد المعاد جلد دوم ص 123)
''صلح حدیبیہ کے بعد یہ لوگ اس قابل ہو گئے کہ اپنا اسلام ظاہر کر سکیں۔'' (ایضاً ص 130) (مرتب)

www.rahimia.org

موجود ہیں۔ وہ اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے۔ تم میں سے عام مسلمان انہیں نہیں جانتے۔ اگر لڑائی ہوتی تو انہیں بھی کفار کی طرف سے شریک ہو کر خواہ مخواہ تم سے لڑنا پڑتا اور وہ مارے جاتے' یا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو خود کفار انہیں قتل کر ڈالتے۔ دونوں صورتوں میں وہ مقصد جس کے لیے تم کھڑے ہوئے ہو' یعنی ''دنیا سے ظلم دور کرنا'' بے خبری میں خود تمہارے ہاتھوں برباد ہو جاتا۔ اس طرح تمہیں بھی نقصان پہنچتا' انہیں بھی۔

جنگ مقصود اصلی نہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک لڑنے کا اصل مقصد جنگ کرنا نہیں ہے، اصل مطلب مظلوموں سے ظلم دور کرنا ہے۔ چاہے وہ جنگ کے ذریعے سے ہو یا جنگ کو روک کر۔ اگر لڑائی سے ظلم زیادہ ہو جانے کا ڈر ہو تو لڑائی روک دی جائے گی۔ اگر صلح سے ظلم دور ہوتا ہو تو صلح کر لی جائے گی۔ چاہے وہ کیسی بھی کمزور شرطوں پر کیوں نہ کرنی پڑے۔

حکمت قرآنی کا ایک نکتہ

حکمت قرآنی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں اس قوم کے لوگوں کے ہاتھوں انقلاب لایا جائے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا۔ اس کی تفصیل حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمائی ہے۔(1) آپ فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرائے (2) پھر ان کے ہاتھوں فارس اور روم فتح کرائے (3) پھر ان کے ہاتھوں ہند، ترکستان اور سوڈان فتح ہوئے۔(4)

---

(1) جلد دوم باب الجہاد (2) عراق اور شام میں ملی جلی قومیں بستی تھیں۔ ان میں عرب بھی تھے۔ ان عربوں کو ساتھ ملا کر عراق اور شام میں انقلاب برپا کیا گیا۔ ہمارے زمانے میں اس کی مثال آذربائیجان کے انقلاب کی ہے جس میں روسیوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن انقلاب کرنے والے آذربائیجانی خود تھے۔ روسیوں نے ان ایرانیوں سے کام لیا جن کا تعلق روسی علاقے میں بسنے والے ایرانیوں سے تھا۔ (مرتب)

(3) یعنی اہل عراق کے ہاتھوں فارس کو فتح کرایا۔ کیونکہ ان کا تعلق ایران کے ساتھ تھا۔ اور اہل شام کے ہاتھوں روم کو فتح کر دیا۔ کیونکہ شامیوں کا تعلق رومیوں کے ساتھ تھا۔ (مرتب)

(4) چنانچہ ایرانوں نے ہندوستان اور ترکستان فتح کئے اور رومیوں کے ہاتھوں حبشہ فتح ہوا کیونکہ ان کا آپس میں تعلق تھا۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

خود قرآن حکیم میں بھی اس حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ صف کے آخر میں ہے کہ:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ؑ (14:61)

ترجمہ: "یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسٰی بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری مدد اللہ کی راہ میں کرے؟ حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ چنانچہ (ان کی کوششوں سے) بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایمان لے آیا اور ایک فرقہ منکر ہی رہا۔ پھر ہم نے بنی اسرائیل کے ایمان لانے والے طبقے کو قوت دی ان کے دشمنوں پر اور وہ غالب آ گئے۔"

گویا بنی اسرائیل کے اندر کام کرنے والی جماعت کی کوشش سے اس قوم کے اندر انقلاب لایا گیا۔ اور یہ طبعی بات بھی ہے کیونکہ عرب اٹھ کر چینیوں میں انقلابی تحریک نہیں پھیلا سکتے۔ انقلاب لانے کے لیے ہر قوم میں وہی لوگ کام کرسکتے ہیں جو اس قوم کی زبان اور معاشرت میں شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عربوں میں عربی بولنے والی جماعت کے ذریعہ سے انقلاب پھیلایا اور ایران میں فارسی بولنے والوں کے ذریعے سے۔ گو انقلاب کی ابتدائی تعلیم دینے والے عرب ہی تھے۔ اب ہندوستان میں بھی ہر ایک مسلم لسانی گروہ میں اسی طرح الگ الگ انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

(ج) لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ

ترجمہ: "تا کہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جسے چاہے۔"

اللہ کی رحمت میں داخل ہونے والی جماعتیں

قرآن حکیم کو ایسی ہی جماعت کی ضرورت تھی جو اپنا فکر چلانے کی طاقت رکھتے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوئے بھی ظاہری شکست کو جس کی مصلحت امام اور اس کا مشیر خاص یعنی صدیق اکبرؓ ہی سمجھتے تھے، قبول کر کے اس امام کی اطاعت پر قائم رہے۔ اسی قوت اطاعت نے انہیں آگے چل کر تمام دوسرے دینوں کے ماننے والوں پر غلبہ عطا کر دیا۔ اس قسم کا نظام اطاعت نہ یہودیوں میں موجود تھا نہ عیسائیوں میں۔ مجوسیت بھی اس سے خالی تھی اور دوسرے دین والے بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز تھے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ اس نے بنی اسماعیل کی اس چھوٹی سی جماعت کو اپنی رحمت میں شامل کر کے انہیں ایسی شاندار طاقتِ ضبط عطا کی۔

دوسری جماعت، جسے اللہ نے اپنی رحمت میں جگہ دی، مسلمانوں کی وہ خفیہ جماعتیں تھیں جو مکہ معظمہ میں موجود تھیں۔ اب صلح کے بعد انہیں اپنے اظہار کا موقعہ مل جائے گا۔

اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھانے والی تیسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اس صلح کے بعد مسلمانوں سے میل جول پیدا کریں گے۔ اور ان سے اثر لے کر اسلام قبول کرلیں گے۔ اور ان کے بعد وہ قومیں ہوں گی جو اسلام قبول کر کے قیامت تک قرآن کی خدمت کرتی رہیں گی۔

(د) لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

ترجمہ: ''وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا انہیں ہم ضرور دردناک عذاب دیتے۔''

لڑائی کیوں رکی؟

اگر وہ کمزور ایک طرف ہو جاتے تو ہم ان کافروں کو سخت عذاب دیتے اور انہیں خوب پٹواتے۔ لیکن اب وہ مظلوم بھی ان کافروں میں ملے جلے موجود ہیں۔ اگر لڑائی ہوتی تو وہ بھی پٹ جاتے۔ اس لیے لڑائی روک دی گئی۔

آیت نمبر 26: (الف) إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''جب کافروں نے جاہلی کد اپنے دل میں رکھی تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اطمینان اتار دیا۔''

جب لڑائی ٹلنے کا فیصلہ معلوم ہوگیا تو کافر جاہلیت کی حمیت میں ان سے شرطیں منوانے بیٹھ گئے۔ ممکن تھا کہ ان شرطوں کی سختی ہی کی وجہ سے لڑائی ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالٰی نے رسول اللہ ﷺ اور مومنوں پر دل کا اطمینان نازل کیا اور وہ بڑے سکون سے بیٹھے رہے اور انہوں نے وہ سب شرطیں مان لیں اور جاہلیت کے ان حامیوں کو موقعہ نہ دیا کہ لڑائی چھیڑیں۔

(ب) وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى

ترجمہ: ''انہیں انصاف کی بات پر قائم رکھا۔''

ان مومنوں کا طریقہ یہ رہا کہ ابراہیمی دین کے احترام کے لیے انہوں نے سب کچھ قبول کر لیا۔ اگر لڑائی میں مومنوں کی طرف سے نفسانیت مقصود ہوتی تو جیسے کافر چڑا رہے تھے یہ ضرور لڑ پڑتے۔ لیکن یہ اپنی انصاف کی بات پر جمے رہے۔

(ج) وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ

ترجمہ: ''اور وہی انصاف کے زیادہ لائق اور قابل تھے۔''

یہ انصاف قائم کرنے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ انصاف کی خاطر لڑتے ہیں اور انصاف ہی کی خاطر (ضرورت پڑے تو دب کر بھی) صلح کرتے ہیں۔ وہ جاہل جو ملت حنفی کی شکل ہی لیے بیٹھے' اور مر رہے ہیں اقتدار پر، انصاف کیا قائم کریں گے؟

(د) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ: ''اللہ ہر ایک بات جانتا ہے۔''

اس نے جو لڑائی روکنے کا حکم دیا ہے تو وہ بھی علم ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کونسی زیادہ اس قابل ہے کہ حق قائم کر سکے۔

www.fahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی انقلاب کا نصب العین

آیت نمبر27: (الف) لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَـقِّ‌ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَۙ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَۙ لَا تَخَافُوۡنَ

ترجمہ: ''اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب، تحقیق تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں' اگر اللہ نے چاہا آرام سے، بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے' بے کھٹکے۔''

نبی اکرم ﷺ کا خواب

اب واقعے کا مختصر بیان آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ہم مکے میں پہنچے ہیں۔ عمرہ ادا کیا ہے۔ کوئی بال منڈا رہا ہے، کوئی چھوٹے کرا رہا ہے اور سب امن و امان سے وہاں بیٹھے ہیں۔ مہاجرین کی جماعت یہ خواب سن کر بے تاب ہوگئی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ وحی ہے۔ اس یقین کے ساتھ لوگوں نے مکہ جانے کی تیاری کر لی۔ آپ بھی تیار ہو کر عمرے کے لیے آ گئے۔ مگر حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک دیا اور آپؐ رک بھی گئے۔ اس پر لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوا کہ یہ کیا ہوا؟ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ہوگا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اس آیت میں اسی خواب کا ذکر ہے۔

اٰمِنِيۡنَ امن و امان سے بغیر لڑے بھڑے داخل ہو جاؤ گے۔

لَا تَخَافُوۡنَ تمہیں یہ خوف نہ ہوگا کہ تمہیں کوئی وہاں سے نکال دے۔

(ب) فَعَلِمَ مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا ترجمہ: ''اسے معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مکہ میں خفیہ مسلم سوسائٹیاں

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ اگر تم لڑتے تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوتا۔ یعنی تمہاری اپنی پارٹی کے آدمی مارے جاتے۔ تمہیں ان کی خبر بھی نہ ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے والی خفیہ سوسائٹیاں مکہ میں موجود تھیں۔ انہی کے زور پر مکہ فتح ہوا۔ اگر اب لڑائی ہو جاتی تو وہ پس جاتے۔ ان کی نجات کا ذریعہ سوچ کر لڑائی ہونی چاہیے تھی۔ صلح کے بعد قریب قریب سب لوگ نکل آئیں گے اور مدینے پہنچ جائیں گے یا اپنا کوئی اور انتظام کر لیں گے۔ اس لڑائی میں اچانک نہیں پسیں گے۔ اگر وہ پس جاتے تو مسلمان اپنے ہاتھوں اپنی طاقت برباد کرنے والے ہوتے۔

یہ چیز اللہ جانتا ہے۔ عام مسلمان اس بات سے بے خبر تھے۔

(ج) فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک نزدیکی فتح۔“

”نزدیکی فتح“ سے خیبر کی فتح مراد ہے۔

آیت نمبر 28: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو سیدھی راہ اور سچا دین دے کر بھیجا کہ اس دین کو ہر ایک دین پر غالب کر دے۔ اور اللہ حق ثابت کر دینے کے لیے کافی ہے۔“

قرآن کا مقصد

جس طرح حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ کے واقعات ہیں ان کی جزئیات (Details) کو یاد رکھو اور ان کے مطابق تمام دنیا پر غلبہ حاصل کرو۔ اس قسم کے ضبط اور ایثار والی جماعت ہی غلبہ حاصل کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔

ھُدٰی دین کی اصل روح اور حکمت۔

دین الحق سچا دین جو دائمی قانون پر مشتمل ہے۔ کیونکہ وہ انسانیت کے اصلی تقاضوں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو پورا کرتا ہے۔

لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ اس دین (قرآن) کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنا ضروری ہے اور اسے ہمیشہ غالب رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غالب آیا، پھر قیامت سے پہلے غالب آ جائے گا۔ اور غلبے سے محض علمی غلبہ بھی مراد نہیں ہے، بلکہ سیاسی غلبہ بھی اس میں شامل ہے یعنی قرآنی قانون، قانون کی حیثیت سے بھی ہمیشہ غالب اور نافذ رہے اور علمی لحاظ سے بھی ہر ایک دین پر فوقیت حاصل رہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔ اگر مسلمان اس صورت کو اپنی سیاست کی بنیاد بنالیں تو یہ ساری دنیا میں کام کرنے کے لیے کافی ہے۔

امام ولی اللہؒ کے خیالات

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"دین حق خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں باقی تمام دینوں پر کلی طور پر غالب نہیں آیا۔ کیونکہ ابھی نصاریٰ اور مجوس اپنے طمطراق کے ساتھ قائم تھے۔ اس لیے عام مفسرین اس آیت کی تفسیر سے عاجز رہے۔ چنانچہ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا۔ حسنؒ بن فضل کا قول ہے کہ واضح دلائل سے غالب کرنا مراد ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے ان سب لوگوں سے زیادہ مضبوط بات پیش فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ نے اپنے رسول کو تمام دینوں پر غلبہ دیا۔ جس نے سنا اسے یقین ہوگیا کہ یہ دین سچا ہے۔ اور اس کے خلاف جو کوئی بھی ہے وہ باطل پر ہے۔ دنیا میں شرک کا مجمع دو ہی دینوں میں ہے۔ اہل کتاب کے دین میں اور اُمّیوں کے دین میں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُمّیوں پر غلبہ پالیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے تابع ہوگئے اور بعض اہل کتاب نے مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کرلیا۔ اور ان پر اس دین کا قانون نافذ ہوگیا۔ تمام دینوں پر اس دین کے غلبے کے یہی معنی ہیں۔"

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

فقیر عرض پرداز ہے کہ(1)----- ان سب صحیح احادیث کا لب لباب یہ نکلا کہ دین کا کامل غلبہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس زمانے میں زمین کی حکومت دو بادشاہوں کے درمیان بٹی ہوئی تھی جو بہت شان وشوکت والے تھے۔

(1) کسریٰ ایران

(2) قیصر روم

ان دونوں بادشاہوں کے دین دوسرے دینوں پر غالب تھے اور ان دونوں دینوں کا اباحت(2) کی طرف میلان تھا اور عقیدہ ارجاء (3) دونوں پر غالب تھا۔ خود کسریٰ اور قیصر بھی ان دینوں کے حامی تھے۔ اور ان کے امراء اس قاعدے کے مطابق کہ **الناس علٰی دین ملوکھم** (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اپنی باتوں اور اپنے کاموں میں انہی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ قیصر کے اتباع میں روم ، روس ، جرمنی ، افریقہ ، شام ، مصر یعنی مغربی ممالک اور حبشہ نصرانیت کے پیرو تھے۔ اور خراسان ، توران ، ترکستان ، زاولستان اور باختر وغیرہ کسریٰ کے اتباع میں مجوس تھے اور یہودیت ، مشرکوں کا دین، ہندوؤں کا دھرم اور صابیوں کا مذہب ان دونوں بادشاہوں کے دبدبے کے نیچے تھے اور کمزور ہو کر ان کے مطیع ہو چکے تھے۔ پس ظہور دین اسلام اور کافروں اور قانون شکنوں کو برباد کرنے کے داعیے نے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں کو برباد کرنے کی شکل اختیار کی۔ کیونکہ جب یہ دونوں حکومتیں برباد ہوجائیں گی سب سے بڑے اور سب سے مشہور دین شکست کھا جائیں گے۔'' (ازالۃ الخفاء مقصد اول ص 173)

(1) یہاں حضرت امام نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن کی مدد سے آپ اظہار دین (غلبہ دین) کے معنی معین کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے بات مختصر کرنے کی غرض سے وہ حدیثیں چھوڑ دی ہیں۔ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ (مرتب)

(2) کھانے پینے اور نکاح کے معاملے میں کسی قاعدے کی پابندی نہ کرنا اور ہر چیز کو جائز سمجھنا (مرتب)

(3) یہ عقیدہ کہ جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بخش دے گا۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

"جاننا چاہیے کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ دین حق کو جس طرح کا غلبہ بھی حاصل ہو، غلبہ کی وہ تمام شکلیں" لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ " کے کلمہ کے ضمن میں شامل ہیں ، اور اس غلبہ کی سب سے بڑی قسم کہ قیصر و کسریٰ کی حکومت ختم ہوئی اس آیت کے مفہوم میں بطریق اولیٰ داخل ہے، اور ان حکومتوں کے خاتمہ کا کام خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہوا۔" (ازالۃ الخفاء' ص 175)

اس کے بعد ہر زمانے میں اس قانون کو غالب رکھنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

آیت نمبر 29: (الف) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ

ترجمہ: "محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھی۔"

نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی حیثیت

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی تحریک ہے۔ اکیلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کام نہیں ہے۔ وہ مزمل' رفقاء کار جمع کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔ (ان کی نبوت کی حیثیت جداگانہ، مستقل حیثیت ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں اور نہ ان کا کوئی مشیر ہے)۔ قرآن حکیم میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی اس اجتماعی حیثیت کی طرف جابجا اشارے موجود ہیں۔ مثلاً

(1) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (آل عمران 3:195)

ترجمہ: "جن لوگوں کو گھر بار سے ہجرت کرنی پڑی اور جن کو اپنے وطن سے نکالا گیا۔"

ظاہر ہے کہ وہ تنہا حضرت نبی اکرم ﷺ نہیں تھے۔ بلکہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی سب مراد ہیں۔

(2) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ انفال 8:64)

ترجمہ: "اے نبی! اللہ تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کے لیے کافی ہے۔"

اس میں نبی کرام ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ملا کر ایک جماعت ظاہر کیا گیا ہے۔

(3) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ توبہ 9:26)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: "یعنی پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین سب پر اطمینان قلب نازل فرمایا۔"

(4) لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؀ (سورۂ توبہ 88:9)

ترجمہ: یعنی "رسول اور وہ لوگ جو اس کے شریک ایمان ہیں، اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ جملہ بھلائیاں ان سب کے لیے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

یہاں بھی صحابہ کرامؓ کو رسولؐ کا شریک ایمان یا رفیق فکر اور جہاد میں شریک یعنی رفیق عمل ظاہر کر کے کامیابی کے نمونے کے لیے ساری جماعت کو پیش کیا گیا ہے۔

یہی وہ چیز ہے جسے حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے بھی ما انا علیہ واصحابی (جس اصول کار پر میں اور میرے ساتھی ہیں) کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مشورہ کرنا آنحضرت ﷺ کے لیے ضروری تھا

آپؐ کی یہ اجتماعی حیثیت ہے جو مشورہ کرنے کے حکم کو قبول کرسکتی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں آیا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ (آل عمران3:159)

ترجمہ: "ان سے معاملات ملی میں مشورہ (ضرور) لیا کرو۔ اور جب پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔"

امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت نبی اکرم ﷺ پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا لازم تھا۔ دینی امور میں بھی اور ان امور میں بھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ اور دنیاوی امور میں بھی..... یہ غلط ہے کہ یہ مشاورت محض ان کا جی خوش کرنے اور ان کی قدر بڑھانے کے لیے تھی اور اس لیے بھی کہ آپؐ کی امت اسی طرح کرے۔ کیونکہ جب کسی کو معلوم ہو کہ مجھ سے جس امر کے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے اور جس بارے میں صحیح رائے

(c) ketabton.com: The Digital Library

پوچھی جارہی ہے' اس کے متعلق میں نے ایک مشورہ اپنی پوری کوشش سے پیدا بھی کرلیا' یا سوچ بچار کر کے کوئی صحیح رائے قائم کرلی تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے گا اور نہ اسے قبول کیا جائے گا۔ تو بھلا اس مشاورت سے اس کا جی کیا خوش ہوسکتا ہے اور اس کی قدر کیا بڑھ سکتی ہے؟ بلکہ اس کا اثر الٹا یہ ہوگا کہ ایسے مشورہ لینے والے سے وحشت بڑھے گی۔ کیونکہ اسے علم ہوگا کہ میری رائے نہ کسی کو سننی ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ آپؐ اپنے ساتھیوں سے ان معالات میں مشورہ کرتے جن میں کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ البتہ صریح احکام کے بارے میں مشورہ ناجائز تھا۔ مثلاً یہ پوچھنا کہ نماز ظہر یا عصر کے بارے میں یا زکوٰۃ یا روزے کے بارے میں "تمہاری کیا رائے ہے؟" بالکل غیر ضروری تھا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مشورے کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ فلاں بات میں مشورہ کرو اور فلاں میں نہ کرو۔ اس لیے لازم تھا کہ ہر دو معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیتے۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"عزیمت (پختہ ارادہ) کا ذکر مشاورت کے بعد آیا(1) ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو۔"

(احکام القرآن جلد دوم ص 41 طبع بیروت)

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کے مطابق آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ (مشاورت اهل

---

(1) الفاظ کی ترتیب یوں ہے: وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ظاہر ہے کہ اس میں شاورھم (ان سے مشورہ لیا کرو) پہلے واقع ہوا ہے۔ اور فاذا عزمت (جب تو پختہ اردہ کرے) بعد میں آیا ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

الرأی ثم اتباعھم) یعنی جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں، ان سے رائے لے کر ان کی رائے کی پیروی کرنے کا نام عزم ہے۔

مشاورت کی اہمیت

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس بلند اجتماعی تصور کو آپؐ کی انفرایت میں گم کر دیا۔

مشاورت کا مسئلہ اسلام میں بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اسلامی حکومتوں کو مشورے سے خالی کر کے مطلق العنان، جاہل حکمرانوں اور امیروں کا کھیل بنا دیا گیا۔ (1) وہ مسلمانوں کی امانت (سرکاری خزانے) سے اپنی شہوت پرستیوں پر روپیہ صرف کرتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی مصلحت کے مقابلے میں خیانتیں کرتے ہیں اور ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں (2) اس قسم کی غلطیوں کا خمیازہ مسلمانوں کو صرف اس غلط تفسیر کی وجہ سے بھگتنا پڑا۔ ورنہ ہر ایک مسلمان ایک حاکم کے اوپر ننگی تلوار ہے۔ وہ حاکم کیوں قانون الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا؟ اگر وہ اطاعت نہیں کرتا تو کس بنا پر ہم سے اطاعت کا طلبگار ہوتا ہے؟ یہ طاقت مسلمانوں میں پھر سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ان کی جماعتی زندگی آسانی کے ساتھ قرآن کے مطابق بن سکتی ہے۔

---

(1) تازہ ترین مثال حکومت ایران کی ہے۔ کہ 942ھ میں اتحادیوں نے روپے کے بل بوتے پر چند گھنٹوں میں سارے ایران پر قبضہ کرلیا۔ (مرتب) 1942ء۔942ھ

(2) سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

"بڑی خرابی امراء اور رئیسوں کو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے مشورہ لینے کی سنت کو اپنی کم فہمی سے ترک کر دیا ہے، مسلمان لوگوں کی تعلیم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو "شاورھم فی الامر" بتاکید فرمایا ہے، نصرانیوں نے اس آیت پر اس درجہ عمل کیا کہ ہزاروں قسم کی مجلسیں مقرر کیں، ہر اخبار اور رعایا کو رائے دینے کا مجاز کیا، اس کا نتیجہ جو کچھ ہے آپ کو بھی معلوم ہے۔ (لیکن) مسلمانوں کو یہ خبط ہے کہ جب ہم دوسروں سے رائے لیں گے تو "ہم کو لوگ کم عقل سمجھیں گے" یا "ہماری حکومت میں شریک ہوں گے" یا تکبر سے کسی کو مشورہ کے قابل نہیں سمجھتے، غرض کہ (مسلمانوں کو) بیسیوں خبط ہیں۔"

(تربیت السالک از حضرت تھانوی، ص 59) (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

حقیقت یہ ہے کہ شوریٰ کو مستحب (1) بنا کر اسے سیاست اسلامی سے نکال ڈالنے والے لوگوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

صحابی سے کون مراد ہیں؟

ایسے ہی صحابی کی وہ تعریف عوام میں مشہور ہوگئی ہے جس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ صحابی کی یہ تعریف کہ ''اس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو'' حدیث کی روایتیں جمع کرنے کی خاطر بنائی گئی ہے ورنہ اصل میں سیرت نبوی کے اعتبار سے صحابی وہ ہے جس نے آپ کی معیت لازم پکڑی اور آپ کے ساتھ آخر تک انقلاب میں شریک رہا۔ تکلیفیں اٹھائیں اور اس تحریک کی صداقت کے متعلق پورے یقین کے ساتھ یہ اطمینان کرلیا کہ انسانیت کے لیے اس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں ہے۔(2) یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال 74:8)

ترجمہ: یعنی ''جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی' وہی ہیں سچے مسلمان۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔''

---

(1) مستحب وہ امر ہے کہ اس پر عمل کریں تو اچھا ہے اور نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔(مرتب)

(2) چنانچہ محدث مازری شرح برہان میں رقمطراز ہیں کہ:

(لسنا نعني بقولنا "الصحابه عدول" كل من راه صلعم يوما ما ، اوزراه لماما، او اجتمع به لغرض والصرف مكث انما نعني به الذين لا زموه و عزروه ونصروه واتبعوا النور الذى انزل معه اولئك هم المفلحون) منقول از اسوہ صحابہ از مولانا محمد سعید انصاری جلد اول ص 11 بحوالہ ''فتح المغیث'' ص 377) یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ الصحابتہ عدول (صحابی سب عادل ہیں) تو اس سے ہماری مراد ہر وہ شخص نہیں جس نے آنحضرت ﷺ کو کسی روز دیکھ لیا یا کبھی زیارت کر گیا۔ یا کسی کام سے آیا اور فوراً واپس لوٹ گیا۔ بلکہ ہماری مراد ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے آپ کی معیت لازم پکڑی۔ جہاد میں آپ کی مدد کی۔ آپ کی حمایت میں آپ کے دشمنوں سے لڑے اور اس نور کی پیروی کی جو آپ پر نازل ہوا۔ یہ لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں کامیاب ہوئے۔(مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی' جنہوں نے آپؐ کی سیرت (حالات زندگی) کے بنانے میں حصہ لیا' چند صفتیں ہیں:

(1) اشدآء علی الکفار "کافروں پر سخت۔"

نبی ﷺ کے ساتھی اشدآءُ علی الکفار ہیں

ان کی سختی کے دو پہلو ہیں:

(i) یہ لوگ مخالفوں سے لڑنے میں بڑے سخت ہیں کہ موت قبول کر کے لڑنے کے لیے جاتے ہیں۔

(ii) جو لوگ اس تحریک کے کھلم کھلا دشمن (کافر) ہیں۔ یہ لوگ ان کافروں کو انتہائی سزا دینے کے طرفدار ہیں۔ قتل کی ضرورت ہو تو قتل کر دیئے جائیں (1) ورنہ جو اس سے کم سزا ضروری ہو' وہ دی جائے۔

قتل ہمیشہ اسی وقت کیا جائے گا جب انہوں نے قتل کیا ہو یا وہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے ہوں۔ ورنہ ان کی انتہائی سزا یہ ہے کہ ان کی سیاسی تحریک روک دی جائے۔ اور انہیں سیاست میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔ ان کی عقلمندی سے جو ارتفاقی اور تمدنی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ان سے جماعت کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے۔

(2) رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ "آپس میں رحمدل"

وہ "رُحماء بینھم" بھی ہیں

جو لوگ اس تحریک کی تائید میں ان کے ساتھی ہیں ان کے لیے ان کے پاس سوائے رحمت کے اور کچھ نہیں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد پر رحمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رحمت سے پیش آتے ہیں۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے بھی رحمت کے دروازے کھولتے ہیں۔ جس شخص کے متعلق امکان نظر آتا ہے کہ وہ اس تحریک کی تائید کرے گا' اسے مخالف بننے کا موقعہ نہیں دیتے۔

ان کے جو ساتھی مظلوم اور ضعیف ہیں' اگرچہ یہ انہیں پہچانتے بھی نہیں' مگر ان پر

---

(1) جنگ بدر میں جو کافر قیدی گرفتار ہو کر آئے حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق تجویز کیا کہ ہر ایک مسلمان ان میں سے اپنے اپنے عزیزوں کو قتل کر دے۔ (مرتب)

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

رحم کرنے کے لیے اپنی تمام عزت قربان کر دیتے ہیں۔ جیسے انہوں نے حدیبیہ کی صلح میں کیا۔ یا حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا تھا کہ ان اراضی کا فائدہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ملنا چاہیے۔

(ازالۃ الخفا: امام ولی اللہ دہلویؒ مقصد دوم ص 127)

فائدہ

یہ ایک طبعی چیز ہے کہ اگر کسی جماعت میں مخالف جماعت کے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا کر دیئے جائیں تو خود اس جماعت کے اندر محبت و رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو جماعت قرآن حکیم کو تمام دینوں پر غالب کرنے کے لیے اٹھے' اسے اپنے اندر انتہا درجے کی محبت و رحمت پیدا کرنی چاہیے۔ اور اس آپس کی محبت کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرنے چاہئیں۔ یعنی آپس میں کامل تعاون اور ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت۔

(3) تراھم رکعًا سُجَّدًا "تو دیکھتا ہے، انہیں رکوع میں اور سجدے میں۔"

خدا پرست لوگوں کی اصطلاح میں رکوع اور سجدہ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا مظاہرہ ہے۔

رکوع کیا ہے؟

رکوع کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ ذمہ داری کا جو بوجھ اللہ نے ہم پر ڈالا ہے' ہم اسے برداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جو دل و دماغ دیتا ہے اسی نسبت سے اس پر فرض عائد کرتا ہے۔ یہ فرض اس پر ایک بوجھ ہے جسے وہ رکوع کی شکل میں اٹھاتا ہے۔ گویا وہ اقرار کرتا ہے کہ میری جو ڈیوٹی مقرر کی گئی ہے میں اسے خوشی کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اور اس پر اسی طرح کاربند رہوں گا' جیسے ایک حیوان ایک انسان کے آگے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

سجدہ کیا ہے؟

سجدہ یہ ہے کہ میں کامل اطاعت کا اعلان کرتا ہوں۔ پہلا سجدہ کر کے اعتراف کرتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوں کہ میری جان تیری راہ میں حاضر ہے۔ دوسرے سجدے کے ذریعے اس امر کا اعتراف مقصود ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق میری جان کے ساتھ ہے۔---مال و اولاد--- سب کچھ تیری راہ میں قربان کرتا ہوں۔ یہ تکمیلی درجہ ہے۔ اور ان اللّٰــہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم و اموالھم (1) (التوبہ 11:0) کی عملی تفسیر ہے۔

جو انسان اپنے فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہا' وہ انسانیت سے گر گیا۔ اگر اس نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا تو وہ تعریف کے قابل ہے۔ یہ رکوع کی تکمیل ہے۔ لیکن ایک شخص اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے فرض سے بھی زیادہ کام کرتا ہے وہ جان و مال اور سب کچھ مکمل طور پر اس انقلاب میں جھونک دیتا ہے۔ یہ سجدہ ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (29:48) ''تو انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی اپنے کام میں غرق ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے بغیر دم نہیں لیں گے۔ اور اسے انتہا تک پورا کریں گے۔ وہ اس کی تکمیل پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

اسی آمادگی اور عمل کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (3:5)

''میں نے آج تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔''

بقول امام ولی اللہ دہلوی ''اتمام نعمت'' سے مراد بین الاقوامی حکومت دینا ہے۔

یہ درخت قیامت تک پھل لاتا رہے گا۔

(ج) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

''وہ اللہ سے فضل مانگتے ہیں۔''

فضل کیا ہے

اگر وہ محض فرض ادا کرتے تو وہ اپنا حق پورا پاتے۔ مگر وہ زیادہ ترقی چاہتے ہیں۔ اس

(1) بیشک اللہ نے مومنوں کے جان و مال مول لے لیے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لیے تکمیلی کام بھی کرتے ہیں۔ وہ اس فضل کی وجہ سے قوموں کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھ جائیں گے کہ وہ سب کے امام مان لیے جائیں گے۔ اس لیے انہیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ:

يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان 74:25)

ترجمہ: ''بال بچے ایسے ہوں کہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یعنی اپنے گھر میں جو پروگرام چلانا چاہتے ہیں وہ انہیں پورا ہوتا نظر آئے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ خدا سے ڈر کر انصاف کرنے والے متقیوں کے امام بنیں۔''

(د) وَرِضْوَانًا ''اور اللہ کی رضا''

رضوان سے کیا مراد ہے؟

اللہ کی رضا اس کی تجلی میں محویت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے انسان کے کمالات کے دو حصے کر دیئے ہیں:

(1) ارتفاق یعنی دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ۔

(2) اقتراب یعنی قرب الٰہی میں ترقی کرنا یا دوسرے لفظوں میں حظیرۃ القدس میں مقام حاصل کرنا۔

رضوان کا تعلق اقتراب سے ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے قلب میں ایک آئینہ ہے۔ جس میں اللہ کی تجلی کا عکس آتا ہے۔ اس آئینے کو جتنا زیادہ صاف کیا جائے اتنا ہی یہ عکس زیادہ روشن اور صاف آئے گا۔ اس تجلی کا جو نزول انسان کے قلب میں ہوتا ہے اسے قرب الٰہی (اقتراب) سمجھنا چاہیے اور تجلی کا نازل ہونا ہی اللہ کی خوشنودی (رضوان) کی علامت ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتا ہوا ملاء اعلیٰ کے ساتھ تعلق قائم کر لیتا ہے۔ اور وہ اللہ کی شانوں کا ہر وقت احساس کرتا رہتا ہے اور جامد نہیں ہو جاتا۔ صالح انقلابی ذہنیت کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ ایسا انقلابی مرنے کے بعد حظیرۃ القدس میں جگہ پاتا ہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اللہ کا فضل انسان کی ارتقاقی زندگی کا انتہائی درجہ ہے۔
اللہ کا رضوان انسان کی اقترابی زندگی یعنی اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا آخری درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ''محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی'' سے جو جماعت پیدا ہوئی ہے اس کی زندگی ارتقاق اور اقتراب دونوں کے لحاظ سے نمونے کی زندگی ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی حکومت بھی پیدا کی اور قرب الٰہی کے بھی اونچے سے اونچے درجوں تک پہنچے۔ ان کا یہ کارنامہ قیامت تک کے انقلابیوں کے لیے اعلیٰ درجے کا نمونہ ثابت ہوگا۔ بیچ میں اس نمونے پر اور نمونے ڈھلتے رہیں گے۔ لیکن اصل نمونہ یہی ہوگا۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نمونے کے اس اولین دور کو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم مانتے ہیں(1) اور اس دور کی تاریخ کے جس اعلیٰ پائے کے وہ شرح کرنے والے ہیں اس سے بہتر کوئی دوسرا عالم نہیں مل سکتا۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ قرآن کا قانون بین الاقوامی درجے پر غالب رہنا چاہیے۔ یہ جماعت اپنے فیصلے سے اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔
یبتغون (چاہتے ہیں) سے یہی مراد ہے کہ اپنی مرضی اور فیصلے سے ''چاہتے ہیں''۔

(ہ) سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

''ان کی نشانی ان کے مونہوں پر ہے سجدے کے اثر سے۔''

سجدے کی روح — قربانی — ان کے اندر داخل ہو چکی ہے اور اس سے وہ اس قدر نڈر ہو چکے ہیں کہ ان کے چہرے سے ایک نور ابلتا ہے۔ وہ ہر ایک مصیبت کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ انہیں راہ حق سے کوئی مصیبت ہٹا نہیں سکتی۔

(و) ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

''ان کی یہ تمثیل تورات میں (پہلے ہی) بیان کر دی گئی ہے۔''

---

1. ازالۃ الخفاء، مقصد اول، باب مبحث، ص 121 (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر

تورات میں اس کا اشارہ مجمل ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ میں بنی اسماعیل کو اتنا ہی بڑھاؤں گا جتنا بنی اسحاق کو۔ میں انہیں ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

(ز) وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

ترجمہ: ''اور انجیل میں ان کی تمثیل جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا' پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر وہ موٹا ہوا' پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو۔''

اس سلسلے میں انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات لائق توجہ ہیں:

انجیل مرقس باب 4 آیۃ 3-9 میں ہے کہ:

''سنو' دیکھو' ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آ کر اسے چگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی۔ اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا۔ اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبا لیا۔ اور وہ پھل نہ لایا۔ اور کچھ اچھی زمین پر گرا وہ اُگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا' کوئی ساٹھ گنا' کوئی سو گنا پھل لایا۔''

پھل لانے کی مزید کیفیت آگے چل کر آیات 26-27-28 میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''اور اس نے کہا: خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے' اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے' اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے' زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے' پہلے پتی' پھر بالیں' بعد اس کے بالوں میں تیار دانے۔''

(ح) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ''تا کہ ان سے کافروں کا جی جلائے۔''

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدا نے قوموں کو رسولوں کے ذریعے سے اپنی کتابیں اور ہدایتیں دیں۔ وہ لوگ اس دین کی عزت کرتے اور اپنی کتاب پر عمل کرتے تو ان کی عزت قائم رہتی۔ اور ان پر کوئی دوسرا حاکم نہ ہوسکتا۔ مگر انہوں نے ان کتابوں کی عزت نہ کی اور اپنے دین کا احترام قائم نہ رکھا بلکہ اس کی عملاً مخالفت کی۔ یہ کفار ہیں۔

اب ایک دیندار جماعت پیدا ہوتی ہے جو ان پر غالب آجاتی ہے۔ کفار اپنے آپ کو بھی دیندار سمجھتے ہیں۔ انہیں غصہ آتا ہے یہ لوگ ہمارے دین پر غالب کیوں آگئے؟ لیکن حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہ باعمل جماعت جو مرنے پر آمادہ ہے' ان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے والوں یا نیم دلی سے اپنے دین کو ماننے والوں پر غالب آجائے۔

ان نام نہاد ''دیندار'' قوموں کو مغلوب کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ یہ انقلاب قیامت تک جاری رہے گا۔

کیا مہاجرین کی پہلی جماعت کے ذریعے ہندوستان' ترکستان اور سوڈان فتح ہوسکتے تھے؟ پس قرآنی تحریک کی ترقی ایسی ہے جیسے کھیتی کا نشوونما پانا۔ یہ چھومنتر کا کام نہیں ہے' ارتقائی کام ہے۔ یہ طبعی چیز ہے' ہو کر رہے گی۔ مگر بعض لوگ جن کی نظر قرآن پر گہری نہیں ہے طبعی رفتار کو دین سے الگ کرتے ہیں لیکن ہم امام ولی اللہؒ کے واسطے سے نیچر اور دین کو ایک ہی چیز مانتے ہیں۔ یہ تحریک اس کی مثال ہے۔ یعنی جس طرح بیج بونے کے بعد کھیتی طبعی رفتار سے ترقی کرتی ہے' ایسے ہی یہ قرآنی تحریک طبعی طور پر ترقی کرے گی' اور تمام دنیا پر چھا جائے گی۔

یہاں تک حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان کی کامیابی کے کفیل بنے۔ اب ایک کلیے کے طور پر جامع اصول بیان کیا جاتا ہے۔

(ط) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ؏

ترجمہ: ''ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے' ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں معافی ملے گی اور بڑا اجر ملے گا۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ نمونے کی جماعت ہے

اس انٹرنیشنل تحریک کو چلانے والی جتنی جماعتیں ہیں (اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) ان سب سے وعدہ ہے کہ ان کی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی، بشرطیکہ وہ اس پروگرام پر چلتی رہیں۔ وہ اس تحریک سے بڑے بڑے فائدے حاصل کریں گے اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔

رسول اللہ ﷺ کی جماعتی کامیابی جو نمونے کے طور پر قرآن کی عملی زندگی پیش کرتی ہے وہ اس آخری آیت میں ضبط کر دی گئی ہے اس نمونے پر قیامت تک عمل کرنا ہوگا۔ اب قرآن شریف کو کسی اور نمونے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ انسانیت کو کسی اور کتاب الٰہی کی حاجت ہوگی۔ تمام مسلمانوں پر ایسی جماعت کا قائم رکھنا فرض ہے۔

سورۂ فتح کا خلاصہ

اور

سورہ حجرات کے ساتھ ربط

سورۂ فتح کا خلاصہ

سورۂ فتح میں قرآن حکیم کے عظیم الشان نصب العین کا اعلان کیا گیا ہے۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ قرآن حکیم کا قانون تمام دوسرے قانونوں پر غالب رہنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ نصب العین قرآن حکیم کے بین الاقوامی غلبے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس صورت میں آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی طرف بھی صاف الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قومی انقلاب کی تکمیل کے بغیر کوئی بین الاقوامی انقلاب سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اور قومی اور بین الاقوامی انقلابوں کے لیے نہایت اعلیٰ درجے کے ضبط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سورت میں اس قسم کے ضبط کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کی انقلابی جماعت میں شامل ہو کر اس کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے، اسے سخت سے سخت سزا دی جاسکتی ہے۔ یہاں تک کہ آخری حالت میں موت کی سزا بھی مل سکتی ہے۔ پھر اس قانون کے ماننے والوں کی حالت بھی یہ بیان کر دی ہے کہ وہ ان لوگوں پر بڑی سے بڑی سختی کرنے کو تیار ہیں جو اس قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے علانیہ میدان جنگ میں اتر آئیں۔

اس قسم کی نئی جماعت جب فاتح ہو کر پرانے رجعت پسندی کے دور کو ختم کر دینا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں نئی تہذیب کی بنیاد رکھے۔ وہ نئی تہذیب اس نئے نظام کے پوری طرح مناسب ہوتی ہے۔ جب سوسائٹی اس نئی تہذیب میں پرورش پانے کی عادی ہو جاتی ہے تو اسے نئے نظام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر فقط حکومت میں تبدیلی پیدا کی جائے اور تہذیب پہلی ہی قائم رکھی جائے تو چند دنوں کے بعد ویسی ہی رجعت پسند جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے انقلابی جماعت رجعت پسندی کا دور ختم کرنے کے لیے عموماً نیا مرکزی شہر بساتی ہے جس میں نئی تہذیب منظم کی جاتی ہے۔

اسلام کی سیاسی قوت فتح مکہ کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور مکہ حجاز کا پرانا مرکز تھا۔ نئی تہذیب کے لیے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے واسطے مدینہ طیبہ میں رہنا آسان کر دیا۔ مدینہ منورہ کی حالت شروع میں شہر کی نہ تھی۔ وہ چند بستیوں کا مجموعہ تھا۔ جن میں انصار و یہود کے قبیلے بستے تھے۔ انہیں میں بنی نجار کی بستی تھی جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے مسجد بنائی۔ اور اس مسجد اور بستی کو نئی تہذیب کا منبع بنایا۔

سورۂ حجرات کے ساتھ ربط

اس نئی سوسائٹی کی تہذیب جن قاعدوں پر چلے گی ان کا ذکر سورۂ حجرات میں آتا ہے۔

✦ ✦ ✦

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی حزبِ انقلاب

سورۃ المجادلہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مایوسی کی بجائے اُمید

دنیا میں ہمیشہ واقعات کا مطالعہ کرنے کے لیے دو طرح کی نظریں رہی ہیں: ایک اُمید کی اور دوسری مایوسی کی۔ حکمائے یونان کی نسبت سنا ہوگا کہ آثار و نتائجِ عالم پر بحث کرتے ہوئے ان میں دو مختلف مذاہب: اُمید اور مایوسی کے تھے۔ پھر جس طرح کی نظر سے تم دنیا کو دیکھو گے، وہ اسی رنگ میں نظر آئے گی۔ مایوسی کی نظر سے دیکھو تو اس کے دلائل بے شمار ہیں۔ اور اُمید کا مذہب اختیار کرو تو اُس کے پہلو مایوسی سے کم نہیں۔ اسلام ہم کو ہمیشہ اُمید کی تلقین کرتا ہے۔ پس کیوں نہ ہم اُمید کے پہلوؤں ہی پر نظر ڈال لیں۔

(قرآن کا قانونِ عروج و زوال، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ص 123)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حرف اول ☆

یہ حقیقت مسلم ہے کہ یہ دور اجتماعیت کا دور ہے۔ اور اس دور میں وہی فکر انسانیت کے اجتماعی تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے جو قرآنی اجتماعیت کے قیام کی نقیب ہو۔ اسی اجتماعیت کے قیام کے لیے پہلا عملی مرحلہ تنظیم سازی کا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی فکر خواہ وہ کس قدر بلند اور اعلیٰ کیوں نہ ہو، تنظیم اور حزب کے بغیر چند الفاظ سے زیادہ اہمیت نہیں پاتا۔ اسی بناء پر قرآن حکیم نے اجتماعی زندگی کی اہمیت اور نظم وضبط کی ضرورت کو زیادہ واضح کیا۔ جس کے نتیجے میں جماعت صحابہ جیسی حزب اللہ وجود میں آئی۔ جس نے عالمی طاغوتوں کی سرکشی کا قلع قمع کر کے نظام عدل قائم کیا۔

زیر نظر کتابچہ میں قرآن حکیم کی سورۃ مجادلہ کی روشنی میں اسی حزب انقلاب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جس کو مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ امید ہے کہ احباب فکر اسے نہ صرف پسند کریں گے بلکہ اس کی روشنی میں اپنے لائحہ عمل کا جائزہ بھی لے سکیں گے۔

چیئرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

☆ (کتابچہ کی صورت میں طبع اول کا دیباچہ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

عرض اوّل ☆

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیو بندی نے فرمایا کہ میرے شاگردوں میں:

(الف) ادب قرآن میں جو درجہ کشمیر کی وادی لولاب کے سید انور شاہ کو حاصل ہوا وہ کسی اور کو نہیں۔

(ب) اور قرآنی سیاست میں جو درجہ عبید اللہ سندھی نے حاصل کیا وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آیا۔

یہ بات شیخ الہند نے کب کہی؟ جب انگریز نے مالٹا میں قید کر دیا۔ یہ بات کس نے سنی؟ یہ ان کے شاگرد حسین احمد مدنی نے سنی جب وہ ان کے ہمراہ اسیر مالٹا تھے۔ اور مولانا سندھی عملی طور پر قرآنی سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔ اور استاد محترم کے ارشاد کے مطابق افغانستان پہنچ کر افغان فوجوں کو ہمراہ لے کر انگریز فوجوں کے مقابلے میں سینہ سپر تھے۔ آخر انگریز صلح پر مجبور ہو گئے اور ایک شرط یہ قرار پائی کہ عبید اللہ سندھی کو افغانستان میں نہ رہنے دیا جائے۔ حضرت سندھی نے اپنی پچیس سالہ جلاوطنی کی میعاد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے روس' ترکی اور حجاز کا رخ کیا۔ انگریز نے حضرت سندھی کو افغانستان میں نہ رہنے دیا۔ مولانا سندھی نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور اسے آخر ہندوستان سے نکلوا دیا۔ پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد اپنی قوم کو ووٹ کی قیمت سمجھانے کی غرض سے ہندوستان میں قدم رکھا۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی باتیں ہیں۔

شیخ التفسیر حضرت لاہوری سے امام انقلاب سندھی نے ان کے شاگردوں میں سے دو نوجوان طلب کیے۔ حضرت لاہوری نے اپنے دو شاگرد ان کے حوالے کیے۔ ایک تھے شیخ بشیر احمد بی اے اور دوسرا راقم آثم خدا بخش عفی عنہ' جو کچھ عرصہ کے لیے کابل' مکہ معظمہ اور سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت سندھی کی رفاقت میں رہا۔ حضرت سندھی نے وصال سے پہلے چار ہزار صفحات مختلف املیوں میں قرآن و حدیث' سیاست اور تصوف وغیرہ کے موضوعات پر لکھوا دیئے۔ انہیں املیوں میں سے ایک املی کی ایک سورۃ قارئین کے غور و فکر کے لیے شائع کی جاتی ہے۔

غازی خدا بخش

☆ (''خدام الدین'' میں طبع مضمون کا ابتدائیہ)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ المجادلہ (58)

تمہید سورت

سورت کا موضوع: حزب اللہ کی ضرورت

یہ سورۃ حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت ثابت کرتی ہے۔ یہ عقلی طور پر طے ہو چکا ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی ڈکٹیٹر شپ (Party Dictatorship) کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم جو انقلاب لانا چاہتا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ کتاب الٰہی کی حکومت تمام قانون پر غالب ہو جائے۔ اس مضمون کو پورا کرنے والی جماعت حزب اللہ کہلائے گی۔ یہ سورت حزب اللہ کی ضرورت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتی ہے۔

مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں:

(1) مکے کے مشرکین اور (2) منافقین مدینہ

خلافت باطنہ

مسلمان مشرکین مکہ پر ایک حد تک بدر میں فتح پا چکے ہیں۔ مکہ معظمہ میں حزب اللہ کی جو بنیاد رکھی گئی تھی وہ ایک لحاظ سے مخفی جماعت کی شکل میں تھی، مہاجرین کی اس جماعت کو منظم کر لیا گیا تو اطراف مکہ معظمہ میں اسلام پھیلایا گیا۔ یہ لوگ اسلام لانے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ سمجھتے کہ قرآن حکیم کے خلاف کوئی چیز نہیں ماننی چاہیے۔ اس طرح قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے والی جماعت منظم ہوگئی مگر شروع میں اس کی تنظیم مخفی تھی۔ اس لیے لوگوں کو اب تک عام طور پر علم نہیں ہے کہ مکہ معظمہ ہی میں حکومت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے شاہ ولی اللہؒ اسے خلافت باطنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

(فیوض الحرمین و تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 13)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس جماعت کے نظام سے السابقون الاولون من المھاجرین والانصار واقف تھے۔

حزب اللہ کی ضرورت

دوسری جماعت جس سے مسلمانوں کا واسطہ پڑا وہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے طرفدار منافقین تھے۔ وہ خفیہ چالیں چلتے مگر بظاہر اسلام کا دعویٰ بھی کرتے جاتے۔ اندیشہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کے خاص لوگ ان غلط کاروں کی تدابیر کے رد کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اسلام میں ایک بڑا رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ پس ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی ضرورت تھی جو اشرار کی شرارتوں کا سدباب کرتی رہے۔ اس جماعت کا نام حزب اللہ رکھا گیا۔

سورۃ مجادلہ میں اس جماعت کی تشکیل کا اعلان کیا گیا ہے اور اس کی ضرورت سمجھائی گئی ہے۔ اب قرآن حکیم کی خدمت کرنے والی جماعت کا نظام مکمل ہو گیا۔ اگر کوئی لڑے تو یہ جماعت اس کے ساتھ لڑے گی اور کوئی پراپیگنڈہ کرے تو اس کے خلاف پراپیگنڈہ کرے گی۔

ایک اسلوب نزول

قرآن حکیم کے نزول کا عام اسلوب یہ رہا ہے کہ عام عرب کی ذہنیت میں حکمت کا کوئی اعلیٰ مسئلہ مرتکز کرنے کے لیے اس امر کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے جو اس مقصد سے کسی قدر قرب رکھتا ہو۔ اس واقعہ سے لوگ متاثر ہو جائیں تو ذہن عامہ کی اس توجہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن ایک اعلیٰ اصول سمجھا دیتا ہے۔ اور عوام کو اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ترتیب نزول و کتابت کا فرق

نزول قرآن میں جس قسم کی تقدیم و تاخیر منقول ہے، کتابی صورت میں وہ ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اس لیے کہ نزول کے وقت عوام کی ذہنی حالت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا تا کہ وہ جلدی سمجھ جائیں۔ مگر واقعات کی ترتیب ایسی نہیں ہو سکتی کہ ان کے مطابق ایک کتاب مرتب

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہو سکے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ جب مُنَزَّلْ آیتیں کتابی صورت میں لائی جائیں گی تو جو لحاظ مخاطبین اولین کی ذہنیتوں کا پہلے رکھا گیا تھا' اب وہ ملحوظ نہ رکھا جائے گا۔ اس لیے اب ان کو ایسے ابواب و سورتوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔ جس کا سلسلہ نیا فکر پیدا کرنے کے لیے مفید ہو۔ اس میں گہرا فکر کرنے والے پیش نظر رکھے جائیں گے۔ پس سورتوں کی کتابی ترتیب کا نزولی ترتیب سے مختلف ہونا ضروری ہے۔

سورت کی ابتدائی آیات کا نشانِ نزول

ایک بڑھیا ہے (خولہ) اس کا خاوند (اوس بن ثابت) اُسے ایسے لفظوں میں طلاق دے دیتا ہے کہ اب وہ کسی حالت میں رجوع نہیں کرسکتا۔ وہ بڑھیا بال بچے لے کر کہاں جائے؟ اور کیا کرے؟ رجوع نہ کرنا جاہلیت کی پرانی رسم ہے۔ یعنی جب کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ "انت علیّ کظھر اُمّی" (تو میرے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں "ظہار" کہتے ہیں)۔ تو جاہلی خیال کے مطابق وہ عورت کسی شکل میں بھی مرد کے گھر نہیں رہ سکتی۔

جس عورت پر مصیبت کا یہ پہاڑ ٹوٹا ہے' وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر آتی ہے اور علیحدہ بیٹھ کر اپنی مصیبت کا اظہار کرتی ہے۔ اور یہ کہتی ہے کہ بتایئے! میں کہاں جاؤں؟ اور بچوں کو کس طرح پالوں؟ رسول اللہ ﷺ اسے کوئی خلاصی کا طریقہ نہیں بتاتے اور فرماتے ہیں کہ اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ قانون یہی ہے۔ مگر بڑھیا ہے کہ برابر بپتا کہے جاتی ہے اور دم نہیں لیتی۔ وہ بار بار یہی کہتی ہے کہ خدا کے لیے بتایئے اب میں کیا کروں؟

یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پیش آیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں پاس ہی بیٹھی تھی۔ مگر وہ خاتون اتنی دبی زبان میں باتیں کرتی تھی کہ میں اس کی بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ اس پر سورۃ مجادلہ کی آیات نمبر 1 تا 4 نازل ہوئیں' جن میں حکم دیا گیا کہ ظہار کے کفارے کے بعد عورت اپنے شوہر کے گھر بس سکتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک اور اسلوب قرآن

قرآن حکیم کا یہ بھی عام اسلوب ہے کہ وہ اجتماعی سیاسی امور کے سمجھانے کے لیے گھریلو واقعات کو عنوان بناتا ہے' کیونکہ عرب اپنے گھر پر حاوی تھے۔ اگر ملک کو ایک بڑا گھرانا فرض کرلیا جائے تو جو اصول تدبیر منزل میں کام دیتے ہیں وہی تدبیر ملک میں کام دے سکتے ہیں۔

یہ ایک مخصوص واقعہ ہے، عام طور پر اس قسم کے حادثات پے در پے نہیں ہوا کرتے۔ اس حادثے کے واقع ہونے پر قرآن حکیم نے عرب کے ایک مسلّم (تسلیم شدہ) قانون میں مناسب ترمیم کردی۔ اس قسم کی جتنی ترمیمیں قرآن حکیم میں نازل ہوئی ہیں وہ سب ایسے وقت میں نازل ہوئی ہیں جب لوگوں نے مشقت کو محسوس کیا، یہی وجہ ہے کہ ترمیم کا حکم نازل ہونے پر لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے لیے ایک آسانی کردی گئی ہے۔ مگر یہ واقعہ حکم کے نزول کا سبب خفی ہی بن سکتا ہے گو یہ قوم کے ذہن میں جلی ہو کر نہیں آیا۔ بایں ہمہ اس قسم کی مشقت کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے۔ اور ترمیم کو سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حکم نے سوسائٹی کے لیے کتنی سہولت کردی ہے۔

یہاں سے انتقال ذہنی کیا جاتا ہے۔ اسے عربی فن شعر میں "براعۃ الاستھلال" کہتے ہیں۔ یعنی ایک غیر متعلقہ چیز کہہ کر شاعر لوگوں کی توجہ نہایت لطیف انداز سے ایک اور مضمون کی طرف لے جاتا ہے۔ اس میں سننے والوں کو بڑا لطف آتا ہے۔ عرب ذہنیت اس طرح کے تکلم سے بخوبی آشنا تھی۔

واقعہ ظہار اور قیام حزب اللہ میں ربط

سیاست اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عرب شعوب و قبائل میں متفرق ہیں۔ ایک قبیلے کی اجتماعیت اپنے ہی اندر محصور ہے۔ مابین القبائل کوئی اجتماعیت نہیں ہے۔ جو جماعت اس قسم کی محدود اجتماعیت پر قناعت کرلے وہ رفتہ رفتہ تفرقہ اور انفرادیت میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ہر گھر دوسرے گھر سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مصالح میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

منہمک ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ منزل آتی ہے کہ خود اس گھر کے اندر کی اجتماعیت میں تفرق و تشتت پیدا ہونے لگتا ہے اور افراد خانہ میں انفرادیت آ جاتی ہے۔ اس طرح فطرت انسانیہ جو اجتماعیت پر مجبول (پیدا کی گئی) ہے خراب ہو جاتی ہے۔

عرب میں ایک رسم ظہار تھی جس کے ذریعے مرد اپنی بیوی سے کنارہ کشی کر لیتا تھا، پھر ایک ایسی ہی رسم ''ایلاء'' تھی۔ اور تیسری رسم طلاق تھی۔ ان کے ذریعے سے اجتماعیت خانگی کو توڑا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے ان تخریبی رسوم کو یا تو بالکل منسوخ کر دیا یا نہایت محدود کر دیا۔ اور ایسی شرطوں سے مشروط کر دیا جن سے ان کی مضرت محدود ہو گئی۔

چنانچہ اس سورت میں جو مجادلہ اور شکوہ مذکورہ ہے' اس سے مقصود اس تخریبی حالت کی اصلاح ہے۔ وہ عورت رسم ظہار کی مضرت کو محسوس کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ مل جائے۔ وہ ان سینکڑوں عورتوں میں سے ہے جن کو یہ مصیبت پیش آ چکی ہے یا آ سکتی ہے۔ خود حضرت محمد ﷺ بھی اس کی مضرت محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی طریقہ معلوم ہو جائے جس سے اجتماع ملّی کو نفع پہنچے اور یہ رسم ختم ہو جائے۔ اس احساس کے جواب میں سورۃ مجادلہ میں آیات نمبر 1 تا 4 نازل ہوئیں۔

اس طرح اجتماعیت قومی میں ایک خرابی موجود ہے کہ عرب لوگ ایک غیر عرب قوم کے ایماء پر ایک ترقی کن جماعت (مسلم) میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اجتماعیت خانگی کی خرابی دور کرنے کے ساتھ اجتماعیت قومیہ کی اس دشمن طاقت کا بھی استیصال کر دیا جائے۔

چنانچہ آیت نمبر 4 کے آخر الفاظ

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

(اور یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں اور جو ان کا انکار کریں گے' ان کے لیے دردناک عذاب ہے) اور آیت نمبر 5

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ۚ

www.tahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے، جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے۔ یقیناً ہم نے یہ آیات واضح نازل کی ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کریں گے، ان کو بے عزتی اور ذلت کا عذاب چکھایا جائے گا)

ان دونوں چیزوں کی مشابہت پر دال ہیں۔ آیت 4 کے آخر میں ''عذاب الیم'' ہے۔ آیت نمبر 5 کے آخر میں ''عذاب مھین'' ہے۔ یعنی جو لوگ اجتماعیت خانگی کو برباد کرتے ہیں وہ ''عذاب الیم'' کے مستحق ہیں۔ اور جو لوگ اجتماعیت ملّیہ کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ''عذاب مھین'' کے سزاوار ہیں۔ اول الذکر لوگوں کے لیے حدود مقرر کر دی گئیں اور آخر الذکر لوگوں کے لیے حزب اللہ کا قیام وقوام ضروری قرار دیا گیا۔ آگے چل کر حزب اللہ کی تفصیل اور حزب الشیطان کے ساتھ مقابلہ بیان کر دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المجادلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ
تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝١ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا
هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ
الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝٢ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ
بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٣ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ
لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٦
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى
ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ
اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٧ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا
لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا
تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَـيْــــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ
وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ
تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ
وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ
الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ
الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ
كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر سورۃ المجادلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1: قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کی جناب میں شکایت پیش کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

ایک غلط رسم کی اصلاح

آیت نمبر 2: اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو وہ ان کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں۔ ان کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا۔ ان کا اپنی بیویوں کو ماں کہہ دینا بری بات اور جھوٹ ہے۔ مگر اللہ اس قسم کی لغو حرکت کو معاف کر سکتا ہے اور بخش سکتا ہے۔''

آیت نمبر 3: وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۳﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیں' ان کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں' اس سے بیشتر کہ وہ اپنی بیویوں کو چھوئیں۔ تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے' ورنہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔''

یعنی اگر تم اس قانون کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کو دھوکہ نہ دے سکو گے اور وہ تم کو اس کی ضرور سزا دے گا۔

آیت نمبر 4: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

ترجمہ: ''جس شخص کے پاس آزاد کرنے کے لیے غلام نہ ہو تو وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوئے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو' وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ قانون اس لیے بنایا گیا ہے کہ اللہ پر عمومی ایمان قائم رہے اور رسولؐ پر بھی ایمان قائم رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ جو لوگ ان حدود کی پابندی قبول کرنے سے انکار کریں گے' وہ دردناک عذاب پائیں گے۔''

حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت

اب یہاں سے حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر 5: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے۔ یقیناً ہم نے یہ آیات واضح نازل کی ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کریں گے ان کو بے عزتی کا عذاب چکھایا جائے گا۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافقین کی شکست کا اعلان

مذکورہ آیت نمبر 5 میں :

(الف) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا (بے شک جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے)

سے مراد منافقین ہیں۔

(ب) كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے)

سے مراد مشرکین مکہ ہیں، جنہیں بدر میں شکست اور ذلت نصیب ہو چکی ہے۔

(ج) وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (بے شک ہم نے واضح آیات نازل کی)

اس دوسری جماعت (منافقین مدینہ) کو ذلیل کرنے کے لیے یعنی تمہاری جماعت کے اندر جو رخنہ پیدا ہوسکتا ہے، اس کا سدباب کرنے کے لیے ہم نے واضح اور صاف اصول بیان کر دیئے ہیں کہ تم یوں اپنی جماعت منظم کرو۔

(د) وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (اور انکار کرنے والوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے)

اس پارٹی کا نیا نظام منظم ہوجانے کے بعد یہ منافقین منہ نہ دکھا سکیں گے۔

آیت نمبر 6: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ترجمہ: ''جس دن ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا، پھر ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے، جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے، اور وہ بھول گئے ہیں اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔''

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکٹھے کیے جائیں گے تو ان کا جماعتی حساب ہوگا۔

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مخفی اعمال بتائے گا۔

(فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا)۔ اللہ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے''

(c) ketabton.com: The Digital Library

(اَحْصٰهُ اللّٰهُ)۔ حالانکہ وہ بھولے ہوئے ہیں۔
(وَنَسُوْهُ)۔ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے (وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ)۔
جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز منافقین کو ان کے اعمال بتائے گا' اللہ چاہتا ہے کہ مومن بھی کوشش کر کے ان کو بتائیں۔ اور جس طرح یہ خفیہ خفیہ کام کرتے ہیں' مومن بھی ان کے کام پر تنقید کر کے ان کو یہیں دنیا میں بتا دیں (یہ ہمارا استنباط ہے)۔ اس سے حزب اللہ کے منظم ہونے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

جماعت کی اہمیت

آیت نمبر 7:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے؟ جب تین آدمی آپس میں مشورہ کرتے ہیں تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا خدا ہوتا ہے۔ اگر ان سے کم یا زیادہ ہوں تو بھی وہ جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ قیامت کے روز ان کے اعمال بتائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

چھوٹی سے چھوٹی جماعت تین یا پانچ آدمیوں کی بنائی جا سکتی ہے اور اگر اتنے بھی میسر نہ ہوں تو ان سے کم بھی بنائی جا سکتی ہے۔ غرض جتنے آدمی ملیں' کام شروع کر دینا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حزب الشیطان کام کر رہی ہے اس کے مقابلے میں حزب اللہ بھی اپنا کام شروع کرے۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حزب الشیطان کے اصول

آیت نمبر8: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو خفیہ مشورہ بازی سے روکا گیا؟ مگر وہ وہی کام کرتے ہیں جن سے ان کو روکا گیا۔ اور گناہ سرکشی اور رسولؐ کی نافرمانی کے لیے مشورہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ایسے لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن سے اللہ تجھے سلام نہیں کرتا۔ اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں کرتا؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے۔ وہ اس میں پڑیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانہ ہے۔''

اس آیت میں حزب الشیطان کے کام بیان کیے گئے ہیں۔ اور سمجھایا گیا ہے کہ کن باتوں کے لیے خفیہ سوسائٹی بنانا ممنوع ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

(1) اثم (گناہ)

(2) عدوان (ظلم و سرکشی)

(3) معصیت الرسول (رسولؐ کی نافرمانی)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو بعض ذو معنی فقرے استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہوتی تو اللہ ہم پر عذاب نہ کرتا؟ اس طرح وہ اپنی خفیہ جماعت کے کارنامے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

حزب اللہ کے بنیادی اصول

آیت نمبر 9 تا 11 میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس قسم کی خفیہ سوسائٹی بنائیں نیز اس کے قواعد بتائے گئے ہیں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 9: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اے مسلمانو! تم جب آپس میں مشورہ کرو تو اثم' عدوان اور معصیت الرسول کے لیے مشورے نہ کرو۔ بلکہ نیکی (بر) اور انصاف (تقویٰ) پھیلانے کے لیے مشورے کرو۔ اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف اٹھا کر لوٹائے جاؤ گے۔

مسلمانوں کو جس قسم کی جماعت بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مقصد متعین کر لینا چاہیے۔ یعنی:

(الف) بر (اخلاق قانون)

(ب) اور تقویٰ (انصاف) کے قیام کے لیے۔

قانون کے بعض حصے اخلاقی ہوتے ہیں۔ یہ قانون کی روح ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جس کے چلانے میں حکومت قوت بھی استعمال کر سکتی ہے۔ اسے تقویٰ کہا گیا ہے۔ پس وہ جماعت قانون کی شکل (تقویٰ) اور روح (بر) دونوں کو قائم رکھنے کے لیے ہو' نہ کہ اثم' عدوان اور معصیت الرسول کے لیے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اپنی سوسائٹی کا اصل حاکم اللہ ہی کو سمجھو۔ غائب اور حاضر سب کو جانتا ہے۔ جب مسلمان اس قسم کی سوسائٹی بنالیں گے' ان کا ڈر جاتا رہے گا۔

حزب اللہ کا فائدہ

آیت نمبر 10: اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: ''شیطانی خفیہ مشورہ بازی مسلمانوں کو غم میں ڈالتی ہے مگر یہ ان کو اللہ کے حکم کے بغیر ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور مومن صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

منافقین نے خفیہ جماعت بنا کر مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرانا شروع کر رکھا ہے کہ ہمارا

(c) ketabton.com: The Digital Library

تعلق یہودیوں کے ساتھ ہے' جن کے آگے قیصر روم کے ساتھ تعلقات ہیں۔ اس لیے ہم اور یہودی قیصر کی طاقت استعمال کر کے مسلمانوں کو برباد کر دیں گے۔ لیکن اسے (ان کے اس دعویٰ کو) معمولی چیز سمجھنا چاہیے۔ اور جب ان کے پروپیگنڈے کا استیصال کرنے والی حزب اللہ قائم ہو جائے گی تو اس حزب الشیطان کا ضرر (نقصان) ختم ہو جائے گا۔

جیسے ایک چیز سے بیماری پیدا ہوتی ہے تو اللہ نے اس کا علاج پیدا کر دیا ہے' وہ علاج کرنا چاہیے۔ اس سے فائدہ ہوگا۔ ایسے ہی سوسائٹی میں حزب الشیطان کا دنبل پیدا ہوگیا ہے۔ یہ حزب الشیطان ضرر پہنچانے کے لحاظ سے اصل چیز نہیں ہے۔ بلکہ نفع و ضرر اصل میں اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ حزب الشیطان کا پیدا ہو جانا حزب اللہ کے قیام کا معمولی سبب ہے۔ پس مسلمانوں کو اللہ کے بھروسے پر کام کرنا چاہیے۔ اور اسلامی سوسائٹی کو ان بادشاہوں کے پروپیگنڈے کے اثرات سے محفوظ و مطمئن کرنے کے لیے ایک جماعت بنا لینی چاہیے۔ جیسے عام مضر اسباب کا توڑ سوچنے کے لیے انسان اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے' ویسے ہی اس صورت میں بھی کرنا چاہیے۔

داخلی تنظیم

آیت نمبر 11: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں کھلے کھلے بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جاؤ۔ اللہ تمہیں پھیلا دے گا۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو' تو اٹھ کھڑے ہو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے۔ اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔''

اس آیت میں سوسائٹی کے اندرونی نظام پر بحث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں ایک شخص حکم دینے والا ہونا چاہیے۔ تم اس کے حکم کے مطابق بیٹھو اور اس کے حکم سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

جلسہ برخاست کرو، وہ "صدر" کون ہوگا؟ وہ ایسا شخص ہوگا جسے ایمان اور علم زیادہ دیا گیا ہو۔ پس ایسے شخص کو "صدر" بنالو اور اس کے حکم کے مطابق جلسہ کیا کرو۔

جس طرح ایک عورت نے اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کرلیا، تم بھی اسی اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کرلو۔

آیت نمبر 12 : يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَٰجَيْتُمُ ٱلرَّسُولَ فَقَدِّمُواْ بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جب تم اپنے مشورے رسول اللہ کے سامنے پیش کرو تو مشورہ پیش کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے اچھی اور زیادہ پاک بات ہے۔ اگر صدقہ دینے کے لیے نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس مالی قربانی کی شرط سے اکثر منافقین جھڑ جائیں گے۔ پھر باقی ایمان اور علم کی شرط کے ماتحت رک جائیں گے۔ اس طرح سوسائٹی کا اندرونی نظام منافقین سے پاک ہو جائے گا۔

اس جماعت کے فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہونے چاہئیں۔

آیت نمبر 13 : ءَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُواْ بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَٰتٍ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُواْ وَتَابَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: "کیا تمہیں خوف ہوا اس چیز کا کہ اپنے مشورے پیش کرنے سے پہلے صدقات دو؟ تو جب تم نے یہ نہ کیا دراں حالیکہ اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے تو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔"

یعنی جو شخص صدقہ نہ دے سکے یہ نہیں کہ وہ اس وجہ سے اپنا حق رکنیت ہی کھو بیٹھے گا بلکہ وہ اپنا استحقاق اپنے علم و عمل سے پیدا کرسکتا ہے یعنی اس مجلس کے مقاصد پر عمل پیرا ہو

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کر دکھائے اور لوگوں کو خیرات اور اطاعت رسول پر جمع کرے۔

ان میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے دونوں محکم ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس جماعت کا مالی نظام الگ ہونا چاہیے۔ اور انہی لوگوں کی کمائی میں سے اس کے فنڈ کی بنیاد پڑنی چاہیے۔ اگر کسی کے پاس روپیہ نہ ہو تو اس کے ایمان اور عمل صالح کی بناء پر اسے ممبر بنایا جاسکتا ہے۔

یہاں حزب اللہ کی تشکیل اور اندرونی نظام کے متعلق ہدایات پوری ہوگئیں۔

حزب الشیطٰن سے سلوک

اس کے بعد آیت نمبر 14 تا 20 حزب الشیطٰن یعنی مسلمانوں کے مخالف کام کرنے والی جماعت کی تصریح آتی ہے۔

آیت نمبر 14 : اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اس قوم سے رشتہ الفت استوار کیا ہے جو اللہ کی مغضوب علیہ ہے؟ وہ لوگ نہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے۔ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ اس چیز کو بھی جانتے ہیں۔''

الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا سے مراد منافقین ہیں

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔

جب قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں غالب ہوگا تو منافقین یہ باتیں سن کر یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں' جو یہ باتیں قیصر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال پورا ہونے سے پہلے قیصر کی طاقت عرب کو ہڑپ کر لے۔ یہودی نہ مسلمانوں کے دوست ہیں (مَا هُمْ مِّنْكُمْ) کہ ان کے فائدے کی بات کریں گے' نہ منافقوں کے دوست ہیں (وَلَا مِنْهُمْ) کہ عرب کی ترقی کی حمایت کریں گے۔ وہ جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافقین اور یہود سے سلوک

آیت نمبر 15: اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اللہ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ نہایت ہی برا ہے۔''

یعنی ان منافقین اور یہود کو عنقریب نہایت دردناک سزائیں ملیں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

آیت نمبر 16: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

ترجمہ: ''ان لوگوں نے قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنا کر رکھا ہے اور اس طرح وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ان کے لیے بے عزت کرنے والا عذاب ہے۔''

آیت نمبر 17: لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ: ''ان کے اموال اور اولاد ان کے کسی کام نہ آئیں گے، اللہ کے مقابلے میں۔ یہ لوگ آگ کے مستحق ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

یہ لوگ مسلمانوں میں شامل ہو کر قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر سگالی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' اس کے باوجود وہ مسلمانوں کی جماعت میں رخنہ پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ حزب اللہ جب مضبوط ہو جائے گی تو ان کو ذلت آمیز شکست دے کر نکال کر باہر کرے گی۔

اس وقت ان کے اموال اور اولاد جن کے بھروسے پر وہ اس قسم کی کارروائیاں کر رہے تھے کسی کام نہ آئیں گے اور موت کے بعد اپنے اعمال کی پاداش میں جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 18: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

ترجمہ: ’’جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا یہ اس کے سامنے بھی اس طرح قسمیں کھائیں گے جیسے اب تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی بات بن جاتی ہے۔ خبردار! یہ لوگ جھوٹے ہیں۔‘‘

یعنی یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم کر لیتے ہیں اللہ کے سامنے بھی اپنا صدق ثابت کر لیں گے۔ لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ اس دن سے پہلے ہی اللہ مسلمانوں کے سامنے ان کے جھوٹے وقار کا بھانڈہ پھوڑ دے گا' اور وہ یوں کہ حزب اللہ ان کا پردہ فاش کر دے گا۔

منافقین اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مذہبی کام کچھ نہ کرتے تھے۔ اس پر بھی گمان کرتے تھے کہ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ یعنی ہم ایمان پر ہیں۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو مانتے ہیں۔ اس لیے وعدہ انعام یعنی فتح میں ہمارا بھی حصہ ہے اور آخرت میں بھی ہمیں بلند درجات نصیب ہوں گے۔ مگر وہ اسلام کی خاطر جانی اور مالی قربانی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جھوٹے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:84)

ترجمہ: ’’راہ حق میں لڑیئے۔ آپ اپنی ذات کے ہی مکلف ہیں اور مسلمانوں کو آمادہ قتال کیجئے۔‘‘ تو وہ (رسول اللہ ﷺ) کہتے ہیں: انا اول المسلمین ’’فرمانبرداروں میں پہلا‘‘ مگر یہ منافق اس کے خلاف کرتے ہیں۔

شکست کی مکرر پیش گوئی

آیت نمبر 19: اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''ان پر شیطان چھا گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی بھیجی ہوئی یاد دہانی بھلا دی ہے، یہ حزب الشیطان ہے اور خبردار یہ حزب الشیطٰن ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہے۔''

یعنی شیطان نے ان کو تورات بھلا دی ہے اور ان کی کوششیں صرف کھانے پینے اور دنیاوی عزت و جاہ کے حصول تک محدود رہ گئی ہیں۔ تورات کو زندہ کرنے والا نبی آیا ہے تو یہ اس کی مخالفت کرنے لگے ہیں۔ یہ کیسے احمق ہیں! یہ حزب الشیطٰن ہیں۔ یہ حزب اللہ کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

آیت نمبر 20: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔ بھلا اس سے ذلیل تر کون ہوسکتا ہے جو اپنے دین اور اپنی قوم کی مخالفت شروع کر دے؟ پس یہ لوگ دنیا میں ذلیل ہوں گے۔''

انبیاء کی جماعتوں کے غلبہ کا اعلان

آیت نمبر 21 : كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ بلاشک و شبہ میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ قوت و عزت دینے والا ہے۔''

اللہ کا یہ قاعدہ تمام آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا غلبہ مقدر ہے اور ان کا غلبہ گویا تمام رسولوں کا غلبہ ہے۔

آیت نمبر 22: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''تجھے ایسے آدمی نہیں ملیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی گانٹھیں' چاہے یہ مخالفین ان کے آباء بیٹے اور بھائی بند اور اہل قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان رقم کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح (روح القدس) کے ذریعے مدد دی۔ ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے پانی کے سوتے بہتے ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ حزب اللہ ہے اور یقیناً ہمیشہ حزب اللہ ہی غالب رہتا ہے۔''

رضی اللّٰہ عنھم: اللہ ان سے راضی ہے اس لیے جب قرآن کی حکومت پیدا ہو گی تو وہ اس کے حاکم ہوں گے۔

ورضوا عنہ: وہ اللہ کی اس کتاب کو چھوڑ کر اور کچھ نہیں چاہتے' وہ اس پر راضی ہیں۔

المفلحون: وہ حزب اللہ ہی ہمیشہ غالب رہا ہے اور قاعدے کے مطابق اب بھی کامیاب و کامران ہو گا۔

حزب الشیطٰن: ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔

تمت سورۃ المجالہ (سورۃ نمبر 58)

مورخہ 16-04-43

بروز اتوار

بشیر احمد لدھیانوی

✦ ✦ ✦

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کی حقیقی دعوت

قرآن نے اپنے ابتدائی عہد میں قیصریت اور کسرویت کو، جو اس وقت استحصال بالجبر کی بدترین مظہر تھیں، ختم کرنے کی دعوت دی۔ اور اس کی جگہ ایسا نظام قائم کیا، جس میں انسانی مساوات، ہر ایک سے انصاف اور اخوّت، بنیادی اُصول تھے۔ قرآن کی تمام تعلیمات کا دار و مدار ہمارے خیال میں انہی اعمالِ صالحات پر ہے۔ اور چوں کہ جب تک اعلیٰ اور بلند نصب العین انسان کے سامنے متعین نہ ہو، اس سے اعمالِ صالحات کا ظہور ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن نے بار بار ایمان باللہ پر زور دیا ہے۔ یعنی ایمان باللہ نصب العین ہے۔ اور مساوات، انصاف اور اخوت کے ذریعے انسانیتِ عامہ کی فلاح و بہبود، اس نصب العین کو عمل میں لانے کا ذریعہ اور طریقہ ہے۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص25)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی اقدامِ انقلاب

سورۃ الحشر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا شیخ بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیامِ عدل؛ نظامِ عالم کی اساس

اصل یہ ہے کہ نظامِ عالم کے قوانینِ اساس کی بنیاد صرف قیامِ عدل کی نافذانہ قوت پر ہے۔ خداوند تعالیٰ دنیا میں انبیاعلیہم السلام کو بھی اس لیے بھیجتا رہتا ہے کہ دنیا میں اللہ کے عدل کو قائم کریں۔ لیکن چوں کہ اس کے لیے اکثر اوقات قہر و غلبے کی قوتِ قاہرہ بھی دیتا رہا اور استیلا و استقلال کی نعمت عظمیٰ سے نوازتا رہا، تا کہ دنیا سے ظلم و برائی کا خاتمہ ہو جائے۔ اور عدلِ الٰہی کا دور دورہ ہو۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا فرضِ منصبی بھی امر بالمعروف اور نھی عن المنکر قرار دے کر ان کو قیامِ عدل کے لیے منتخب فرمایا۔ اور "میزانِ عدل" (عدل کی ترازو) "قسطاس المستقیم" (سچا عدل و انصاف) اور "صراطِ مستقیم" (سیدھا راستہ) کا قانونِ اجتماعی دے کر دنیا والوں کے لیے ان کو شھدا، یعنی حق کی گواہی دینے والا بنایا۔

(قرآن کا قانونِ عروج و زوال، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ص 103)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حرف اول ☆

قرآن حکیم جس ہمہ گیر انقلاب کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس نے حزب و تنظیم کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اور تاریخ انسانی اس قرآنی حقیقت کو ثابت کرتی آ رہی ہے کہ انقلابات عالم کے پیچھے ایک منظم حزب و جماعت کا اساسی اور بنیادی کردار ادا ہوتا ہے۔ قرآنی انقلاب کی جماعت اعلیٰ مقاصد کی خاطر رجعت پسند طاقتوں سے محاذ آرائی کو ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر قبول کرتی ہے۔ چنانچہ معروضی حالات کے تحت وہ دفاعی حکمت عملی اور پیش قدمی کی پالیسی دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرتی ہے۔

برعظیم ہند میں انگریزی استعمار کے دور میں بعض مسلم زعماء نے اس خیال کو عام کرنے کی کوشش کی کہ اسلام میں محض دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سوچ ذہنی مرعوبیت اور فکری پراگندی کا مظہر ہے اور قرآن حکیم اور اسوہ حسنہ دونوں اس کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر سورت الحشر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اقدامی جنگ (غزوہ بنی نضیر 4 ھ) ہی کا ذکر ہے اور یہ قرآن حکیم کے انقلابی ہونے کی ایک واضح اور بین مثال ہے۔

چیئرمین

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

☆ (کتابچہ کی صورت میں طبع اول کا ابتدائیہ)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورت الحشر (59)

تمہید سورت

سورت کا موضوع

سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ کی جس تشکیل کا ذکر آیا ہے وہ منافقین کی سازشوں کی روک تھام کے لیے ہے۔ اب اس کے ساتھ حربی قوت کا نظام بھی ملا دیجئے تو یہی حزب اللہ سیاسی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ہی حربی حریفوں کا مقابلہ بھی کرے گا۔ سورۃ الحشر میں حزب اللہ کی اس جدید توسیع کا ذکر ہے۔

حزب کا سیاسی ارتقاء

جب ایک حزب ایک خاص نظریئے پر قائم ہو جاتا ہے' وہ اندرونی مزاحمتوں کو بھی دور کرتا ہے اور بیرونی حملوں کو برداشت کر کے ان کا مقابلہ بھی کرسکتا ہے۔ اس قسم کے حزب کے مرتب ہوتے ہی اس کا اپنے مخالف نظریات کے احزاب کے ساتھ اعلان جنگ ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا میں صرف اپنی ہستی اور اپنے ساتھیوں کی ہستی برداشت کرتا ہے۔ مثلاً جو حزب اس حزب کی قیادت کو تسلیم کر لے اسے تو وہ اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے' مگر کسی خود مختار مخالف حزب کی ہستی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے مخالف احزاب کی مخالفت کرنا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ ان مخالف احزاب کے خلاف اعلان جنگ کرنا اس کی طبعی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لڑائی کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ سیاسی احزاب کے ارتقاء کا یہ فلسفہ ہے۔

حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظمہ میں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حزب مکہ معظمہ میں پیدا ہوا' وہاں وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند آدمیوں سے زیادہ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ بایں ہمہ ایک دنیا ان کے نام سے کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اس حزب کو فنا کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس لیے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ وہ حضرت ابراہیم کی متابعت میں حنفی دین کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اور کسی مخالف قوت کو نہیں مانتا تھا۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ تھی۔ یہ حزب مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اپنا نظام مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے فی الحال طرح دیتا جاتا تھا۔ جس نے مخالفت کی یا ضد' اس سے ہٹ گئے۔ یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان کے نزدیک لڑنا جائز نہ تھا۔ بارہا ایسے مواقع آئے کہ لوگوں نے خواہش کی کہ لڑنے کی اجازت مل جائے۔ مگر قرآن نے اس وقت یہی حکم دیا کہ ''کفوا ایدیکم '' (اپنے ہاتھ روک کر رکھو)۔ اس سے بھی واضح سند یہ ہے کہ سورۃ کافرون مکی سورت ہے۔ اور وہ تمام دنیا کے مخالفین کے لیے الٹی میٹم ہے کہ تم سے صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو لوگ ''دین کے اندر سیاست کیسے ترقی کرتی ہے'' کا سیاسی اصول پر مطالعہ نہیں کرتے' بلکہ سب چیزوں کو اخلاقی نقطہ نگاہ سے حل کرنا چاہتے ہیں' وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور قرآن حکیم کی تعلیم کو منظم طور پر کبھی بھی سمجھا نہیں سکتے۔

حزب اللہ مدینہ منورہ میں

حزب اللہ' جس کی بنیاد مکہ معظمہ میں رکھی گئی تھی' اب اپنا مرکز بدل کر مدینہ منورہ میں جمع ہوتا ہے۔ وہ یہاں نسبتاً آزاد ہے۔ یہاں کمزور طاقتوں نے حزب اللہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ سورۃ مجادلہ میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ان مخالفین کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر ان کا سد باب نہ کیا گیا تو یہ اس نئی سوسائٹی کو کھا جائیں گے۔ اس پر مسلمان سنبھلے اور منافقین ڈر گئے۔

منافقین سے مقابلہ

منافقین جس طاقت کے بل بوتے پر باتیں بناتے تھے، وہ یہود کی طاقت تھی، جن کے قریے (آبادیاں) پاس ہی تھے۔ ادھر حجاز کی تمام سرمایہ داری یہود کے قبضے میں تھی۔ اور جاہلیت میں قریش بھی تاجر ہونے کی حیثیت میں سرمایہ داری سے کسی قدر انس پیدا کر چکے تھے۔ اس لیے یہود اور قریش ہم پیشگی کی وجہ سے آپس میں ملتے رہتے تھے۔ اب ان لوگوں نے ادھر تو مدینہ میں مسلمانوں کے گھروں میں فساد ڈلوانے کے لیے خفیہ سازشیں شروع کر دیں اور ادھر کسریٰ و قیصر تک اپنے پیغام پہنچانے شروع کر دیئے۔ اب اس

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سیاسی پارٹی کا جو اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہو' ایسی حالت میں صبر سے بیٹھے رہنا جائز نہ تھا۔ اگر مخالفین حملہ نہیں کرتے تو یہ سیاسی حزب حملہ کرے گا۔ یہ ہے وہ حملہ جسے اول الحشر (2:59) کہا گیا (غزوہ بنی نضیر 4 ھ کا واقعہ ہے)۔ جس کی تفصیل ''اصح السیر'' میں کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے۔

غزوہ بنی النضیر

یہ غزوہ 4 ھ میں غزوہ احد اور بیر معونہ کے بعد ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھوں بنی کلاب کے دو اشخاص کا قتل ہوگیا۔ یہ قبیلہ چونکہ بنی نضیر کا حلیف تھا (بنو نضیر یہود کے تین قبائل میں سے ایک تھا)' اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی دیت (خون بہا کی رقم) سے متعلق گفتگو کرنے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضٰی سمیت کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی تھے۔ وہ لوگ بظاہر بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آپؐ کو ایک دیوار کے پاس بٹھا دیا۔ بعدازیں یہ سازش تیار کی کہ دیوار کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ پر گرا کر آپؐ کو قتل کر دیا جائے۔ اس منصوبہ کی بذریعہ وحی اطلاع ملتے ہی آپؐ وہاں سے فوراً خاموشی سے چلے آئے۔ آپ کے جانے کی اطلاع پا کر صحابہ کرامؓ بھی چلے آئے' آپؐ نے ان کو بنی نضیر کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے بنو نضیر کو دس دن کے اندر مضافات مدینہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس مدت کے بعد تم میں سے جو شخص علاقہ میں پایا جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ جانے پر آمادہ تھے' لیکن حزب منافقین کے سربراہ عبداللہ بن اُبَیّ نے یقین دہانی کرائی کہ اس کی جماعت کے دو ہزار ارکان امداد کے لیے تیار ہیں۔ حتیٰ کہ قلعہ بند ہونے کی صورت میں قلعہ کے اندر ایک ساتھ مرنے پر بھی کمربستہ ہیں۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ کا گروپ اور بنو غطفان کا گروہ بھی اس مشکل گھڑی میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لہٰذا نبوی حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بنو نضیر نے مضافات مدنیہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

اس ہٹ دھرمی کے جواب میں آپؐ نے حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حضرت عبداللہ بن ام المکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فوج کا علَم دیا۔ چنانچہ بنونضیر کا محاصرہ کرلیا گیا اور منافقین' بنوقریظہ اور بنوغطفان میں سے کسی نے بنونضیر کا ساتھ نہ دیا۔ بالآخر بنونضیر نے اپنے مکانات اور قلعہ چھوڑ کر باہر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ آلات حرب کے سوا اونٹ پر جس قدر اسباب لادا جا سکے اس کو معہ اہل وعیال لے کر علاقہ خالی کر دیں۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر منتقل ہوگئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ سورہ حشر' سورۃ بنی النضیر ہے۔

غزوہ بنونضیر پہلا اقدامی حملہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ پہلا اقدامی حملہ تھا۔ اس سے پہلے جتنی جنگیں تھیں وہ سب مدافعانہ تھیں۔ بعض لوگوں نے صرف ان مدافعانہ جنگوں سے قاعدہ بنا لیا کہ حزب اللہ کا کام صرف مدافعانہ جنگ کرنا ہے۔ یہ لوگ ان اقدامی جنگوں کو بھی دیکھیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاءؓ نے کیں (غزوہ بنی نضیر اس قسم کی اقدامی جنگوں کی پہلی مثال ہے)۔

کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے؟

مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں۔ ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کر دیتے ہیں۔ اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں جن کا تحقق (عمل میں آنا) ناممکن ہے۔ اس طرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں۔ اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں بھی مسلمانوں میں پیدا ہوئیں' انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا۔

ہند میں انگریزی غلبے کے بعد مسلمانوں میں دو تحریکیں چلائی گئیں:

(1) بعض نے قرآنی حکمت نہ سمجھتے ہوئے اس خیال کی تائید کی کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اسلام نے کبھی حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مدافعت ہی کی ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا۔

(2) دوسری تحریک وہ ہے جو شاہ ولی اللہ دھلویؒ کی تعلیمات کی برکت سے اسلام کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلابی نظریے کو تسلیم کرتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم کی آیت هوالذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کی صورت میں انقلابی ذہنیت والے استاد ہر طبقے میں موجود رہے۔ مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا انقلابی تخیل ان میں پایا گیا۔

اسلام اور جنگ

الغرض انقلابی جماعت دیکھے گی کہ وہ مخالفوں کا مقابلہ کرسکتی ہے' تو وہ اقدامی حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کرے گی۔ ہم اس مسئلے کو یوں حل کرتے ہیں کہ حملہ کرنے میں پیش قدمی کرنا یا مدافعت پر اکتفا کرنا۔ یہ دوسرے درجے کی چیز ہے اور اس کا فیصلہ کرنا قائد لشکر کا کام ہے' یہ اصولی بحث نہیں ہے۔ کمانڈر اپنی فوج کی حالت کے مطابق مدافعت ہی کو کافی سمجھے گا۔ تو فقط مدافعت ہی کرے گا۔ اور اگر حملہ کرنا ضروری خیال کرے گا' تو حملہ کرنے میں پیش قدمی کرے گا۔ اس کو اصول بنا کر قرآن حکیم میں لانا غلطی ہے۔

دنیا میں مذہبی پروگرام دو طریقوں پر چل رہے ہیں:

(1) بعض مذاہب وہ ہیں جو لڑنا اور حملہ کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں سمجھتے' جیسے بدھ دھرم والے جو اصولاً اہنسا (عدم تشدد) کے قائل ہیں اور جنگ کو کسی شکل میں بھی جائز نہیں سمجھتے۔

(2) دوسرے وہ مذاہب ہیں جن کے نزدیک حسب ضرورت لڑنا جائز ہے۔

پس اصولی بات یہ ہے کہ کسی مذہب کے نزدیک جنگ جائز ہے یا نہیں' اس معیار کے مطابق قرآن حکیم جنگ کو بالکل جائز رکھتا ہے۔ ہم اسے بدھوں کی طرح جنگ کا مخالف قرار نہیں دیتے۔ قرآن حکیم ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کا زبردست حامی ہے۔ قرآن ان انقلابیوں کو راہنمائی دیتا ہے' جو مناسب موقع پر اپنے انقلاب کی کامیابی کے لیے لڑنا جائز سمجھتے ہیں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الحشر (مدنیہ، نمبر 59)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ هُوَ الَّذِيْٓ
اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا
ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ
بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٢ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۝٤ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ
اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ
عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦ مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ
دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٧ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝٨ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ
يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩ۚ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ
قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠

(c) ketabton.com: The Digital Library

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ
قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝١١ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ
مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا
يُنْصَرُونَ ۝١٢ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا
يَفْقَهُونَ ۝١٣ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ
بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا
يَعْقِلُونَ ۝١٤ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١٥ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي
بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝١٦ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ
خَالِدَيْنِ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝١٧

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ
اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝١٨ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝١٩ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ
الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝٢٠ لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا
مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُونَ ۝٢١ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝٢٢ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝٢٣ هُوَ اللَّهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٢٤

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر سورۃ الحشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1 : سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔''

سورۃ المجادلہ کے ساتھ ربط

سورۃ المجادلہ میں مسلمانوں کو حزب اللہ کی تنظیم جدید کی جو دعوت دی گئی تھی اور جس کی توسیع کی طرف اس سورۃ (الحشر نمبر 58) میں ان کی توجہ دلائی گئی ہے' وہ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ اس کا محتاج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمان کا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام پورے غلبے اور حکمت کے ساتھ چلا رہا ہے۔ مگر وہ مسلمانوں کو حزب اللہ کی توسیع کے ذریعے سے غلبہ (عزت) دینا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ یہ حکیمانہ تعلیم انہیں دے رہا ہے۔

آیت نمبر 2: ہُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِہِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕؔ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ مَّانِعَتُہُمۡ حُصُوۡنُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فَاَتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَہُمۡ بِاَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے ان کو' جو اہل کتاب میں سے منکر ہیں' لشکر کے پہلے ہی اجتماع پر ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے۔ پھر اللہ نے ان کو آن لیا' جہاں سے انہیں خیال نہ تھا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔ اے آنکھوں والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔''

یہود کی شکست اور اپنے ہاتھوں تخریب

خدا کا عزیز اور حکیم ہونا یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ کے قیام کے بعد پہلے ہی اجتماعِ عسکری اور اقدامی حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے فضل سے یہود کو اپنے گھروں سے نکل جانا پڑا۔ مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہودی نکلیں گے نہیں۔ اور خود یہودی بھی اپنے قلعہ نما مکانوں میں اپنے آپ کو محفوظ اور مستحکم سمجھتے تھے۔ مگر اللہ نے مسلمانوں کی دھاک ان کے دلوں میں بٹھا دی اور یہود نے خود ہی اپنے مکانوں کو گرانا شروع کر دیا۔ اور اس تخریب (Scorched Earth Policy) میں وہ حکمت الٰہی کام کرتی تھی جو مسلمانوں کو عزت اور یہودیوں کو ذلت دینا چاہتی تھی۔ مسلمانوں نے بھی ان یہودیوں کو برباد کیا اور ان کے قلعوں کو توڑنے پھوڑنے میں کمی نہ کی۔

مسلمانوں کے لیے عبرت

فَاعْتَبِرُوْا يَاُولِي الْاَبْصَارِ

ترجمہ: ''اے آنکھوں والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔''

یعنی مسلمانوں میں ایسی (یہودیوں کی طرح کی) جماعت کبھی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ اس لیے کہ یہودی تورات پر ایمان رکھتے تھے اور مسلمان قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور قرآن حکیم اور تورات حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ جب تورات کے ماننے والوں نے اپنے آپ کو تورات سے بعید کرلیا تو ان کا یہ حال ہوا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے گھر بار برباد کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مسلمانوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ دنیا میں انقلابی کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں اور خدا نے انہیں کامیاب ہونے کا موقعہ دیا ہے۔ اگر وہ اس انقلاب سے پیچھے ہٹیں گے تو دوسری قومیں ان سے ضرور انتقام لیں گی۔ پس ایسی حالت کبھی پیدا ہی نہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہونے دی جائے۔

یہود کی جلاوطنی

آیت نمبر3: وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝

ترجمہ: ''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ان پر جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہے۔''

تورات میں یہود کو بتایا گیا تھا کہ اگر تم نے تورات کے احکام کی خلاف ورزی پر ضد کی تو تم سے حکومت چھین لی جائے گی۔ اور پھر یا تو تم جلاوطن کر دیئے جاؤ گے یا قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اور ان دونوں باتوں میں سے ایک کا متحقق ہونا (عمل میں آنا) ضروری ہے۔

بنی نضیر کو تورات کی دو سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی۔ پس اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ''اگر اللہ نے انہیں جلاوطن کرنا نہ لکھ دیا ہوتا۔''

اکثر تفاسیر پڑھنے والے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ حکم جلاوطنی خاص طور پر ان یہودیوں کے لیے تھا۔ مگر ہم یوں سمجھتے ہیں کہ تورات میں دو سزاؤں میں سے ایک کا ملنا متحقق (ثابت) ہے یعنی جلاوطنی یا قتل۔ اس لیے آیت کا ترجمہ یوں کریں گے کہ ''اگر ان یہود کو تورات کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزا دینے میں جلاوطنی داخل نہ ہوتی تو قتل کر دیئے جاتے۔ مگر چونکہ قتل کی متبادل سزا جلاوطنی بھی تھی، اس لیے ان کو جلاوطنی ہی کی سزا دی گئی جو دونوں میں سے نرم سزا تھی۔'' مسلمانوں کی حالت کے اس وقت یہی مناسب سزا تھی جو وہ دے سکتے تھے۔

دنیاوی عذاب

اگر یہود اپنے شقاق کے بعد مدینے میں رہتے تو ضرور قتل کر دیئے جاتے لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا اب مسلمانوں کے تمکن کے بعد ان کا مدینے میں رہنا دشوار تھا۔ انقلاب کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ مخالف فکر کو برداشت نہیں کرتا۔ (حدیث میں جو آیا ہے) اَخرجوا الیهود والنصاریٰ من جزیرة العرب (جزیرہ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو) اس سے مراد حجاز میں ''علی سبیل الوجوب'' (واجب کے درجہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں) ہے اور باقی عرب میں سداً للذریعه (راستہ روکنے کے لیے) ہے۔

جلاوطنی کیوں؟

آیت نمبر4: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ وہ اللہ اوراس کے رسول کے مخالف ہوئے اور جوکوئی اللہ کا مخالف ہوا تو اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

ان کو یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے نہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جو رسول اللہ تھے مخالفت کی بلکہ تورات کے احکام کی خلاف ورزی بھی کی۔ جو لوگ خدا کے احکام کی نافرمانی کریں ان کو خدا تعالیٰ سخت سزا دیا کرتا ہے۔

میدانِ جنگ کا ہر فیصلہ صحیح

آیت نمبر5: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ: ''جو کھجور کا درخت تم نے کاٹ ڈالا یا اپنی جڑ پر کھڑا رہنے دیا تو وہ اللہ کے حکم سے ہے اوراس لیے کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔''

مسلمانوں نے یہودیوں کے بعض درخت کاٹ ڈالے اور بعض یونہی چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ کہ کاٹنا ضروری تھا یا چھوڑنا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا۔ کہ دونوں ہی درست ہیں۔ پس میدانِ جنگ میں کام کرنے والے لوگ جو فیصلہ بھی کریں صحیح مانا جاتا ہے' اس پر تنقید کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ فوج کی ایک کمپنی ایک طرف سے حملہ کرتی ہے اور دوسری' دوسری طرف سے' ان کے کمانڈر اپنی اپنی کمپنیوں کو جو حکم دیتے ہیں' وہ صحیح ہیں۔ ان پر یہ بحث کرنا کہ فلاں نے درست حکم دیا اور فلاں نے غلط یہ اصول جنگ کے خلاف ہے۔ یہ ترجمہ ہے ''فباذن اللّٰہ'' کا۔ یعنی جنگ کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کو دیا ہے' یہ اس کے اندر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اللہ نے کاٹنے کا حکم دیا اور کسی کو نہ کاٹنے کا۔ اللہ حزب اللہ کے کام کو اپنی طرف

(c) ketabton.com: The Digital Library

منسوب کرتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے کام کو اللہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔

الحشر کا اصل موضوع

آیت نمبر 6: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: ''اور جو مال اللہ نے اپنے رسول پر ان (کفار) سے لوٹا دیا' تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ ولیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دیتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔''

یہ آیات نمبر 6 تا 10 اس سورۃ (الحشر) کا مبحث اصلی ہیں۔ سورۃ مجادلہ میں صحیح اصول عقلی اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر حزب اللہ کے قیام کی توضیح کی گئی تھی۔ مگر ایسی جماعت اموال و اقتصادیات کے اشتراک کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اس سورت میں حزب اللہ کے فنڈ (FAND) کی تشریح کی گئی ہے۔

یہود جب خارج البلد ہوئے تو وہ تمام اٹھانے کے قابل چیزیں لے گئے اور اراضی اور چاھات (کنویں) باقی رہ گئے۔ یہ چونکہ لڑائی کے بغیر ہاتھ آئے تھے' اس لیے ان کو فئے کا مال قرار دیا گیا۔ ان آیات (نمبر 6 تا 10) میں مال فئے کی تقسیم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم سورۃ انفال میں کی گئی ہے اور مال فئے کی تقسیم اس سورت (الحشر) میں کی گئی ہے۔

فئے کی تعریف

(الف) فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ

(تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر یہ مال حاصل نہیں کیا'

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلکہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے دلوں میں رعب ڈال دیا (اس رعب میں ان مسلمانوں کا بھی کچھ اثر ہے جو اس وقت جنگ میں شریک نہیں ہیں)' اس لیے اس طرح حاصل شدہ مال میں فقط سپاہیوں کا حق نہیں ہوگا بلکہ سب مسلمانوں کا حق ہوگا۔

فَیۡءِ کی اراضی کس کی ہیں

(ب) وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ

(لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دیتا ہے)

اپنے رسولوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی غالب کرتا ہے۔ وہ اس فتح کا معاوضہ اپنی ذات کے لیے نہیں چاہتے کہ اب یہ زمین ہماری ملکیت ہوگئی' بلکہ اب وہ اس حزب اللہ کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس حزب اللہ نے اپنے تھوڑے تھوڑے صدقات سے مالی اساس قائم کی تھا (المجادلہ 12)۔ اب خدا نے اپنے فضل سے زمین دے دی۔ یہ زمین اس حزب کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حزب اللہ کی ترقی کی رفتار ہے۔ یعنی پہلے حملہ کرنا جائز ہوگیا۔ اور نیز فتوحات میں سے اجتماعی فائدہ پہنچا۔ پہلی فتوحات میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ سب سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اب وہ اجتماعی حق بن گیا۔

انقلاب کی حقیقت

یہ ہے انقلابی قوت' اس کا نام لڑائی نہیں ہے' اس کا نام انقلاب ہے۔ لڑائی تو لڑائی کے اصولوں پر لڑی جائے گی اور سپاہیوں کو مال غنیمت دیا جائے گا یا تنخواہ دی جائے گی۔ مگر انقلاب میں فقط میدان جنگ میں لڑنے والا حصہ کام نہیں کرتا۔ بلکہ نہ لڑنے والا حصہ بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً وہ پروپیگنڈہ کر کے فوجوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ جو مخالفین کے دلوں میں رعب پڑا' یہ پروپیگنڈہ کرنے والے حصے کی برکت سمجھنی چاہیے۔ اسی کی طرف آیت نمبر 5 میں اشارہ ہے کہ کاٹنا اور نہ کاٹنا دونوں جائز ہیں۔ کیونکہ لڑنے والا حصہ فوجی ضرورت کے پیش نظر درختوں کو کاٹتا ہے۔ اور نہ لڑنے والا حصہ مستقبل کے استفادے کے پیش نظر نہیں کاٹتا۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 7: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ
الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۟

ترجمہ: ''جو مال اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے لوٹایا' تو وہ اللہ کے لیے' رسول کے لیے' قرابت والوں کے لیے' یتیموں کی لیے' محتاجوں کے لیے' اور مسافر کے لیے ہے' تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان گردش میں نہ رہے۔ اور جو تم کو رسول دے تو لے لو اور جس سے منع کرے تو چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

مال فئے کے پانچ حصے

مال فئے کے مندرجہ ذیل پانچ حصے ہوں گے:

لِلّٰہ : تبرّکًا

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ رہیں۔

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربی بحثیت رسالت۔

(الف)(1) للفقراء المجھرین الذین اخرجوا من دیار ھم وامر الھم
(ان فقراء مہاجرین کے لیے جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا)

(2) والذین تبوء والدارا والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم
(وہ انصار جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانا دیا)

(ب) والذین جاء و امن بعدھم
(وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئے)

(3) والیتمی (یتیم)

(4) والمساکین (مسکین)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(5) وابن السبیل (مسافر)

اللہ کا حصہ تبرکاً ہے

اللہ کا یہ حصہ تبرکا ہے۔ گویا مال فئے کسی کا ذاتی اور شخصی حق نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اللہ ہی کا سب کچھ ہے کیونکہ بادشاہی اللہ کی ہے۔ زمین اللہ کی ہے' اس لیے ملکیت بھی اللہ کی ہے۔ پس اللہ کے بندوں کو تغلب دکھانے کا کون سا موقع ہے!

اس کے بعد مال فئے کے عملی طور پر پانچ حصے کیے گئے۔

رسول اللہ کا حصہ: آپؐ کے بعد کس کا؟

(1) ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا۔ خاندان نبوی اور جو ذوالقربیٰ ہوئے وہ اس حصہ میں سے حصہ پائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا جانشین ان کے حصے کا حقدار ہے یا نہیں؟ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے اپنے آپ کو اس حصے کا حقدار مقرر نہیں کیا۔ مگر سیدنا حضرت عثمانؓ نے حصے کا مالک قرار دیا۔

ذوی القربیٰ

(2) ذوی القربیٰ یعنی وہ لوگ جو امور رسالت میں شریک کار ہیں اور وہ حضور ﷺ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ یہ آپؐ کے شخصی رشتہ دار نہیں ہیں۔ شخصی رشتہ داروں کو رسول اللہ ﷺ کے حصے میں سے ملے گا۔ پس ذوی القربیٰ سے مراد پیغمبر ﷺ کا شاف ہے۔

اصل میں رسول اللہ ﷺ کا رشتہ دار وہ ہے جو آپؐ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے جتنا وہ اپنے ماں باپ سے کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

لایوء من احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین (الحدیث)

ترجمہ: (تم میں سے کوئی آدمی کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت رکھے)

پس رسول ﷺ بھی ان کے ساتھ اپنوں کا سا معاملہ کریں گے۔

سلمان مِنّا اھلِ البیت (الحدیث) (حضرت سلمان فارسیؓ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں)

www.ranimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور ان کی حاجات کی کفالت ذوی القربیٰ کی طرح کریں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرا نے خادم طلب کیا تو فرمایا کہ انصار کے یتیموں کو تم سے زیادہ ضرورت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی کی ضرورت

اگر کتاب الٰہی کی اشاعت کو پارٹی پروگرام میں منضبط کر لیا جائے۔ جیسے ہم سورہ مجادلہ میں حزب اللہ کی تاسیس سے استنباط کر چکے ہیں۔ اور انسانی عقلمند جماعتوں کا فیصلہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی کی آمریت (ڈکٹیٹرشپ) کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا' تو انبیاء کرام کی تعلیمات کی کامیابی کو ان کی پارٹیوں کی ڈکٹیٹرشپ کی کامیابی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انبیاء کرام اپنی پارٹیوں کے لیڈر ہوتے ہیں۔ اس لیے دنیا غلطی سے انہی کو ڈکٹیٹر سمجھ لیتی ہے۔ حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقا کی کامیابی کے بغیر کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاء کی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے' جیسے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت نمبر 26 ملاحظہ ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے۔ وہ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے۔ سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر۔''(1)

(1) شیخ التفسیر استاذی المکرم حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت پر ربط آیات میں تحریر فرمایا کہ ''اگر یہ (بنی اسرائیل) ایسے ہی ڈرپوک اور بے حس ہوگئے ہیں تو ان کو ارض مقدس کی بادشاہی دینے سے کیا نفع ہوگا؟ لہٰذا سزا کے طور پر یہ چالیس سال یہاں جنگل میں پھریں تاکہ بے غیرت اور بے حس بڈھے مرجائیں اور ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہو۔ وہ جاکر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جمالے۔'' (از خدا بخش)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ادھر قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو الذین معہ کی کامیابی پر منحصر کرتا ہے۔

چنانچہ درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

(الف) لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورۃ التوبہ: 89,88)

ترجمہ: ''لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

(ب) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ الفتح: 29)

ترجمہ: ''محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔ یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اسے قوی کر دیا، پھر موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کی کامیابی ان کے حزب کی کامیابی ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر یہ پوچھا جائے کہ رسولؐ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟ تو بلا تامل یہی جواب دیا جائے گا کہ "اسؐ کی پارٹی کے ممبر"۔ مگر ایک ایسا آدمی جس نے انبیاءؑ کی کامیابی کا اس نقطۂ نگاہ سے مطالعہ نہیں کیا' کہے گا "رسول اللہؐ کے شخصی رشتہ دار"۔

رسول اللہ ﷺ کے نسبی قربیٰ

نبی اکرم ﷺ کے نسبی رشتہ دار' اولاد بنی ہاشم ہیں اور پھر اولاد علیؓ اور اولاد عباسؓ۔ ان کی سیاست کا مخصوص انداز یہی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے طریق پر خلافت قائم کر کے آپ اس کے مرکز میں آنا چاہتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استحقاق کی ہرگز کوئی صراحت نہیں فرمائی۔ بنی امیہ کی خلافت کے زمانے میں بنی ہاشم حزب مخالف (Opposition Party) کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اب انہوں نے خفیہ جماعت کے ذریعے سے کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد دو حصے ہو گئے:

(1) بنی عباس

(2) علویین

نسبی قربیٰ کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں

بنی عباس نے مرکزی خلافت پر قبضہ کر لیا اور علویوں نے اطراف مملکت پر۔ علویین آیت قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (سورہ الشوریٰ آیت 23) (کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے----) میں ذوی القربی سے اپنی ذات مراد لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اجر یہ ہونا چاہیے کہ رسول ﷺ کے خاندان کی حکومت قیامت تک تمام مسلمانوں کے گلے میں پڑی رہے' خواہ وہ حکومت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محنت کا اجر یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے اقرباء سے' محبت سے پیش آنے لگیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

چنانچہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝
(اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں کے بارے میں خبردار رہو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے)۔(سورۃ النساء آیت نمبر 1)

شریعت اسلامیہ کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ دعوۃ الی اللہ ہے' اللہ کے احکام کا اتباع ہے اور ان کا انصاف کے ساتھ قیام ہے۔ شریعت الٰہیہ کا دوسرا جزو اعظم جو اس سے متفرع (ثابت) ہوتا ہے' صلہ رحمی ہے یعنی اہل حق کے حقوق بے کم و کاست ادا کئے جائیں۔ انسانی فطرت اسی پر مجبول (بنائی گئی) ہے اور قرآن حکیم اس فطرت انسانی ہی کے تقاضے پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر یہ فطرت خراب ہو جائے تو انسانیت خراب ہو جاتی ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ میری رسالت کا اجر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم آپس میں صلہ رحمی کرو اور اس باب میں گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اس آیت میں اس امر کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں ہے کہ مودۃ فی القربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے نسبی قرابت داروں کے ساتھ مودۃ ہے۔

مودۃ فی القربیٰ کا اصل مفہوم

اس دعوت میں' کہ لوگ اپنے اپنے اقرباء کے حقوق ادا کریں' یہ حکمت تھی کہ لوگ اس پر مطمئن تھے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں صرف اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں ہمارا ہی نفع ہے۔ پس سب اہل بیت اور سب مائیں اس دعوت کو سنتی تھیں کیونکہ قطع رحم سے سب سے زیادہ نقصان امہات ہی کو پہنچ سکتا ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی تبلیغ و سعیِ اصلاح کا اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتے کہ ہماری اولاد ہماری خدمت کرے تو وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہو جاتی تھیں۔ جو شخص مکہ معظمہ میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار کا مطالعہ کرے وہ اس چیز کو نہایت بیّن پائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ
(کہہ دیجئے میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو' تو وہ تم ہی رکھو۔) (السبا 47:34)

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے انبیاء کی طرح امت سے کوئی مادی یا

(c) ketabton.com: The Digital Library

غیر مادی اجر طلب نہیں کرتے۔ وہ تو ساری عمر یہی فرماتے جاتے ہیں کہ

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔)(سورہ السبا نمبر 47)

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (الفرقان نمبر 57)

مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۟ (یوسف نمبر 104)

(یونس نمبر 72 قول نوح علیہ السلام)

(ھود نمبر 51 قول ھود علیہ السلام) یہی سنت انبیاء ہے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ متقدم فی الاسلام (اسلام میں پہلے) ہونے کی وجہ سے بنو ہاشم عجمیوں سے افضل و اولیٰ ہیں، بشرطیکہ ان میں شرائط خلافت پائی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے تین قسم کے ذوی القربیٰ

الغرض قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی رشتہ داروں کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس لیے ان سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو حضورؐ کی تحریک میں جان و مال لٹا کر شریک ہوئے ہیں۔ وہ حزب اللہ کے مندرجہ ذیل تین اجزاء ہیں:

1- مہاجرین۔ (آیت نمبر 8)

2- انصار۔ (آیت نمبر 9)

3- تابعین باحسان۔ (آیت نمبر 10)

رسول اللہ ﷺ کی صحیح پوزیشن

یہ تینوں قسم کے لوگ ذوی القربیٰ کی تفسیر ہیں۔ فئے میں سے جو حصہ 1/5 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہ کافی بڑی مقدار ہے۔ یہ اس لیے دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی یعنی نسبی رشتہ دار بہت سے ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طبعی حقوق ہیں۔ ان کے مصارف اس حصے میں سے نکلیں گے۔ ذوی القربیٰ کا جو 1/5 حصہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اور نسبی رشتہ داروں کے لیے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تو یہ ہے کہ وہ اپنا ذاتی پانچواں حصہ بھی کبھی پورا وصول نہیں کرتے، بلکہ ازواج مطہرات اور قریبی رشتہ داروں کے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

واجبی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ رقم پھر یتامیٰ اور مساکین کے حصے میں لوٹا دیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ خیال بنانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 1/5 حصہ اپنے ذاتی نام سے اور 1/5 حصہ اپنے ذوی القربیٰ کے نام سے لیتے ہیں' یہ اس پرانی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے شہنشاہیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بنی ہاشم میں چند آدمی اس خیال کے ضرور پیدا ہو گئے تھے' مگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسلی حق جس کے بعض بنی ہاشم مدعی تھے' قائم نہ ہو سکا۔ یہ اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا شرف ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بعض بنی ہاشم کی پالیسی چل جاتی تو ساری دنیا یہی کہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کر کے اپنے خاندان کے لیے چند روزہ شہنشاہی پیدا کر لی۔

حضرت ابوبکرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

بعض بنی ہاشم نے بہت عقل مندی سے اپنی اس رائے کی رہنمائی کے لیے حضرت فاطمہ الزہراؓ کو انتخاب کیا اور انہیں میراث کا مدعی بنا کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کو نفقہ (خرچہ) دیتے تھے میں بھی دیتا ہوں گا' اس سے زیادہ تمہارا کوئی حق قائم نہیں ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ کی عقلمندی اور استقامت نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔ بعض بنو ہاشم کے اتباع اب تک اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ روپیہ کیوں نہیں کماتے؟

یتامیٰ کے لیے روپے کی ضرورت

☆(3) یتامیٰ۔ جو لوگ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہوں' ان کے بچوں کی کفالت اور تربیت کے لیے علیحدہ محکمہ قائم کرنا ضروری ہے۔

☆ مالِ فئے کے پانچ حصے کے تحت

(c) ketabton.com: The Digital Library

مساکین کے لیے روپے کی ضرورت

☆(4) مساکین۔ اسباب و موانع کی وجہ سے جو لوگ کامیاب نہ ہو سکیں، ان کو اتنی مدد دی جائے کہ وہ اپنے پیشے اور کام کے آلات فراہم کر کے اپنا کام جاری کر سکیں۔ ایک کاریگر کے پاس اپنے کام کرنے کے اوزار نہ ہوں تو وہ ضائع ہو جائے گا۔ اسے اس فنڈ سے روپیہ دینا جائز ہے۔ اس کے بعد وہ قوم کا ایک مفید فرد بن جائے گا۔

ابن السبیل سے کیا مراد ہے؟

☆(5) ابن السبیل۔ پروپیگنڈہ جس قدر ضروری ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ پروپیگنڈہ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی خوشی سے ملنے آئیں اور سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان کا خرچ اس فنڈ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی سیاحت مسلمانوں کا عمومی فرض ہے۔ سیروا فی الارض (زمین میں سیر کرو) کی بار بار تاکید کی گئی ہے، جو شخص یہ فرض ادا کرنا چاہتا ہے اس کا نفقہ (خرچہ) مسلمانوں کے ذمے ہے۔ اس فرض کفایہ کے ادا کرنے سے امم اسلامیہ میں باہم اتصال ہوتا ہے اور اجتماعات عالیہ منظم ہوتے ہیں جو قرآنی حکیم کا اصلی مقصد ہے، اسی لیے قرآن حکیم نے سیاحت کا فرض مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کے ذمے ڈالا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں السائحون (سورہ توبہ) کے علاوہ سائحات (سورہ تحریم) کا بھی ذکر ہے۔ کیونکہ تنظیم ملت محض مردوں ہی سے نہیں ہوتی بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں سے ہوتی ہے۔ سیاحت سے غیر مسلم اقوام کے مکائد کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ اطلاعات مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ بعض اوقات ممالک غیر سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی تا کہ ملت اسلامیہ میں اسے شائع کیا جائے۔ حج کی تشریع اس غرض کو بہت حد تک پورا کرتی ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

[تا کہ وہ (دولت) تمہارے اغنیا ہی میں دست بدست منتقل نہ ہوتی رہے۔]

☆ مالِ فئے کے پانچ حصے کے تحت

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلام اور سرمایہ داری

پارٹی کا جو مرکزی خزانہ جمع ہو رہا ہے اگر اس میں یتیم، مسکین اور ابن السبیل کو بھی وہی حق دے دیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین و متوسلین کو دیا جاتا ہے تو سرمایہ داری کی ظاہری صورت بھی ختم ہو جائے گی۔

سرمایہ دار لوگ اپنا تفوق جتانے کے لیے اپنی سوسائٹی علیحدہ کر لیتے ہیں۔ یہ طریق بتدریج سرمایہ داری کے تغلب کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب روپیہ ان کے ہاتھوں میں علیحدہ نہیں آتا' بلکہ یتیم اور مسکین کو بھی اس میں برابر کا شریک بنا دیا گیا ہے تو سرمایہ داری بنیادی طور پر اسلام میں نہیں آئے گی۔

عادلانہ تقسیم

اس تقسیم سے فئے کی دولت غربا اور مساکین میں بٹ جائے گی۔ جو غنائم قتال کے بعد حاصل ہوں ان کا 4/5 حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔ لیکن فئے کا کل مال فقراء میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح فقراء اور اغنیاء دونوں کے لیے آمدنی کے مستقل ابواب معین ہوں گے اور یوں حزب اللہ کا قیام تقویٰ پر رہا۔ یعنی منصفانہ تقسیم پر (المجادلہ 9)۔

اراضی فئے اور حقوق کاشتکاری

فئے میں جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گی' ان میں زمین پر کاشتکاروں کے حقوق مسلّم رہیں گے۔ اس کی ضرورت یوں خیال کی جاتی ہے کہ ملک میں ایک حکومت متغلب تھی۔ اسے اس پارٹی نے شکست دے کر زمین کی حکومت کا چارج لے لیا۔ یہ اراضی ان کاشتکاروں کے قبضے میں سے نہیں نکالی جائے گی۔ کیونکہ وہ اس اسلامی انقلابی پارٹی سے براہ راست نہیں لڑے۔ وہ ایک متغلب حکومت کے ماتحت تھے۔ اس کے دباؤ سے جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ جب اس حکومت کو شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلِم حکومت کو اپنے اوپر اس طرح تسلیم کر لیا جس طرح پہلی متغلب حکومت کو مانتے تھے۔ ان لوگوں کو جو زراعت پیشہ ہیں' زراعتی حقوق سے محروم کرنا خطرناک غلطی ہوگی۔ پس یہ زمین اپنے کاشت کاروں سمیت اس نئی حکومت کے قبضے میں آئے

(c) ketabton.com: The Digital Library

گی۔ یہ گورنمنٹ کاشتکاروں سے جو حق وصول کرے گی وہ اس پارٹی کے ارکان میں تقسیم ہوگا۔ زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اگر یہ کاشتکار نااہل ثابت ہوئے تو دوسرے کاشتکار ان کی جگہ لگادیئے جائیں گے۔ مگر وہ ہوں گے اسی ملک کے لوگوں میں سے۔ اس طرح اسلامی انقلاب نے اپنے ماتحت ہوم رولر (Home ruler) جماعتیں پیدا کرلیں۔ اسلامی حکومت اصل میں وحدانی حکومت (Unitary government) نہیں جیسے ایک قوم کی ہوتی ہے' بلکہ وہ ایک انٹرنیشنل حکومت ہے۔

زمین پر اہلِ ملک کا حق تسلیم

ہر ایک ملک کی زمین سے سب سے پہلے اہل ملک فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حق ملکیوں کے لیے مسلّم رکھا گیا ہے۔ مگر وہ کاشتکاری کر کے ہی فائدہ اٹھائیں گے۔ حکومت اس پارٹی کی ہوگی جو ملک کو فتح کرے گی۔ ملکیوں میں سے جو لوگ اس پارٹی میں شامل ہوتے جائیں گے وہ حکومت میں حصہ لے سکیں گے۔ اس طرح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ کاشتکار اسلام قبول کر کے اپنے ملک کے پورے مالک بن جائیں گے۔

اسلام کو ان لوگوں کی اصلاح پیش نظر ہے' ان کی اراضی پر قبضہ کر کے کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ ان کے ملک میں ایک غلط نظام، حکومت کرتا تھا' اسے توڑ کر صحیح نظام پر چلنے کی آسانیاں بہم پہنچادیں۔

اراضی کی کاشت سے دو حصے حاصل ہوں گے۔

(1) ایک حصہ پیداوار کاشتکاروں کے قبضے میں جائے گا اس سے حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہوگا اور کاشتکاروں سے زمین چھین کر دوسرے ملک کے کاشتکاروں کو نہیں دی جائے گی۔ جب تک وہ حکومت کا حق ادا کرتے رہیں ان کی اراضی ان کے قبضے میں رہیں گی۔ خود اس ملک کے دوسرے کاشتکاروں کو بھی ان کی اراضی چھین کر نہیں دی جائے گی۔

(2) پیداوار کا دوسرا بڑا حصہ حکومت کے خزانے میں جائے گا۔ ہماری فقہی اصطلاح

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں اس کا نام "خراج" ہے۔ اس کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔ یہ کاشت کار اور حکومت کے درمیان مصالحت سے طے ہو سکتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(1) جنس میں ادا کرنا۔ اسے "مقاسمہ" کہتے ہیں۔

(2) نقدی کی صورت میں ادا کرنا' اسے "خراج مؤظف" کہتے ہیں۔

خراج کا مصرف

خراج سے جو آمدنی سرکاری خزانے کو ہوگی وہ عام مسلمانوں کے فوائد میں استعمال کی جائے گی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کسی خاص شخص کا کوئی حق نہیں مانا جائے گا۔ یہ فقہ حنفی کے عام مسائل ہیں جو ممالک اسلامیہ میں معمول بہ ہیں۔ جس پارٹی نے اپنا خون دے کر انقلاب برپا کیا ہے' اسے زندہ رکھنے کے لیے اسے روٹی دینا ضروری ہے۔ اس لیے یہ اس کا حصہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

جب عراق کی اراضی فتح ہوئیں تو وہاں کسریٰ کی حکومت متغلب تھی اور ملکی کاشتکار ہی اراضی کی مالک تھے۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ زمینیں ہمیں تقسیم کر دی جائیں۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت دور اندیشی سے کام لے کر مجاہدین کا یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی رائے تھی کہ ان زمینوں کی آمدنی مسلمانوں کی فوجی قوت اور سلطنت کا نظام قائم رکھنے والی طاقت کے لیے وقف کر دی جائے' تاکہ انقلاب کو اور آگے بڑھا سکیں۔ مگر جن لوگوں کا مطالبہ تھا' وہ راضی نہ ہوتے تھے۔ اس پر بارہ ماہ برابر جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ کو یہ آیت (الحشر 7) یاد آئی۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ چیز تو سارے مسلمانوں کی ہے' فقط مجاہدین کی نہیں ہے۔ اس لیے تقسیم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس تشریح پر سب متفق ہو گئے۔(1)

---

(1) تفصیل کے لیے دیکھئے "ازالۃ الخفاء مقصد دوم، رسالہ فقۂ عمر، جلد سوم، ص 476 تا 483، طبع قدیمی، کراچی (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

درس و اعتبار

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں شخصی ملکیت میں نہیں دی جاسکتیں اور یہاں سرمایہ داری ذبح ہوتی ہے۔ یہاں ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سارا دارومدار زمینداروں کے سر پر ہے، جس دن زمینداروں کی زمینیں چھین لی جائیں گی، اس روز یہ گورنمنٹ کھوکھلی ہو جائے گی، اس روز اسے ہندوستان (برصغیر) کی رعایا کے لیے وہ سب کچھ کرنا پڑے گا، جو وہ یورپ میں کر رہی ہے۔ اور ہندوستانی رعایا پر روپیہ صرف ہونا شروع ہوا تو یورپ کو ایک کوڑی بھی نہ جائے گی، اور جب ہندوستانیوں کو قومی حیثیت میں اس پیمانے پر کھانا، کپڑا دیا جانے لگا، جس پیمانے پر یورپین لوگوں کو مل رہا ہے تو اس ملک پر کسی بیرونی طاقت کا غلبہ نہیں رہ سکے گا، اس حالت میں جس طاقت سے وہ صلح کریں گے، وہی انسان دوست ہو جائے گی، اور جس سے وہ دشمنی کریں گے، اس سے لڑیں گے۔

حضرت امام شافعیؒ کی رائے

یہ مسئلہ شاہ ولی اللہؒ کے فلسفے کی اساس ہے۔ انہوں نے "ازالۃ الخفاء" (کے مقصد دوم رسالہ فقہ عمر) میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس رسالے میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا جو مذہب لکھا ہے اس میں حضرت امام شافعی کی یہ رائے بتائی ہے کہ یہ زمین قابل تقسیم ماننی چاہیے۔ یہ عربی نیشنلزم ہے۔ وہ عرب نیشن ہی کو ساری دنیا پر غالب بنانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام ممالک پر عربوں کا مستقل قبضہ ہو اور وہی ساری دنیا کے جاگیرداری کے اصول پر مالک مان لیے جائیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ملک فتح کیا ہے۔ کیا یہ وہی شہنشاہی نہ ہوگی جو قیصر و کسریٰ کی تھی اور جسے برباد کرنے کے لیے قرآن آیا؟ مگر شاہ صاحب حضرت امام شافعی کے اس فکر کا نہایت عقلمندی مگر نہایت شدت سے رد کرتے ہیں اور یہاں سے ان کی قوت اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ائمہ احناف کی رائے اور امام شاہ ولی اللہ

اتفاق کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف، امام شافعی کے موافق نہیں ہیں۔ شاہ صاحب ان کی طرف داری کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنت کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی تھی۔ ہندوستان کی تمام زمینیں خراجی ہیں۔(1) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تقسیم شخصی نہیں ہوسکتی۔ مگر پچھلے بادشاہوں نے اپنی کمزوری کے سبب سے اس اصول کو توڑ دیا' اس لیے ان کی سلطنتیں برباد ہوگئیں۔

کیا اکراہ فی الدین جائز نہیں؟

اسلام ایک انقلاب لاتا ہے۔ اس کی انقلابی پارٹی اپنی ڈکٹیٹر شپ (حاکمیت) پیدا کرنے کے لیے لڑتی ہے۔ ہم اسے اعلانیہ قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے قانون کی اتنی بھی عزت نہیں کر سکتے کہ اس کے جبری غلبے کے حامی ہوں تو پھر ہمارے انقلاب کی کامیابی معلوم! قرآنی قانون کے ماتحت جو غلبہ حاصل ہوگا قرآن اسے جبر قرار نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ 256)۔ اس آیت کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے یہ کیا ہے کہ:

> "نیست جبر کردن برائے دین، ہر آئینہ ظاہر شدہ است راہ یابی از گمراہی"
> (دین کے لیے جبر کرنا نہیں ہے اس لیے کہ رُشد و ہدایت گمراہی کے مقابلہ پر ظاہر ہو چکی ہے۔

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ کو لَآ اِكْرَاهَ کی علت بنایا ہے۔ یعنی چونکہ قرآنی ہدایت اس کی مخالف قوتوں کی گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے۔ اس لیے تھوڑے سے جبر کو جبر نہیں کہنا چاہیے۔

(1) حضرت شاہ عبدالعزیز دھلوی "فتاویٰ عزیزی" میں لکھتے ہیں: شیخ جلال الدین تھانسیری نے ایک رسالہ ہندوستان کی زمینوں کے احکام پر لکھا ہے، جس میں انہوں نے تحقیق فرمائی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عراق کی زمینوں کی طرح عام مسلمانوں کے لیے وقف ہیں اور بیت المال کی ملکیت ہیں، کسی شخص اور فرد کی ملکیت نہیں ہیں، اور قاضی محمد اعلیٰ تھانوی (المتوفی 1191ھ) نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے اسی کی تائید فرمائی ہے۔ فتاویٰ عزیزی جلد دوم، ص 27، (راقم نے ان دونوں رسالوں پر تحقیقی کام کیا ہے۔ آزاد)

www.rahima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیا انسانوں کو تباہی کے منہ میں دے دیا جائے' اس لیے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ جبر کر رہے ہیں؟ جب غلامی طبیعتوں میں راسخ ہو جائے تو آزادی ان کو جبراً ہی دینی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ اگر رباء (سود) کو جبراً بند کرنے کا حکم بھی ملا دیا جائے تو یہ دو حکم سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔

فلسفہ ولی اللّٰھی اور انقلاب

اسلام کا یہ وہ انقلاب ہے جسے حضرت شاہ صاحبؒ کا فلسفہ اپنا اساس قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ انسان کی تمام ضرورتیں تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً خدا شناسی اور رشتہ داروں کے حقوق کو انسانی فطرت کے مطابق تسلیم کرتا ہے۔ مگر اموال میں یہ انقلاب تمام دنیا میں عدل کو جاری کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس فلسفے کو اساس بنا کر تمام دنیا کو مسلمان بنا سکتے ہیں۔ ایک حصہ تو اس تحریک کو ظاہراً اور باطناً قبول کرے گا۔ اور باقی ہمارا دوست ہو جائے گا۔ اور پھر وہی مسلم اور ذمی کی تقسیم ہو کر اسلام آج کے زمانے میں بھی غالب آ سکتا ہے (وما ذلک علی اللہ بعزیز)۔

آیت نمبر8: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

ترجمہ: ''(یہ مال) ان وطن چھوڑنے والے ضرورت مندوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے ہوئے آئے ہیں' اللہ کا فضل اور رضامندی ڈھونڈھتے آئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' وہی لوگ سچے ہیں۔''

آیت نمبر9: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: ''اور (مال فئے) ان لوگوں کے لیے ہے' جو ان سے پہلے اس گھر (مدینہ) اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایمان کو ٹھکانہ بنا چکے، محبت کرتے ہیں۔ ان سے جو ان کے پاس ہجرت کر آئے اور اس سے اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے، جو مہاجرین کو دیدی جائے، اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اور اگرچہ ان پر اضافہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیے گئے تو وہی مراد پانے والے ہیں۔''

آیت نمبر 10: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''اور (مال فے) ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے بیر نہ رکھ، اے رب تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔''

ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر

یہ تینوں:

(الف) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ (فقرا مہاجرین)

(ب) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ (انصار)

(ج) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (بعد میں آنے والے مسلمان)

ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر ہیں۔ یعنی رسالت کے قریبی رشتہ دار یہ لوگ ہیں۔ تیسری شق وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ میں قیامت تک آنے والے مسلمان شامل ہیں۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اور وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ یہ انقلاب کی مرکزی طاقت ہے۔ انہیں سورۃ التوبہ میں السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ 100) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تیسری شق کے لوگوں الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ: 100) کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب اور اسلام کا لزوم

اگر ہماری یہ سمجھ صحیح ہے کہ قرآن حکیم ایک انقلابی پروگرام دیتا ہے' تو پھر اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں ہے کہ مسلمان کسی زمانے میں بھی انقلاب سے غافل نہیں ہو سکتے اور قرآن کے انقلابی نظریات کو چھوڑنے والے مسلمان قرآن حکیم کے حامل نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کے پس افتادہ حصے ہی بن سکتے ہیں۔ مگر قرآن حکیم کی تحریک کو آگے چلانے والے لوگوں میں ان لوگوں کا ہرگز شمار نہیں ہو سکتا' جبکہ وہ قرآن کے انقلاب کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسے چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مجددین اور انقلاب

جو لوگ ہر صدی میں نیا انقلابی نظام چلائیں گے وہ اسلامی زبان میں مجددین کہلاتے ہیں۔ الف ثانی کی تجدید ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے شروع ہوئی اور امام ولی اللہؒ دھلوی نے اسے مکمل کیا۔ ہند (و پاکستان) کے لیے یہی ایک نظام ہے جس میں وہ اسلام قائم رکھ سکتا ہے اور جس پر چل کر وہ اپنی حکومت پیدا کر سکتا ہے۔ مگر سیاسی فکر کی کمزوری کی وجہ سے لوگوں نے امام الہند ولی اللہؒ دھلوی کی حکمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اگرچہ یہ لوگ شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیقات کو اول درجے پر مانتے رہے مگر وہ شاہ صاحب کے انقلابی کارناموں پر متنبہ نہیں ہوئے۔ اب اگر ان کو نئے سرے سے تنبہ پیدا کر دیا جائے تو یقین ہے کہ وہ فائدہ حاصل کرنے میں کوتاہ نہیں رہیں گے۔

مہاجرین کا حصہ فئے میں

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ۔ یہ ذوی القربیٰ کا پہلا حصہ ہیں۔ یہ قریش کے محتاج لوگ ہیں۔ جنھوں نے تحریک اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا اور عسرت و فقیری قبول کی۔ جو لوگ مکہ معظمہ چھوڑ کر آنا چاہتے تھے اہل مکہ ان کو روپیہ پیسہ ساتھ لے جانے نہیں دیتے تھے۔ مہاجرین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے خالی ہاتھ جانا منظور کیا۔ اس سے وہ محتاج ہوگئے۔ اسلامی انقلاب کی یہ سب سے پہلی مرکزی طاقت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

www.rahnamia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

وسلم کے بحیثیت رسالت ذوی القربیٰ ہیں۔ یہاں ان کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

(الف) فضل اور رضوان

(1) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (وہ اللہ کا فضل چاہتے ہیں)۔

وہ معمولی ضرورتوں پر اکتفاء کرنے پر صبر نہیں کرتے؟ وہ دنیا میں (اور اس کے نتیجے کے طور پر آخرت میں بھی) بلند مرتبے پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں یعنی اللہ کا قانون دنیا میں نافذ کرنے پر مسرور ہیں۔ اگر وہ اپنے وطن میں اس قانون کو حاکم نہیں بنا سکتے تو ایسی جگہ چلے جاتے ہیں جہاں بیٹھ کر وہ یہ کام کر سکتے ہیں، مگر رضا ان کی اس میں ہے کہ قانون الٰہی دنیا میں سر بلند ہو۔

(ب) نصرت

(2) وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (وہ اللہ اور رسول کے دیئے ہوئے قانون کی نصرت کو اپنا مقصد حیات بناتے ہیں)۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یہ سچے لوگ ہیں)۔

یہ اپنے ایمان کے مطابق کام کر کے دکھاتے ہیں، اس لیے سچے ہیں۔ ایمان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے عمل میں لا کر دکھایا جائے۔ یہ لوگ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے واسطے نمونہ ہیں۔

دارالاسلام مدینہ منورہ

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ۔الایہ۔(وہ لوگ جنہوں نے گھر بنا لیا دارالاسلام میں اور گھر بنا لیا ایمان میں)۔

تَبَوَّؤُ الدَّارَ۔ اللہ کے ہاں مدینہ دارلاسلام تھا۔ اس میں یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں کا مرکز بن کر کام کرے۔ وہ اس زمین پر گھر بنا کر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے دوسرے لوگوں (مہاجرین) کو دعوت دی کہ آ جاؤ۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں:

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(الف) محبتِ مہاجرین کا نتیجہ

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ ۔ جو لوگ اسلامی مرکز کے لیے ان کے ہاں آتے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں' ان کو اپنے اموال و املاک میں شریک بناتے ہیں۔

(ب) سرمایہ پرستی سے نفرت

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ۔ (ان لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی طرف اپنے دل میں کوئی حاجت نہیں پاتے)۔ یعنی روپے پیسے کو اپنی حاجت کے لیے خزانہ بنا کر نہیں رکھتے۔ یہ ہے اصل میں سرمایہ پرستی کی پوری ضد۔

(ج) دوسروں کو اپنے پر ترجیح

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اگر چہ خود بھوک میں مبتلا ہوں مگر پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچے، وہی لوگ کامیاب ہیں)

اور کلیہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ مال و دولت کے طمع سے اپنے نفسوں کو پاک کر لیں وہ اپنی علمی و ایمانی تحریکوں کو کامیاب بنا لیتے ہیں۔ بعض اوقات ایک صحیح تحریک محض اس لیے ناکام ہو جاتی ہے کہ اس کے کارکن مال و دولت کو اس تحریک سے زیادہ محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔

یہ مرکزی کمیٹی کا دوسرا حصہ تھا۔ قریش کے سوا جتنی قومیں اسلام کی خدمت میں پہلے دن (ابتدائی دور میں) شریک ہوئیں وہ سب انصار میں شامل ہیں اور مدنیہ طیبہ کے لوگ ان کا مرکز ہیں۔

انصار اور مہاجرین کا درجہ

تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ ۔ قرآن اور سنت کا علم جب مخاصمات و مقاتلات سے

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مجرد کر کے دیکھا جائے ایمان کہلاتا ہے۔ لیکن اس میں مخاصمات اور مقاتلات کی نفی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس علم کا استقرار و تمکن مقصود اصلی ہے، چاہے اس کے لیے مقاتلہ کرنا پڑے یا مقاتلے کا انتظار کرنا پڑے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص قتل کرنا چاہتا ہے مصلحت وقتی کے لحاظ سے اگر چند دن ترک قتال پر صبر نہیں کرسکتا، وہ لزوم قتال کے وقت صبر کے ساتھ لڑ بھی نہ سکے گا۔ اصل میں مسلمان کے اندر یقتلون (دشمن کو قتل کرنے) اور یُقتلون (خود اپنی جان دینے) دونوں کا عزم بالجزم ہونا ضروری ہے۔ اس کے تمام اعمال اسی عزم بالجزم کے اندر رہوں۔ انصار کا وطن قبل ہجرت ہی علم القرآن کا مرکز بن چکا تھا اور حضرت محمد ﷺ ایک شخص (معصب رضی اللہ عنہ بن عمیر) کو وہاں تعلیم اسلام کے لیے بھیج چکے تھے۔ ان لوگوں نے حفاظت رسول ﷺ پر بیعت کی تو اس کے عوض فقط یہ طلب کیا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ گویا انصار نے مہاجرین کو اول درجے پر اور اپنے آپ کو دوم درجے پر رکھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا شہر مہاجرین کی مدد ہی سے مرکز اسلام بن سکتا ہے۔ مدینہ منورہ پہلے فقط علمی مرکز تھا۔ جب مہاجرین آگئے تو وہ سیاسی اور دینی دونوں قسم کا مرکز بن گیا۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم مانا اور جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے مہاجرین اور انصار کے مجموعے کو اپنے پر مقدم کیا۔

اب تیسری جماعت آتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ پیدا ہوتی رہے گی۔

انصار و مہاجرین کے لیے استغفار کا مطلب

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ :

جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اور پہلے بھائیوں کو جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی، بخش دے۔ یعنی ہم سے اور ان سے جو غلطیاں ہوئیں وہ معاف فرما دے۔ الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ یہی مہاجرین اور انصار ہیں۔ بعد میں آنے والے لوگ سابقین کی غلطیوں پر تنقید کرنا اپنا فرض قرار نہیں دیتے بلکہ اپنا فرض یہ قرار دیتے ہیں کہ ان کی خوبیوں میں شریک ہوں۔

جو شخص ان لوگوں کو اپنا مقتدا بنائے جو نبی نہ ہوں، اور وہ شخص خود بھی صاحب رائے اور صاحب فکر ہو، اسے ان مقتداؤں کے بعض اعمال و افعال میں گنجائش مقال

(c) ketabton.com: The Digital Library

مل سکتی ہے۔ اس صورت میں وہ ان کے اقتداء کو تسلیم کرتا ہے مگر ساتھ ہی ان کے لیے ان غلطیوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ اگر وہ ان غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرے تو پھر ان کا اقتداء نہیں کرسکتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان غلطیوں کو غلطیاں سمجھتا ہے اور ان کا ان غلطیوں میں اقتداء نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ان مقتداؤں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ (ان غلطیوں کو چھوڑ کر) اور بہت سی باتوں میں قابل اقتداء ہیں۔ اس لیے وہ ان کے لیے بھی اور اپنے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے۔

انقلاب کے اجزاء ثلاثہ

انقلاب کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔

(1) نصب العین (2) پروگرام (3) مرکزی کمیٹی

(1) اسلام کا نصب العین تو یہ ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح۔ 28)

(اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا کہ وہ اسے تمام دینوں (نظاموں) پر غالب کرے۔)

(2) اسلام کا پروگرام مکمل قرآن حکیم ہے۔

(3) اس کی مرکزی کمیٹی وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ 100) کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر اور معتمدین تھے۔ ان کے بعد ان کی جگہ جو کمیٹی کام کرے گی الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ: 100) اس کے لیے انہی کا طرز عمل انقلاب میں قابل اقتداء ہوگا۔

انقلاب میں دھوکا

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

(ایمان والوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ پیدا نہ ہونے لگے)۔

ہم ان کو دھوکا نہ دیں کہ نام تو لیں قرآنی انقلاب کا اور جمع کرنے لگیں سرمایہ۔ اور قوموں پر حاصل کریں تغلب، جو ان سابقین بالایمان نے نہیں کیا۔ سرمایہ پرستی اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

ملوکیت کی شکل پیدا کرنے کے سامان اسلام کے نام سے جمع کرنا کھوٹ اور دھوکا (غل) ہے۔ لوگ ہم پر اعتماد تو اس لیے کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو اصلی شکل میں قائم کر کے دکھائیں گے اور ہم ان کو دھوکا دے کر اپنی شہنشاہیت قائم کرلیں؟ خدا کرے ایسا نہ ہو!!

مال فئے کی تقسیم کا سبب

ان کو یہ روپیہ کیوں دیا گیا؟ یعنی ساری قوم یا ساری پارٹی میں یہ روپیہ کیوں تقسیم کیا گیا ہے؟ اس کی غرض یہ ہے کہ اس پارٹی کو فکر معاش سے بے فکر کرنا مقصود ہے۔ تاکہ وہ اپنے مخالفوں کے مقابلے کے لیے مضبوطی کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اس کے مخالفین 'اسلام' کے خلاف جو بین الاقوامی پروگرام بناتے ہیں' پارٹی ان سب کا مطالعہ کرتی رہے اور اپنے لیے اور اپنے پروگرام کے تحفظ کے لیے ذرائع اور اسباب فراہم کرتی رہے۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں بین الاقوامی نظام پیدا کرے۔ اب یہ پارٹی دوسری قوموں کو اپنا ہم خیال بنا کر انصار کی جماعت میں شامل کرے گی اور اس سرمایہ کی مدد سے اپنا کام مستقل طور پر جاری رکھے گی۔

قرآن کے خلاف بین الاقوامی محاذ

آیت نمبر 11: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان منافقوں کو جو اپنے بھائی' اہل کتاب کے کافروں (یعنی یہودیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ اور تمہارے بارے میں کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہیں مدد دیں گے (اس طرح یہ مسلمانوں کے خلاف ایک بین الاقوامی محاذ پیدا کر رہے ہیں) مگر اللہ اس بات کو صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہے کہ یہ لوگ (منافقین) جھوٹ بولتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافق کون ہے؟

حزب اللہ کی تنظیم ہو جانے کے بعد وہ لوگ جو اس کے نظریات کے موافق نہیں ہیں، (مگر بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں) وہ منافق ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کو سیاسی قوت حاصل نہ ہو۔

دو پیشگوئیاں

آیت نمبر 12 : لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ۝

ترجمہ: ''اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اگر اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد میں آ بھی کھڑے ہوں گے۔ تو وقت پر پیٹھ دکھائیں گے پھر ان (منافقین) پر جو تکلیفیں آئیں گی ان پر ان (منافقین) کو کوئی مدد نہ دے گا۔''

مضبوط مسلح جماعت کی ضرورت

آیت نمبر 13 : لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ

ترجمہ: ''تم ان کے سینوں پر خدا سے بھی زیادہ رعب ڈال سکتے ہو، یہ قوم بات کو سمجھتی نہیں۔''

یہ لوگ قانون کی اس وقت تک عزت نہیں کرتے جب تک ان کو کوئی دھمکانے والا نظر نہ آئے۔ یہ لوگ قرآن حکیم کی حکومت کا انتظار کرنے کی بجائے یہودیوں سے اتصال کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تمہارے خلاف خدا کا حکم بھی آیا تو ہم اسے بھی قبول نہ کریں گے۔ اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ان کے دلوں میں خدا کے قانون کی کتنی وقعت ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی ایک بہت مضبوط جماعت قرآن حکیم کی حمایت کے لیے ہر وقت تیار رہنی چاہیے جو ان لوگوں کو اس قرآنی قانون کے احترام پر مجبور کر سکے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب اور جمود کا فرق

آیت نمبر 14: لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ

ترجمہ: ''وہ سب مل کر قلعہ نما بستیوں یا دیواروں کی آڑ کے بغیر تم سے نہیں لڑسکیں گے۔ ان کی آپس میں لڑائی سخت ہے۔ تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے اور ان کے دل جدا جدا ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔''

ان کی بے سمجھی کی یہ دلیل کافی ہے کہ آپس میں بھی متفق نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہ ایک انقلابی سوسائٹی کے قانون کا اصلی طاقت میں اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ انقلابی سوسائٹی کا قانون اس کے ہر ایک فرد کو ہر وقت حرکت دے سکتا ہے۔ اور ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قلعہ دار گاؤں یا دیوار کی آڑ کے سوا تم سے کہیں اکٹھے ہو کر لڑ بھی نہیں سکتے۔ ان میں آپس میں سخت دشمنی ہے۔

(ہماری طبیعت کی بھی کبھی یہی حالت تھی۔ ہم بھی اپنے فرقے کے سوا مسلمانوں کے کسی فرقے سے محبت نہیں رکھتے تھے۔ جب سے ہمیں انقلاب کی حقیقت سمجھ میں آئی ہے، اس روز سے ہم اپنے قلب میں یہ وسعت پاتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے فرقے والے ہمارے ساتھ انقلاب میں شریک ہو جائیں تو ہم ان پر پورا اعتماد کر سکتے ہیں۔ ہم یہود کی اس حالت کا حل یوں کرتے ہیں کہ وہ تورات کی انقلابی روح کو بھول چکے تھے۔ اب ہم مسلمانوں میں بھی بے تکلف دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے جس حصے نے انقلاب بھلا دیا ہے اس کی حالت بھی اچھی نہیں رہی)۔

یہود کا ایک عیب

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ۔ انہوں نے عقلی مسائل میں آزادی سے غور کرنا چھوڑ دیا۔ وہ جذبات اور اغراض کو سامنے رکھ کر عقلی قانون گھڑتے ہیں۔ وہ حقیقت میں عقلی قانون نہیں ہوتے، وہ فرضیات ہیں۔ عقلی قانون وہ ہیں جو تمام انسانی نوع کے لیے

(c) ketabton.com: The Digital Library

یکساں کام دیں۔

یہود کے متعلق ایک پیشن گوئی

آیت نمبر 15: كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ترجمہ: "یہ لوگ (یہودی) اس طرح شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلے (منکرین) عنقریب شکست کھا چکے ہیں (یعنی قریش) اور ان کو دردناک عذاب ملے گا"۔

یہ بہت تکلیفیں اٹھائیں گے۔ یہ جلاوطن کر دیئے جائیں گے۔ ان کو مذہبی زندگی کے بغیر سکون نصیب نہ ہوگا۔ مگر کہیں (بغیر کسی تعاون کے) اپنے مذہبی نام سے گھر نہ بنا سکیں گے۔ اس طرح دوگونہ عذاب میں مبتلا ہوں گے----

منافقین کی تمثیل

آیت نمبر 16: كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: "یہ منافق جو یہودیوں کو لڑنے پر اکسا رہے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان کسی سے کہے "کفر کر" اور جب وہ کفر کر گزرے تو اس سے کہے "بھائی میں تو تیرا ساتھ نہیں دے سکتا میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں"۔

آیت نمبر 17: فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ: "ان دونوں کی سزا یہ ہے کہ دونوں آتشِ جہنم میں جائیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، ظالموں کی سزا یہی ہے۔"

ظلم کرنے والا اور ظلم میں مدد کرنے والا دونوں ایک ہی درجے کے مجرم مانے جاتے ہیں۔

حزب اللہ کی زندگی کی دوسری منزل

یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے مخالفت و مخاصمت مشکلات کا پہلا مرحلہ تھا۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

دوسرا مرحلہ جو کل کو پیش آنے والا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے' وہ کسریٰ و قیصر کا مقابلہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو محض انقلابی کام کے لیے وقف ہو جانا چاہیے۔ یہ آمدنی جس کی تقسیم اوپر (آیت نمبر 7) بیان کی جاچکی ہے اس تیاری میں بہت مدد دے گی۔

اب دوسرے حصے پر بحث ہوتی ہے:

بین الاقوامی سرداری

آیت نمبر 18 : يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''مسلمانو! اللہ سے ڈرو (یعنی اس کے نام سے انصاف کا قانون دنیا میں جاری کرو)۔ ہر ایک انسان اس امر پر غور کرتا رہے کہ اس نے کل کے لیے آج کیا چیز تیار کرنی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یعنی اس کے نام پر انصاف جاری کرنے کا کام زیادہ زور سے کرو۔ اللہ تمہارے کاموں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔''

یعنی جس قدر زور دار کام ہونا چاہیے وہ زور ابھی پیدا نہیں ہوا۔ تم انصاف کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کرو ورنہ اقوام کی سرداری تمہیں نہیں مل سکے گی۔ تمہیں اپنی قوم کی سرداری کے لیے جتنا انصاف پسند ہونا چاہیے، اقوام کی سرداری کے لیے اس سے کہیں زیادہ انصاف پسندی کو ترقی دینا ضروری ہے۔

اللہ کو بھولنے کا نتیجہ

آیت نمبر 19 : وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

ترجمہ: ''تم ان لوگوں کی مثل نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔''

یعنی اللہ کے جس قانون کو مانتے تھے اس کے احترام پر اپنی جان و مال قربان

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے سے جی چرانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے اپنے نفس بھلا دیئے (یعنی اللہ نے ان کو اپنے ذاتی کمالات سے اندھا کر دیا)۔ ان کے اندر جو طاقت تھی وہ معطل ہوگئی۔ وہ احساس کمتری (Inferiority Complex) میں اس قدر مبتلا ہوگئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے، حالانکہ ان کے مخالف ان سے زیادہ قوت نہیں رکھتے۔ وہ کرسکتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کرسکتے' مگر خدا نے ان کے پہلے جرم کی سزا میں ان سے اعتماد علی النفس (خود اعتمادی کا ہونا) چھین لیا۔

اللہ کی یاد کا فائدہ

نسوا اللّٰہ۔ کتاب اللہ کے موافق عمل کرنا بھول گئے۔

قانون شکنی کرتے کرتے قانون الٰہی کو بھلا ہی بیٹھے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ اللہ کی کتاب کی ادنیٰ برکت یہ ہے کہ وہ ایسے افکار سکھاتی ہے جن پر انسانیت مجتمع ہوسکتی ہے۔ انسان اگر کتاب اللہ کو یاد رکھے اور اس کے موافق عمل کرتا رہے تو وہ اجتماعی بن جاتا ہے۔ لیکن جب اسے بھلا دے تو وہ اپنی اجتماعیت بھی بھول جاتا ہے اور انفرادیت پسند (Individualist) بن کر رہ جاتا ہے' ایسی حالت میں اس کی زندگی کا معیار کذب وخیانت بن جاتے ہیں۔

بزدلی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (وہ اپنے کمالات کو بھول گئے)

خدا ان کو ان کی اپنی ذاتی قوتوں سے غافل کر دیتا ہے۔ وہ اجتماعی قوت سے کام کرسکتے ہیں لیکن اس کے متعلق خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نہیں کرسکتے، کیونکہ اب وہ انفرادی الخیال (Individual Minded) بن چکے ہیں۔ اجتماعیت کا خیال ان کے دلوں سے نکل چکا ہے۔ اس لیے وہ کسی اجتماعی کام کے کرنے کا اپنے اندر یقین ہی نہیں پاتے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

انہوں نے اجتماعیت کو چھوڑا تو انفرادی الخیال ہو گئے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ان میں احساس کمتری (Inferiority Complex) پیدا ہوگیا جو انفرادیت پسندی (Individualism) کا لازمی نتیجہ ہے۔ اب ان کو اس کا وہم وگمان بھی نہیں گزرتا کہ ہم بھی کوئی کام اجتماعی قوت سے کر سکتے ہیں۔

فاسق اور کافر میں فرق

أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (یہ لوگ بدمعاش ہیں)۔

جو لوگ قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں وہ تو کافر ہیں اور جو قانون کو تسلیم کر کے اسے نہ چلائیں بلکہ قانون شکنی کی عادت بنالیں وہ فاسق ہیں، بدمعاش ہیں۔ کبھی کبھار غلطی سے قانون کی خلاف ورزی کرنے سے انسان فاسق نہیں بن جاتا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ یعنی ان کی طرح نہ ہو بلکہ تمہیں اپنے قرآن کی حکومت قیصر وکسریٰ کے ممالک پر جاری کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہونا چاہیے۔

مسلسل کام کرنے والے اصحابِ جنت ہیں

آیت نمبر 20 : لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ

ترجمہ: ”دوزخ والے اور بہشت والے برابر نہیں، بہشت والے ہی کامیاب ہیں۔“

اصحاب الجنہ وہ لوگ ہیں جو صحیح قانون کو صحیح طور پر اور مسلسل طور پر جاری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ مسلسل کوشش جاری رکھنے کے بعد حق پرست جماعت کے لیے ناکامی کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے۔ عارضی شکستیں، جن کا دفاع ہوسکتا ہے، پیش آسکتی ہیں۔ مگر یہ جماعت دوسرا پہلو بدل کر ان کا بدلہ لے سکتی ہے۔ اس لیے ان کو شکست نہیں مانا جاتا اور نہ اس قسم کی عارضی شکستوں (Reverses) سے دل ٹوٹنا چاہیے۔ ایسے لوگ ہی جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ فوز وکامرانی جماعت کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی انقلاب کی راہ میں دو پہاڑ

آیت نمبر 21 : لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ

ترجمہ: ''اگر ہم یہ قرآن ایک پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سناتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔''

فوز (کامیابی) حاصل کرنے کے لیے یقین محکم اور عمل پیہم کی ضرورت ہے۔
قرآن حکیم وہ عظیم الشان انقلابی قوت ہے کہ اس کے آگے موانع کے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ موانع دو قسم کے ہیں:

1- کسریٰ کی شہنشاہی صدیوں سے قائم ہے اور ایک پہاڑ کی مانند کھڑی ہے۔ ادھر انقلابی جماعت بالکل بے سروسامان ہے۔
2- القدس میں بنی اسرائیل کا دینی نظام صدیوں سے قائم ہے جس کی پشت پناہی قیصر کی شہنشاہیت کر رہی ہے۔

قرآن کی نئی دینی تحریک اس ساز وسامان سے عاری ہے:

سرمایہ پرستی اور برہمنیت کا خاتمہ

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کا نظام سرمایہ پرستی اور برہمنیت دونوں پر غالب آئے گا۔ اور یہ دونوں پہاڑ پاش پاش ہو جائیں گے۔ یعنی نہ سرمایہ پرستی (Capitalsim) رہے گی' نہ دینی سرمایہ داری (Brahmanism) جو یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے۔ یہ دونوں تحریکیں انسانیت کے لیے سخت مضر ثابت ہو چکی ہیں۔ ان کا برباد ہو جانا لازم ہے۔ اہل فکر اس پر غور کریں۔

کامیابی کا مالک صرف اللہ ہے

آیت نمبر 22 : هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔''

اس تمام کامیابی کا سہرا کس کے سر باندھا جائے؟ اس کا Credit کسی خاص انسان کو نہیں دینا چاہیے' اس کا مستحق وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اس قانون انسانیت کا واضع ہے' اس لیے اپنی رحمت سے ان کامیابیوں کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ! وہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کا مستقبل اور قیصر و کسریٰ کی موجودہ حالت اور ان کا مستقبل خوب جانتا ہے۔ ان دونوں میں سے جو طاقت مفید ہوگی اسے وہ باقی رکھے گا اور دوسری کو اس مفید طاقت کے ہاتھوں پاش پاش کر دے گا۔

قرآنی انقلاب کائنات کے لیے رحمت ہے

هُوَ الرَّحْمٰنُ : اس کی رحمت تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔

الرَّحِيْمُ : نوع انسان پر بھی اس کی رحمت چھائی ہوئی ہے۔

یہ انقلاب تمام کائنات کے لیے بھی مفید ہے اور تمام انسانیت کے لیے بھی۔ اگر قرآنی انقلاب دنیا میں جائے گیر ہو جائے تو یہ انسانیت کے لیے باعث صد ہزار رحمت ہوگا۔ اگر انسانیت ٹھیک راستہ اختیار کر لے تو اس کے ماتحت حیوانات و نباتات بھی زیادہ آرم سے رہ سکتے ہیں۔

حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے

آیت نمبر 23 : هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں: بادشاہ' پاک ذات' سب عیب

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے سالم' امان دینے والا' پناہ میں لینے والا' زبردست دباؤ والا' صاحب عظمت ان کے شریک قرار دینے سے اللہ پاک ہے۔"

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ معبود صرف اللہ ہی ہے۔ قانون اسی کا چلتا ہے۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس نظام میں اپنی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) قائم کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ تمام قانون چلانے والے اللہ کے نائب ہو کر کام کر سکتے ہیں۔

اَلۡمَلِكُ۔ مُلک اسی کا' مِلک اسی کی ہے' اس لیے وہی مَلِک ہوسکتا ہے۔

برھمنیت کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

اَلۡقُدُّوۡسُ۔ کسی شخص کو اس نئے نظام میں مقدس مان کر اسے خدا کا قائم مقام نہیں مانا جاسکتا' ورنہ وہی برہمنیت (Brahmanism) اور پاپائیت (Papacy) پیدا ہو جائیں گے جن کے استیصال کے لیے یہ نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ قدوس فقط ایک ہی خدا ہے۔

قرآنی تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی

اَلسَّلٰمُ۔ چیزوں کو سلامتی کے ساتھ ترقی کی انتہا تک پہنچانا، ثمرات پیدا کرنا، تحریکوں کو کامیاب بنانا، اللہ کا کام ہے، جو السلام ہے۔

انقلاب کے تمام نتائج پہلے ہی دن نہیں نکل آتے بلکہ بتدریج نکلتے ہیں۔ بعض نتائج سو سال کے بعد نکلتے ہیں اور بعض اس سے بھی بعد نکلیں گے۔ یہ پروگرام قیام انسانیت کے خاتمے تک اپنے نتائج پیدا کرتا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو سلام ہے اسے ہمیشہ سالم رکھنا چاہتا ہے۔

تمام ادیان شروع شروع میں اچھی حالت ہی میں تھے مگر قوموں کے تداول سے مضر بن گئے۔ مگر اسلامی تحریک کا مرکز ایسا محفوظ کر دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی دوسری چیز مخلوط ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ خداوند تعالیٰ کے اسم "السلام" کا اثر ہے۔ اس لیے یہ تحریک

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہمیشہ کامیاب رہے گی۔

قرآنی انقلاب کے نتائج

(1) امن ہو جائے گا۔(المومن)۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں امن پیدا ہو۔

(2) تحفظ نتائج۔(المھیمن)۔

حصہ داروں کے حصے محفوظ رہیں گے۔ ان کی کوششیں رائیگاں نہ جائیں گی اور وہ اپنی مساعی کے نتائج سے اس دنیا میں یا آخرت میں ضرور بہرہ اندوز ہوں گے۔

(3) عزت۔(العزیز)۔

اس تحریک میں کام کرنے والے عزت مندر ہیں گے ان کو عزت دی جائے گی۔

(4) غلبہ۔(الجبار)۔

اس تحریک میں کام کرنے والوں کو غلبہ دیا جائے گا اور وہ زبردست بنا دیئے جائیں گے۔

(5) بڑائی۔(المتکبر)۔

اس تحریک میں کام کرنے والے بڑے بنا دیئے جائیں گے۔

ان کا منبع صرف خدا ہے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ

یہ تمام خوبیاں جو اس تحریک میں کام کرنے والوں میں پیدا ہوں گی اور تمام فوائد جو انہیں حاصل ہوں گے ان کا منبع و مصدر ذات الٰہی ہی کو سمجھنا چاہیے۔ یہ صفات اسی کا پرتو ہیں اور یہ انعامات اس کی طرف سے ہیں۔ ان کے عطا کرنے میں کسی انسان یا فرشتے کو شریک نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ واقع کے خلاف ہے۔

قانون دینے میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا انسانیت کے لیے خطرناک ہے۔ اور اس کے اخلاق کو تباہ کر دینے والا فکر ہے۔ خدا کو مالک الملک مان لینے کے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بعد پھر کسی اور کو اس کا شریک نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اسے کسی شریک کی ضرورت نہیں ہے۔

(سبحن اللّٰہ) ملت حنیفہ کا تلبیہ یہ ہے۔

لبیک اللھم لبیک لبیک! لاشریک لک لبیک! ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک گویا الحمد، النعمة اور الملک صرف خدا کے۔ ان میں اور کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔

آیت نمبر 24: هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا' ٹھیک ٹھیک بنانے والا' صورت دینے والا' اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔''

کیا کوئی نیا نبی آئے گا؟

اس تحریک کی کامیابی کے بعد آگے کیا دور شروع ہوگا؟ کیا کوئی نیا نبی آئے گا جس کا انتظار کرنا چاہیے؟ کیا وہ عالمگیر انقلاب کے کوئی نئے اصول لے کر آئے گا؟ ہماری سمجھ یہ ہے کہ یہ تحریک کسی نئے نبی کا انتظار نہیں سکھاتی اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیتی ہے۔ تو کیا دنیا اب ایک ہی ڈھنگ پر چلتی رہے گی؟

اگر دنیا میں تبدیلیاں آئیں گی تو ان کے مطابق نئے نظام بھی آنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم جو نظام لے کر آیا ہے۔ وہ تمام اقوام کے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے۔

الخالق: چونکہ اللہ خالق ہے اس لیے نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

(یخلق مالا تعلمون (النحل :8) ان سے بڑے بڑے کام جن کو پہلی قومیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہیں کرسکیں آسان ہو جائیں گے۔ خلق کے معنی ہیں ایک چیز سے دوسری چیز بنانا۔ یہ نظام کائنات اس طرح چل رہا ہے کہ ایک نظام اپنے مابعد نظام کے لیے انڈے کا کام دیتا ہے۔

المصور: اللہ تعالیٰ اس مادے کو نئی نئی صورتیں دیتا رہے گا۔

الباریٔ: اور ان میں نئی نئی استعدادیں پیدا کرتا رہے گا۔

لہ الاسماء الحسنی: وہ اپنی صفات حسنہ سے ہر وقت کام لیتا رہے گا۔ اس نظام میں کسی نئے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو نظام آپ ﷺ کا ہے یہ کافی ہے۔ اب انسانیت بہ اعتبار آلات ترقی کرے گی۔ اصول انسانیت قرآن حکیم میں منضبط ہو چکے ہیں۔ انسانیت ہمیشہ ان کی مدد سے اپنے اندر انقلابات پیدا کرتی رہے گی۔ اس لیے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح اس انقلاب کو قیامت تک کامیاب بنایا جاتا رہے گا۔

نئے نظام کی خوبیاں

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

آسمان و زمین کی تمام چیزیں اپنی ساخت میں بالکل بے عیب ہیں اور قواعد مسلمہ کے اندر کام کر رہی ہیں۔ پس وہ خدا جس نے یہ نیا نظام دنیا کو دیا ہے اس نئے نظام کو بے عیب طور پر انسانیت کو دے رہا ہے اب اسی کے ذریعے سے انسانیت کو عزت حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہ نظام حکمت پر مبنی ہے اور انسانیت کو حکمت سکھاتا ہے۔ یہ عزت و حکمت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

تمت سورۃ الحشر (59)

بشیر احمد مورخہ 23-04-1943

دن گیارہ بج کر پندرہ منٹ پر

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

الحمدللہ کہ سورۃ الحشر کی تفسیر ختم ہوئی۔ جن اہل علم حضرات نے اس شرح کا مطالعہ بنظر غائر کیا ہے۔ ان سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے عجیب عجیب نکات بیان کئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں قرآن دانی کا جو ملکہ عطا کیا ہوا تھا وہ خاص الخاص تھا۔ ایسی ہستیاں دنیا میں بار بار پیدا نہیں ہوا کرتیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت قرآن کے صلہ میں اس صدقہ جاریہ کو ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین (خدا بخش)

✦ ✦ ✦

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کی عالم گیریت

قرآن مجید کے برحق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسی تعلیم دیتا ہے، جو سب انسانوں کے فطری رُجحانات کی آئینہ دار اور ساری نوعِ انسانی کے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن اگر قرآن کو ایک فرقہ یا گروہ کی کتاب بنادیا جائے تو پھر یہ ثابت کرنا کہ وہ ازلی اور ابدی ہے، اور اس کی تعلیمات سب کے لیے ہیں، اور ہر زمانے کے لیے ہیں، بڑا مشکل ہے۔ قرآن کی عالم گیریت محض اس بنا پر ہے کہ وہ کل انسانیت کی کتاب ہے۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص22)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی قانونِ انقلاب

سورۃ الممتحنہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کے عالم کی ذمہ داری

قرآن کے عالم کو چاہیے کہ وہ انسانی تاریخ کے مطالعے سے معلوم کرے کہ انسانی ترقی کے عام اور غیر متبدل قوانین کون سے ہیں۔ اس کے بعد وہ قرآن میں غور کرے۔ وہ دیکھے گا کہ قرآن ان ہی عالم گیر اور ناقابل تغیر اصولِ حیات کو پیش کرتا ہے۔

یہ قرآن کا صحیح مفہوم ہے۔ اور یہی چیز ہے، جو ازل سے ابد تک قائم رہے گی۔ اور اسی کے ماننے میں تمام انسانوں کا بھلا ہے۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، ص 32)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حرف اول

دین اسلام کو جو تابانی اور تازگی عطا کی گئی ہے وہ ہر دور میں صاحب عصر مجدد دین کے ذریعہ آشکارا ہوتی رہتی ہے۔ دین حق کی اس نا قابل تنسیخ خوبی کو دھندلانے کے لیے انسانیت دشمن طاقتوں نے ہر حربہ آزمایا۔ لیکن پہلے راؤنڈ میں کامیابی کے باوجود بالآخر انہیں چاروں شانے چت گرنا ہی پڑا۔

دور حاضر میں اللہ تعالیٰ نے ولی اللہی جماعت کو یہ امتیازی وصف بخشا ہے کہ وہ دین کی روح اور اس کے مغز تک رسائی کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کے شعور سے بھی بہرہ مند رہی ہے۔ اسی جماعت کے سرمایۂ افتخار حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کا ہاتھ تو دور کی نبض پر تھا۔ اور انہوں نے جس خوبی سے قرآنی حکمت کو عصر حاضر کی جانی پہچانی آواز بنایا وہ انہی کا حصہ ہے۔

زیر نظر کتاب میں سورۃ الممتحنہ کی وہ تفسیر پیش کی جا رہی ہے جو مولانا سندھی سے ان کے شاگرد شیخ بشیر احمد بی اے لدھیانویؒ نے اخذ کی ہے۔ اس سورت کے ذریعہ مولانا موصوف نے قرآنی انقلاب کے لیے ''قاعدے وضابطے'' کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اس بنا پر سورت کی اس مختصر تشریح کا عنوان ''قرآنی قانون انقلاب'' قرار پایا۔

چیئرمین

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الممتحنۃ (60)

(یہ سورت مدنی ہے)

تمہید سورت

موضوع سورت

اگر حزب اللہ کے ارکان خیانت کریں تو انہیں کیا سزا دی جائے گی؟ اس مسئلے کی توضیح الممتحنۃ میں کی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں حزب اللہ کے ارکان کو راز داری کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ جنگی قوت پیدا کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

سورۃ الحشر کے ساتھ ربط

سورۃ حشر میں لڑنا اور سرمایہ جمع کرنا، حزب اللہ کے فرائض میں داخل کیا گیا تھا۔ اس سورۃ الممتحنۃ میں بتایا گیا ہے کہ حزب اللہ اپنا حاکمانہ نظام ایک قانون کے اندر رہ کر قائم کرے۔ کیونکہ جو جماعت قانون کے اندر رہ کر اپنا نظام رکھ سکتی ہے، اسے اگر دوسری قوم پر حاکم بنا دیا جائے تو وہ اس کا انتظام بھی قانون کے اندر رہ کر کر سکے گی۔ اس طرح ظالمانہ قوتوں کا استیصال ہو سکے گا۔

ایک واقعہ

حزب اللہ کا ایک ممبر ہے، وہ مہاجر ہے، وہ کفار کی جاسوسی کرتا ہے اور پکڑا جاتا ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا معاملہ کرتے ہیں؟ اس پر لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف ہوئی کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد تمام قاعدے تلقین کر دیئے گئے۔ اور حکم دے دیا گیا کہ حزب اللہ کے ممبران قواعد کے اندر رہ کر کام کریں۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی وہ کفار نے توڑی تو حضور نبی کریم ﷺ نے خاموشی کے ساتھ عساکر جمع کر کے مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے کوشش کی کہ اس تیاری کی خبر باہر نہ نکل سکے۔ لیکن ایک بدری مہاجر حاطب ابن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ حضرت محمد ﷺ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ تحقیقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس لیے اطلاع دی کہ اہل مکہ جن کے قبضہ میں میرے اہل و عیال ہیں' اس احسان کے عوض وہ ان سے اچھا سلوک کریں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ عذر قبول فرمالیا اور اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اس پر یہ آیات نمبر 1 تا نمبر 3 نازل ہوئیں۔ جن میں پیغمبرؑ کے اس فعل کو قاعدہ مقرر کرنے کی بجائے ایسے حالات کے لیے نئے قوانین دیئے گئے ہیں۔

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الممتحنہ (مدینہ 60)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤۖ
تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۤۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝١ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً
وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝٢ۭ لَنْ
تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ڔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ڔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٣ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ
قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ
وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا
قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝٤ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٥ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٦

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ
قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي
الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ
مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ
فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ
مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا
تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ
اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝١١ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ
عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ
وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ
مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا
يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝١٣ ع

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تفسیر سورت

فصل اول

حزب اللہ کے ممبروں کے فرائض کیا ہیں؟ اور انہوں کون سے کام نہیں کرنے ہیں، آیات نمبر 1 تا 9 میں اس کی تفصیل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر1 : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَعَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَقَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَاَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَمَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡهُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ۝

ترجمہ: ”اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستے سے بہک گیا۔“

(c) ketabton.com: The Digital Library

دشمن طاقت

دشمن طاقت کی توضیح اس آیت میں ان الفاظ میں کر دی گئی ہے۔

(الف) قد کفروا بما جاء کم من الحق۔

(ب) یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا باللہ ربکم۔

ماجاء کم من الحق وہ انقلاب ہے جو قرآن حکیم لے کر آیا ہے۔

ان تومنوا باللہ ربکم تم نے اس انقلاب کو کامیاب بنانے کا ذمہ اٹھایا۔

انسان اپنے رب کے سوا کسی کا حکم مان ہی نہیں سکتا۔ یہ طبعی حقیقت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خدا کے حکم کے سوا اور سب حکموں کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یخرجون الرسول وایاکم۔ "اس جرم" کی پاداش میں کہ تم اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے' انقلاب کے مخالفین رسول اللہ کو اور تمہیں وطن سے خارج کر دیتے ہیں۔

وہ مار نہیں سکتے' رشتہ داری ہے' اور ڈرتے ہیں کہ اس وجہ سے خود ان کے اندر شدید اختلافات پیدا نہ ہو جائیں۔ اس لیے وہ گھر سے نکال ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حقیقت میں انسان کی جلاوطنی بھی موت کے قریب ہے۔ یہ ہے دشمن طاقت۔

دشمن کون ہے؟

اس قسم کی جماعت جب کبھی پیدا ہو گی' دشمن کہلائے گی۔ اس میں ہم تین چیزوں کو اساس قرار دیتے ہیں۔

(1) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔

(2) ایک جماعت قرآن کے انقلاب پر ایمان رکھتی ہو اور اس انقلاب کے سوا اور کوئی پروگرام نہ مانتی ہو، اس کی مخالفت کرنا۔

(3) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔

اب ایک شخص ہے جو قرآن حکیم کے انقلاب کو نہیں سمجھتا اور نہ اس کا انکار کرتا ہے' یا وہ اس جماعت کو قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے کامیاب بنانے والی

(c) ketabton.com: The Digital Library

جماعت نہیں مانتا' یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا۔ تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کیے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

جو شخص ان شرطوں کو پورا کرتا ہے اور قرآنی جماعت کے بالمقابل میدان میں آتا ہے اور پھر ایک ایسی جماعت اس کی حلیف ہو کر لڑتی ہے جس میں یہ تفصیلی اجزا نظر نہیں آتے تو عملی طور پر اس حلیف کو بھی کافر ہی تصور کیا جائے گا۔

آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتیں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے مخالف لڑنے والوں کے لیے قائم کی تھیں' مگر وہ لڑنے والے آدمی مر چکے۔ ان کے نام سے یا ان کی وراثت سے جو قومیں پیدا ہوئیں ہم لوگ ان کو بھی ان کے آباء و اجداد کی طرح لڑنے والا فرض کر لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے۔ یہ مفروضہ اس طرح غلط ہے جس طرح یہ مفروضہ غلط ہے کہ آج کے مسلمان ان مسلمانوں کے قائم مقام ہیں جنہوں نے قرآن کے جہاد یا انقلاب کو کامیاب بنایا تھا۔ اگر چہ ایک مسلمان اپنے آپ کو طبعی طور پر ان مسلمانوں کا جائز وارث بناتا ہے مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ وہ باتیں ان مسلمانوں میں نہیں ہیں۔ اس لیے یہ ان کی طرح کامیابیوں کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ میں ان کافروں کے قائم مقام بھی حقیقت میں ان لڑنے والے کافروں کے پورے پورے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لڑائی قائم ہو جانے کے بعد حزب اللہ کا فرض

اس کی طرف آیت کے اس حصے میں ارشاد ہے۔

ان کنتم خرجتم جهادا فی سبیلی و ابتغاء مرضاتی

(اگر تم میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلے اور میری رضاء تلاش کرنے کے لیے نکلے)

یہ یا ایھاالذین امنوا سے خطاب ہے۔

پہلے درجے پر ایمان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والا قرآن حکیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم کر چکا ہے۔ اور اس کے مخالف قانون کو نہ ماننے کا بھی عزم مصمم کر چکا ہے۔ اب وہ مجمل ایمان ذرا مفصل ہو جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سبیل اللہ کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

جہاد کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی ہر ایک جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔

جہاد کی غرض و غایت

اس جدوجہد کی عملی صورت قانون متعین کرتا رہے گا۔ قانون کی روح ہمیشہ قائم رکھنی چاہیے۔ تو قانون ٹھیک نتیجہ پیدا کرے گا۔ کیونکہ جب قانون کی روح نظرانداز ہو جاتی ہے تو قانون کی ظاہری پابندی مفید نتائج پیدا نہیں کرتی۔

قانون کی روح

قانون کی روح کو ہمیشہ مدنظر رکھنے کو "ابتغاء مرضاتی" کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے۔

حزب اللہ کی اعلیٰ جماعت کے لیے جو عنوان مقرر کیا گیا ہے۔ وہ "رضی اللہ عنہم و رضواعنہ" ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے قانون کے سوا کسی اور قانون کی پروا نہ کی جائے۔ اسی بات کو ابتغاء مرضات اللہ کہا گیا ہے۔ گویا اللہ کے قانون کو مان کر غیر کے قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اس سے رضاء الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ قانون کی اس سپرٹ کو قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حزب اللہ کے قانون کی مخالفت کا مطلب

اس کی طرف:

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (دوست نہ بناؤ میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو؟) میں ارشاد ہے اور جس کی تفصیل تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کا پیغام بھیجتے ہو) ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی قانون کی خلاف ورزی کا مطلب یہ ہے کہ ''میرے اور اپنے دشمن کو دوست بناتے ہو اور پھر اسے خفیہ پیام بھیجتے ہو''؟ جب تم نے ان کے ساتھ دشمنی کا اعلان کر ہی دیا ہے تو پھر دوستی کہاں تک معقول ہو سکتی ہے؟ یہ مخالف کی ادنیٰ ترین اعانت ہے۔ اس سے انسان خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اعانت کتنا جرم ہے۔

حزب اللہ خدا کی نگرانی میں

وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ

یہ جماعت حزب اللہ کہلاتی ہے۔ اس لیے اس کے اعمال کی نگرانی اللہ سبحانہ تعالیٰ خود ہی کرے گا۔ اور وہی انسان کو اس کے اعمال کے مطابق ثمرہ دے گا۔ سبیل اللہ (حزب اللہ کے پروگرام) کی مخالفت کرنے والا غلط راستے پر چل پڑا ہے۔ اس لیے اسے خدا ضرور سزا دے گا۔

سورۃ کے باقی حصے میں اس مرکزی آیت کی تشریح ہے۔

آیت نمبر 2: اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں۔ اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ تم منکر ہو جاؤ۔''

مخالفین کا مقصد

تمہاری اس غلطی سے تمہارے دشمن کیا فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اگر وہ ملی نقصان جو تمہاری اس حرکت سے پہنچ سکتا ہے' تمہاری نظروں میں ہوتا تو تم ایسی حرکت نہ کرتے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ مخالف تمہاری بھیجی ہوئی اطلاعات سے فائدہ اٹھا کر تمہارے پروگرام کو توڑنا اور تمہیں اس سے منکر بنانا چاہتے ہیں۔ (وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 3: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ: ”تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہیں فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ وہ (اللہ) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“

تم نے اتنے بڑے نقصان کے مقابلے میں جو جزوی فائدہ سوچا تھا کہ اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو فائدہ پہنچا سکو گے' یہ رشتہ داری اللہ کے ہاں پہنچ کر یعنی قیامت میں تمہارے کام آنے والی چیز نہیں ہے۔ جس رشتہ داری میں خدا کے حکم کا خیال نہ ہو وہ خدا کے سامنے پیش ہونے تک ٹوٹ جائے گی (یفصل بینکم)۔

لہٰذا جزوی فائدے کو مقدم نہ کرو۔

آیت نمبر 5,4: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: ”بے شک تمہارے لیے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو ان کے ہمراہ تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم نے تمہارا انکار کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لیے ظاہر ہو گیا۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لیے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں۔ اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں ان کا تختہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مشق نہ بنا جو کافر ہیں۔ اور اے ہمارے رب ہمیں معاف کر۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ کی مثال

حزب اللہ میں کوئی شخصیت ایسی ہے جس کو آئیڈیل سمجھا جائے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی معاملہ تمہیں کرنا چاہیے۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ :

انہوں نے علی الاعلان کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا ہوگیا ہے۔ یہ مخاصمت اس وقت تک رہے گی جب تک تم خدا کے قانون کی اطاعت کی طرف لوٹ نہ آؤ۔ اب ہم تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں کسی کام میں مدد دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان کی دعا یہ تھی:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝

تم بھی اس دعا کو اپنا آئیڈیل بناؤ۔

حضرت ابراہیمؑ کی ایک دعا جس کی اتباع نہیں ہوسکتی

الاقول ابراھیم لابیہ لا ستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شئی

(مگر ابراہیم کا یہ قول اپنے باپ سے کہ میں تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگوں گا، (یہ اسوۂ حسنہ نہیں ہے۔)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعا مانگی تھی' ان کی یہ بات قابل تقلید نہیں ہے۔ انسانوں کی لغزشوں پر قرآن اپنے قانون نہیں بدلتا۔

آیت نمبر 6: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''بلاشبہ ان لوگوں میں تمہارے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید (عقیدہ) رکھتا ہو اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ بالکل بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔''

الغرض تمہارے لیے ان لوگوں کے افعال و اعمال بہترین نمونہ ہیں۔ جو شخص ان کے نمونے پر نہ چلے اللہ کو اس کی مطلق پروا نہیں ہے۔ اگر اس کا دعویٰ خدا سے محبت کا ہے تو اسے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے طریق پر چلنا چاہیے۔

کیا دوستی کا امکان ختم ہو گیا؟

آیت نمبر 7: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تمہیں دشمنی ہے' دوستی قائم کر دے ار اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

کیا اب یہ سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ ہمارے دشمن ہیں ان سے دوستی پیدا ہونے کا امکان ختم ہو گیا۔ اس لیے ان سے کوئی دوستانہ معاملہ کرنا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا؟

اس آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ خدا ایسے سامان پیدا کرے گا کہ ان کے ساتھ دوستی پیدا ہو جائے۔ مگر یہ غلط ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی کر کے ان سے دوستی پیدا کرو۔ اللہ انہیں کے دلوں میں انقلاب پیدا کر دے گا کہ وہ تم سے دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس وقت تم بھی ان سے دوستی کر سکتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دشمنی کر رہے ہوں تو ان کی محبت تم اپنے دلوں میں رکھ کر ان کی مدد کرو۔

دوستی کب جائز ہے؟

آیت نمبر 8: لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے۔ اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے' اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

یہاں یہ مذکورہ بالا خیال کی تصریح کی گئی ہے یعنی جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ لڑنا چھوڑ دیں تو پھر ان سے دوستی ممنوع نہیں ہے۔

آیت نمبر 9: اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''تمہیں اللہ انہی سے منع کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر لوگوں کی مدد بھی کی' کہ ان سے دوستی کرو۔ اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہے۔''

دوستی کرنے کی ممانعت اس وقت تک ہے جب تک وہ دشمنی پر ہیں اور اس کے دو بنیادی سبب ہیں:

(1) قاتلو کم فی الدین (اصل دشمن جو قتل انسانیت کا ارتکاب کرتے ہیں)

(2) ظاھر و اعلی اخراجکم (ان (قاتلوں) کے حلیف بن کر انسانیت کو ہجرت پر مجبور کرتے ہیں۔)

دشمن کا دوست

من یتولھم فاولئک ھم الظلمون جو دشمنوں سے دوستی کرے وہ بھی دشمنوں ہی میں شمار ہونے لگتا ہے۔

حزب اللہ کے ممبروں کے فرائض قانونی طور پر منضبط کر لیے گئے۔ ان کی روح تخریبی (سلبی) ہے یعنی یہ کہ یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ اب انہیں (آیات 10 تا 12 میں) بتایا جائے گا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

فصل دوم

فصل اول میں اس امر پر بحث کی گئی تھی کہ ایک شخص حزب اللہ کا رکن ہو کر کفار کے ساتھ خفیہ راہ و رسم پیدا کرے تو کیا کرنا چاہیے۔ اب اس فصل میں اس کے برعکس اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ کوئی شخص مخالف کیمپ میں ہوتے ہوئے حزب اللہ کی طرف دست مودّت بڑھائے تو کیا کرنا چاہیے۔

دشمن کا آدمی مسلم کیمپ میں

جو لوگ مخالف کیمپ سے آتے ہیں وہ بعض اوقات دشمنی کے لیے آتے ہیں۔ گو وہ اپنے آپ کو دوست ظاہر کرتے ہیں وہ یا تو مسلم کیمپ میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہاں کے راز کی جستجو کرتے ہیں۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ دشمن کے کیمپ سے تمہارے پاس آئیں پہلے ان کا امتحان لے لو اور دیکھ لو کہ وہ دشمنی کرنے تو نہیں آئے؟ اگر تم سمجھو کہ وہ دوستی کی راہ سے آئے ہیں تو ان کو اپنی جماعت میں شامل کر لو۔ لیکن اگر وہ اپنے ساتھ روپیہ پیسہ لائے ہیں تو وہ واپس کر دو۔ یہ روپیہ کافروں کا شمار ہوگا' اسے مسلم کیمپ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

بعض نااہل فقیہ مسلمانوں میں ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں کی اجتماعی مالی طاقت کو سخت صدمہ پہنچایا۔ وہ انارکسٹ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اجتماعیت کے معنی جانتے ہی نہیں۔ بدقسمتی سے انارکسٹ فقیہوں کا فقہ حنفی پر غلبہ ہو گیا۔ اس کا سبب بادشاہوں کا ظلم بنا ہے۔ بادشاہوں کے ظلم سے بچنے کے لیے ہر شخص بادشاہ کے حکم کا انکار نہ کرنا اپنا کمال سمجھتا ہے۔ اس طرح ہوتے ہوتے ان میں سے اجتماعیت بالکل رخصت ہو گئی۔

www.tahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر10: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ
اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ
الْكَوَافِرِ وَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ کرلو۔ اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ پس اگر تم انہیں مومن معلوم کرو تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ‘ نہ وہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران کے لیے حلال ہیں۔ اور ان کفار کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا۔ اور تم پر گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔ اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا‘ مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں‘ اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لیے صادر فرمایا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔‘‘

(الف) اِمْتَحِنُوْهُنَّ امتحان کا طریق آیت نمبر 12 میں آتا ہے۔

کافر خاوندوں کا مہر واپس کر دیں

(ب) وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا: یہ عورتیں جو تمہارے پاس آتی ہیں ان پر ان کے پہلے خاوندوں نے جو مال خرچ کیا ہے یعنی ان کا مہر وہ ان کو واپس کر دو۔

(ج) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی تم اپنا مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

(د) وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ : جس طرح بعض عورتیں کافروں کے کیمپ سے مسلم کیمپ میں آتی ہیں‘ ایسے ہی ایسی عورتیں بھی ہیں جو مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر وہ

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہجرت کی قائل نہ تھیں اس لیے وہ پیچھے کافروں کے کیمپ میں رہ گئیں۔ جس طرح پہلی قسم کی عورتوں کے پہلے تعلقات قانون تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اس طرح ان مسلمانوں کے کافر عورتوں کے ساتھ تعلقات کو بھی قرآنی قانون تسلیم نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ ان سے اپنے تعلقات قطع کرو۔ اس لیے حکم دے دیا کہ ان عورتوں کا ناموس جو کافر رہ گئیں اور اسلامی پروگرام کو تسلیم نہیں کرتیں، اپنے قبضے میں مت رکھو۔

اپنی بیویوں کا مہر واپس لے لو

(ہ) وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ : تم نے اپنی بیویوں کا جو مہر مقرر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لو۔

(و) وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا : انہوں نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ تم سے لے لیں۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ : یہ حکم اللہ کا ہے اس لیے انصاف پر مبنی ہے۔ جو کافر انصاف کرتا ہے وہ اللہ کا حکم قائم کرتا ہے۔ جو مسلمان ظلم کرتا ہے وہ شیطان کا حکم قائم کرتا ہے۔ ایسا مسلمان اجتماعیت کو فراموش کر چکا ہے۔

آیت نمبر 11: وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: ''اور اگر کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کفار کے پاس نکل گئی ہے پھر تمہاری باری آجائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں چلی گئیں ہیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

اگر کافر مہر ادا نہ کریں

اگر کافر لوگ ان عورتوں کے مہر ادا نہ کریں جو تم نے چھوڑی ہیں تو مال غنیمت میں سے پہلے ان مسلمانوں کا حق ادا کرو جن کی بیویاں کفار کے پاس جا چکی ہیں۔

فَعَاقَبْتُمْ : ہاتھ مارو۔ ان سے اتنا مال غنیمت لے لو۔

مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا : جتنا مسلمانوں نے خرچ کیا ہے وہ انہیں دے دو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ : اللہ کے انصاف کی پیروی کرو یعنی خود بھی انصاف کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 12: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ: ''اے نبی جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ اور نہ چوری کریں گی۔ اور نہ زنا کریں گی۔ اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی' جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) بنالیں۔ اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی' تو ان کی بیعت قبول کر۔ ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ' بے شک اللہ بخشنے والا' نہایت رحم والا ہے۔

امتحان کا طریق

کفار کی جو عورتیں امتحان دینے کے بعد قبول کی جاسکتی ہیں (جس کی طرف آیت نمبر 10 میں اشارہ کیا گیا ہے)' ان کے امتحان کا کیا قاعدہ ہوگا؟ یہ طریقہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے نئے رکن کے فرائض متعین ہو جائیں گے۔ یعنی یہ کہ وہ کن کن چیزوں کا اقرار کرے کہ اسے حزب اللہ کی رکنیت کے لیے قبول کرلیا جائے۔

بیعت کا مطلب

یبایعنک اپنا پورا اختیار تجھے دے دیں۔ اپنا سر رکھ دیں یعنی اقرار کریں کہ اگر ہم حزب اللہ کی خلاف ورزی کریں تو آپ سزا جاری کرنے کے پورے پورے مختار ہیں۔

سیاست اور بیعت

جب ہم ایک عہد کریں اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کرلیں کہ اگر اس کی خلاف ورزی کریں تو اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں' خواہ وہ ضبطی مال کی صورت میں ہو یا سر قلم کرنے کی شکل میں' ہم ہرگز اعتراض نہ کریں گے' اس اقرار نامے کو بیعت کہتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شاہ ولی اللہؒ اس بیعت کو سیاسی رکنیت کی اساس قرار دیتے ہیں(1) (القول الجمیل اور فیوض الحرمین)۔

ہمارے نادان علماء سیاست کو مذہب سے علیحدہ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور اسلام و ایمان کی بیعت گویا ان کے نزدیک سیاسی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم ان لوگوں کو سفہائے امت میں سے گنتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں اجتماعی سیاست سمجھا دی ہے۔ انہوں نے جن اصولوں پر اسلامی اجتماعیت کو حل کیا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ گو وہ لوگ اپنا فکر (Idealogy) الگ رکھتے ہیں' مگر اسے کامیاب بنانے کے لیے قوانین وہی تجویز کرتے ہیں جو شاہ صاحبؒ بتاتے ہیں۔ ان نادان فقہا کے پیچھے چل کر مسلمان کبھی ان مصیبتوں کے سمندروں سے پار نہیں اتر سکتے جو ان کی اجتماعیت ٹوٹنے کے بعد ان کے راستے میں حائل ہوگئے ہیں۔ اب نہ ہمارا اعلیٰ نظام باقی رہا ہے' نہ اخلاقی' نہ مالی۔ نہ گھر کا ٹھکانہ ہے' نہ مسجد کا۔ ہر جگہ بدنظمی ہی بدنظمی مہیب شکل میں نظر آ رہی ہے۔ اس کے لیے ایک اجتماعیت شناس امام چاہیے جو قرآن کا اجتماعی نقطہ نظر سمجھا سکے۔ کوئی مستعار سیاست یا ادھورا پروگرام مسلمانوں کو مصیبت سے نجات نہیں دلاسکتا۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پروگرام کے ماسواء کوئی پروگرام ہمیں نظر نہیں آتا۔

شاہ صاحبؒ کی حکمت کے مطابق اس بیعت ہی کے طریقے سے حکومت پیدا ہوتی ہے' اس کی دو شکلیں ہیں:

(1) خلافت باطنہ اور (2) خلافت ظاہرہ

(1) اگر (بیعت کے اصول پر جماعت تشکیل دی جائے اور اسے اپنی تیاری کے مرحلے میں) لڑنے کی اجازت نہ ہو تو شاہ صاحبؒ اسے خلافت باطنہ قرار دیتے ہیں۔

(2) اگر (جماعت اپنی حکومت قائم کرلے اور اسے اقدامی اور دفاعی جنگ کے لیے)

(1) شاہ والی اللہ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں خلافت ظاہرہ اور خلافت باطنہ کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان فرما کر لکھتے ہیں: ''لما اصلنا هذا الاصل قلنا ان نفرّع عليه الاخذ بالبيعة'' (جب ہم نے خلافت ظاہرہ اور باطنہ میں امت کے لیے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے بنیادی اصول بیان کردیے تو بیعت لینے کا قانون اسی بنیادی اصول کی فرع ہے۔) (دیکھئے ''فیوض الحرمین'' مشہد نمبر 36، ص 98، طبع کراچی۔) (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

لڑنے کی اجازت ہو تو اسے خلافت ظاہرہ قرار دیتے ہیں۔

حکومت کس طرح قائم کی جاتی ہے

شاہ صاحب بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ ان کی نگاہ میں بادشاہی فقط ذات خداوندی کو زیبا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان کا بہترین امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ کا بہترین نائب ہو کر حکومت کرے۔ اس لیے وہ اسے خلافت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی بادشاہی اس بیعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بیعت کرنے والا آدمی جس سے بیعت کرتا ہے اسے ایک سلطان مانتا ہے۔ اگر وہ فقیہ ہے اور حکیم ہے تو ایک آدمی کی بیعت ہی سے اس کی سلطنت کی بنیاد پڑے گی۔ اگر سفیہ ہے تو لاکھوں کے مجموعے سے بھی کوئی نظام قائم نہیں ہوسکتا' نہ کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔

بیعت کی مدات

مومن عورتیں کن باتوں پر بیعت کرتی ہیں:

(1) انکارِ شرک

لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

کسی شخص کو اپنا کارساز ماننا' اسے خدا کا شریک بنانا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو حکومت کا مرکز ماننا بھی شرک کرنا ہے۔ وہ وعدہ کرتی ہے کہ ان دونوں قسموں کے شرکوں میں سے کسی قسم کا شرک بھی قبول نہیں کریں گی۔

(2) مالی حقوق کی حفاظت

وَلَا يَسْرِقْنَ : کسی کا مال نہیں چرائیں گی۔

لوگوں کے جو مالی حقوق مسلمہ ہوں گے ان کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ مالی حقوق پر کم سے کم درجے کا حملہ چوری ہے' وہ یہ نہیں کریں گی' چہ جائیکہ اس سے بالاتر کسی اور ذریعے سے کسی کا مال ہضم کرنے کی کوشش کریں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(3) حفاظت عزت

وَلَا يَزْنِيْنَ : وہ زنا نہیں کریں گی۔

انسان کی عزت، عصمت کے ساتھ نکاح کی پابندی میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ وعدہ کرتی ہیں کہ کسی کی عزت برباد نہ کریں گی۔

(4) اولاد کا قتل نہ کرنا

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ : اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

اپنی عزت بچانے کے لیے اور زنا کاری چھپانے کے لیے اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

(5) نیوگ اور بہتان تراشی سے انکار

وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ : ایک کا بچہ دوسرے کے نام نہ لگائیں گی۔[1]

ایک عورت ایک مرد سے بچہ لے کر دوسرے کے نام لگا دیتی ہے' یہ بہتان ہے۔ پہلے لوگوں میں رواج رہا ہے کہ ایک مرد سے کام نہ چلے تو عورت دوسرے مرد سے بچہ لے آتی ہے۔ اسے نیوگ کہتے ہیں' یہ حرام ہے۔ عورت ایسی حرکت نہ کرے۔ بچہ پیدا کرنے کی خواہش اور نسل بڑھانے کا جذبہ بے شک تقاضائے فطرت انسانی ہے۔ مگر ایک مصنوعی طریقے کو فطرت کا قائم مقام بنانا بہتان ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہمارے لوگوں نے چند خاص ملکوں میں بیٹھ کر اور ان کے اندر رہ کر قوانین بنائے ہیں۔ وہ ان ملکوں کی فقہ ہے۔ یہ فقہ ساری کی ساری قرآن حکیم میں نہیں آسکتی۔ پس بغداد کی فقہ ہندوستان میں نہیں لائی جاسکتی۔ اور انگلستان کا قانون پاکستان میں نہیں چل

1۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مرد بھی اسی طرح کی بیعت کریں گے، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی بیعت کا حکم دیا، اور اس میں درج ذیل پانچ (5) مدات کا ذکر کیا۔ پس ہم نے آپؐ سے بیعت کی۔ امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے یہ حدیث تخریج کی ہے۔ (بخاری حدیث نمبر 18، باب 11/11، ص 17، طبع بیروت۔) (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

سکتا۔ بخارا کے بادشاہ ہندوستان پر حاکم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں۔ دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (یہاں کے) لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں۔ انہی (مسائل) میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے۔ لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے، یہ ایک قانون کے تحت ہے۔ اس لیے اسے زنا نہیں کہا جاسکتا۔ زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے کہ اسے زنا کے تحت (بیان کرکے) نہیں لایا جاسکتا۔ اس لیے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔

اب تک جو چیزیں تھیں وہ منفی حیثیت میں تھیں۔ اب ایک مثبت چیز سے اس قانون کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔

معروف کا معنی

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ : (وہ آپ نافرمانی نہیں کریں گی معروف میں)

جو چیز کسی ملک میں عقلاء کی مجاریٹی (اکثریت) میں معقول مانی جائے اسے معروف کہا جاتا ہے۔ جب بیعت معروف پر ہوگی تو گویا ساری شریعت کو تسلیم کرلیا گیا۔

فَبَايِعْهُنَّ : ان کی بیعت قبول کرلو۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ : اگر وہ غلطی سے خلاف ورزی کر بیٹھیں تو اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ : حزب اللہ کی کمزور حالت میں عورتیں اس کی ممبر بنتی ہیں مگر وہ سیاسیات میں بڑی طاقت نہیں مانی جاتیں۔ اس سے انہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ ان کی کمزوری دور کر دے گا اور یہ چھوٹی طاقت بھی بہت بڑا کام کرسکتی ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو

آیت نمبر 13: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا' وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہو گئے۔''

کفار جو اہل کتاب سے نہیں ہیں اہل قبور سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ مایوسین کی پہلی جماعت ہے۔ یہ لوگ سمجھ بیٹھے ہیں جو قبر میں چلا گیا اس کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ترقی کا میدان فقط قبر سے ورے تک سمجھ لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں مایوسین کی دوسری جماعت اہل کتاب کی بھی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ باوجود آخرت کو تسلیم کرنے کے عملی طور پر اپنے آپ سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور یقین کر چکے ہیں کہ وہ اپنے جماعتی نظام سے ترقی کی کوئی ہمت پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بڑے انسان کی آمد پر امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آئے گا تو ہم ترقی کر سکیں گے۔ اس کے بغیر ہم اجتماعی نظام سے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ یہ یہود ہیں۔ مسلمان ان سے دوستی پیدا کر کے ان کی مانند نہ بن جائیں اور کسی بڑی خارجی طاقت کے منتظر بن کر نہ بیٹھ رہیں۔ بلکہ قرآن حکیم کی مدد سے اپنی ترقی کا سامان آپ اپنے اجتماعی نظام کی مدد سے پیدا کریں۔ یہود و نصاریٰ دونوں اپنی آخرت سے مایوس ہو کر قبر سے ورے تک اپنا میدان ترقی سمجھنے لگ گئے ہیں۔ مسلمان ان خیالات سے متاثر نہ ہوں۔

آخرت اور زندگی کا تلازم

قوموں کی زندگی میں آخرت کا عقیدہ ان کے دنیاوی عقیدہ کا بطن ہوتا ہے۔ جب یہ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں مایوس ہو جائیں گے۔ ایک ہی عمل ہے' وہ منہ میں ایک اثر پیدا کرتا ہے اور پیٹ میں جا کر دوسرا پیدا کرتا ہے۔ منہ کے اندر پیدا شدہ اثر کو ظاہری حیات تصور کیا جائے تو

(c) ketabton.com: The Digital Library

پیٹ کے اندر پیدا شدہ اثر کو باطنی حیات کہا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص اپنے اعمال سے آخرت میں مایوس ہے وہ اپنی محنت اور اجتماعیت سے دنیا میں بھی ترقی کا کوئی سامان پیدا کرنے کی امید اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے گا۔ اس قسم کے لوگوں سے دوستی پیدا کر کے ان کے سے نہ ہو جاؤ۔

مایوسیّن کی محبت کے نقصانات

اس سورت کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ یاایھا الذین امنو لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو اجتماعیت اسلامیہ کے دشمن ہیں اور اس میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں کسی قسم کی محبت نہ رکھو' تو اس کی حکمت آخری آیت میں بیان فرما دی کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو جاؤ گے۔ درمیان میں اور بھی بہت سے نقصانات اس قسم کی دوستی سے پیدا ہوں گے' جن کا ذکر آ چکا ہے۔ مگر سب سے بڑا نقصان یہ اخلاقی نقصان ہے جو عام مایوسیت (Pessemism) کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ یہ تمہاری موت ہے۔

آخر اور اولیٰ ایک دوسرے کے مقابل الفاظ ہیں۔ اگر ایک چیز کو اُولیٰ کہا جائے تو دوسری چیز کو آخرۃ کہنا چاہیے۔ دنیاوی زندگی کا ایک حصہ جو پہلے ہے وہ اُولیٰ ہو تو جو حصہ اس کے بعد آئے گا اسے آخرۃ کہنا جائز ہے۔ گویا دنیاوی زندگی کی آخرۃ ہے جو دوسری زندگی سے متصل ہوتی ہے۔ پس دنیاوی زندگی کا آخری حصہ اور دوسری زندگی کا پہلا حصہ آپس میں علت و معلول کا تناسب رکھیں گے۔ جس شخص کے دل میں دوسری زندگی کی کامیابی کا تصور ہو' وہ ضرور اپنی دنیاوی زندگی کے آخری حصے میں کامیابی کا یقین حاصل کرنا چاہے گا' ورنہ وہ علت و معلول کا تناسب قائم نہیں رہ سکے گا۔

ایک قوم اہل کتاب ہے۔ اس کی اس تعلیم نے اسے ایک فکر دیا ہے۔ اگر یہ قوم اپنی ہمت اور اس کتاب کی تعلیمات کی پابندی سے اس فکر (Idea) کو حاصل کرنے سے مایوس ہوگئی تو اس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ (آخرت سے مایوس ہوگئے)

وللاخرۃ خیرلک من الاولی کی تفسیر

سورۃ الضحیٰ میں جو آیا ہے وللاخرۃ خیرلک من الاولی تو اس میں حضرت

(c) ketabton.com: The Digital Library

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی دو حالتوں میں تناسب دکھایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دوسری حالت جو آنے والی ہے وہ اس پہلی حالت سے اچھی ہوگی۔ جس میں وحی کے انقطاع کی وجہ سے مایوسی ہوگئی تھی۔ جیسے سورج ڈھل جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے اور پھر دوسرے دن سورج نکل آتا ہے' اسی طرح وحی کے انقطاع سے مایوسی کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ یہ انقطاع اس لیے ہوا کہ دوسری وحی پہلی سے قوی تر آنے والی ہے۔ پہلی وحی اس کے لیے بنیاد کا کام دے گی۔ پس یہ بنیاد جس قدر مضبوط ہوگی اس پر اسی قدر مضبوط عمارت بن سکے گی۔ اس لیے عارضی انقطاع وحی سے جو حالت پیدا ہوئی ہے' اسے اُولیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے بعد سلسلہ وحی کے آغاز سے جو نیا دور حیات شروع ہوا ہے' اسے آخرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس تمام دنیاوی زندگی کو اولیٰ کہا جائے تو حیات مابعد الممات کو آخرت کہنا جائز ہے۔ لیکن ان معنوں میں آخرت کی بہتری ان سے پہلے معنوں میں اولیٰ کی بہتری پر موقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس ترجے کی طرف تفہیمات الٰہیہ(1) میں اشارہ فرمایا ہے۔

تمت سورۃ الممتحنۃ (60)

(دستخط مولانا بشیر احمد بحروف انگریزی)

بروز بدھ 43-05-05

شام 5:30 بجے

✦ ✦ ✦

(1) حضرت امام شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے تفہیمات میں سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے: (وللاخرة خیرلک من الاولی) فوالذی نفسی بیدہٖ ما اتی حالة لاحقة الا وھی ارفع من التی قبلھا، لم وعدہ' الی ان یبلغه، مقاماً رفیعاً کلّت الالسن عن نعتہٖ بقوله (ولسوف یعطیک ریک فترضی) ترجمہ: ''پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ آپؐ کی زندگی میں آنے والی کوئی حالت ایسی نہیں کہ وہ اپنی پہلی حالت سے بلندتر نہ ہو، پھر اللہ نے آپؐ سے وعدہ کیا کہ آپ ایسے بلند مقام تک پہنچیں گے، جس کی حقیقت بیان کرنے سے زبانیں عاجز ہیں۔'' (تفہیم نمبر 98، ص 131، ج 2) (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

مقصدِ بعثتِ نبویؐ؛ قرآن کی نظر میں

قرآن کی رُو سے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ ان کے ذریعے خدا کے دین کو باقی سب دینوں پر غالب کردیا جائے۔ اور اسلام، انسانوں کو ایک ایسا نظامِ حیات دے، جو سب نظاموں سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ مقصد اس صورت میں پورا ہوا کہ قیصر و کسریٰ کا نظام، جو ایک حد تک ساری دنیا پر حاوی تھا، پاش پاش ہوگیا۔ اور انسانیت کو قیصریت اور کسرویت دونوں سے نجات ملی۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص 38)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی صفِ انقلاب

سورۃ الصّف کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

www.rahimia.org

افادات

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کا پیغام

قرآن نے یہ کیا کہ ان تمام قومی مذاہب کو، جو انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب بن گئے تھے، مردود قرار دیا۔ اور یہ تلقین کی کہ خدا کا سچا مذہب وہ ہے، جو خُدا سے زیادہ قریب ہو۔ اور خدا سے قربت کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرقوں اور قوموں سے بالاتر ہو کر ساری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ ہمارے نزدیک قرآن نے تمام اقوام، ادیان اور مذاہب کے مرکزی نکات کو، جو کل انسانیت پر منطبق ہو سکتے ہیں، یکجا کیا۔ اور ساری دنیا کو یہ دعوت دی کہ صرف یہی ایک بُنیاد ہے، جس پر صحیح انسانیت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص 31)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الصّف (61)

(مدنی سورت ہے)

تمہیدِ سورت

سورۃ ممتحنہ کے ساتھ ربط

سورۃ ممتحنہ میں جو تعلیم دی گئی تھی اسے اگر تعلقات خارجیہ سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ بعید نہیں۔ (گویا اس سورت میں وزارتِ خارجیہ کے امور کا تعین کیا گیا تھا۔)

وزارتِ خارجہ کا کام

غیر مسلم جماعتوں کے دو حصے ہوں گے:

(1) وہ دشمن جن کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے۔

(2) ایسے لوگ جو دشمنی نہیں کرتے، ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا ممنوع نہیں۔

اس سورۃ میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ تعلقات منقطع کرنے کے کیا درجے ہیں۔ جن سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں ان کے ساتھ بھی انصاف کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ جس طرح تعلقات منقطع کرنے کے بعد ہم اپنے حقوق محفوظ کرنا چاہتے ہیں، ویسے ہی فریق ثانی کے حقوق بھی ہم پائمال کرنا نہیں چاہتے یہی چیز ہے جو وزارت خارجہ (Foreign Office) کی پالیسی (Policy) معین کرتی ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

وزارت حربیہ کا کام

وزارت خارجہ کے بعد وزارت حربیہ (Ministry of Defence) کا کام آتا ہے۔ جس جماعت یا قوم کو وزارت خارجہ دشمن قرار دے دے اور جن سے تعلقات منقطع کر لے ان کے ساتھ لڑنے کی پوری تیاری کرنا حکومت بنانے والی پارٹی کے لیے ضروری ہے۔ حکومت کے قیام کے بعد اس کو وزارت حربیہ کہا جائے گا۔

سورۃ صف کا مضمون

چنانچہ اس سورت الصّف میں لڑائی کی تیاری کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بڑی بڑی جنگوں کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الصّف (61)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا
تَفْعَلُوْنَ ۝٣ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ
مَّرْصُوْصٌ ۝٤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي
اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٦ وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٧ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝٩

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝١٠
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١١ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ۝١٢ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٣
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ
مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ
مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ
فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝١٤

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝

ترجمہ: ''جو مخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔''

قرآن کا نظام قائم کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جنگ کرنے کا حکم کہ اللہ کا قانون یعنی اللہ کی کتاب دنیا میں حاکمانہ انداز سے کامیاب ہو اس لیے نہیں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج ہے (سبح)۔ بلکہ اس لیے کہ وہ ایک قوم کو حکومت چلانے کی ذمہ داری سکھانا چاہتا ہے (یہ حکیم کے اسم کی تاثیر ہے)۔ اور اس طریقے سے دنیا میں معزز بنانا چاہتا ہے (یہ اسم عزیز کا مطلب ہے)۔

اللہ کا محتاج نہ ہونا زمین و آسمان کی حکومت چلانے سے ظاہر ہے۔ آسمانی سیارے اور ستارے ایک خاص نظام میں حرکت کر رہے ہیں اور اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ایسے ہی زمین کے مختلف موالید اور جن سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں۔ اور اس قانون کے اندر چل رہے ہیں جو اللہ نے اُن کے لیے بنا دیا ہے۔ اگر اتنے بڑے نظام کے چلانے میں اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے تو وہ انسانوں کے اندر ایک خاص قسم کی حکومت چلانے میں کسی کا محتاج کیوں ہونے لگا؟

آیت نمبر 2: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

جبری خدمت

حزب اللہ قائم ہونے کے بعد جماعت میں یہ استعداد آ گئی کہ وہ اپنے فرائض خود ادا کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کریں۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنا' اس نظام کو سنبھالنا یہ ہمارا ایمانی فرض ہے۔ اب ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری رہنمائی کی جائے اور ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ فرائض جو ہو سکتے ہیں وہ بتائے جائیں۔ تو انسان کو حکومت بنانے میں سب سے مشکل فرض جو پیش آتا ہے' وہ عمومی فوجی خدمت (Conscription) ہے۔ جو لوگ اس مشکل سے گھبرائیں وہ اس آیت کی ذیل میں آتے ہیں۔

آیت نمبر 3: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''بہت بری بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔''

ایک قوم پارٹی کے پروگرام کے اندر رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ فرض کے ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو اُسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اس فرض کے ادا کرنے میں سستی کریں وہ سخت سزا کے مستوجب سمجھے جائیں گے۔ اگر وہ اس فرض سے کوتاہی کی شکل میں یہ سخت سزا برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو ان کی باتیں فقط ڈینگیں ہیں' عملی تقدم نہیں ہے۔

پس اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ یہ تم جانتے ہی ہو کہ اعلیٰ فرض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا اُس کے ترک کرنے پر سزا برداشت کرنے کی تیاری ہے اور سزا سخت سے سخت دی جائے گی۔ خدا کے ہاں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تم (اعلیٰ فرض ادا کرنے کے لیے) آمادگی ظاہر کرو اور پھر کام نہ کرو۔

ہمارے علماء کی غلطی

جب کوئی جماعت اعلیٰ فرائض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سمجھ لے کہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی پر اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو اس میں ضبط (Dicipline) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ڈسپلن کے بغیر کوئی فوج دنیا میں

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کامیاب نہیں ہو سکتی۔ فوجی زندگی کا عملی تجربہ نہ ہونے کے باعث ہمارے علماء کے دماغ خراب ہو چکے ہیں (الا ماشاء اللہ)۔ اس لیے وہ ان آیات کا مطلب سمجھنے سے بہت دور ہیں۔ وہ قرآن حکیم کی آیتوں کے لفظی ترجمے ہی میں اٹکے رہتے ہیں۔ اور قصے بیان کر کے ہی گھر پورا کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر اپنے نفس پر یہ فرض کر کے کہ کیا میں اس ڈیوٹی کے ادا کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہوں جو قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے کے سلسلے میں مجھ پر عائد ہوتی ہے' غور ہی نہیں کرتے۔ جب تک وہ اس طرح غور نہیں کریں گے' ان کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا۔ انہوں نے اس بے فکری سے قوم کی ذہنیت مردہ بنا دی ہے جیسے کوئی دوسری قوم آ کر ان کو سلطنت بنا کر دے دے گی۔ قرآن حکیم پڑھنے والے آدمی کے لیے اس قسم کا خیال ڈوب مرنے کے قابل ہے۔

برطانیہ کی سب سے بڑی قباحت

ہمیں یورپ میں انقلابی جماعتوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ لوگ جنگ کے بغیر انقلاب کا تخیل ہی نہیں رکھتے۔ گاندھی جی نے جو پراپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔ ان کے ہاں انقلاب کے ساتھ ملٹری ازم (Militarism) شامل ہے۔ یورپ میں ملٹری ازم انتہا تک ترقی کر چکا ہے۔ ایک یورپی انقلابی ملٹری ازم کا اعلیٰ لیڈر بنے بغیر اپنے آپ کو انقلابی نہیں کہتا۔ ان کا انقلابی نظام سب کا سب زندگی بخش ہے۔ وہ ہر وقت موت کے منہ میں جانے کے لیے آمادہ رہتے ہیں' اسی سے ان میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک مصیبت تو یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ نے ہندوستانی قوموں کو برطانوی رعایا کے برابر حقوق نہ دیئے۔ ہم اسے اس ایمپائر کی سب سے بڑی قباحت مانتے ہیں۔ ہمارے ملک سے اس سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاتی ہے جتنی خود برطانیہ کی کمائی کرنے والی جماعت سے ٹیکس حاصل کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے باشندوں کو تعلیم اور ملٹری ازم میں کوئی حق نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ یہ ہمارا قدرتی حق تھا۔ ہم پر ظلم کیا گیا ہے۔ ہم اپنا حق لیے بغیر دم نہیں لیں گے۔ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے ہر ایک آدمی کو تعلیم یافتہ اور سولجر (Soldier) بنائیں' برٹش گورنمنٹ مجبور ہو کر ڈومین سٹیٹس دے گی۔ اور ہم اس مصالحت پر راضی

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں۔ اس لیے کہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ کے شریک رہ کر اپنی قوم کو تعلیم اور فوجی تربیت میں یورپ کے برابر بنائیں۔

انقلاب اور حریت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ کوئی قوم اپنی حکومت پیدا ہی نہیں کرسکتی اور نہ کوئی پارٹی انقلابی بن سکتی ہے جب تک اس کا ایک ایک فرد فوجی ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے پورا پورا آمادہ نہ ہو جائے۔ اور فوجی ڈیوٹی ادا کرنے اور اس کے لیے قوم کو تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو شخص اس ڈیوٹی سے تخلف (پیچھے ہٹنا قبول) کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔ یہ چیز پہلے ہی دن انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ مجھے یہ سزا دی جائے گی۔ اس صورت میں ڈسپلن پیدا ہوسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے علماء (اور دانشوروں) کے دماغ پر جوں تک نہیں رینگتی (الا ماشاء اللہ)۔

آیت نمبر 4: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

ترجمہ: ”بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے“

بنیان مرصوص کا مطلب

صف باندھ کر لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں رخنہ نہ آنے دیا جائے جو صف دشمن کے مقابلے میں جائے اس میں سے جتنے آدمی شہید ہوں ان کا رخنہ فوراً پُر کر دیا جائے۔ اس طرح اپنی کمی پوری کرتی ہوئی یہ صف آگے بڑھے۔

بنیان مرصوص کی حقیقت

فوجی نظام میں یہ علوم متعارفہ کے درجے کی چیز ہے کہ جو افسر شہید ہو جائے اس کے نیچے کا آدمی فوراً خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس نظام کا کوئی عہدہ آخری دم تک کبھی خالی نہیں رہتا۔ فتح اسی تنظیم کی صورت ہی میں ہوسکتی ہے۔ بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ صف میں ایک آخری آدمی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ جاتا ہے تو فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ساری جماعت کی فتح شمار ہوتی ہے۔ جب تک

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرنے والوں کی جگہ زندہ لوگ سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائیں، کسی فوجی نظام کا نام تک نہیں لینا چاہیے۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ چاہے ہم سو آدمیوں کا دستہ دشمن کے مقابلے میں بھیجیں، مگر اس دستے میں جو کمی ہوتی رہے اسے پورا کرنے کا انتظام پیچھے سے ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ سو آدمیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہوا دشمن کو شکست دے دے۔ اس کے لیے اگر پیچھے ساری قوم تیار نہیں ہے تو وہ سو آدمیوں کا دستہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو لوگ اس طرح بنیان مرصوص بن کر لڑتے ہیں اللہ ان سب سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ساری قوم بنیان مرصوص بن کر کام کرے۔

عورتیں اور فوجی خدمت

قرآن حکیم کو ماننے والی جماعت اپنے رب کی محبت حاصل کرنے کے لیے بغیر کسی جبر کے یہ جبری ڈیوٹی (Conscription) اپنے ذمے لے لے گی۔

مسلمانوں میں اللہ کے فضل سے اب تک یہ صلاحیت موجود ہے۔ مگر جیسے سیاسی نظام پیدا کرنے کے میدان میں ان کے لیڈروں نے ان کو بدنام کر رکھا ہے ویسے ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء اور ان کے بزرگوں نے ان کو بے عزت کر دیا ہے۔ ان کے بڑے علماء اور بڑے بزرگ سب سے زیادہ بزدل اور سب سے زیادہ عورتوں کے غلام ثابت ہوں گے (الا ماشاء اللہ)۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ یہ عورتوں کی غلامی کرنے کا مسئلہ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے زمانہ میں بھی پیش آچکا ہے اور میں خود بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔ یہ لوگ عورتوں کے غلام ہیں۔ یہ کبھی گھر سے نہ نکلیں گے۔ حضرت مولانا اسمٰعیلؒ کے خط میں ایک فقرہ آتا ہے۔ ''در فرج زناں مشغول ہستند'' (سوانح احمدیہ)۔

ہمارا بھی یہی تجربہ ہے ہمارے بہترین شاگردوں نے اس لیے جواب دے دیا کہ وہ اپنی عورتوں کی غلامی سے نہ نکل سکے۔ اس لیے ہمارے دماغ پر یہ خصوصی اثر آیا ہے کہ جب تک ہم عورتوں کو میدان میں نہ لائیں گے یہ بے ایمان مردہ طاقت حرکت میں نہیں آئے گی۔ اس لیے ہم میدان جنگ میں آنے کے لیے مرد اور عورت کی کوئی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

شرط نہیں لگاتے۔ چنانچہ ہماری ہر ایک عورت اور ہر ایک لڑکی میدان میں آئے گی اور جو اس کی مخالفت کرے گا جب ہم کو نظام پر قبضہ مل گیا ہم اسے فوراً سوسائٹی سے الگ کر دیں گے۔ ہم گاندھی جی کے طریق انقلاب کے داعی نہیں ہیں' ہم اس طریق انقلاب کو فقط تیاری کے لیے مفید سمجھتے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ مکی زندگی میں مقید رہتے تھے۔ ہم کسی عالم کو اس مسئلے پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔ اس قسم کے مخذل اور بزدلی سکھانے والے لوگ اسلامی سوسائٹی سے چن چن کر علیحدہ کر دینے چاہئیں۔

مخذلین اور مرجفین کے استیصال کی ضرورت

شاہ ولی اللہ دھلویؒ فرماتے ہیں:

"واذا اراد (ﷺ) الخروج و عرض جیشه،
ویتعاهد الخیل والرجال، فلا یقبل من دون خمسة عشرة
سنة کما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفعل ذلک،
لا مخذلاً وهو الذی یقعد الناس من الغزو، ولا مرجفاً
وهو الذی یحدث بقوة الکفار."

ترجمہ: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ فرماتے تو آپؐ کا لشکر آپؐ کے سامنے پیش کیا جاتا، آپؐ مردوں اور گھوڑوں کی خبر گیری کرتے، پندرہ سال سے کم عمر کے نوجوان کو قبول نہ کرتے، اور نہ مخذل کو قبول کرتے، مخذل وہ ہے جو لوگوں کو لڑائی سے روک کر گھر بیٹھے رہنے کا کہے، اور نہ مرجف کو لشکر میں داخل ہونے دیتے، اور مرجف وہ آدمی ہے، جو دشمن کی قوت بیان کر کے لڑنے والوں کو مرعوب کرے اور ان کا مورال گرائے۔"

(حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم، ص 175)

یعنی شاہ صاحب کے نزدیک "مخذل اور مرجف کو مجاہدین کی صف سے نکال دیا جائے۔" پس ہم بھی ان کو ختم کر دیں گے۔ بلکہ ان کو قوم ہی سے نکال دیں گے۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انہوں نے ہماری مسجدیں منبر سنبھالے ہوئے ہیں اور مدارس پر بھی ان کی حکومت چل رہی ہے۔ ہماری زبان سے جتنا سب وشتم نکلتا ہے اس میں ہدف یہی لوگ ہیں اور وہ بھی ہماری جماعت کے علماء۔

مسلمان اور فوجی خدمت

ہماری ایمانی زندگی میں قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھ کر اس کی پابندی کرنا ضروری ہے، ہم اسے قبول نہیں کرسکتے کہ جب ایک مسلمان اپنے ملک پر اپنی حکومت پیدا کرتا ہے، تو وہ کس طرح اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو جس میں اس کے لڑکے، لڑکیاں اور میاں بیوی بھی شامل ہیں فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے؟

فوجی خدمت کی وسعت

فوجی خدمت فقط یہ نہیں ہے کہ میدان میں لڑیں۔ فوج کے متعلق کوئی سا کام پورا کرنا فوجی خدمت ہے۔ مگر ایک چیز سب میں مشترک رہے گی اور وہ یہ کہ ہر ایک شخص شہید ہونے کے لیے تیار رہے گا۔ اور صف اول میں رخنہ پُر کرنے والے آدمی موجود رہیں گے۔ اس مسئلے کو حل کیے بغیر یہ کہنا کہ ہم--- ہندوستان میں اپنا مستقل نظام چاہتے ہیں' پاگلوں کا کام ہے۔

انقلاب اور ڈپلومیسی

ہم ان عقلمندوں کی صف میں جانا گوارا نہیں کرتے جنہوں نے اپنی مجبوریوں سے مضطر ہوکر اپنے آپ کو پاگل بنا رکھا ہے۔ انقلاب اور اس کی روح اس سے انکار کرتی ہے کہ اپنے حقیقی فکر کو چالاکیوں سے چھپایا جائے۔ حکومت پیدا کرنے کے بعد بے شک ڈپلومیٹک سروس برداشت کرنی پڑے گی۔ مگر حکومت پیدا کرنے والی ایک انقلابی پارٹی ڈپلومیسی استعمال نہیں کرسکتی۔ اسے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

آیت نمبر 5: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ پس جب وہ پھر گئے تو اللہ نے ان دل پھیر دیئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

اس آیت میں جس مکالمے کا ذکر ہے اس کا تفصیلی ذکر تورات میں موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دو آدمی جاسوسوں کے طور پر دشمنوں میں بھیجنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مائدہ 24:5) یہ ہے وہ ایذا جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے (یہ ہماری تفسیر ہے)۔

ہوا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے دوسرے دو آدمی کھڑے ہوگئے۔ اور وہ دشمن کے کیمپ کی خبریں لے کر زندہ واپس آگئے۔ جو لوگ بیٹھ رہے تھے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ ہمیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ جب وہ جاسوس زندہ واپس آگئے تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس الزام سے بری کر دیا۔ وہ دو آدمی قتل نہ ہوئے۔ موسیٰ اس الزام سے بری ہوگئے۔ یہ ترجمہ (مفہوم) ہے اس آیت کا

یاایھاالذین امنو لا تکونوں کالذین اذوا موسیٰ فبرأ اللّٰہ مما قالوا وکان عنداللّٰہ وجیھًا ○

جہاد سے انکار کا انجام

فلما زاغوا ازاغ اللّٰہ بھم

جب وہ پھر گئے (یعنی جہاد میں آگے بڑھنے سے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیئے (بات سمجھنے سے)۔

واللّٰہ لا یھدی القوم الفٰسقین ○

یہ وہی جماعت ہے جس کا ذکر آیت نمبر 5 میں آیا ہے۔ یہی الفاظ سورۃ المائدہ میں آئے ہیں۔ جہاں یہ الفاظ ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ

(مائدہ 25:5)

(c) ketabton.com: The Digital Library

(کہا (موسیٰ علیہ السلام) نے اے میرے رب! میں اپنی اور اپنے بھائی کی جان کا اختیار رکھتا ہوں، ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان جدائی کر دے۔)

مسلمانوں کے لیے درس عبرت

یہودیوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ جہاد کے مسئلہ میں آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں۔ ورنہ وہ بھی قرآن حکیم کی سمجھ سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

آیت 6: وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

ترجمہ: "اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں۔ تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔"

جیسے موسیٰؑ نے جہاد کی بنیاد ڈالی اور صفیں باندھ کر دشمن سے لڑنے کا طریق شروع کیا، اس طریق کو قائم رکھنے والے انبیاء رسول اللہ ﷺ تک پیدا ہوتے رہے۔ موسیٰؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے درمیان حضرت عیسیٰؑ ابن مریم ایک بڑے اولوالعزم نبی آئے۔ جن کے ذریعے سے بائبل کی اشاعت ہوئی وہ عیسیٰؑ بن مریم اور ان کے حواری ہیں۔

بنی اسرائیل میں شاندار حکومت کا مرکز پیدا کرنے کا درجہ طے ہو چکا ہے۔ اب اگر بنی اسرائیل کے سوا دوسری قومیں بھی اپنا ایمان اور فکر اس طرح کا بنالیں تو وہ بھی اس برکت کی مستحق ہوسکتی ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے ساتھ حکومت میں اشتراک پیدا کرسکتی ہیں مگر موسیٰ کے متبع یعنی یہود اسے قبول نہیں کرتے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس تحریک میں عیسیٰؑ کا مقام

(الف) اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس تحریک کو عالمگیر بنانے کی کوشش کی۔ مگر یہود ان کے روبرو اس بات پر آمادہ نہ ہوئے۔ بایں ہمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے اپنا سلسلہ قائم رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بائبل دنیا کی تمام قوموں میں پھیل گئی، ہر قوم کے مفکرین کو جنہوں نے بائبل کے اصول کو مان کر اس تحریک میں حصہ لینا چاہا، مسیح کے حواریوں نے ان کو مساوی درجہ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ قوموں کی قومیں عیسائیت میں داخل ہونے لگیں اور پھر ان میں بھی حکومت آ گئی۔ اس طرح مسیحؑ نے تورات کی بین الاقوامی اشاعت میں خاص حصہ لیا۔ ان کی نبوت بھی بنی اسرائیل میں ایک مستقل شان رکھتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کی پیش گوئی دربارہ فارقلیطؐ

مسیحؑ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ جیسی بین الاقوامی حکومت تورات کے اصول پر بنی چاہیے وہ ان کے حواریوں کی کوشش سے نہیں بن سکے گی۔ بلکہ اس کے لیے بنی اسماعیل میں سے ایک نبی پیدا ہوگا وہ اسے مکمل کرے گا۔ اس لیے انہوں نے اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ تم اپنا کام جاری رکھو تا آنکہ فارقلیط تمہارے پاس آجائے۔ میں جا رہا ہوں میرے گئے بغیر وہ نہیں آئے گا۔ میں اسے بھیجوں گا۔ وہ میری بات کہے گا۔ جو کام خدا کرتا ہے۔ میں تمہیں اپنے نام سے کہتا ہوں۔ (یعنی بھیجے گا تو اسے خدا ہی مگر میں کہتا ہوں کہ ”میں بھیجوں گا“) اس لیے کہ میں خدا کا ہوں اور اس جملہ میں کہ ”میں بھیجوں گا“ تمہارے لیے ایک وجہ تسلی ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ آ کر اس کی تصدیق کرے گا تو تم اپنے کام کو اطمینان سے جاری رکھ سکو گے۔

نکتہ اشتراک

حضرت مسیحؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے کام میں نقطۂ اشتراک بین الاقوامی حکومت ہے۔ مسیح کے حواری تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی اشاعت دے دیں گے۔ مگر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کی حکومت قائم کرنے کے لیے جتنے حوصلے اور طاقت کی ضرورت ہے وہ یہ حواری پیدا نہیں کرسکیں گے۔ اس کے لیے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بنی اسماعیل میں مبعوث ہوں گے اور اپنی قوم میں سے طاقت پیدا کرلیں گے جو اس حکومت کی پشتیبانی کرے گی۔

حضرت مسیحؑ کا شاندار کارنامہ

حضرت مسیحؑ نے تورات کے علم کو رسول اللہ ﷺ تک ملانے میں ایک بڑے شاندار واسطے کا کام دیا ہے۔ اگر وہ تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی طاقتوں میں منتشر (پھیلا) نہ کرسکتے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا آسان نہ ہوتا۔ ممکن تھا کہ جیسے بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے ساتھیوں نے تعلیم پانے کے بعد اسے محدود کر دیا، ایسے ہی بنی اسماعیل بھی پوری طرح تیار ہونے کے بعد اپنے مشن کو محدود کر دیتے۔ مگر چونکہ تورات کی تعلیم حضرت مسیحؑ کے توسط سے عام طور پر پھیل چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی امت کو دوسری قوموں کی معاونت اس حد تک حاصل ہوگئی کہ وہ تورات کی فکر سے، جسے بنی اسماعیل حکومت میں لانا چاہتے تھے، آشنا ہو چکی تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی جماعت کے لیے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا نسبتاً آسان ہوگیا۔

یہودی علماء کی کور باطنی

اب اگر تورات کے عالموں کو جہاد کے متعلق بصیرت حاصل ہوتی تو وہ دوسری قوموں کی اس ذہنیت سے کہ وہ تورات پر اپنے نظریات درست کر چکے ہیں فائدہ اٹھاتے۔ مگر یہودی اس درجے کے فراخدل نہیں تھے۔ ان کی مثال ہندوستان کے برہمنوں اور بنی اسماعیل کے بعض فرقوں میں پائی جاتی ہے۔

(ب) مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

(تورات جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی تصدیق کرنے والا ہوں)

یعنی میں بائبل کے اس حصے کو جسے عہد قدیم کہا جاتا ہے، ٹھیک مانتا ہوں، مگر اسے دوسری قوموں میں پھیلانا چاہیے، یہ کام میں اچھی طرح سرانجام دے سکتا ہوں۔ پس میری بات سنو اور مانو۔ مگر میں تم میں یہ قابلیت نہیں پاتا کہ تم اس بین الاقوامی تعلیم

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی خلافت پیدا کرلو گے۔

پیش گوئی کی تحریف

(ج) وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

(ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اور اس کا نام احمد ہوگا) میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایک رسولؐ آئے گا جو میرے کام کی اساس پر بین الاقوامی خلافت پیدا کرے گا۔ اس کی بنیاد تورات ہوگی۔ اس نبی کا نام احمد ہوگا۔ یہ فارقلیط کا ترجمہ ہے۔ آگے تحریف کر کے یہود نے اس کے ہجے بدل دیئے اور اس کا ترجمہ تسلی دینے والا وغیرہ کر دیا۔ یہ یہود کی عام عادت ہے۔ یہ لوگ الفاظ کے ہجوں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے انہیں دوسرے معنوں میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ جس متن کو نہیں بدلنا چاہتے اس میں دوسری قرات پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔(1)

(د) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

(جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا، تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے)

یہود کی غلطی

وہ احمد آ گیا تو یہود اس کا انکار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ بین الاقوامی حکومت کیسے بن سکتی ہے؟ یہ کوئی جادو ہے؟ حکمران تو ایک ہی ہوگا اور وہ ہم میں سے ہوگا۔ ہم ابراہیم علیہ السلام اور داوٗد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ پس بادشاہ ہمیشہ ہمارا ہی ہوگا۔ ہم کسی دوسرے کی بادشاہی قبول نہیں کر سکتے۔

اس میں ان کی غلطی یہ ہے کہ حکومت اصل میں قانون کی ہوتی ہے یا شخص کی؟ اگر قانون کی حکومت ہے تو دوسری قوم کے لوگ بھی بادشاہ بن سکتے ہیں بشرطیکہ اس قانون کو چلائیں۔ پھر یہود کا اصرار کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ ہو ہی نہیں سکتا، ٹھیک نہیں۔

---

(1) مولوی محمد حسین بٹالوی نے ''اشاعت السنہ'' میں فارقلیط پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ کیسے اس کے ہجے بدلے گئے اور کیا کیا معنی پہنائے گئے۔ اس سے پہلے مولانا رحمتہ اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ اس لفظ پر بحث کر چکے ہیں۔ موجودہ اناجیل میں یہ مسئلہ بالکل صاف نظر آتا ہے۔ اس حصے پر سرسید احمد خان نے ''خطبات احمدیہ'' میں بہت اچھی بحث کی ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

پیغمبر علیہ السلام کی وصیت حجۃ الوداع میں

رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی بادشاہی کی دعوت دی اور اس کو قائم کر دکھایا۔ اور اپنے بعد جو چیز چھوڑ گئے وہ فقط قرآن ہے۔ حجۃ الوداع میں جو خطبہ دیا وہ مسلم (کتاب الحج ج 1، ص 397) کی حدیث میں صاف موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں' اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس سے آگے فرمایا کہ وہ القرآن ہے۔''

نیز حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اگر تمہارا امیر چھوٹے سر والا حبشی ہو گر یقودکم بکتاب اللہ فاسمعواله و اطیعوا۔ (جو تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اتباع کرو) (مسلم کتاب الامارہ ج 2، ص 125) یہ ہے وہ کام جو احمد مرسل ﷺ کر گئے۔ تمام دنیا کی قومیں اس کی تعریف کریں گی۔ تورات کا قانون صحیح تھا اسے تمام قوموں میں جاری کر دکھایا۔

روایت الآئمۃ من القریش

جیسے یہودیوں میں یہ فکر تھا کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے ہی قریش بھی ایک جماعت تھی اور اب تک ہے، پہلا دور قریش کی حکومت کا یقیناً گزر چکا ہے۔ اس لیے الآئمۃ من القریش کا فقرہ مسلمانوں کے ذہن میں راسخ ہوگیا ہے۔ یہ حدیث کس درجے کی صحیح ہے اس سے ہم بحث نہیں کرتے۔ مگر یہ متفق علیہ تاریخی حقیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بغداد کے خاتمے تک قریش ہی کی سرداری رہی۔ اس پانچ سو برس کی مدت میں جو چیز علماء و حکماء اور سیاسی جماعتوں میں مسلم رہی' وہ یہی ہے کہ امامت قریش کی ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اسے مستقل قانون ہی بنا لیا ہے۔ ایک زمانے کے لیے تو یہ یقیناً قانون تھا۔ لیکن جو لوگ اسے مستقل قانون کا درجہ دیتے ہیں ان کی ذہنیت یقیناً یہود کی ذہنیت کے مشابہ ہے۔ ان کا لوگوں کا فکر یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والی جماعت خواہ حبشہ سے پیدا ہو یا ایران سے' ہند سے پیدا ہو یا یورپ سے' امامت ہر صورت میں قریش ہی کے لیے مخصوص ہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکومتوں میں طاقت قومی فوج کے زور سے ہوتی ہے، جب امیر ایسا ہو کہ فوجی طاقت طبعی طور پر اس کی معاونت نہ کرتی ہو تو اس انمل جوڑ سے کبھی مضبوط حکومت دنیا میں چل نہیں سکتی۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ جس قوم میں قرآن کی حکومت چلانے کی اہلیت ہے اور جس کی قومی فوج اس کی تائید کے لیے تیار ہے اسی میں سے امیر بھی ہوگا جو قرآن کی حکومت چلائے گا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں کو اس امیر کی اطاعت کا حکم ہے اور قریش کو بھی اس امیر کی تابعداری کرنی چاہیئے۔ تب رسول اللہ ﷺ کا مشن دنیا میں کامیاب سمجھا جائے گا۔

جب ہم حدیث (کی کتابیں) پڑھ چکے تو الائمۃ من القریش کی حدیث پر ہمیں اطمینان تھا۔ مگر ہمارے استاد(1) دولت عثمانیہ کے خلیفہ کی حمایت سکھاتے تھے۔ اس سے ہمیں شبہ پیدا ہوا کہ یہ تو قریش نہیں ہیں' ان کی اطاعت کیوں کی جائے۔ ہم نے اپنے استاد سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر قریش میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ ہو تو کیا پھر بھی الائمۃ من القریش ہوں گے؟ ہمیں بات سمجھ میں آ گئی اب ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ایک مثال

حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اب ایک ایسا شخص فرض کرو جسے فاتحہ نہیں آتی۔ تو ہماری فقہ حنفی میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کی کوئی سورت پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ چونکہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن میں راسخ تھا اس لیے استاد کے مختصر جواب سے سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔

خاتمیت قرآن کی تحقیق

(الف) تبدّل قومی اور خاتمیت

جب اسلام اس طرح پر اُن تمام قوموں کو جو قرآن کی تعلیم جاری کرنے کے لیے کھڑی ہو جائیں مساوی حق دیتا ہے تو اب ہم یہ چیز بھی مان سکتے ہیں کہ قرآن حکیم

(1) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔ اس لمبی مدت تک قرآن حکیم کے جاری رہنے میں جو چیز مانع ہوسکتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک قوم اپنی طاقت ختم کر چکی ہے یا ایک نظام اپنی طاقت ختم کر چکا ہے (مثلاً بادشاہی نظام)۔ اگر قرآن حکیم اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ ہے تو یقیناً اسے بھی اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ مان لینا پڑے گا۔

پہلے ہزار سال میں جن جن قوموں نے اسلام کی خدمت کی ان میں شاہی نظام تھا۔ دوسرے ہزار سال سے شاہی نظام ٹوٹنا شروع ہوا اور اب جمہوری نظام دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ اگر یہ چیز مان لی جائے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کسی خاص قوم یا نظام کے ساتھ پابند نہیں ہے تو کہنا پڑے گا کہ جونسی قوم یا جونسا نظام قرآن حکیم کی حکومت چلائے گا تمام مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔ چاہے قریش ہوں یا غیر قریش۔ اس قسم کی بات مان لینے کے بعد اس امر کے باور کرنے کا کافی موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔

اس کے برعکس قرآن کی حکومت قائم کرنے کے لیے خاص قوم یا خاص نظام معین کر دیا گیا تو قرآن کی عمر اس قوم یا اس نظام کی عمر تک ہی چل سکتی ہے۔ اس کے بعد قرآن حکیم کو قطعی طور پر ختم ہو جانا چاہیے۔

ایک قوم سے حکومت اور بادشاہی دوسری قوم میں چلی جائے اور دوسری قوم بھی قرآن کا حکم قائم رکھے۔ اس طرح پر اسلام کی عمر لمبی ماننے والے اکثر علماء مسلمانوں میں موجود ہیں۔ وہ قرآن کو کسی قوم کے ساتھ مقید نہیں مانتے۔ پہلے عربوں نے قرآن حکیم کی خدمت کی، پھر ایرانیوں نے کی، پھر ترکوں اور ہندیوں میں آئی، تو اہل علم ان سب کی خدمات کی قدر کرتے ہیں۔ مگر یہ سارے نظام شاہی تھے۔ سب قوموں کے تبدلات میں نظام ایک ہی رہا۔

(ب) تبدلِ نظام اور خاتمیت

اب جس حالت میں پہلا نظام بدل گیا تو دوسرے نظام سے بھی قرآن کی خدمت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ایسے عالم تو ملیں گے جو یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ دوسرے نظام سے بھی حکومت ہونی چاہیے ورنہ قرآن کی حکومت قیامت سے پہلے ختم

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مانی پڑے گی۔

جملہ معترضہ

یہاں یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ایک قوم کی عقل قرآن کی خدمت کرنے سے عاجز آ جاتی ہے۔ وہ اپنا اطمینان اس طرح کر لیتی ہے کہ اب قیامت آ گئی۔ درحقیقت ان کی اپنی موت آ گئی ہوتی ہے۔ اگر اس جملے میں صداقت ہے تو فقط اتنی کہ اس قوم کی قیامت آ جاتی ہے۔ اسے تمام قوموں کی قیامت ماننا احمقانہ خیال ہے۔ چونکہ اکثر مقدس لوگ پہلے خیال کے حامی ہیں اس لیے انہیں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ دیکھ رہے ہیں کہ قومیں بڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی جگہ لے رہی ہیں، مگر نہیں مانتے۔

ایسے ہی اگر ایک نظام ختم ہو جائے گا تو اس نظام کے متبعین بھی شور مچانے لگ جائیں گے کہ قیامت آ گئی۔ اس کے بغیر ان کی طبیعت مطمئن ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس نظام کی موت یا قیامت آ گئی یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر دوسرا نظام اس کی جگہ لے رہا ہے تو اسے نوع انسان کی قیامت کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

الغرض اس بات کو ماننے والے اکثر اہل علم موجود ہیں جو قوموں کی تبدیلی سے قرآن کی تعلیم جاری رہنے کے قائل ہیں۔ اور ایسے ارتجاعی (Reactionary) بھی موجود ہیں جو اپنی قوم کے سوا دوسری قوم کو قرآن کا خادم نہیں دیکھ سکتے۔

اب جس زمانے سے یہ نظام بدل گیا ہے، اہل علم ضرورت تو سمجھتے ہیں کہ کوئی نیا نظام ہونا چاہیے۔ جس سے قرآن کی خدمت ہو۔ اور جس سے کامیاب قرآنی حکومت بنائی جائے۔ مگر کوئی نظام پیش نہیں کر سکتے۔ ہماری سمجھ یہ ہے کہ اللہ نے شاہ ولی اللہ کو اس کام کے لیے خاص طور پر منتخب کیا ہے۔ وہ اس نظام کے تبدیل ہونے سے پہلے اسلام کے لیے نیا نظام پیش کرتے ہیں۔ اس تبدیلی نظام کے بعد بھی قرآن کی حکومت

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی عمر لمبی ہوسکتی ہے۔ ہم اس پر مطمئن ہیں۔ اور ہم اس چیز کی طرف اہل علم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم اور جمہوری دور

قرآن عظیم کی بین الاقوامی حکومت کا ایک دور شاہی نظام کے ماتحت ختم ہو چکا۔ اب جمہوری نظام پر انٹرنیشنل ازم کے ماتحت قرآن حکیم دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اس لیے پہلے مسلم اقوام میں جمہوریت آنی چاہیے۔ پھر یہ جمہورتیں مل کر ایک انٹرنیشنل مرکز پیدا کریں۔ ہر ایک جمہوریت میں اور اس انٹرنیشنل مرکز میں قرآن حاکم ہو۔

شاہ ولی اللہ اور جمہوری نظام

قرآن حکیم کے غلبہ کے لیے جس قدر مواد شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں ملے گا، جو وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کے دور سے استنباط کرتے ہیں، وہ اس نئے دور میں کافی ہے۔ ان کو بعض مسائل میں جمہور اہل علم سے مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ اس لیے ان کی بات آسانی سے لوگوں میں شائع نہ ہو سکی۔ صاف لفظوں میں کہا جائے تو بات یوں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور کو خلافت راشدہ سے خارج کر دیتے ہیں۔ اس میں وہ نرم نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ اگر ہماری طرح وہ بھی صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیتے تو ان کی کتاب پڑھی بھی نہ جاتی۔ اور آج بھی اہل علم کا دماغ اتنا جامد ہے کہ وہ اس حقیقت پر غور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر حضرت علیؓ کا دور جو فتنے کا زمانہ تھا قرآن حکیم کی تعلیم کا صحیح مصداق ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم نظام کی پابندی نہیں سکھاتا۔ حضرت ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانے میں نظام تھا تو بھی قرآن کی حکومت ہے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں نظام نہیں ہے تو بھی قرآن کی حکومت ہے۔ اس سے آج کل کے اہل علم کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم براہ راست کوئی نظام نہیں سکھاتا۔ اسی لیے ٹرکی میں لادینی حکومت پیدا ہوگئی ہے اور کل کو مصر میں ہو کر رہے گی۔ اور مصر عربی ممالک کا دماغ ہے۔ ایران آدھی سے زیادہ لادینی حکومت پیدا کر چکا ہے۔ افغانستان ٹرکی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اس طرح جو قومیں جمہوریت کی طرف آ رہی ہیں، ان کے پاس جمہوریت کے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ساتھ قرآن حکیم کا نظام چلانے کے لیے کوئی عقلمندی باقی نہیں رہی' ان کے علماء ان کو براہ راست چلانے کا دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں اگر جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم چلے گا تو فقط شاہ ولی اللہؒ کا بنایا ہوا نظام چلے گا۔

قرونِ ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت

جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کو چلانے کی سمجھ پیدا کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو قرون ثلاثہ مشہود لھا الخیر سے خارج کر دیا جائے اور حضرت عثمانؓ تک کا زمانہ ہی تسلیم کیا جائے اور اسی کو قرون ثلاثہ المشہود لھا الخیر کا مصداق قرار دیا جائے۔ پھر اس دور کے مندرجہ ذیل تین درجے بن جائیں:

(1) رسول اکرم ﷺ کا دور۔

(2) سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا زمانہ۔

(3) سیدنا عثمانؓ کا زمانہ۔

یہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم ہے' جس میں ہم نے تھوڑا سا تصرف کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو ایک ساتھ ملاتے ہیں۔ ہم نے سیدنا ابوبکرؓ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ یہ ہماری ذاتی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے نظام کو نہیں بدلا۔ بلکہ ویسا ہی قائم رکھا۔ اس لیے سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔ سیدنا عمرؓ نے اس نظام میں قدرے تبدیلی کی۔ اس لیے ان کے دور کو دوسرا دور کہنا زیادہ موزوں ہے۔ لُطف یہ ہے کہ اگرچہ سیدنا عمرؓ نے نظام میں کچھ تبدیلی کی لیکن بعد میں اس تبدیلی پر خود ہی افسوس کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ کاش میں یہ تبدیلی نہ کرتا تو اچھا تھا۔(1) اور ابوبکرؓ کے درجے پر کام کرتا رہتا تو بہتر ہوتا۔ پس سیدنا عمرؓ کے دور کو دوسرا دور قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

---

(1) حضرت عمرؓ نے آخری عمر میں فرمایا: ''لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین'' (المحلی لابن حزم ج 2، ص 158) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے، اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا، اور بلاشبہ مالدار لوگوں کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔ (آزاد)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خلافت صدیقی اور حکومت فاروقی کا فرق

سیدنا ابوبکرؓ کے زمانے میں سرمایہ داری کا کوئی اساس قائم نہیں ہونے دیا گیا۔ ساری جماعت مجاہدین ایک درجے پر بقدر ضرورت وظیفہ پاتی رہی۔ چنانچہ جس کے زیادہ بچے تھے اسے زیادہ مل جاتا تھا اور جس کے کم تھے اسے تھوڑا مل جاتا تھا۔ کام کرنے والوں کے اندر بھی کوئی مراتب قائم نہیں کئے گئے تھے۔ بعینہٖ یہی حال حضرت نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔ پس قرآن حکیم کی تعلیم پر عمل کرنے کا یہی معیار ہے۔ سیدنا عمرؓ نے درجے مقرر کر دیئے اور اس طرح سرمایہ داری کا ایک پہلو سامنا آیا۔ گو سیدنا عمرؓ نے اسے غلط طریقے پر جانے نہیں دیا اور پھر آخر میں نادم ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں اس تقسیم پر اور اضافہ ہوا۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن گئے۔ اس لیے سیدنا عثمانؓ کی حکومت تیسرے درجے کی حکومت ہے مگر اس عہد میں بھی سرمایہ داری اسلامی سوسائٹی کی اساس نہ بن سکی۔ شاہ صاحبؒ اس کے بعد کسی دور کو قابل تقلید نہیں مانتے۔

حضرت علیؓ کا مقام

ان حالات میں شاہ صاحب کے لیے حضرت علیؓ کا مسئلہ بہت پیچیدہ بن جاتا ہے۔ خوارج حضرت علیؓ کے اس اخراج پر بہت خوش ہوں گے۔ مگر شاہ صاحب اس پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے شاہ صاحب نے حضرت علیؓ کو آئندہ تمام انقلابات کا امام مان لیا ہے۔ اول امام الانقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور دوسرے درجے پر امام الانقلاب حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ شاہ صاحب اس مسئلے پر تفہیمات الٰہیہ (جلد اول، تفہیم نمبر 77، ص 321 تا 322) میں بحث کی گئی ہے۔

اس طرح انقلاب خلافت راشدہ کا جز بن جاتا ہے۔ اب کسی اسلامی نظام کو انقلاب سے علیحدہ کر کے مستقل درجہ دینا غلط ہوگا۔ یوں حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ میں شمار کی جائے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

شاہ ولی اللہؒ کی امامت

الغرض بین الاقوامی نظام کو قائم کرنے والی تعلیم جو قرآن حکیم ہے' اس پر ہماری آج تک کی معلومات کی بنا پر شاہ ولیؒ اللہ کو امام بنائے بغیر اس دوسرے ہزارے میں عمل تقریباً ناممکن ہے۔ پس اس کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کو امام ماننا پڑے گا اور اسلامی جمہورتیں قائم کر کے حجاز مقدس میں بین الاقوامی جمہوری نظام قائم کرنا ہوگا۔

بینات کیا ہیں؟

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (پھر جب آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر)

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق تورات کی آیتوں سے اور انجیل کی آیتوں سے صاف واضح ہوتی ہے جیسا کہ سرسید احمد کی "خطبات احمدیہ" میں تصریح کی گئی ہے۔ یہ بینات ہیں۔

سحر سے کیا مراد ہے؟

(ہ) قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (کہنے لگے کہ یہ تو کھلم کھلا جادو ہے)

حضرت نبی اکرم ﷺ وہی پروگرام لے کر آئے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ بھی بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں جس پر حکم خداوندی حاکم ہو۔ مگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پروگرام کے ماتحت بین الاقوامی حکومت کا پیدا ہو جانا جادوگری ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کے طریق کار کا کام نہ ہوگا۔ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کو اس سلسلے کا متمم نبی قبول نہیں کرتے۔

آیت نمبر 7: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: "اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ حالانکہ اسلام کی طرف اسے بلایا جا رہا ہے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

(c) ketabton.com: The Digital Library

کتاب الٰہی کی اطاعت کرنا اور اس کا حکم ماننا ہی اسلام ہے۔ قرآن حکیم تورات کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ گویا وہ اسی اسلام کی دعوت دیتا ہے جسے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام قائم کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اگر کوئی جماعت جوان کے اتباع کی مدعی ہو' اس کا انکار کر دے تو اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے؟ انصاف کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ خدا کے قانون کی بے رو و رعایت اطاعت کی جائے۔ خدا کا وہ قانون جو ابراہیمؑ کے ذریعے سے پھیلا اور موسیٰؑ کی کتاب میں ضبط کیا گیا تھا اسی کی دعوت رسول عربی ﷺ دیتے ہیں۔ اب اس کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مخالفین خدا کے نام پر انصاف کرنا نہیں چاہتے۔ یہی سب سے بڑی بے انصافی ہے۔ یہ لوگ ابھی تک اس کے منتظر بھی ہیں کہ ایک متمم نبی آئے جو تورات اور انجیل کے احکام پورے کر دے اس کے باوجود اس نبیؐ اعظم کو نہیں مانتے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

اس بے انصافی --- ظلم --- کے بعد جو انہوں نے قرآن حکیم کے ساتھ برتی ان کا کوئی حق نہیں رہتا کہ خدا سے یہ امید رکھیں کہ کوئی اور نبی ان کی ہدایت کے لیے بھیجا جائے۔

ارتجاعی جماعتیں

ان آیتوں کے تقاضے سے ہم جس قدر سمجھ سکتے ہیں اس کا یہی حاصل ہے کہ جس نبیؐ کا انتظار یہودی کر رہے ہیں یا عیسائی کر رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان کے تشریف لے آنے کے بعد کسی نبی کا انتظار قطعاً غلط ہے۔ وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے اور انتظار کئے جاتے ہیں۔ ان جیسی ارتجاعی جماعتیں مسلمانوں میں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کے ہاں یہ فکر کہ کوئی اور شخص آ کر دینی تعلیم کو مکمل کرے گا مسلسل پایا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اور مطلب ہو اور قدرت الٰہی کوئی آدمی پیدا کر دے تو اسے ہم ممکن مانتے ہیں۔ مگر یہ کہ انسانوں کو تعلیم دینے کے لیے کوئی اور شخص آئے گا اسے ہم قطعاً غلط مانتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 8: يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

ترجمہ: ''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں۔''

ان کی کوششیں یہی ہیں کہ نور الٰہی یعنی (قرآن حکیم) بجھا دیا جائے (اپنے پراپیگنڈہ کے زور سے اس کی تعلیم کو ناکام بنا دیں)۔ مگر اللہ اس تعلیم کو کامیاب بنا کر چھوڑے گا۔ مخالف لوگ ناکام رہیں گے مگر ان کو جبراً مغلوب ہو کر رہنا پڑے گا۔

آیت نمبر 9: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝٩

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔''

کسریٰ و قیصر کے مغلوب ہو جانے کے بعد اس دین کا غلبہ تمام ادیان پر محقق ہو گیا۔ اس کی تفصیل شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں بیان فرمائی ہے۔ (دیکھئے کتاب کا مقصد اول فصل سوم ص 163 تا 175)

الھدیٰ: افراد نوع انسانی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا کرنے کے لیے جس ہدایت کی ضرورت ہے وہ الھدیٰ ہے۔

دین الحق: اجتماعی قانون جو بین الاقوامی پوزیشن حاصل کرنے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ دین الحق ہے۔ یہ بھی قرآن میں دیا گیا ہے۔ چونکہ قرآن کا قانون نوع انسان کے لیے بہترین طبعی قانون ہے اس لیے اس کا غلبہ تمام ادیان پر ہونا چاہیے۔ یہ انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔

المشرکون: جن لوگوں نے خدا کے سوا کسی اور کو حاکم مان لیا اور خدا کے قانون کے سوا کسی اور نظام قانون کو بین الاقوامی درجہ دیا' وہ مشرک ہیں۔ ان کو مجبور ہو کر اس بین الاقوامی قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ یہی وہ عظیم الشان انقلاب ہے' جس کی قرآن حکیم دعوت دیتا ہے۔ جب یہ نور دنیا میں پھیل جائے اور اپنی قوت کا ثبوت ایک مرتبہ دیدے تو اب کسی اور نبی کا انتظار بے سود ہے۔ اسی پروگرام کو انقلابی رنگ میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

چلائیے۔

بین الاقوامی غلبے کا پروگرام

رسول اللہ ﷺ کے عمل سے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانے میں اظہارِ دین ہو جائے گا۔ یہ ایک مخصوص جماعت کی کوشش کا نتیجہ ہوگا' جسے حزب اللہ کہتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے۔ اب آئندہ اس مثال کے مطابق کام ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہمیشہ ایسا غلبہ متحقق ہوتا رہے گا۔ اس لیے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ پروگرام کیا ہے جو رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے عمل سے مستنبط ہوتا ہے؟ اس کا ذکر آیات نمبر 10-13 میں آتا ہے۔

آیت نمبر10: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟''

عذاب الیم کیا ہے؟

ایک مذہبی جماعت کا غیر مذہبی حاکم کی اطاعت پر مجبور ہو جانا عذاب الیم ہے۔

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝

تمہیں ایک معاملہ بتائیں جیسے تاجر سوچ سمجھ کر اپنی مرکزی طاقت بڑھا لیتے ہیں تم بھی ایک کام اپنے ہاتھ میں لے لو تو اس عذاب سے ہمیشہ نجات پاؤ گے اور کوئی غیر طاقت جو خدائی قانون کو نہ مانتی ہو تم پر غالب نہ آسکے گی۔

آیت نمبر11: تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

ترجمہ: ''تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

عذاب الیم سے بچنے کے لیے پہلا کام

(1) ایمان

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)

کامیابی کا پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن عظیم پر ایمان لاؤ اور اس کی تشریحات جو رسول اللہ ﷺ نے دیں اور جن کے مطابق آپؐ نے لائحہ عمل بنایا' اس پر ایمان لاؤ۔ اس کے متعلق ایسا یقین پیدا کرلو کہ کسی اور چیز کے متعلق نہ ہو۔

دوسرا کام

(2) جہاد

تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرو)

یہ قانون ہی سبیل اللہ ہے۔ اسے کامیاب بنانے کے لیے مال دینے اور سر دینے کی ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ سب کچھ ''حزب اللہ'' کے نظام کے اندر ہوگا۔ اس طرح مال اور سر کی بازی لگا کر کام کرتے رہو۔ یہی جہاد ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ بہترین طریقہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں معاملات دنیا کے اتار چڑھاؤ اور قوموں کے تنزل و ترقی کا علم ہو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔

آیت نمبر 12: يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ: ''وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کے باغوں میں یہ بڑی کامیابی ہے۔''

آیت نمبر 13: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اور دوسری بات جو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد ہے اور جلدی فتح اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدے۔''

کام کا نتیجہ

اس طرح کام کرنے سے انسانیت کی دونوں ضرورتیں پوری ہو جائیں گی یعنی (1) تعلق باللہ کی اصلاح۔ (2) دنیا میں غلبہ

(1) تعلق باللہ کی اصلاح

یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اللہ اور بندے کے تعلقات اس کے پروگرام (یعنی) جہاد فی سبیل اللہ سے درست ہوں گے جو الھدیٰ کا نتیجہ ہے۔ (جو آیت نمبر 9 ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ میں بیان ہوا ہے۔) اس میں شاہ ولی اللہؒ نے خیر کثیر میں بحث کی ہے۔ (دیکھئے الخزانۃ السادسہ ص 259)

(2) دنیا میں غلبہ

نصر من اللہ وفتح قریب جہاد فی سبیل کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دین سب ادیان پر غالب آجائے گا۔ (ھو الذین ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ (آیت نمبر 9)

وبشر المومنین ان کو اس بات کی بشارت دو کہ جب وہ اس ایمانی طریق پر کام کریں گے ہمیشہ غالب رہیں گے۔

حضرت مسیحؑ کا نمونہ

رسول اکرم ﷺ کی جماعت نے ایک مرکزی قطعہ زمین پر نمونہ قائم کر دیا۔ اسے ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے وہی طریقہ استعمال کرنا پڑے گا جو حضرت مسیحؑ نے حواریین کے ذریعے سے قائم کیا۔

(1) بین الاقوامی مرکزِ ہدایت

حواریین کو مسیحؑ کا دیا ہوا پروگرام یہ تھا کہ وہ مسیح کا پیام دنیا کی قوموں میں نشر

(c) ketabton.com: The Digital Library

کریں۔ ان قوموں میں اس پیام کی اشاعت کے بعد ایک جماعت تو ایسی پیدا کی جائے گی جو اسے مانے گی۔ اور ایک مخالف جماعت پیدا ہو جائے گی۔ اس قوم کی ماننے والی جماعت اپنی مخالف جماعت کو شکست دیتی رہے گی۔ اس طرح یہ قانون دنیا بھر میں پھیل جائے گا۔

اسی طرح قرآن کا غلبہ دنیا میں متحقق کرنے کے لیے ایک مرکزی عظیم الشان شاہانہ قوت پیدا کی جائے اور اس کی پشت پر بہت بڑی فوجی طاقت ہونی چاہیے جو انٹرنیشنل غلبہ حاصل کر سکے۔ مگر اس میں دقت یہ ہے کہ جس مرکز میں اتنی اعلیٰ فوجی طاقت پیدا کی جائے گی وہ خود اصلی قاعدہ چھوڑ بیٹھے گا اور اپنا تغلب جمائے گا۔ اس طرح اس کے اندر ہدیٰ کا درجہ قائم ہی نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھ سکے۔ وہ اپنے مخالفوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قوت جمع کرے گا' چاہے وہ جائز ذرائع سے جمع ہو یا غیر جائز ذرائع سے۔ یہ بات تجربوں سے
ثابت ہو چکی ہے۔

(2) ایک قوم میں مرکز ہدایت

اس کے برخلاف دوسرا طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ قوم میں اپنا اپنا مرکز ہدایت قائم کیا جائے۔ اس قوم کو قومی زبان میں تعلیم دے کر قومی مرکز قائم کر دیا جائے۔ وہ اپنی قوم کے مرکز پر غالب آ جائے۔ اس کے لیے بہت زیادہ فوجی قوت کی ضرورت نہ ہوگی' جیسے پہلی صورت میں ضروری تھی۔ چونکہ یہ قومیں ایک ہی پروگرام پر قائم ہو چکی ہیں' وہ باہمی مشورے کے لیے ایک مرکز بنا سکتی ہیں۔ اس کے لیے حج کی تحریک بہت کام دے سکتی ہے۔ تمام قوموں کے مسلمان وہاں مل کر بین الاقوامی اجتماع بنا لیں گے۔ اس میں زیادہ تر قوت تعلیم اور ہدایت کی ہوگی۔ جہاں لوگ حج کے لیے جمع ہوں۔ وہ جنگ کا مرکز نہیں ہے۔ وہ فقط خدا یاد کرنے اور صحیح علم پھیلانے کا اجتماعی مرکز ہے۔ فوجی قوت ہر ایک قوم اپنے اپنے گھر کے مخالفوں سے نپٹنے کے لیے اپنے گھر میں جمع کرے گی۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرکزی فوجی طاقت کا نقصان

یہ وہ فکر ہے جو ہم آج کل کی انٹرنیشنلسٹ جماعتوں سے سمجھ سکے ہیں۔ ہمارے خیال میں حج کی تحریک اور جہاد کے قومی پروگرام اس فکر کو پورا کرتے ہیں۔ مگر ہماری تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں فوجی قوت پیدا ہوئی' وہیں شہنشاہی پیدا ہوگئی۔ گو اس سے وقتی طور پر فائدہ پہنچا مگر مستقل طور پر قرآن کی تعمیل کی ایجنسی (Agency) پیدا نہیں ہوسکی۔

دورِ جمہوریت میں نشرِ قرآن کا طریق

اب اس دوسرے ہزار سال میں جب شاہی پروگرام ختم ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ جمہوریتیں لے رہی ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ بیداری آجائے کہ وہ شاہی حکومت کی جگہ قومی حکومتوں کے ذریعے سے قرآن حکیم کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں تو تمام دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت براہِ راست پھیل سکتی ہے۔ اس کے لیے ہر زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ ہونا چاہیے۔ جس کے ساتھ قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام کی تشریح بھی ہو۔ اس کے لیے شاہ ولی اللہؒ کی حکمت بہت کام دے گی۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے تحفظ کے لیے فوجی طاقت خود جمع کرے۔ انٹرنیشنل مسائل کے سوچنے کے لیے حج سے بہتر کوئی تحریک پیدا نہیں کی جاسکتی۔ مگر ان رسوم کے اندر جو روح تھی اس کے غائب ہو جانے سے وہ نتیجے نہیں نکل رہے' اور نہ نکل سکتے ہیں جن کی خاطر یہ قوانین من جانب اللہ سکھائے گئے تھے۔

آیت نمبر 14: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ۧ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریین سے کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ پھر ایک گروہ بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ پھر ہم نے ایمان داروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔''

کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ : یعنی حزب اللہ کا نظام اپنی اپنی قوموں میں پھیلاؤ۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ : ہم تیرا پروگرام دنیا کی قوموں میں پہنچاتے ہیں چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بنی اسرائیل ہی کو لیا۔

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ : بنی اسرائیل کے ایک طائفے میں ایمان آ گیا۔

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ : دوسرے طائفے نے اس پروگرام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ

بنی اسرائیل کے مومنوں نے (اللہ کی مدد سے) اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا یہ طریق عمل' ایک مثال ہے (كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ)۔ قرآن حکیم کی تعلیم بھی دنیا کی قوموں میں اسی طرح جاری ہو سکتی ہے۔

اُسوۂ مسیحؑ کی کامیابی

حضرت مسیحؑ نے اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے جماعت تیار کی تو اسے پہلے پہل عدم تشدد کا پابند بنا دیا گیا۔ مگر یہ حکم ایک محدود زمانے کے لیے تھا۔ جب تک لڑنے والی طاقت تیار نہ ہو عدم تشدد ہی تیاری کا ذریعہ ہو سکتا ہے (جب تیاری مکمل ہو جائے) تو پھر لڑنا جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ ''میں لڑنے اور لڑانے کے لیے آیا ہوں''۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ کام کرایا (یعنی جماعت تیار کر دی) اور مدینہ منورہ میں لڑنے کا پروگرام دیا۔ پس یہ نسخہ پہلے بنی اسرائیل میں پھر بنی اسماعیل میں استعمال کیا جا چکا ہے اور اس کے طفیل عربی طاقت نے کسریٰ و قیصر پر غلبہ حاصل کیا۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اُسوۂ محمدیؐ کی کامیابی

شاہ ولی اللہؒ کی تحقیقات میں حجاز کی فتح کا نتیجہ عرب پر غلبہ تھا۔ پھر عراق اور شام پر عربی طاقت کی مدد سے غلبہ حاصل ہوا۔ اس کے بعد عراقی طاقت سے ایران پر اور شامی طاقت سے رومی سلطنت پر غلبہ حاصل کیا گیا۔ اس طرح خشت بر خشت انٹرنیشنل غلبہ حاصل ہوگیا۔ اسی طرح دنیا میں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ حزب اللہ کا آخری پروگرام ہے۔

تمت سورۃ الصف نمبر 61

(یوم الجمعہ 29 اکتوبر 943 ہندی گوجر خان ضلع راولپنڈی)

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی حکمتِ انقلاب

سورۃ الجمعہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی انقلاب کی پائیداری

قرآن مجید میں انبیا علیہم السلام کے جس قدر قصے ہیں، وہ اسی انقلاب کا نمونہ پیش کرتے ہیں، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے ہونے والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے اس عالم گیر انقلاب کے داعی تھے۔ آپ کے اصحابؓ، خلافتِ راشدہ کے دور میں اس کو ایک درجے تک عالم گیر بنا دیتے ہیں۔ یعنی اس انقلابی حکومت کا دائرہ اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ دنیا کی ساری رجعت پسند حکومتیں جمع ہو کر بھی اس انقلابی حکومت کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتیں۔ قرآن کا یہ انقلاب ختم نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ہمیشہ برسر پیکار رہے گا۔ کیوں کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں آ سکتا، جس میں رجعت پسندی کی طاقتیں بالکل معدوم ہو جائیں۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص 38)

www.rarimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الجمعہ (62)

(یہ مدنی سورۃ ہے)

تمہیدِ سورت

سورۃ الصف کے ساتھ ربط

رسول اللہ ﷺ کو اپنا بین الاقوامی پروگرام پورا کرنا اسی طریقے پر آسان تھا' جس پر حضرت مسیح ؑ نے تورات کی اشاعت عامہ کی کوشش کی۔ یعنی ہر قوم میں سے اپنے نظریات ماننے والی ایک جماعت تیار کرلی جائے۔ اور وہی جماعت اپنی قوم کے مخالفوں سے لڑے اور اپنے پروگرام کو حاکمانہ شان دے دے۔ اگر ایک مرکز سے کوئی شہنشاہ اٹھے اور وہ ساری دنیا کو فتح کرتا پھرے (جیسے پہلے زمانے میں سکندر یا اس سے بھی پہلے ذوالقرنین کے نمونے موجود ہیں) تو وہ کوئی دیرپا بین الاقوامی مرکز پیدا نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس طرح سے پیدا شدہ بین الاقوامیت پائیدار ہوسکتی ہے۔ اگرچہ اس قسم کے حاکموں کا پیدا ہونا ایک فکر کے عمومی غلبے کے لیے ضروری ہے' تاکہ عام لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ اس فکر میں اتنی طاقت ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اس کے اظہار کے لیے وقتاً فوقتاً انسانیت میں بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ان کے ذریعے سے قوموں کی مستقل تربیت نہیں ہوسکتی۔

قومی انقلاب سے قرآنی تحریک کو فائدہ

جیسے ایک شہر کی تہذیب و اصلاح کے لیے اس شہر کے ہر ایک خاندان کی اصلاح

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسی نقطے پر ہونی ضروری ہے' اسی طرح ایک مملکت کی اصلاح جو انقلاب کا نتیجہ ہونی چاہیے' اس مملکت کے تمام شہروں میں اس تہذیب کے مراکز قائم کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ بین الاقوامی پروگرام کے لیے زبانوں سے علیحدہ ہونے والی قومیں ایک اکائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اکائیوں کی اصلاح مستقل بنیادوں پر قائم ہونی چاہیے۔ جب یہ چیز قائم ہو جائے تو بین الاقوامی پروگرام دنیا کے سامنے صاف ہو کر آئے گا اور دیر تک چلے گا۔ اس میں یہ طاقت آ جائے گی کہ اگر اس کی تحریک میں کبھی عارضی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو اس کے اندر ہی سے انقلابی قوت پیدا ہو کر اس کمزوری کو دور کر دے اور اس تحریک کی اصلاح کر دے۔

مضبوط مرکز کا نقصان

اگر قوموں کو کسی بین الاقوامی مرکز کے ساتھ اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ وہ بے دست و پا ہو کر رہ جائیں تو اس مرکز میں کمزوری آنے کے بعد ان میں انقلابی تحریک پیدا ہونا اور ان کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا نہایت مشکل ہو جائے گا۔ ایک بڑے مرکز سے اقوام میں ایک پروگرام جاری کرنے سے اگر یہ فائدہ سامنے آتا ہے کہ تحریک بہت جلد پھیل جاتی ہے' تو اس کے مقابلہ میں یہ خطرہ بھی پیش نظر آتا ہے کہ اگر اس مرکز میں خرابی آ جائے تو اتنی بڑی قوموں کی اصلاح خطرناک طور پر مشکل ہو جائے گی۔ اور پھر وہ خرابی انڈے اور بچے دے کر قوموں کو بہت دور تک گمراہ کر دے گی۔

صحیح طریق عمل

اس لیے صحیح طریق عمل جو آج تک دنیا میں تجربے سے مفید ثابت ہوا ہے۔ یہی ہے کہ ہر ایک قوم کے اندر' اس کی ذہنیت کے مطابق' اس کی زبان میں' بین لاقوامی اھتداء کا مخزن جمع کر دیا جائے۔ وہ قوم اپنے بھلے برے کا فیصلہ کرنے کے لیے خودمختار ہو' اس طرح ایک پروگرام پر مختلف قومیں تیار ہو جائیں تو ان کو کسی مرکز میں بیٹھ کر بین الاقوامی پروگرام کامیاب بنا لینا چنداں مشکل نہیں ہے۔

بین الاقوامی مرکز

ہم اس بین الاقوامی مرکز کے لیے کوئی ایسی سرزمین تجویز نہیں کر سکتے جو کسی خاص

(c) ketabton.com: The Digital Library

قوم کے تمدن سے رنگین ہو۔ اگر یہ بین الاقوامی مرکز کسی خاص متمدن قوم کے ہاتھوں میں آجائے گا تو وہ اپنے قومی پروگرام ہی کو بین الاقوامی درجہ دینے کے لیے اسے بری طرح استعمال کرے گی۔ اس لیے ہم حجاز کی سرزمین کو جو وادی غیر ذی زرع ہے اور جس کا بیت العلم اقوام میں حرم کا درجہ پیدا کر چکا ہے بین الاقوامی مشاورت کے لیے بطور مرکز تجویز کرتے ہیں۔ اور اس کی مرکزیت کو تمام دیگر مراکز پر راجح مانتے ہیں بشرطیکہ اس پر کسی خاص متمدن قوم کا تغلب پیدا نہ ہو جائے اور حجاز اپنی فطری آزادی پر قائم ہے۔

سورۂ صف کے آخری حصے کے مطابق حضرت مسیحؑ کا جو طریق عمل بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمی مشن قائم کیا اس کی مثال سورۃ الجمعہ میں آتی ہے۔

پچھلی سورتوں سے ربط کا ایک اور پہلو

قرآن حکیم نے اپنی آمد کا منشاء ان الفاظ میں بتایا ہے: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط (الفتح آیت 28) اس کے لیے حزب اللہ کا قیام ضروری ہے۔ جو قرآن حکیم کو اپنا پروگرام بنا کر آگے بڑھائے، اور غالب کرے، حزب اللہ کے لیے سیاسی غلبہ لازم ہے، ورنہ اس کا پروگرام دنیا میں چل نہیں سکتا۔ حزب اللہ کی تشکیل کا پروگرام سورۂ مجادلہ سے شروع ہوتا ہے، اور اس سورت سے حزب اللہ کے غلبے کی پیش گوئی جاری ہے۔ چنانچہ سورۃ مجادلہ کے آخری حصہ میں آیا ہے کہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (آیت نمبر 21) یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغامبروں کا دنیا میں غالب آنا حتمی اور یقینی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ قوی ہے، اس لیے وہ اپنے رسولوں کی جماعت کو عزت دیا کرتا ہے، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ المنافقون آیت نمبر 8)۔

اس کے بعد سورۃ الحشر کے شروع میں آتا ہے کہ: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ یہ سورت بھی حزب اللہ کے سیاسی غلبہ کی پیش گوئی کرتی ہے، جس کے لیے اس سورت الحشر میں حزب اللہ کے حربی پہلو کی تکمیل پر زور دیا گیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات العزیز اور الحکیم کا ذکر نہایت معنی خیز ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ غلبہ حاصل کرے گا، اور اس کے پروگرام کو زیادہ مستحکم اور پائیدار بنانے کے لیے اسے حکمت کی تعلیم دی جائے گی، جس کے بغیر کوئی غلبہ مستقل نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد سورۃ الممتحنہ میں حزب اللہ کے نظام کو اندرونی طور پر مضبوط بنانے اور تعلقات خارجہ کو استوار کرنے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ اس لیے اس سورت میں العزیز اور الحکیم کے اسماء الحسنٰی کے اعادے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے بعد سورۃ الصف میں سورۃ الحشر ہی کے مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے (یعنی حشر میں حزب اللہ کی حربی اصولوں پر تشکیل پر زور دیا گیا تو سورۃ الصف میں تیاری کے احکام دیئے گئے ہیں، اور بنی اسرائیل کے قومی انقلاب کی مثال پیش کی گئی ہے) اس لیے یہاں پھر ان اسماء الحسنٰی کا انتخاب کیا گیا ہے، جس میں غلبہ کا پہلو ظاہر ہے، چنانچہ فرمایا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آیت نمبر 1)۔

سورۃ الجمعہ میں غلبہ کے اس پروگرام کو اور واضح کیا گیا ہے، اور بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کی طرز پر نہ صرف قومی انقلاب کی دعوت دی گئی ہے، بلکہ دوسری قوموں میں قومی انقلابات لانے کی دعوت دی گئی ہے اور بنی اسرائیل میں جن باتوں نے انقلاب کی روح کچلی تھی، ان کی توضیح بھی کر دی گئی ہے، اس لیے الحشر اور الصف میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء الحسنٰی آچکے ہیں (یعنی العزیز، الحکیم، عالم الغیب والشھادۃ، الرحمٰن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری اور المصور) ان میں سے غلبہ ظاہر کرنے والے جامع اسماء الحسنٰی یعنی الملک، القدوس، العزیز اور الحکیم کو سورۃ الجمعہ کا عنوان بنایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بشیر احمد وفقہ اللہ تعالیٰ

یکم نومبر 943 ہندی (1943ء)

گوجر خان

==========

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة الجمعه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ●
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٤ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٩ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ
فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝١٠ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ط قُلْ مَا
عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝١١ ع

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ الجمعہ

آیت نمبر 1: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

ترجمہ: ''جو مخلوقات آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے' اللہ کی تسبیح کرتی ہے' وہ بادشاہ' پاک ذات' غالب' حکمت والا ہے۔''

کیا خدا محتاج ہے؟

اہل علم کو اشاعت معارف کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں اللہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کا نظام اس پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام اپنی حکمت کے مطابق چلاتا ہے۔ وہ اس میں کسی کا محتاج نہیں ہے تو جو نظام وہ انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بھی وہ انسانوں کا محتاج نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ انسانوں سے کیوں کہتا ہے کہ وہ یہ کام کریں اور خدا کے لیے کریں؟ یہ اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ترقی کا موقعہ دیا جائے۔

زمین و آسمان اللہ کی پاکیزگی کی شہادت دیتے ہیں اور ان کی ساخت ثابت کرتی ہے کہ اللہ ان صفات کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ

(1) الملک (2) القدوس (3) العزیز (4) الحکیم۔

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ کا کامل ظہور ہو رہا ہے۔ چنانچہ خدا کے سوا کوئی شخص اپنے آپ کو حقیقی اور مطلق معنوں میں الملک (بادشاہ) نہیں کہہ سکتا۔ ساری کائنات میں حکومت اور بادشاہی دراصل اللہ ہی کی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے آپ کو

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عیوب ظاہر و باطنی سے قدوس (پاک) نہیں کہہ سکتا۔ کائنات کی ساخت صرف اللہ ہی کو کامل اور اکمل طور پر عیوب سے پاک ثابت کرتی ہے۔ ایسے ہی حقیقی عزت اور اس کے ذریعہ سے غلبہ صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اور سب کی عزتیں اور غلبے اس کے غلبے اور عزت کے دھندلے نقوش ہیں۔ حکیم بھی حقیقت میں اللہ ہی ہے جو اس کائنات کا خالق' باری اور مصور ہے۔ وہی اس کائنات کے تمام اجزا اور ان کے باہمی ربط اور ان کی اندرونی روح سے واقف ہے' پس حکمت کا مالک اصل میں اللہ ہی ہے۔

ان صفات کے بیان کی غرض

اللہ تعالیٰ جو الملک' القدوس' العزیز اور الحکیم ہے، ان صفات کے تقاضوں پر انسان کو ترقی دینا چاہتا ہے۔

(1) الملک

اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی بادشاہی میں نیابت اور خلافت دینی چاہتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ جیسے اس کا حکم ملائک (فرشتوں) کے ذریعے سے آسمانوں میں پورا ہوتا ہے' اسی طرح نوع انسان میں بھی اس کا حکم پاکباز فرشتہ خصلت انسانوں کے ذریعے سے پورا ہو۔

(2) القدوس

اللہ تعالیٰ قدوس ہے۔ وہ تمام عیوب سے پاک ہے۔ اس کے نام کی جو حکومت قائم ہو اور اس کے نام سے جو تعلیم دی جائے اس میں بھی انسانی عیوب پیدا نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ جماعت جو اللہ کے نام کی حکومت پیدا کرے، انسانی کمالات کا بہترین مظاہرہ کرے۔ اور اس میں اللہ کی قدوسیت کا رنگ (صبغۃ اللہ) غالب ہو۔ دنیا کی حکمران جماعتوں میں جتنے عیوب پائے جاتے ہیں' ان سے یہ جماعت نسبتاً پاک ہو۔ ایسے ہی دنیا کی معلم جماعتوں میں جس قدر غلطیاں راسخ ہو چکی ہیں۔ قدوسیوں کی یہ جماعت ان سے بھی پاک ہو۔ یہ اللہ کا منشا ہے اور قدوسیت الٰہی کے مناسب ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(3) العزیز

اللہ تعالیٰ ان قوموں کو جو قرآن حکیم کی تعلیم بلند کریں عزت دینی چاہتا ہے۔ وہ اس تعلیم کے ذریعے سے دنیا میں غلبہ حاصل کریں گی اور آخرت میں مراتب رفیعہ پر فائز ہوں گی۔

(4) الحکیم

عزت ایک دفعہ تو سیاسی یا فوجی غلبے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اسے صدیوں تک سنبھالنے کے لیے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا اس جماعت کو حکمت بھی عطا کرنا چاہتا ہے تاکہ حکومت اور حکمت ان میں جمع ہو جائیں۔ کسی قوم میں حکومت سنبھالنے کی طاقت اتنی ہی ہوگی جتنی اس میں حکمت ہوگی۔

حکمت کیا ہے؟

فطرت انسانی کے جو طبعی تقاضے ہیں ان کی پوری سمجھ پیدا کرنا الحکمت ہے۔ یعنی افراد انسانی، اقوام اور اصناف کے تقاضوں کو سمجھنا اور ان کو نوعی تقاضوں کے ماتحت لانا حکمت ہے۔ افراد، اشخاص، اقوام اور اصناف کے تقاضے غیر متبدل نہیں ہیں۔ مگر انسانیت کے تقاضے مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ: لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ۔ (اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں کوئی تبدیلی نہیں) ان تقاضوں کو سمجھنا ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (یہ سیدھا دین ہے) ہے۔ ان تقاضوں کے مطابق قرآن کے احکام نافذ کرنا حکمت عملی ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ قرآن حکیم (یٰسٓ والقرآن الحکیم) کے ذریعے سے انسانوں کو حکمت سکھائے۔ پس خدا کی حکومت، قدوسیت، عزیزیت اور حکیمیت کا تقاضا ہے کہ ایک نبی پیدا ہو جو ساری نوع انسانی کو نوعی تقاضوں کا صحیح علم دے۔ اور یہ علم منظم طور پر اہل دنیا کو سمجھا دے۔

الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝

قرآن حکیم نے اپنی آمد کا منشا ان الفاظ میں بتایا ہے:

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ
(الصف آیت 9 الفتح آیت 28)

اس کے لیے حزب اللہ کا قیام ضروری ہے جو قرآن حکیم کو اپنا پروگرام بنا کر آگے بڑھائے اور غالب کرے۔ حزب اللہ کے لیے سیاسی غلبہ لازم ہے ورنہ اس کا پروگرام دنیا میں چل نہیں سکتا۔ حزب اللہ کی تشکیل کا پروگرام سورۃ مجادلہ سے شروع ہوتا ہے اور اسی سورت سے حزب اللہ کے غلبہ کی پیشگوئی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ سورۃ مجادلہ کے آخری حصے میں آیا ہے کہ

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کا دنیا میں غالب آنا حتمی اور یقینی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ اس لیے وہ اپنے رسولوں کی جماعتوں کو عزت دیا کرتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ المنافقون آیت 8)

اس کے بعد سورۃ حشر میں آتا ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (1:59)

یہ سورت بھی حزب اللہ کے سیاسی غلبے کی پیشگوئی کرتی ہے جس کے لیے اس سورت (الحشر) میں حزب اللہ کے حربی پہلو کی تکمیل پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات العزیز اور الحکیم کا ذکر نہایت معنی خیز ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ غلبہ حاصل کرے گا۔ اور اس کے پروگرام کو زیادہ مستحکم اور پائیدار بنانے کے لیے اسے حکمت کی تعلیم دی جائے گی جس کے بغیر کوئی غلبہ مستقل نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد الممتحنہ میں حزب کے نظام کو اندرونی طور پر مضبوط بنانے اور تعلقات خارجہ کو استوار کرنے کے لیے ہدایت دی گئی ہے۔ اس لیے اس سورت میں "العزیز" اور "الحکیم" کے اسمائے حسنیٰ کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے بعد سورہ صف میں حشر کے مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے (یعنی سورہ حشر میں حزب اللہ کے حربی اصولوں کی تشکیل پر زور دیا گیا ہے۔ تو سورہ صف میں تیاری کے احکام دیئے گئے ہیں اور بنی اسرائیل کے قومی انقلاب کی مثال پیش کی گئی ہے) اس لیے

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہاں پھر ان اسمائے حسنٰی کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں غلبہ کا پہلو ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (1:59)

سورۃ جمعہ میں غلبے کے اس پروگرام کو اور واضح کیا گیا ہے۔ اور بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کی طرز پر نہ صرف قومی انقلاب کی دعوت دی گئی ہے بلکہ دوسری قوموں میں قومی انقلابات لانے کی دعوت (بھی) دی گئی ہے اور بنی اسرائیل میں جن باتوں نے انقلاب کی روح کچلی تو ان کی توضیح بھی کر دی گئی۔ اس لیے سورہ الحشر اور سورہ الصف میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء حسنٰی آ چکے ہیں۔ یعنی (العزیز ' اَلْحَكِيْمُ ' عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ' اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمُ ' اَلْمَلِكُ ' اَلْقُدُّوْسُ ' اَلسَّلَامُ الْمُؤْمِنُ ' اَلْمُهَيْمِنُ ' اَلْجَبَّارُ ' اَلْمُتَكَبِّرُ ' اَلْخَالِقُ ' اَلْبَارِئُ ' اَلْمُصَوِّرُ) ان میں سے غلبہ ظاہر کرنے والے جامع اسماء حسنٰی یعنی اَلْمَلِكُ ' اَلْقُدُّوْسُ ' اَلْعَزِيْزُ اور اَلْحَكِيْمُ کو سورۃ جمعہ کا عنوان بنایا گیا ہے۔

آیت نمبر2: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

ترجمہ: ''اللہ وہ ذات ہے' جس نے امیّین میں ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے' اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔''

چنانچہ اللہ نے اُمیوں میں سے ایک انسان چن لیا۔ اس کے اندر ایسی ہمت اور عالی دماغی پیدا کی کہ وہ اس نیابت الٰہی کے پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

نبی اُمیّوں میں سے کیوں لیا گیا ہے؟

(الف) بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وہ ان پڑھ لوگوں میں سے لیے گئے۔(1)

(1) عام اہل علم اہل یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب اور اہل عرب کو اُمّی کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مجوس' ہنود اور بدھسٹ بھی اُمّی اقوام میں داخل ہیں۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے جس کے احکام کو یہ ناقابل تبدیل قانون مانتے ہوں۔ اگر کوئی تھی بھی تو مرور زمانہ سے وہ عوام میں سے بالکل نکل چکی ہے اور عوام اتنے جاہل رہ گئے ہیں کہ انہیں اُس کا علم بھی نہیں ہے۔ اور یہ صرف اپنے علماء کی زبانی تعلیم ہی کو خدائی تعلیم مانتے ہیں۔ صرف نصاریٰ اور یہود ساری انسانیت کو جامع نہیں ہیں۔ انسانیت کو جمع کرنے کے لیے ہنود' مجوس اور بدھوں کو بھی ذہن میں لانا پڑتا ہے۔ (مولانا سندھیؒ)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کیونکہ پڑھے لکھے لوگ اہل کتاب اپنی فطرت خراب کر چکے ہیں۔ ان کے قلوب شکوک و اوہام کے گھوارے بنے ہوئے ہیں۔ وہ حقیقت شناسی سے بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس لیے ان کو کوئی بات سمجھانا آسان نہیں ہے۔ مکہ معظمہ ایک غیر متمدن مرکز ہے۔ اور کسی خاص قوم کے تمدن کے زیر اثر نہیں ہے۔ اس لیے بھی یہ مرکز اس قابل ہے کہ صحیح اور صالح تعلیم جو انسانیت کی اساس پر قائم ہو اس قوم میں پھیل سکے۔ اہل قریش اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں' وہ قدیم روایات عالیہ کے حامل ہیں۔ اگرچہ اس وقت جہالت کے باعث ان کی حالت اچھی نہیں ہے لیکن اوپر کے پردے کے نیچے صالح اور کارکن طاقت موجود ہے۔ وہ بین الاقوامی پروگرام اخذ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر ان پر کوئی حکومت بھی نہیں ہے' جس کی وجہ سے ان پر پابندیاں عائد ہو چکی ہوں' ہر ایک خاندان اور ہر گھرانہ اپنی فطری آزادی پر قائم ہے۔ اگر ان لوگوں کو بین الاقوامی پروگرام کے اصول صحیح طور پر سمجھا دیئے جائیں تو ان کے تمام خاندان اس میں رنگین ہو جائیں گے اور اس طرح بین الاقوامی کام کے لیے پنیری تیار ہو جائے گی۔

اس صالح جماعت میں اس کا راہنما کیا کام کرے گا اور کس قسم کے معارف پھیلائے گا؟ اس کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں آتا ہے اور وہ چار چیزیں ہیں :

"الملک" کا اثر حیات انسانی پر

(ب) (1) يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے)

چھوٹے چھوٹے فقرے ہوں جن میں حکمت کے گُر مستور ہوں' الفاظ فصیح ہوں، جملے کی ترکیب دلکش ہو ایسے جملوں کو آیات کہا جاتا ہے۔

رسولؐ ان کو اس قسم کی آیات سکھاتا ہے جن میں فطرت انسانی کے مطابق احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام انسانیت عامہ کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ رسولؐ ان کو یہ باتیں اپنی قوم کی مادری زبان میں جو فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے' پڑھ پڑھ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرسنا تا ہے اور یاد کرواتا ہے کیونکہ یہ لوگ اَن پڑھ ہیں۔ اس قسم کے جملے ان کو روز مرہ کام آنے والے ہیں۔ یہ استدلال کی الجھنوں سے پاک ہیں۔ اس قسم کے مختصر جملوں پر حکمت کی بڑی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے حکمت کے (حوالے سے انسانیت کے) چار اصول قرار دیئے ہیں۔

(1) طہارت (2) سماحت (3) اخبات وخضوع (4) عدالت

انہوں نے حکمت منزلی' حکمت بلدی (شہری) 'حکمت ملی (قومی) اور بین الاقوامی حکمت انہی اصول اربعہ پر راجع کر دکھائی ہے۔ اگر ان اساسات کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں بغیر کسی خاص ترتیب کے عام لوگوں کے پیش کر دیا جائے اور ان میں سے ہر شخص ایک جملہ چن کر اسے اپنا مقصد زندگی بنا لے تو یہ اس قوم کی حکیمانہ ترقی کے لیے بنیاد ثابت ہوں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں حکمت کے ان جملوں کی اہمیت کو نظرانداز کر دیا گیا ہے اور فقط توحید کے لفظ کو سامنے رکھ کر تمام شرائع کو اس طرف راجع کر دکھاتے ہیں اور عدالت کو بالکل بھول گئے ہیں۔

توحید اور عدل

ہماری تحقیق یہ ہے کہ اسلام نے توحید پر جو زور دیا ہے اور شرک کے رد کی جو اہمیت جتائی ہے تو اس کی روح یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ دوسرے لفظوں میں توحید انسانیت کی سب سے محکم اساس ہے۔ اگر ہمارے ہاں بچوں اور ان پڑھ لوگوں کو اخلاق کے اساسی جملے یاد کرا دیئے جائیں جو ان کے روز مرہ میں استعمال ہو سکتے ہوں تو ہماری ذہنیتیں قرآن حکیم کے سمجھنے کے لیے بہت جلد تبدیل ہوسکتی ہیں۔ مگر اس کوتاہی نے باوجود بہت محنت کرنے کے ہمیں نتائج سے محروم کر رکھا ہے۔

تقویٰ کے لفظ میں عدالت شامل ہے جیسے اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى (عدل کرو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے) سے سمجھ میں آتا ہے یا جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ کی آیت (1) میں اشارہ ہے اور ہم ان اشاروں کو صحیح طور پر سمجھ لیتے تو ہماری سوسائٹی اتنی نہ گرتی۔ لا الٰہ الا اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاف قائم کیا جائے۔ یہ "قَآئِمًا بِالْقِسْطِ" کا ترجمہ ہے۔ اگر کوئی جماعت اللہ کے سوا تمام معبودوں کا انکار کر دے اور جس سوسائٹی میں رہے وہاں انصاف قائم کرے اور وہ انصاف کو اپنے ایمان کے مرکزی نقطے تک پہنچا دے۔ یعنی اسے جتنا اللہ پر یقین ہے اسی قدر انصاف کرنا اپنا فرض بنا لے تو اس سے بڑھ کر نہ انقلابی جماعت ہو سکتی ہے نہ اصلاح کرنے والی۔

خدا کی قدوسیت کا اثر

(2) وَيُزَكِّيهِمْ (اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے)

تزکیہ کیا ہے؟

جو بات کہی جائے سوچ سمجھ کر کہی جائے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جائے۔

ایسی بات دنیا میں اثر پیدا کرتی ہے۔ اس سے انقلاب نمایاں ہوتا ہے اور اس سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ پس سوچ سمجھ کر ذمہ داری سے بات کہنا تزکیہ ہے۔

لوگوں کو اصول بتا دیئے گئے ہیں اب ان سے جو کچھ کہا جائے' وہ ان اصولوں کی طرف راجع ہونا چاہیے۔ وہ اپنے معاملے کو گھر میں جاری کریں یا شہر میں۔ اس کا تعلق

---

(1) شَهِدَ (حکم او قال) اَنَّهٗ (ای بانّه) لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَة (بما عاینوا من عظیم قدرته) وَاُولُوا الْعِلْمِ (ای الانبیاء والعلماء) قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (ای مقیماً للعدل فیما یقسم من الارزاق والآجال ویثیب ویعاقب ویامر به عبادہ' من انصاف بعضهم لبعضٍ والعمل علی التسویة فیما بینهم) (تفسیر المدارک علی هامش الخازن ج 1' ص 243)

تفسیر مدارک میں اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس کا مطلب یہ کہ اہل علم وہ ہیں جو معاشی حوالے سے اشیاء وغیرہ کی تقسیم میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرتے ہیں، اور انسانوں کو ایک دوسرے سے انصاف کرنے اور باہمی مساوات کی بنیاد پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کی ذات کے ساتھ ہو یا حکومت کے ساتھ۔ ان اصولوں سے جو انہوں نے ابتدا میں اپنالے ہیں' باہر نہیں جائیں گے۔ ہر معاملے کی تہہ میں وہ انہی اصولوں کو ملحوظ رکھیں گے۔

ذمہ داری کا مطلب

سوچ سمجھ کر بات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک بات کہتے ہیں تو وہ خود بھی اس کے پورے پورے پابند ہوتے ہیں۔ یہ ان کی ذمہ دارانہ حیثیت ہے۔ اس کے لیے انسان تزکیہ کے بعد ہی تیار ہوتا ہے۔ ان دونوں خوبیوں کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ گندی ہے۔ جس میں اس قسم کی کوئی گندی عادت ہو' اس کی نسبت کہا جائے گا کہ وہ نادان یا جاہل ہے۔ ایک شخص کو کہا جائے کہ وہ بدمعاش ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ اس قسم کی گندگیوں سے پاک انسان مزکّی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں انسان کو پاک کرنے کی طاقت ہے۔ ہر فرد کے دل میں پاکیزگی کا خیال مستقل طور پر قائم کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وَیُزَکِّیۡهِمۡ کا ترجمہ۔

العزیز کا اثر

(3) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے)

الْكِتٰبَ کیا ہے؟

جماعتی قانون؛ اسے افراد کی حالت سے کوئی تعلق نہیں' البتہ اگر جماعت مجموعی طور پر اس کی پابندی نہ کرے تو برباد ہو جائے گی۔ افراد میں صلاحیت باقی رہے تو ممکن ہے۔ مگر افراد میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ اس قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی وہ اس جماعت کا مستقل عنوان ہوتا ہے۔

ناقابل تبدیل قانون کو عربی میں ''لکھا ہوا قانون'' کہا جاتا ہے۔ حاکم جب ایک قانون کو لکھ دیتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لیے توریت کے غیر متبدل احکام عشرہ کو ''الکتاب'' کہا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم کو بھی جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں غیر متبدل ہے اور جو حقیقت میں توریت ہی کا دوسرا ایڈیشن ہے' الکتاب کہا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی ایک ایک سورت بھی الکتاب ہے۔ اس میں مفرد جملوں کے تعلیمی

(c) ketabton.com: The Digital Library

درجے ہیں۔ بعض میں اونچی تعلیم ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کتاب سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ہر ایک سورت کے ان مفرد جملوں یا آیتوں کے نظام کو سمجھا جائے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ :

رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے ہیں یعنی ان میں یہ سمجھ پیدا کر دیتے ہیں۔ اب ایک سورت پڑھنے والا اس کا مطلب نکال لے گا۔ اس میں کوئی تمہید ہوگی۔ کوئی دلیل ہوگی اور کوئی نتیجہ ہوگا۔ سب میں ایک نظام اور ربط پایا جائے گا۔ اس کے بغیر کوئی مجموعہ کتاب کہلا ہی نہیں سکتا۔

تناسق سُور اور ربط آیات کی ضرورت

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں سورتوں کے تناسق (باہمی ربط) کا علم بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ گو آیات کے تناسق کا علم کافی حد تک محفوظ ہے۔ ایک ہی قسم کی آیتیں مختلف سورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ لوگوں نے ان کے خصائص پر بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ علم باقی رہتا تو دو مختلف خیال عالم اپنے فکر کے لیے قرآن سے استدلال نہ کر سکتے۔ چونکہ سورتوں کے تناسق اور ایک ہی مضمون کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ربط کا علم نظر سے گم ہو چکا ہے' اس لیے ایک عالم ایک سورت کی ایک آیت سے ایک نتیجہ نکال لیتا ہے اور دوسرا عالم کسی دوسری سورت کی آیت سے ایک اور مطلب نکال لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم سے دو مختلف چیزوں کے لیے سند مل سکتی ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کا فکر پیدا کر دینا عقلمندوں کے نزدیک نہایت نازیبا ہے۔

قانون کی پابندی سے جماعت کی جو شیرازہ بندی ہوتی ہے وہ اس جماعت کو عزت مند بناتی ہے۔ تو خدائے عزیز اس کتاب (قانون) کے ذریعے سے مومنوں کو عزت دینی چاہتا ہے۔

الْحَكِيمِ کا اثر

(4) (وَيُعَلِّمُهُمُ) وَالْحِكْمَةَ (اور انہیں حکمت کی تعلیم دیتا ہے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

الحِکْمَۃَ قانون کی روح کا نام ہے

قرآن حکیم انسانیت میں جو تہذیب پیدا کرنی چاہتا ہے اس کی بنیاد انسانیت کے عام اصولوں پر ہوگی۔ ان احکام سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ انسانیت مکمل ہوتی جائے گی۔ احکام کی یہ روح معین کر دینا تا کہ ان احکام سے انسانیت کو اس طرح ترقی دینے کے سوا دوسرے مطلب کے لیے استعمال کرنا ناممکن ہو جائے' ان کی حکمت سمجھانا ہے' مثلاً نماز کا ایک قانون ہے جو بتاتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز کس طرح پڑھنی چاہیے۔ یہ الکتاب (The Letter of Law) ہے۔ اس کی تشریح و توضیح فقہا (Jurists) کا کام ہے۔ قرآن حکیم نے نماز کے متعلق یہ بھی فرما دیا ہے کہ: اَقِمَ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 14)۔ یعنی نماز ادا کرنا اس مطلب کے لیے ہے کہ انسان کو اس کا رب یاد آتا رہے۔ یہ صلٰوۃ کی حکمت کہلائے گی۔ اب اگر ہم صورتاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کے تمام قوانین کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں مگر اللہ کا ذکر ہماری طبیعتوں میں راسخ نہیں ہوتا اور ہم ہر وقت یہ بات یاد نہیں رکھتے کہ وہ ہمارا رب ہے' وہ ہم پر حاکم ہے' ہم کو تمام چیزیں دینے والا ہے' وہ ہم سے حساب لے گا' اور اس کے مطابق ہماری ترقی اور تنزل ہوگا۔ اگر ہماری نماز سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تو سمجھا جائے گا کہ ہماری نماز منافقانہ ہے۔ اور نماز پڑھنے سے کوئی دنیاوی فائدہ مقصود ہے۔ اس ایک جملے نے نماز کو غلط طریقے پر استعمال کئے جانے سے روک دیا۔

اسی طرح قرآن حکیم کی نسبت کہا گیا کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (متقین کے لیے ہدایت ہے) یعنی یہ انصاف قائم کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اس ایک جملے میں قرآن حکیم کی ساری حکمت ضبط کر دی گئی ہے۔ اب اگر قرآن پڑھنے والوں کا مقصد انصاف قائم کرنا نہیں ہے تو وہ حقیقت میں قرآن نہیں پڑھ رہے۔ وہ منافقانہ نماز کی طرح کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے صورتاً قرآن کو ڈھال بناتے ہیں۔

(ج) وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

(یہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے)

یہ لوگ اس سے پہلے ان قوانین اور ان کی روح سے قطعاً ناآشنا تھے۔ گو ان میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

صلاحیت موجود تھی مگر معلمین سے بُعد ہو جانے کی وجہ سے ان کی سوسائٹی کا نظام اس موضوع سے بہت دور جا پڑا تھا۔ ان کی صلاحیت کی دلیل یہ ہے کہ جب ان کو متوجہ کیا گیا تو جھٹ متوجہ ہو گئے، فتح مکہ تک ان میں سے ایک نہایت مضبوط جماعت تیار ہو گئی، جس کے ساتھ بعد میں عرب کے دوسرے قبائل مل گئے اور آگے بڑھ کر اس جماعت نے قیصر و کسریٰ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ بین الاقوامی پروگرام سے نا آشنا تھے۔ لیکن جب وہ پروگرام ان کو دیا گیا تو انہوں نے اسے آگے بڑھانے کی تمام شرطیں پوری کیں اور دنیا کی دو سب سے بڑی شہنشاہیتوں کو چیلنج دے دیا یہ نتیجہ تھا اس تربیت کا جو قرآن نے انہیں دی۔

اُمّیوں کا دوسرا طبقہ

آیت نمبر 3 : وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: ''اور دوسروں کے لیے بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ سے مراد ایرانی ہیں۔ یہ امیوں کا دوسرا طبقہ ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دوسری قوم جو ابھی تک عرب سے نہیں ملی وہ ان کی قوم ہے۔ (1)

مِنْهُمْ کی ضمیر **هُمْ** کا مرجع اُمیین ہی ہے۔

اہل فارس ابتداء میں ایک کتاب کے مالک ہوں گے۔ لیکن اب وہ کتاب ایسے چھوٹے سے طبقے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی جس نے اس کے علم پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اور یہ علماء ہی اس علم کے خزینہ دار رہ گئے تھے۔ عوام بالکل اُمّی تھے۔ اب یہ لوگ عربوں سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آگے چل کر یہ ایرانی ہی ہندوؤں اور بدھوں کے استاد بنیں گے۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلام ایرانی علماء کی کوششوں سے پھیلا۔ اسی طرح ترکوں کو بھی ایرانیوں ہی نے اسلام سے متعارف کرایا۔ اس طرح اسلام کی بین الاقوامیت متحقق ہو گئی۔

---

(1) بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الجمعہ، (ج 2، ص 727)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مکہ میں بین الاقوامیت اور اس کی ترقی

دراصل اس قسم کی بین الاقوامیت کا بیج مکی زندگی میں ہی بویا گیا تھا۔ کیونکہ بلال حبشیؓ، صہیبؓ رومی اور سلمانؓ فارسی کو اس زمانے میں قریش کا ہم پلہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔ حالانکہ یہود نے تورات کو ماننے والی غیر یہودی اقوام کو اپنے برابر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابتدائی مکی زندگی میں جس بین الاقومیت کی بنیاد اشخاص کی شمولیت سے رکھی گئی تھی، اس نے آگے چل کر اقوام کی بین الاقوامیت کی شکل اختیار کرلی۔ چنانچہ جہاد میں ایران فتح کرنے کے لیے عرب کے ساتھ عراقی نو مسلم بھی شامل ہوئے۔ ایسے ہی رومی فتوحات میں شام کے نومسلم عربوں کے شریک رہے یہ وہ صورت ہے جس کی طرف سورۂ صف کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۟

یعنی ہر قوم کو دعوت قرآن دی گئی۔ اس میں سے جو حصہ اس تحریک میں شامل ہوگیا اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے جنگ کی جو اس تحریک میں شامل نہ ہوئے۔ اور خدا کی مدد سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آ گئے۔ اس کام میں عربوں نے ان کی رہنمائی کی۔

غیر ممالک میں مراکز

یہاں ایک مخفی دستور حقیقت کی طرف تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے۔ انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہوگئے۔ ہماری سمجھ میں (یہ آتا ہے کہ) مکہ معظمہ میں انہی قوموں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح عراق اور شام کی حدود کے اندر آنے والے انقلاب کے مراکز پیدا ہو چکے تھے۔ اسلامی فتوحات کی سرعت کا یہ ایک راز ہے جس کی طرف تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سورۃ صف ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عراق اور شام کے اندر قرآن کی تعلیم پھیلائی گئی۔ جس سے خود ان قوموں کا ایک طائفہ اس پروگرام کو ماننے والا پیدا ہو گیا اور بعد میں اپنے دشمنوں سے لڑ گیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے تمام عملیات (اقدامات) میں یہ حکمت ملحوظ نظر آتی ہے۔

آیت نمبر 4: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ: ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔''

ذٰلِكَ : بین الاقوامی مرکزیت

یہ خصوصیت جو اس بین الاقوامی مرکز قائم کرنے والی جماعت کو نصیب ہوئی کہ ان کے پروگرام پر دوسری قوموں کے حصے ٹھیک ہوتے جاتے ہیں اور اپنی قوموں سے لڑنے میں زیادہ ہمت دکھاتے ہیں اللہ کا خاص فضل ہے۔ (آیت نمبر 5 تا 8)

یہود کی گراوٹ

حضرت مسیحؑ نے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ تعلیمی کام شروع کیا۔ ان کے حواریوں کی زندگی میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ وہ تعلیم دیتے ہوئے شہید ہوئے مگر تعلیم کو ترک نہ کیا۔

حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے کام کے نمونے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی کام کیا۔ یہ انصار اور مہاجرین ہیں۔ جب کام بڑھا تو فرائض تقسیم ہو جائیں گے۔ لیکن جو چیز سب میں مشترک رہے گی وہ یہ ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبرائیں گے۔ عدم تشدد کی پابندی کریں گے۔ تعلیم دیں گے اور جب تک انہیں خاص تیاری کے بعد حکم نہ دیا جائے' وہ لڑیں گے نہیں۔ اس کے باوجود وہ موت سے نہیں بھاگیں گے۔ ظاہر ہے کہ مخالف قوتیں کب یہ برداشت کر سکتی ہیں کہ ان کے نظام کو توڑنے والی تعلیم ان کے گھروں میں پھیلے؟ وہ ضرور رکاوٹیں ڈالیں گے۔ وہ ان لوگوں کو تکلیفیں پہنچائیں گے، حتیٰ کہ قتل بھی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کریں گے۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ اب اگر ان میں یہ جذبہ کمزور ہوگیا ہے اور وہ موت سے گھبراتے ہیں تو وہ کارآمد ثابت نہیں ہوں گے۔ اگلی آیتوں میں یہی مضمون آتا ہے۔

آیت نمبر5: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: ''ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات اٹھوائی گئی' پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا' گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے۔ ان لوگوں کی بہت بری مثال ہے' جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

انقلاب کے لیے موت سے بے خوفی کی ضرورت

یہود اس بزدلی اور منافقت کا مجسمہ ہیں۔ ان کا اس بات کو نہ سمجھنا کہ تعلیم موت سے نڈر ہوئے بغیر جاری نہیں رہ سکتی، ان کو انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ وہ جس تحریک کے حامل ہیں' وہ اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تحریک ہے' جس تحریک میں اتنی نہیں (بلکہ) کسی درجے کی بھی انسانی عزت و شرف کا شائبہ ہو گو وہ اتنی جامعیت نہ رکھتی ہو کہ اس میں اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ہوں بلکہ صرف کسی ایک آدھ میں انسانیت کی شان بلند کرنے والی ہو، وہ بھی دنیا میں کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی تعلیم جاری رہ سکتی ہے (جب تک کہ اس کے نتیجہ میں پارٹی پیدا نہ ہو) اور جب تک اس کے معلم اور مبلغ موت سے نڈر ہو کر آگے نہ بڑھیں۔ یورپ کی انقلابی سوسائٹیوں کو دیکھ کر یہ فکر بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ انسانیت کی بہت تھوڑی اور جزوی خدمت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بھی ان کو موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود وہ بے خوف ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

(الف) حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

(انہیں تورات اٹھوائی گئی، انہوں نے اسے نہ اٹھایا)

سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء کی ایک جماعت ہے جو حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کی حامل ہے۔ وہ یہ ضرورت محسوس نہیں کرتی کہ اسے اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے موت سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

بے خوف ہو کر کام کرنا چاہیے' وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔
(لَمْ يَحْمِلُوْهَا) وہ اس ڈیوٹی کے لوازم محسوس نہیں کرتے۔ نام تو ہے وہ تورات سکھانے والے ہیں (حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ) مگر سکھانے کی جو شرطیں ہیں وہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے (لَمْ يَحْمِلُوْهَا)۔ اس صورت میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ انسانیت سے گر گئے ہیں۔ کیونکہ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس تعلیم کو قبول کیا ہے اسے آگے بڑھانے کے لیے موت تک قبول کی جائے۔ پس وہ نرے گدھے ہیں اور کتابیں لادے پھرتے ہیں۔ مگر ان کا مطلب نہیں سمجھتے جس سے ان کے دلوں میں کام کا ارادہ پیدا ہو۔ گدھے پر کتابیں لادو، اسے کچھ خبر نہیں ہوگی کہ کتابیں ہیں یا اینٹیں۔

ظلم اور تکذیب آیات اللہ

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
(ان کی مثال گدھے کی سی ہے، جو کتابیں اٹھاتا ہے، ان لوگوں کی بہت بری مثال ہے، جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا)

قرآن حکیم جیسی تعلیم میں ان کو گدھا کہنا معمولی بات نہیں ہے۔(1) انہوں نے ظلم

سورۂ اعراف رکوع نمبر 22 میں ہے:
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (179:7)

ترجمہ: ''اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں' وہ ایسے ہیں جیسے جانور بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں۔''

یعنی جو لوگ کتاب الٰہی کے حامل ہوتے ہوئے اور کائنات میں ہدایت کا سامان ہوتے ہوئے اور اس امر کے باوجود کہ ان کا قلب' بصر اور سمع جیسے ذرائع حصول علم دیئے گئے ہیں' سوچتے نہیں اور سوچ کر کام کا ارادہ نہیں کرتے، وہ حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ حیوانات علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے محروم ہیں وہ اگر سوچ سمجھ کر اپنی راہ عمل متعین نہ کریں تو یہ ان کی فطرت ہے۔ مگر انسان جب اس قسم کی روش اختیار کرے تو وہ اپنی انسانیت سے گر جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہ وہ مطلق حیوانیت کے مقام پر ٹھہر جائے بلکہ وہ اپنے قویٰ کو غلط طریق پر استعمال کرتا ہے اور اس طرح حیوانیت مطلقہ سے بھی گر جاتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں کہا گیا کہ ان کی مثال بہت بری ہے۔ بئس مثل القوم الآیۃ۔ اللہ اعلم۔(مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی بنیاد ڈال دی ہے۔ انصاف کا ایک قانون ایک قوم مانتی ہے تو وہ دنیا میں بہترین نمونہ پیش کرسکتی ہے۔ اب انصاف کے اتنے بڑے قانون کو جو حضرت موسیٰؑ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلا بیکار اور بے ثمر بنا دینا اور اس کی تعلیم برائے نام جاری رکھنا اور ایسے نمونے تیار کرنا جن سے کوئی شخص تربیت نہ پاسکے، بہت بڑے ظلم کی بنیاد ڈالنا ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو مجرم تک نہیں مانتے تو گویا موسیٰؑ کی تعلیم ان کے نزدیک صحیح نہیں تھی اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر یہ لوگ چل رہے ہیں۔ یہ آیات اللہ کی صریح تکذیب ہے۔ سیاسی کاموں میں اس طرح نہیں ہوسکتا کہ ایک تحریک کی تائید کرنے والا ہے اور ایک اس کی مخالفت کرنے والا ہے۔ دونوں اس کے موید مان لیے جائیں تو یہ حقیقت میں اس اس تحریک کی تکذیب ہے۔ کام سے انکار کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دینی کام میں سر جاتا نظر آتا ہے اس سے انکار کر دینا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

ان لوگوں کو ایک دفعہ صحیح بات سمجھا دی گئی ہے مگر اب وہ اس پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اس لیے اب ان کو نیا نبی دینا ضروری نہیں۔ نبی ایسی مُردہ جماعت کے سامنے آ کر کیا کرے گا؟

یہود کو چیلنج

اب یہود کو ان کی غلطی پر صاف الفاظ میں متنبہ کیا جاتا ہے۔

آیت نمبر 6 قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٦

ترجمہ۔ ''کہہ دو اے لوگو جو یہودی ہو اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو، سوائے دوسرے لوگوں کے تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔''

یعنی اگر یہود کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت موسیٰؑ کو ساری دنیا میں سے چن لیا، ایسے ہی موسیٰؑ کے متبع ہونے کی وجہ سے یہود دنیا کی ممتاز ترین قوم ہے اور کوئی قوم اس مقام پر نہیں پہنچتی، تو ان کا زعم صرف اسی صورت میں صحیح مانا جاسکتا ہے کہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

موسیٰ ؑ کی تعلیم کے پورے پورے پابند ہوں اور خدا سے موت مانگیں، یعنی جس میدان میں موت کا اندیشہ ہو وہاں آگے بڑھ کر اپنی تعلیمات کو پھیلائیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت مسیح ؑ کے حواریوں سے بہتر مانتے ہیں۔ مگر وہ لوگ تو مسیح کی تعلیم اور تورات موت کے منہ میں جا کر بھی پہنچا آتے ہیں۔ اگر یہود سچے ہیں تو انہیں بھی اس طرح آگے بڑھ کر میدان میں جانا چاہیے۔

تمنائے موت کی تفسیر قرآن سے

تمنائے موت کی تفسیر خود قرآن نے کر دی ہے۔ ایک صحابی بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ کاش ہمیں بھی کفار سے لڑنے کا موقع ملتا' پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ دیکھتا کہ ہم کیا کرتے۔ اس کے بعد احد کی جنگ ہوئی وہ صحابی اس جنگ میں شامل تھے۔ مگر احد میں شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (آل عمران آیت نمبر 142 رکوع نمبر 14)

ترجمہ: ''اور تم موت سے پہلے اس کی ملاقات کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے اسے بھی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں تمنائے موت کے معنی ہیں، میدان جنگ میں جانے کے لیے آمادہ ہونا۔ دوسرے لفظوں میں قتل ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا۔ قرآن کا پروگرام ہو یا تورات، وہ ایک ہی چیز ہے۔ یورپ کی انقلابی جماعتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس میں موت سے نڈر ہونے کا مادہ نہ ہو وہ کسی معمولی انقلابی تحریک کو کامیابی سے نہیں چلا سکتا۔ قرآن حکیم یا تورات کے انقلاب کو کامیاب بنانا تو بہت بڑی چیز ہے۔

آیت نمبر 7۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ: ''وہ لوگ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے' بسبب ان عملوں کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

موت سے بھاگنے کا سبب

چونکہ یہ لوگ انسانیت کے درجہ سے گر چکے ہیں اس لیے یہ کبھی ایسے میدان میں نہیں اتریں گے جہاں انہیں موت کا خوف ہوگا۔ غلط طریقے پر زندگی تعمیر کرنا، اپنے شرعی پروگرام کی مخالفت کرتے ہوئے سامان زندگی جمع کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جس کی ایک علمی جماعت مرتکب ہوسکتی ہے، اگر وہ ایسے موقعوں پر جانے لگیں تو جو سامان انہوں نے اکٹھا کر رکھا ہے اور جس کے بڑھانے میں وہ دن رات مگن ہیں وہ برباد ہو جائے گا۔ مگر انہیں سامان دنیا کی فراغت نصیب نہ ہوگی، جب تک وہ اپنے قانون کی حکومت قائم نہ کرلیں گے۔ لیکن وہ اس قانون کی حکومت قائم کرنے کے لیے قربانی دینے کو تیار نہیں، اس لیے ان کا اس پروگرام پر قبضہ جما کر بیٹھنا ظلم عظیم ہے۔

جملہ معترضہ

ہم نے اپنی بیرونی زندگی میں اپنے ہندوستانی نوجوانوں کا جو کالجوں میں تعلیم پا چکے تھے یا ہماری دینی درسگاہوں میں پڑھ چکے تھے، کافی تجربہ کیا ہے۔ ان میں موت کے منہ میں جانے کی ہمت کسی دوسری قوم کے نوجوانوں سے کم نہیں پائی گئی۔ ایک ایک آدمی کو تین تین دفعہ موت کے منہ میں بھیجا گیا۔ وہ خوشی خوشی گیا اور کامیاب واپس آیا۔ اگر ہم یہ چیزیں نہ دیکھ لیتے تو ہمیں کبھی یہ ہمت نہ ہوتی کہ ہم شاہ ولی اللہؒ کے پروگرام یا مولانا شیخ الہندؒ (محمود حسن) کے پروگرام کو زندہ کرنے کا نام لیتے۔ چونکہ ہمارے نوجوانوں میں یہ مرض سرایت نہیں کیے ہوئے، اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں کہ اگر ہماری قوم میں دین کی پابندی کے ساتھ آج کے سائنٹفک انقلاب کا ڈھنگ پیدا ہو سکے تو ہم دنیا کی قوموں کی صف اول میں بیٹھ سکیں گے۔ اسے چاہے مرض سمجھو یا خوبی ہماری قوم دین کے پروگرام کے سوا کسی اور پروگرام پر اٹھے گی نہیں۔ یورپین ذہنیت کے لوگ اسے مرض ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے پاس ایک دینی انقلابی پروگرام موجود ہے اور وہ ایک ایسی جماعت کے ہاتھوں میں ہے جس کے تربیت دادہ نوجوان موت سے نہیں گھبراتے، اس لیے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ان کو اس پروگرام سے پوری طرح واقف کر

(c) ketabton.com: The Digital Library

دیا جائے تو وہ کسی دوسری قوم سے ہرگز پیچھے نہ رہیں گے۔

جو موت سے گھبراتے ہیں وہ پیچھے ہٹ جائیں

یہاں ہم یہ بات نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی مرشد نما بزرگ یا علمی شان رکھنے والا استاد، موت کے منہ جانے کے لیے آمادہ نہیں ہے تو اسے (ہماری) جماعت کی سرداری سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمود حسنؒ شیخ الہند ہمارے بزرگوں میں تیسرے طبقے کے آدمی ہیں' پہلے طبقے کے لوگ وہ تھے جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھی تھے' دوسرے طبقے کے وہ لوگ تھے جو حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طرز کے تھے۔ مولانا شیخ الہند ان دونوں جماعتوں سے پیچھے کی جماعت کے فرد تھے۔ ہم نے ان کو موت سے اتنا بے خوف دیکھا ہے کہ ہم دنیا کے کسی انقلابی کو ان کے برابر نہیں مان سکتے۔ اس لیے ہماری طبیعت میں فخر ہے کہ ہمارا استاد دنیا کے سب انقلابیوں سے زیادہ موت سے بے خوف بزرگ تھا۔ جس جماعت کا رہنما ایسا ہو اور جس کے نوجوان افراد ایسے ہوں جیسے ہم نے دیکھے، وہ دنیا میں ناکام نہیں رہ سکتے۔ مگر شرط یہ ہے کہ موت سے ڈرنے والے آدمیوں کو جماعت کی لیڈر شپ سے قطعاً خارج کر دیا جائے۔

ہمارے استاد، جہاد کی ایک تحریک کے رہنما تھے، ہماری اس جماعت کے سب آدمی اس چیز کو جانتے ہیں حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی "ترجمان القرآن" میں سورۂ برات کی آیت نمبر (49) کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے فلاں سن (1912ء) میں علماء کو دعوت جہاد دینی شروع کی تو سوائے مولانا محمود حسن کے اس تحریک کا کہیں سے جواب نہ ملا۔ یہ اتنی صاف بات ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی جو دوسری جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اسے جانتے ہیں۔ اسی طرح علی گڑھ کی جماعت کے لوگ بھی اسے جانتے ہیں۔

اب اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا شیخ الہند کی جماعت میں ایک طبقہ ان کی تحریک کی عملاً مخالفت کرتا ہے، کم سے کم ان کے عمل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا شیخ

(c) ketabton.com: The Digital Library

الہندؒ کی تحریک غلط تھی وہ لوگ اپنے طریقہ کی تائید میں اتنے دلائل پیش کرتے ہیں کہ مولانا شیخ الہند کے طریقے کی تغلیط ہو جاتی ہے۔ مگر وہ مولانا کے خلاف زبان سے کچھ نہیں کہتے۔
ہم نے ایک مرتبہ اپنی جماعت کے لوگوں کو ایک مثال دے کر یہ بات سمجھائی کہ مولانا شیخ الہندؒ کو ماننے والی جماعت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی:

(1) ایک جماعت تو وہ ہے جو حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو صحیح مانتی ہے اور ان کے ساتھ شریک کار ہوگئی ہے۔

(2) دوسری جماعت وہ ہے کہ ان کے پروگرام کو صحیح تو مانتی ہے لیکن یہ لوگ کام نہ کر سکے اور اپنی کمزوری کا عذر پیش کرنے لگے اور اپنے آپ کو مجرم کے طور پر پیش کرنے لگے۔ یہ دونوں لوگ ایسے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان والی جماعت تھی۔

(3) تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے قول و فعل سے حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو غلط ثابت کرتے ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد ہیں اور ان کے علوم کے حامل ہیں۔ یہ جماعت ایسی ہے جیسی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منافقین کی جماعت تھی۔

اب ہم کہتے ہیں کہ یا تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ مولانا شیخ الہندؒ جاہل اور مفسد تھے، انہوں نے مسلمانوں کو غلط راستے پر ڈال دیا اور ان کو بہت نقصان پہنچایا۔ اگر مولانا شیخ الہند کو حق پر مان لیا جائے تو ان کے اتباع میں سے جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فکراً ان کے خلاف تلقین کرتے ہیں' وہ ان کے مکذّب ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مولانا شیخ الہند کا مسلک بھی ٹھیک ہو اور ان کے خلاف دعوت دینے والی جماعت بھی راستی پر ہو۔ اس قسم کے لوگوں کو ضرور دیوبندی جماعت کی لیڈرشپ سے علیحدہ کر دیا جانا چاہیے۔ جب تک یہ منافقین پیدا کرنے والے لوگ ذمہ داری کے مناصب پر قابض رہیں گے، مخلصین آگے بڑھ کر کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ آج ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم ان کو جماعت سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں مگر جب ہمارا بس چلے گا ان کو ملک سے خارج کرنے' جیل میں قید کرنے یا موت کی سزا دینے سے کبھی گریز نہیں کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 8: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''کہہ دو بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تو ضرور تمہیں ملنے والی ہے' پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتائے گا' جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔''

موت سے مفر نہیں

موت سے ڈرنے والے لوگ موت سے بچ نہیں سکتے۔ وہ نہایت نامعقول فکر میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ جس قسم کی توقعات انہوں نے باندھ رکھی ہیں وہ مرنے سے پہلے کبھی پوری نہ ہوسکیں گی۔ بلکہ وہ حسرتیں لے کر ہی مر جائیں گے۔ اور پھر اتنے بڑے پروگرام کو برباد کرنے کی ذمہ داری کی جواب دہی کے لیے خدا کے سامنے حاضر ہوں گے۔ وہ ان کے تمام ظاہری کاموں اور ان کے دلوں کے خفیہ ارادوں کو بخوبی جانتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے درس عبرت

حاصل یہ ہے کہ قرآن عظیم نے اپنی تعلیم کے لیے دو نمونے پیش کیے۔ ایک قریش کا اور ایک آرین قوموں کا۔ یہ دونوں قرآن حکیم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے اور موت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ حضرت مسیحؑ کے حواریین کا نمونہ تھا جو قرآن حکیم نے معین کیا ہے۔

اس کے بعد دوسری جماعت یہود کی پیش کر دی گئی ہے جنہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کام کرنے والوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ ان کے نمونے کی پیروی نہ کریں اور ان سے کوئی مشابہت اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔ جس طرح نصاریٰ نے باوجود یہود کے ہاتھوں تکالیف اٹھانے کے ان کی اس نالائق حرکت میں موافقت نہیں کی، مسلمان بھی اس بری حرکت میں ان کی موافقت نہیں کریں گے۔ قرآن حکیم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کا نمونہ زندہ کر دیا، مگر وہ یہود کے طرزِ عمل سے بیزار ہے۔ یہود پر ایک دفعہ تو حضرت مسیحؑ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے لعنت پڑی اور دوسری مرتبہ وہ قرآن حکیم کی

www.rahmania.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مخالفت کی وجہ سے ملعون ہوئے۔ ان کی کبھی موافقت نہ کی جائے گی۔ انہوں نے طلب دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنالیا ہے۔ چنانچہ آج سرمایہ داری کا مرکز یہ یہودی ہیں۔

برہمن ہندو اور یہود کی مماثلت

ہماری سمجھ میں ہندو برہمن یہودیوں کا پورا پورا نمونہ ہیں' اگر یورپ میں سرمایہ داری کی مصیبت یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے۔ تو ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان میں ایسے ہندو جو برہمنوں کے تابع ہیں (گاندھی جی ہوں یا مالوی جی) سرمایہ داری کی وہی مصیبتیں پیدا کریں گے جو یہود نے یورپ میں پیدا کیں۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ مل کر کسی شکل میں کام کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر یہ ملکی خدمت میں کوئی اچھا کام کریں تو اس میں بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کریں۔ یعنی ان سے قطعی طور پر مستغنی ہو جائیں۔ ہم نے ابھی یہ درجہ اپنے لیے پیدا نہیں کیا۔ بعض اوقات وہ اچھا کام کرتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے علیحدہ رہ کر اتنا اچھا کام نہیں کر سکتے تو ہم اس خاص حرکت میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کا سارا پروگرام مانتے ہیں یا ماننے کے لیے تیار ہیں۔

یہودیت سے بچنے کا طریق

آیت نمبر9: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' تمہارے لیے یہی بات بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔"

اب مسلمانوں کو ایسا طریقہ بتانا چاہیے کہ ان میں یہ یہودیت نہ آئے۔ اس میں شک نہیں کہ کسی زمانے میں یہود اچھی قوم تھے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ 2 نمبر 47)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ”اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں' اور میں نے تمہیں جہان والوں پر فضیلت دی۔“

مگر ان میں بعد میں تنزل آ گیا۔ مسلمانوں کو ان باتوں سے متنبہ کر دینا چاہیے جن سے یہ تنزل پیدا ہوا تا کہ وہ ان باتوں سے بچے رہیں۔

آیت نمبر 9 میں اس امر کی توضیح شروع ہوتی ہے۔

جماعتی کام میں ایک دِقّت ہے۔ یا تو قرآن کی انقلابی تعلیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی تیاری ہوسکتی ہے یا روپیہ کمایا جاسکتا ہے۔ اگر اس قسم کا تعارض ایک وقت میں پیدا ہو جائے تو ہمیشہ روپیہ پیدا کرنے کے خیال کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اور اللہ کی بات سمجھنا اور قرآن حکیم کے احکام پر پابندی کی ہمت بڑھانا ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیے۔ یہ جذبہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سعی نہ کی جائے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اگر تمہیں انقلابی تحریکوں کی حقیقت اور ان کی کامیابی کے پروگرام کا موازنہ ہے تو تم کبھی مالی منفعت کو اس انقلابی فکر یا ہمت پر ترجیح نہیں دو گے۔

انقلاب میں کامیابی کی شرط

کسی جماعت میں انقلابی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس کے کارکنوں کا دماغ بلند ہو۔ وہ انقلابی معاملات کو آخر تک سوچ سکیں۔ ان کی ہمت اتنی بلند ہو کہ وہ اس راہ میں تمام مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کر سکیں۔ جب رہنمائے انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دیں یعنی اگلے ہفتے کا پروگرام دیں، تو وہ لوگ جو انقلاب کی حقیقت سمجھ چکے ہیں، اس اجتماع سے غیر حاضر نہیں ہوسکتے۔ وہ کسی مالی منفعت کے خیال سے اس جماعت کی حالت سے کوتاہی نہیں کر سکتے۔

آیت نمبر 10: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝١٠

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ’’پس جب نماز ادا ہو چکی ہو تو زمین پر چلو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

انقلاب اور جلبِ مال

اس میں شک نہیں کہ انقلابی ضروریات اور مالی ضروریاتِ شخصی کا تعارض پیش آئے تو انقلابی ضروریات کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ مگر مقصود یہ نہیں ہے کہ اکتساب مال کو کلیتاً ترک کر دیا جائے۔ بلکہ انقلابی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اور پروگرام سیکھ چکنے کے بعد مالی منافع حاصل کرنے میں بھی پوری ہمت سے کام لو۔ مدعا صرف یہ ہے کہ حصول مال کو انقلابی کاموں پر ترجیح نہ دی جائے۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یعنی جتنی مالی منفعت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ اللہ سے طلب کرو۔ اس طرح تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے کی ہمت پیدا کرلو تاکہ علمی مجلس میں جو وقت صرف کیا ہے اس کی کسر بھی نکل جائے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ جب تم مالی معاملات میں مصروف ہوتے ہو اس وقت بھی اللہ کو نہ بھولو بلکہ اسے یاد رکھو۔ اللہ تمہیں اتنی سمجھ دے دے گا کہ تم اس کمی کو پورا کرلو۔

ایک محسوس مثال

اگلی آیت میں اس کلیہ قاعدے کو ایک محسوس مثال کے ذریعے سے عام فہم بنادیا گیا ہے۔

آیت نمبر 11: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝

ترجمہ: ’’اور جب وہ لوگ تجارت یا تماشہ دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہہ دو، جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔‘‘

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نماز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے ایک قافلہ آیا۔ لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلے والوں سے ملنے چلے گئے تاکہ پہلے معاملہ کر کے زیادہ نفع حاصل

(c) ketabton.com: The Digital Library

کر سکیں۔ اس قسم کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ جب انقلابی علمی کام ہو رہا ہو مالی معاملات اور کھیل کود سب مؤخر کر دینے لازم ہیں۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم سے جو طاقت جماعت میں پیدا ہو گی وہ تجارت اور لہو ولعب سے بدر جہا بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

انسان انقلابی عقل میں جتنی ترقی کرے گا اتنا ہی تجارت میں بھی زیادہ نفع کمانے کی قابلیت پیدا کرے گا۔

تجارتی پیچ بھی انقلابی تحریکات کے داؤ پیچ کی مانند ہیں۔ جن لوگوں کے دماغ انقلابی مسائل حل کر سکتے ہیں وہ اس دماغی قوت کو تجارتی کاموں کی طرف متوجہ کریں تو وہاں بھی مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

اگلی سورۃ المنافقوں سے ربط

موت سے بھاگنا اور اس منفعت کو انقلابی کاموں پر ترجیح دینا نفاق کا سبب بن جاتا ہے۔ جو شخص اس عادت میں مبتلا ہو جائے وہ پکا منافق ہے۔ چنانچہ اگلی سورت اسی ذہنی حالت پر تبصرہ کرتی ہے۔ اس لیے اس کا نام سورۂ منافقون ہے۔

تمت سورۃ الجمعہ نمبر (62)

(مرتب) بشیر احمد، گوجر خاں' راولپنڈی

مورخہ 03-11-43

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کا صحیح اور مکمل نصب العین

تعلیماتِ شاہ ولی اللہؒ کے آئینے میں، ہم نے قرآن کو اس کی اصلی شکل میں دیکھا۔ اور ہمیں معلوم ہوا کہ خالص اور بے میل انسانیت ہی قرآن کا صحیح اور مکمل نصب العین ہے۔ جو تعلیم عام انسانیت کی ترقی کے لیے معاون ہے، وہ حق ہے۔ اور جو تعلیم انسانیت کے ارتقا میں حارج ہو، وہ حق نہیں ہوسکتی۔ ان معنوں میں قرآن مجید میرا عقیدہ بنا۔ اور قرآن کو عملی شکل دینے کے لیے جدوجہد کرنا زندگی کا مقصد ٹھہرا۔ قرآن کے اصولوں پر اس دنیا میں خالص انسانیت کا قیام ہمارا عقیدہ ہے۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، ص 30)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی ضبط انقلاب

سورۃ المنافقون کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم کو ماننے والوں کا فرض

قریش کی انقلابی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے اثر سے خود اپنوں کو ـــــ جو ان کے بھائی بند اور سگے عزیز تھے، لیکن وہ نئے انقلاب کی راہ میں حائل تھے ـــــ ختم نہ کرتی؛ تو اسلام کبھی یہ حیثیت اختیار نہ کرتا اور نہ یہ ساری دنیا کو اپنا پیغام سنا سکتا۔

ضرورت ہے کہ آج مسلمان اپنے پیغمبر علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنی قوم کے ان طبقوں کو جو جونک کی طرح قوم کا خون پی رہے ہیں، انہیں مردود قرار دیں۔ یہ لوگ خواہ ہمارے اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں، یا ہمارے بزرگ، ان کا وُجود ساری قوم کے لیے وَبال بن رہا ہے۔ ہمارے یہ رجعت پسند طبقے جس کھوکھلے تمدُّن کو تھامے ہوئے ہیں، وہ انسانیت کے لیے ایک روگ ہے۔ ہماری قوم کے نوجوان انقلابی گروہ کا فرض ہے کہ وہ ان کے تسلُّط سے قوم کے عوام کو رہائی دلائے۔ جب تک یہ نہ ہوگا، ہماری قوم کی زبوں حالی ختم نہیں ہونے کی۔

(شعور وآگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، ص 36)

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید سورت

سورۂ جمعہ کے ساتھ ربط

پچھلی سورت الجمعہ میں بے عمل لوگوں کے متعلق دو چیزیں بیان کی تھیں :

1- بے عمل لوگ علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرتے اور سستی برتتے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل (کی) صورت تو باقی رہتی ہے لیکن معنوی طور پر (احکامِ الٰہی کی روح) ختم ہو جاتی ہے۔

مثل الذين حملوا التورة ثم لم يحملوها كمثل الحمار يحمل اسفارًا

2- یہ لوگ احکام الٰہی کی تعمیل میں جان دینے سے جی چراتے ہیں۔

فتمنوا الموت ان كنتم صدقين

منافق کون ہے؟

جب کسی انسان کے تحت الشعور (Subconscious Mind) میں جان بچانے کا فکر بیٹھ جاتا ہے تو وہ احکام الٰہی سیکھنے سے طبعاً گریز کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ ان احکام میں کہیں ایسی چیز کا ذکر نہ آ جائے جس پر مجھے جان دینی پڑے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جتنی دیر تک جہالت میں رہوں اچھا ہے۔ اس طرح کا مسلمان بظاہر ایک مسلم سوسائٹی کا ممبر بنا رہ سکتا ہے لیکن وہ صحیح معنوں میں اس سوسائٹی کے مرکز میں نہیں آ سکتا۔ اور نہ بیدار مرکزی طاقت اس پر کبھی اعتماد کر سکتی ہے۔ کسی سیاسی جماعت میں جو شخص اس قسم کا ہو جب اس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو اس تحریک کو روکنے کا باعث بنتی ہیں تو وہ قتل (یعنی غیر مؤثر) کر دیا جاتا ہے۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

نفاق کا انجام کفر ہے

اس طرح کی زندگی بسر کرتے رہنے سے ضرور کوئی نہ کوئی وقت آ جاتا ہے کہ ایسا شخص اس تحریک کے روکنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ دینی تحریک سے روکنے والے کا نام کافر ہے۔ منافق اصل میں انقلابی تحریک کو روکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اسے آگے بڑھانے والی تحریکات میں حصہ لینے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے۔ البتہ یہ بات کہ اس نے تحریک کو روکا اس پر اس وقت صادق آتی ہے جب وہ عملاً مخالفین تحریک میں شامل ہو جائے۔ بایں ہمہ وہ اخلاقاً ہر وقت ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ جب وہ مخالفین کی تحریک میں شامل ہو کر تحریک کو روکتا ہے تو کافر بن جاتا ہے۔ زمانہ حال کی بولی میں (Sleeping Partner) اور اخلاقی ہمدردی (Moral Sympathy) کے جو الفاظ رائج ہیں درحقیقت منافقانہ ذہنیت ہی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگرچہ اس حد تک نہ سہی جو کفر سے ملی ہوتی ہے۔ ایسا شخص عمرانیات کی اصلاح میں (Value Deranged) کہلاتا ہے۔

منافق کے عدم اخراج کی مصلحت

منافق شخص ترقی کرنے والی سوسائٹی کا غیر فعال حصہ ہوتا ہے۔ اور کسی ترقی کرنے والے معاشرے میں غیر فعال حصہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ کوئی کام اسے سپرد کر کے یہ توقع رکھنا کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ اسے پورا کرے گا غلط ہوتا ہے۔ لیکن اسے سوسائٹی سے علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چلتے چلتے اسے سمجھ آ جاتی ہے اور فعال بن جاتا ہے۔

جیسے کنواں کھودتے ہیں تو کسی جگہ سخت زمین آ جاتی ہے اور انسان مایوس ہو کر اسے چھوڑ بیٹھتا ہے۔ مگر زلزلے یا کسی اور مؤثر قوت کے بروئے کار آ جانے سے زمین پھٹ جاتی ہے اور پانی نکل آتا ہے۔ اس لیے ایسے انسان کو سوسائٹی سے کلیتہً خارج کرنا مصلحت قرار نہیں دیا گیا۔ اس مصلحت سے رسول اکرم ﷺ نے منافقین کو اپنی جماعت سے خارج نہیں کیا۔ گو وقت آنے پر منافقین اسلامی تحریک سے علیحدہ ہو گئے۔

www.ranimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

منافق کی سزا موت

تاہم کوئی پارٹی صحیح طریق سے کام نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ منافقین کو الگ نہ کرے۔ اسے صحیح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے اندر کون کون سے منافقین ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں ذمہ داری کا کام دیا جائے گا۔ لیکن اگر منافقین کی حرکات اس حد تک پہنچ جائیں کہ مرکزی جماعت انہیں قتل کرنا مفادِ عامہ کے لیے ضروری سمجھے تو وہ یہ بھی کرسکتی ہے لیکن یہ بڑی ذمہ داری سے فیصلہ کرنے کی چیز ہے۔

قتل کی شرط

ہمارے خیال میں منافقین کو اس وقت قتل کرنا چاہیے جب وہ اعلانیہ طور پر تحریک کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس صورت میں ان کے قتل سے کوئی فساد برپا نہیں ہوتا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سوسائٹی میں انسان کی جان محفوظ و مامون نہیں ہے۔ ہر شخص کو یقین ہونا چاہیے کہ جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے اس کا جان و مال محفوظ ہے۔ مگر یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ منافقین اور کارکن لوگ ایک ہی صف میں بیٹھا دیئے جائیں۔

دوسری سزا

ضرورت کے وقت ایسے آدمیوں کا پردہ فاش بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کام کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں۔

ڈسپلن کمیٹی

ہم نے یورپ میں پارٹیوں کا جو نظام دیکھا ہے اس میں خاص چیز یہ ہے کہ پارٹی میں ضبط (Discipline) قائم رکھنے کے لیے ایک علیحدہ کمیٹی ہوتی ہے۔ اسے ڈسپلن کمیٹی (Discipline Committee) کہتے ہیں۔ اس کمیٹی کا فیصلہ آخری ہوتا ہے' اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی۔ نہ کوئی اسے منسوخ کرسکتا ہے۔ یہ کمیٹی ہر رکن کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اس کے جاسوس ہر رکن پر ہر وقت مسلط رہتے ہیں کہ وہ

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کس سے ملتا ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ کیا فکر رکھتا ہے؟ بعض اوقات اس کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اسے سوسائٹی میں نہیں رکھنا چاہیے۔ اس وقت اسے قتل ہی کر دیا جاتا ہے۔ اس فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ انقلاب میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں جو انقلابات ہو چکے ہیں ان میں ایسا ہی کیا جا چکا ہے۔

اس سورت کا موضوع

یہ سورت حقیقت میں اس جماعت منافقین کی ذہنیت کی توضیح کرتی ہے جو مذہبی حلقے میں پائی جاتی ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں یہ علمی جماعت ہے۔ تورات کی حامل ہے مگر موت سے بھاگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو سوسائٹی پیدا کریں گے وہ اسی قسم کے ممبروں پر مشتمل ہوگی۔ ایک آدمی کتاب الٰہی کو تو مانتا ہے مگر اس کے حکم سے جان دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی صحبت سے جو سوسائٹی پیدا ہوگی وہ منافقوں کی سوسائٹی ہی ہو سکتی ہے۔

اگر ایک عالم اس قسم کی تحریک جاری کرے جس سے بنی آدم کا ایک اچھا خاصہ حصہ منافق بن جائے تو ان سب کا وبال اس ایک کی گردن پر ہوگا۔ اس قسم کے عالم بالتورات یا عالم بالقرآن منافق سے ایک سلیم الطبع ان پڑھ آدمی بدرجہا بہتر ہے۔ وہ جاہل تو ہو سکتا ہے لیکن منافق نہیں بن سکتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کسی سبب صحیح بات نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ اعلانیہ منکر بھی ہو جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے، مگر اس سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ایک تعلیم کو اعلانیہ تو مانتا رہے مگر اس کا قلب یقین سے یکسر خالی ہو۔ یہ سلامت طبع کے خلاف ہے۔

جملہ معترضہ!

مثال کے طور پر ایک بڑا مقصد ہے اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریق ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک جماعت ایک اصول کار اختیار کر لیتی ہے۔ وہ ایک پارٹی کہلائے گی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے دوسری جماعت دوسرا طریق اختیار کرتی ہے۔ یہ دوسری پارٹی بن جائے گی۔ ایک طرح سوچنے والے لوگ دوسری طرح سوچنے والی پارٹی میں شامل نہیں ہو سکتے، وہ بالمقابل پارٹی بنائیں گے۔ بعض اوقات

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایسا ہوتا ہے کہ دو مختلف اصول کار رکھنے والی پارٹیاں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ اس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک پارٹی لڑنے کو جائز سمجھتی ہے اور دوسری لڑنے کو ناجائز سمجھتی ہے، گو دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی ملک کے لیے آزادی حاصل کرنا۔ اگر یہ دونوں پارٹیاں مخلوط ہو جائیں تو اس کے کام میں جمود (Deadlock) پیدا ہو جائے گا۔

ایسے ہی ایک پارٹی ہے جو ایک ایک شخص کا مخالف طاقت سے لڑنا جائز سمجھتی ہے۔ یہ انقلابی جماعت ہے دوسری پارٹی وہ ہے جو ایک بڑے مسلمان بادشاہ اور بڑی فوج کے بغیر مخالف غیر مسلم طاقت (یعنی انقلاب دشمن) سے لڑنا جائز نہیں سمجھتی۔ اگر یہ دونوں مل کر کام کرنے لگیں تو دونوں نکمی ہو جائیں گی۔ اس لیے ان کو دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے۔ یہ نہایت کارآمد اصول کار ہے جو یورپ کی انقلابی پارٹیوں کے تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ہم مختلف الاصول جماعتوں کے مل کر کام کرنے کے قائل نہیں رہے۔ پارٹی پالیٹکس کا اصول اولین یہ ہے کہ ہم فکر لوگ ہی جمع ہو کر پارٹی بنائیں اور ایک متحدہ پروگرام پر کام کریں۔ (1)

---

(1) جملہ معترضہ

(منجانب مرتب) حضرت مولانا سندھیؒ لاہور سے ایک عالم کو اپنے ساتھ گوٹھ پیر جھنڈہ (سندھ) لے گئے۔ وہ ان کی درسگاہ میں پڑھانے لگ گیا۔ ایک روز اس عالم نے مولاناؒ سے بڑے زور سے کہا کہ میں فلاں روز لاہور جا رہا ہوں۔ میرے لیے تین سو روپے کا بندوبست ہو جانا چاہیے۔ مولاناؒ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ جس روز کا ان عالم صاحب نے نوٹس دیا تھا اس سے ایک روز پہلے وہ پھر روپے لینے کے لیے پیچھے پڑ گئے۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ عالم آگے بڑھے کہ وہیں مولانا سے پھر تقاضا کریں لیکن مولاناؒ نوافل پڑھنے کے لیے نیت باندھ چکے تھے۔ عالم صاحب کو مایوس ہو کر بیٹھ جانا پڑا لیکن وہ تلملاتے رہے۔ مولاناؒ نے ابھی دو نفل پڑھ کر سلام پھیرا ہی تھا کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور روپوں کی ایک تھیلی مولاناؒ کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ یہاں رکھ دو، وہ رکھ کر چلا گیا۔ پھر مولاناؒ نے اس عالم کو اشارہ کیا کہ ان روپوں میں سے لے لو۔ انہوں نے اپنے مطالبے کے تین سو روپے گن کر لے لیے اور باقی روپے جو تعداد میں کئی سو تھے، تھیلی ہی میں رہنے دیئے۔ مولاناؒ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات آئے کہ پلے ایک پیسہ بھی نہیں لیکن ہزاروں کی ضرورتیں فضل الٰہی سے پوری ہوتی رہیں اور آپ برابر انقلابی کام میں لگے رہے۔

ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی زندگی بھی توکل علی اللہ کی بے شمار مثالوں سے پر ہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المنافقون (63)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ
لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ۝١ اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٣ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ
أَجْسَامُهُمْ ؕ وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ
كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٤
وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٥ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى
الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَأَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ
يَّأْتِىَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ أَخَّرْتَنِىْٓ إِلٰٓى أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَأَصَّدَّقَ
وَأَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورت المنافقون

www.rahimia.org

آیت نمبر1: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔''

منافقین کی منافقت

منافق کہتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا یہ کہنا صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں مگر ان کا آپ کو رسول کہنا محض زبانی ہے۔ وہ دل سے مان کر رسول اللہ نہیں کہتے، ویسے ہی کہتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ کو رسول اللہ بھی کہتے رہیں گے اور اس کے کام میں رکاوٹیں بھی ڈالتے رہیں گے۔ اس لیے ان کا یہ زبانی دعویٰ جھوٹا ہے۔

آیت نمبر2: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ: '' ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ سو یہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک وہ کام بہت برے ہیں جو یہ کرتے ہیں۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

اگر ان سے کہا جائے کہ تم رسول اللہ کو رسول اللہ نہیں مانتے ہو تو وہ قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کو مانتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی پر اصرار کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی ان سے روکتے ہیں۔ اب (محض) زبانی قسمیں کھا کھا کر کہنا کہ ہم رسول کو مانتے ہیں نہایت برا کام ہے۔ اس طرح کی سوسائٹی پیدا کرنا جرم ہے۔

قرآن حکیم وہ پہلی کتاب ہے جس نے علم کی غایت اصلی عمل کو قرار دیا ہے۔ علم اگر معاشرے کی ترکیب میں داخل ہے تو معاشرہ بغیر افراد کے عمل کے حقیقی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ قرآنی عمرانیات علم کی عظمت علم و عمل کے امتزاج سے ظاہر ہوتی ہے۔ معاشرے اور علم کی مناسبت سے عمل کو جو اہم مقام حاصل ہے وہ آج کی عمرانیات کا اہم مسئلہ ہے۔ چنانچہ دور جدید کا مشہور ماہر عمرانیات (Talcaot Parsons) معاشرے کے وجود اور ارتقاء کے لیے عمل پر بہت زور دیتا ہے لیکن قرآن حکیم نے علم و عمل کے لزوم کو انسانی زندگی کے لیے جس قدر ضروری قرار دیا ہے وہ ٹالکوٹ پارسنز کی ضخیم کتابوں سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔ صحیح علم پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کا ارادہ پیدا ہو جائے۔ جب صحیح علم کے ساتھ ارادہ کی نفی لے لی جائے اور کام کا ارادہ پیدا نہ ہو تو اسے پڑھنے کا کیا فائدہ۔ فرض کرو کہ ہم ایک کتاب اس شرط کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کریں گے۔ اس کتاب کے پڑھنے کی فضیلت کی سند تو مل جائے گی اور پڑھا بھی سکیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس قسم کا کام انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔

منافقت کا سبب

آیت نمبر 3: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۝

ترجمہ: ''ہم اس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے لہٰذا ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی' اب یہ لوگ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کی یہ ذہنی حالت کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے تو ارادہ کرتے ہیں کہ ہم یہ کتاب پڑھتے ہیں تا کہ اس پر عمل کریں۔ پھر مشکل چیز آ جاتی ہے یعنی جان دینی پڑتی ہے، اس وقت جان چرا جاتے ہیں۔ پھر ان کے دلوں میں اس غلطی کی ندامت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ان کا دوبارہ ایمان لانا ہے پھر دوسری دفعہ جان دینے کا موقعہ آتا ہے تو پھر جان چرا جاتے ہیں۔ اس طرح بار بار کرتے رہنے سے جان چرانے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ عمل نہ کرنے پر پختہ ہو جاتے ہیں' پھر ان کے دلوں سے یہ احساس ہی جاتا رہتا ہے کہ قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ نصوص و آیات حضور رسالت مآب ﷺ کے دور کے بے عمل اور منافق افراد کی حد تک محدود نہیں، بلکہ دور جدید کے اصول عمرانیات کے مطابق بھی یہ آیتیں اُن لوگوں کی ذہنیت کی ترجمانی کرتی ہیں جو اسلام کو موجودہ سائنٹفک تہذیب کے مقابلے میں بے اثر' نا قابل عمل اور ختم شدہ قوت (Spent up force) سمجھتے ہیں۔

دلوں پر مہر لگ جانے کا مطلب

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی)

اب ان کے دلوں میں عمل کرنے کا ارادہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ مطلب ہے دلوں پر مہر لگ جانے کا۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (پس وہ سمجھتے نہیں)

آخر میں یہ احساس بھی پیدا نہیں ہوتا کہ علم کا عمل کے ساتھ کچھ تعلق ہے لیکن ان کی عقلی قوتیں تندرست ہوتی ہیں۔

آیت نمبر4: وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۝

ترجمہ: ''اے پیغمبر جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری جسم آپ کو خوش نما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتوں کو دلچسپ ہونے کی وجہ سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کان لگا کر سنیں۔ گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو کسی دیوار کے سہارے لگا دی گئی ہیں۔ وہ ہر بلند آواز کو اپنے ہی خلاف خطرہ سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ دشمن ہیں۔ آپ ان سے بچتے رہیے۔ خدا ان کو ہلاک کرے، یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔"

منافقین کی ظاہری حالت

(الف) وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ

اگر ان کی صورتیں دیکھو تو بھلے آدمیوں کی سی نظر آئیں گی۔

(ب) وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ

اگر وہ باتیں کریں تو سننے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے۔ تقریر خوب کر سکتے ہیں اور ایسی لچھے دار باتیں کرتے ہیں کہ سننے والا چاہے کہ سنتا ہی رہے۔

منافقین کی حقیقت

(ج) كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ

لیکن حقیقت میں خشک لکڑیاں ہیں جنہیں گویا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ سرسبز نہیں ہیں کہ آپ ہی کھڑی رہیں۔ وہ گویا لکڑی کی خوبصورت پتیاں ہیں جن میں عمل کی طاقت نہیں ہے۔

(د) يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ

بلند آواز سے زور سے بات کی جائے تو اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اسے اپنے لیے مضر سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آہستہ بات کی جائے آہستہ اس لیے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان سن کر عمل نہ کرنے لگ جائے جس سے انقلابی پارٹی پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ آپس ہی میں سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس تحریک کو عوام میں لانا مضر سمجھتے ہیں۔

هُمُ الْعَدُوُّ (وہ دشمن ہیں)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تحریک کے اصل دشمن یہی ہیں۔ اس لیے کہ یہ تحریک کی عام دعوت کو روکتے ہیں۔

فَاحْذَرْهُمْ

ان سے ہمیشہ بچتے رہو اور تحریک کے مرکز کے قریب نہ آنے دو۔

منافقین کو قتل نہ کیا جائے

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ

اللہ انہیں ہلاک کرے گا کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ یہ خود بخود مر جائیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو عمداً ہلاک کرنے سے فساد پیدا ہوسکتا ہے اور خدا ہی انہیں سمیٹ لے تو اچھا رہتا ہے۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

کیسے پھرے جاتے ہیں۔ انہیں سمجھایا جائے تو بات سمجھ جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی پھر جانے کا ڈھنگ نکال لیتے ہیں۔ اعتراض بھی نہیں کر سکتے مگر کام بھی نہیں کرتے۔ یہ بھی ثابت نہیں ہونے دیتے کہ یہ دین سے پھر گئے ہیں۔ یہ ان کی عقلمندی ہے کہ پھرے ہوئے ہونے کے باوجود پھرا ہوا ہونے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

آیت نمبر 5: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝

ترجمہ: ”اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے بخشش طلب کرے تو یہ لوگ اپنے سروں کو پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ متکبرانہ انداز کے ساتھ بے رخی برتتے ہیں۔“

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ان کی غلطیاں معمولی نہیں۔ ویسی نہیں۔ جیسی ایک سلیم الفطرت انسان سے کبھی کبھار ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کے انسان کو اس کی غلطی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اسے تسلیم کر لیتا ہے۔ مگر انہیں متوجہ کیا جاتا ہے تو یہ غلطی کے ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سے اتفاق سے غلطی ہوگئی۔ آؤ رسول اللہ ﷺ کے سامنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

جا کر اقرار کرلو وہ اللہ سے تمہارے لیے دعا کریں گے۔

لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ

وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے اور سر پھیر لیتے ہیں۔

يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ

وہ کہتے ہیں کہ ہم کیسے اعتراف قصور کریں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس طرح ان کی توہین ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کو روکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اعتراف نہ کریں۔

آیت نمبر6: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اے پیغمبر ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔''

منافقت روکنے کی انسانی تدبیر

رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی میں احکام الٰہی کی نافرمانی کا مرض عام طور پر نہ پھیلے۔ اس لیے ان خطا کاروں سے کہا جاتا ہے کہ تم سے غلطی بھولے سے ہوئی ہے۔ آؤ ہم تمہارے لیے مغفرت طلب کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تمہاری یہ شفقت ان منافقین کے لیے مفید نہیں ہوگی۔ تمہارا ان کے لیے مغفرت طلب کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

اس قسم کے قصداً بدکاری کرنے والے لوگوں کو جو قانون شکنی کو عادت بنالیں ہدایت کا کوئی سامان نہیں دیا جاتا۔ انقلابی جماعت میں اس قسم کے منافقین کو راہ نہیں دی جاتی۔ ایسے لوگ ہوتے ہوتے رجعت پسند جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر7: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝

ترجمہ: "یہ لوگ وہی تو ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ وہ خود بخود منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانوں کے اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن یہ منافق اس کی بات ہی نہیں سمجھتے۔"

منافقین کا طریقہ کار

منافقین کے افعال بتدریج انقلابی تحریک کی مخالفت پر ختم ہوتے ہیں۔ وہ انقلابی تحریک کی دو طرح مخالفت کرتے ہیں:

(1) انقلاب کی مالی امداد سے دست کشی

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا

وہ اس انقلابی تحریک کی مالی امداد بند کر کے اسے برباد کر دینا چاہتے ہیں وہ سازش کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور کام کرتے ہیں انہیں خرچ مت دیا کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں گے۔

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ

حقیقت یہ ہے کہ ان منافقین کی شرارتوں سے انقلابی کارکن یعنی مسلمان بھاگیں گے نہیں، اور نہ دل تنگ ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اور خزانے سے عطا فرما دے گا۔ صرف ان منافقین کے پاس ہی دولت نہیں ہے۔ اگر یہ اپنی مالی امداد بند کر دیں گے تو اللہ کسی اور کے دل میں ڈال دے گا، وہ ان کارکنوں کو کھانا دے گا۔ زمین آسمان کے سب خزانے اللہ کے ہیں۔ خدا جانے کس خزانے سے انہیں رزق پہنچ جائے گا۔ رزق نہ پہنچنے کی وجہ سے تو وہ منتشر نہیں ہوں گے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر8: يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ”نیز یہ منافق یوں کہتے ہیں اگر اب کے ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ہے لیکن یہ منافق اس بات کو نہیں جانتے۔“

(2) انقلابیوں کے اخراج کی سازش

ان کی دوسری کوشش یہ ہے کہ انہیں اس سرزمین سے ہی نکال دیں جو اب انقلاب کا مرکز بن گئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے کی طرف واپس گئے (یہ واقعہ سفر میں پیش آیا) تو ”عزت والے لوگ“ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔
منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے آپ کو عزت والا سمجھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) ”ذلیل“ قرار دیتا ہے ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حقیقی عزت تو اللہ، رسول اور مومنین کے لیے ہے۔ مومنین کو عزت کہاں سے نصیب ہوگی؟ اس کا ان منافقین کو علم ہی نہیں۔

جب رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کے بیٹے کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے کہا ہے ”عزت والا“ ذلیل کو مدینے سے نکال دے گا۔ وہ اس قول کا مطلب سمجھتا ہے۔ اس نے مدینے میں اپنے باپ سے کہا ابا! اپنے آپ کو ذلیل کہہ، ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اللہ کی قدرت دیکھو عبداللہ بن ابی کو یہ لفظ کہنے ہی پڑے۔

اسی طرح احکام الٰہی کی تکمیل سے جان چرانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جان چرانے والا شخص اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ خود عمل نہیں کرتا بلکہ آخرکار وہ مخالفانہ قوت پیدا کر کے قرآنی انقلابی مرکز کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو روپے والا اور عزت والا مانتا ہے۔ اور اس زعم میں وہ حق کی مرکزی طاقت کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

www.rahnamia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک پیش گوئی

ان آیتوں میں یہ سمجھا دیا کہ یہ لوگ اس کوشش میں ناکام رہیں گے اور قرآن کی طاقت کو توڑ نہیں سکیں گے۔ قرآن حکیم کی تحریک نہ روپے پیسے کی تنگی سے فیل ہوگی نہ اس کی مرکزی طاقت کو زمین سے مٹایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مدنی انقلابی تحریک کی کامیابی ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے۔ لیکن منافقین کا نام ونمود بھی نہ رہا۔

نفاق کا انسداد

اب ایسے اعمال بتائے جائیں گے کہ نفاق پیدا نہ ہو۔

آیت نمبر 9 يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر پائیں۔ اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ سخت نقصان میں رہیں گے۔''

ذکر اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے (یعنی اس کی جامع تعلیمات)۔

قرآن کے علوم کے حصول کو مقدم کرو

قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے مال اور اولاد کے بکھیڑوں کی وجہ سے پیچھے نہ رہ جاؤ۔ ایمان حاصل کرنے کا صحیح طریق یہ نہیں ہے کہ پہلے اپنے بچوں کے لیے مال و زر جمع کرنے میں لگے رہو، فرصت ملی تو قرآن بھی پڑھ لیا۔ صحیح طریقہ عمل یہ ہے کہ اچھا وقت اور اچھی طاقت قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں صرف کی جائے۔ پھر جو وقت اور طاقت بچ رہے وہ بال بچوں کے جھگڑوں اور دولت کے بکھیڑوں میں صرف کی جائے۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ

جو شخص مال و دولت کے جھمیلوں کو ذکر اللہ (قرآنی تعلیمات) پر مقدم کرتا ہے وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

دماغی قوت وغیرہ تو دولت کمانے میں صرف کر لیتا ہے۔ اور جب اعضاء وقویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے لاؤ تھوڑا سا قرآن ہی پڑھ لیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ نقصان میں رہیں گے۔ انہیں حقیقی علم حاصل نہیں ہوگا۔ وہ بظاہر تو قرآن حکیم کے عالم ہوں گے لیکن ان میں طاقت عمل نہیں ہوگی۔

آیت نمبر10 : وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خیرات کرو۔ قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے۔ اور وہ آثار موت کو مشاہدہ کر کے یوں کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہیں دی تا کہ میں خوب خیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا؟''

مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو تاخیر نہ کرو

جس طرح ذکر اللہ کے سمجھنے میں تاخیر کرنے سے یہ نقصان پہنچتا ہے کہ صحیح معرفت دماغ میں نہیں بیٹھتی، اسی طرح مال و دولت جو اللہ کے لیے صرف کرنی ہو (یعنی دینی کام پر لگانی ہو) اسے فوراً دے ڈالنا چاہیے۔ اس میں تاخیر کرنے سے بعض اوقات برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے، مثلاً انسان مر جاتا ہے اور مرتے وقت یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں اپنی دولت کسی اچھے کام میں صرف کرتا۔ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اس لیے جو روپیہ اچھے کام میں صرف کرنا ہو اسے فوراً خرچ کر ڈالنا چاہیے تا کہ پھر یہ نہ کہنا پڑے کہ اگر میں زیادہ دن زندہ رہتا تو یوں کرتا، اور اللہ کے سامنے جا کر یہ بہانہ بنائے کہ اگر مجھے مہلت ملتی تو یوں کرتا، کچھ دن زندہ رہتا تو نیک بنتا اور مال دیتا۔ اس وقت یہ سب بے سود ہوگا۔ اس لیے جو کچھ کرنا ہے اب کر لو۔

آیت نمبر11: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اور جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔''

ان کاموں میں جلدی کرو

کیا اللہ تعالیٰ اس مال و دولت کی خاطر اس قانون کو بدل دے جس کے مطابق اسے مارنا ہے؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ (لہٰذا) ان باتوں (ان فرائض کی ادائیگی) میں جلدی کرو!

جب انسان بنایا گیا اس وقت اس میں چند محدود قوتیں رکھی گئیں۔ یہ مختلف سلسلے ہیں جن کے ماتحت یہ قوتیں رکھی گئیں ہیں۔ اس حد بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کے مطابق وقت پر مرجاتا ہے۔ جو حد بندیاں لگائی گئی ہیں وہ ایک سلسلۂ عظیم کے ماتحت ہیں۔ تو کیا اس کم دل کے چار پیسوں کی خاطر وہ سارے سلسلۂ قانون کو بدل دے؟ یہ کبھی نہ ہوگا کہ قانون کے مطابق وقت آ جائے تو اسے اور زندگی دی جائے۔ اللہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

ایک استثناء

جو کچھ تم کرتے ہو اور جو تمہارے ارادے میں ہے، اللہ سب کی تہہ تک سے واقف ہے۔ اگر کسی شخص نے اللہ کے کام میں روپیہ دینے میں کسی صحیح ضرورت کی وجہ سے تاخیر کی ہے مگر اس نے دینے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا اور اتفاق سے وہ روپیہ دینے سے پہلے مرگیا تو اس کا یہ عمل ضائع نہ ہوگا البتہ بے ضرورت تاخیر کی پوچھ ہوگی۔

تمت سورۃ المنافقون (63)

بشیر احمد گوجر خاں، راولپنڈی

مورخہ 05-11-43

✦ ✦ ✦

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی دعوتِ انقلاب

قرآن عظیم ایک انقلاب آفرین نظام کی دعوت دیتا ہے۔ یہ انقلاب آفریں نظام بین الاقوامی ہے۔ اور ساری انسانیت پر محیط ہے۔ رہتی دنیا تک جب بھی مسلمانوں کی کوئی جماعت اس پر عمل کرے گی، تو اس سے وہی نتائج پیدا ہوں گے، جو تاریخ اسلام کے دورِ اوّل میں دنیا نے دیکھے۔ یہ قرآن کی تاثیر ہے۔ محض کسی آدمی یا زمانے کی تخصیص صحیح نہیں۔

مسیحی دنیا قرآن کی اس تاثیر کو عام نظروں سے اوجھل کرنے کے لیے برابر کوشاں رہتی ہے۔ مشہور عیسائی مورخ اور مصنف ''جُرجی زیدان'' نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ: ''حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا نظام محض بخت و اتفاق کا نتیجہ تھا۔'' یعنی عہد گزشتہ میں اسلام کے عظیم الشان انقلاب کا باعث قرآن کی تعلیمات نہ تھیں۔ بلکہ اتفاق سے چند افراد ایسے پیدا ہو گئے، جنھوں نے ایک بار ایسا کر دکھایا۔ لیکن یہ کہ ہمیشہ یوں ہو، غلط ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کے دُور رَس اِنقلابی اثرات کو زائل کرنے کے لیے اور بھی حربے استعمال کیئے جاتے ہیں۔

(شعور و آگہی، افادات: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، ص 63)

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی جمعِ انقلاب

سورۃ التغابن کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن حکیم؛ ایک مکمل دستورُ العمل

قرآن مجید صرف اَمثال وقصص کی کتاب نہیں۔ بلکہ وہ شخصی اور اجتماعی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی ہے۔ جس کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب نازل نہیں ہوگی۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کتابِ الٰہی میں زندگی کے تمام مسائل کے لیے جزئی تفصیلات مذکور نہیں ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ چوں کہ ہر زمانے میں انسانی عقل وشعور کی استعداد اور صلاحیت یکساں نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں عمل کا ارتقا برابر جاری رہتا ہے۔ اس بنا پر حکمتِ خداوندی کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ آخری کتابِ سماوی میں زندگی کے متعلق صرف اُصول بیان کیے جائیں۔ اور اُن کی جزئیات سے تعرض نہ کیا جائے۔

(فہم قرآن، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، ص 19)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التغابن (64)

(مدنی سورت)

تمہید سورت

پچھلی سورتوں کے ساتھ ربط

سورۂ جمعہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں کام واضح کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی:

(1) قومی (2) بین الاقوامی

ان میں سے پہلے حصے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

اور دوسرے حصے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ

اس قسم کی تعلیم سے پہلے اہلِ کتاب تغافل برت چکے ہیں اور نہایت ذلت کی زندگی بسر کرنے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کو ذلت سے نکلنے کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ موت کی تمنا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے صحیح پروگرام کی عزت کے لیے مرنا ہی انسان کا شرف ہے۔ جس سے یہ اہلِ کتاب گر چکے ہیں۔

اس سے آگے بتایا گیا ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کے باعث یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب دینی و دنیوی کام جمع ہو جائیں تو دینی کام پر دنیاوی کام کو ترجیح دی جائے۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کریں ، ورنہ وہ بھی اس عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جس میں پہلی جماعتیں مبتلا ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود اس جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اس قسم کی غلطیاں کریں گے جو یہود کر چکے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ قومی کاموں میں اس قسم کی غلطیاں کریں گے ان کا ذکر سورۂ منافقون میں کیا گیا ہے اور جو لوگ قرآن کے بین الاقوامی پروگرام میں ایسی غلطیاں کریں گے جو یہودیوں کی عادت تھی ان کی بحث سورۂ تغابن میں ہے۔

سورۂ تغابن کا مضمون

اس سورت میں بین الاقوامی معاملات پر بحث کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھو کہ قومیں غلطیاں کر کے کس طرح عذابوں میں مبتلا ہوئیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حیاتِ مابعد ممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کو یہاں انسانی زندگی میں جس صورت میں سوچا جا سکتا ہے وہ اب بھی ویسے ہیں ، جیسے پہلی قوموں کے لیے تھے، اور سورت کے آخر میں ان نتائج سے بچنے کی ترکیبیں بھی بتا دی گئی ہیں جو غلطیوں سے نکال سکتی ہیں۔

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ التغابن (64)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا
تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ
كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٦﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ
بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧﴾ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ
لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ
سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي
رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ
وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ
وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

www.rahnama.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر1: یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

ترجمہ: "پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں اور جو کچھ ہے زمین میں اسی کا راج ہے اور اسی کو تعریف ہے۔ اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے"

آسمان اور زمین میں جو چیزیں ہیں وہ سب کی سب اللہ کو قدوس! قدوس! کہہ کر پکار رہی ہیں۔ بادشاہی اس کی ہے۔ ان میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس کے سب کام حکمت اور نظام میں اتنے پختہ ہیں کہ جتنی نگاہ سے اسے دیکھے، اسی قدر زیادہ تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

بہارِ عالم حُسنش جہاں را تازہ مے دارد
بہ رنگ اربابِ صورت را کے بہ بُو اربابِ معنیٰ را

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

اس کی قدرت کائنات عظمیٰ کی ہر چیز پر قائم ہے۔ وہ حکمت کے کسی کام کو پورا کرنا چاہے تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی نظام اس میں رکاوٹ ڈال سکے۔ پس اس نظام کو حکمت کے ساتھ چلانے کی ذمہ داری اسی کی ذات اقدس کی طرف راجع ہوتی ہے۔ کوئی کارخانہ بذاتِ خود قابلِ تعریف نہیں ہے۔ اس کے قابلِ تعریف ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہ خدائے قدوس کا بنایا ہوا ہے۔

آیت نمبر2: ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّمِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔''

کائنات میں جوڑوں کا وجود

اس کارخانے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی گئی جس کا جوڑا پیدا نہ کیا گیا ہو یعنی ہر ایک چیز کے بالمقابل اس کا توڑ کرنے والی چیز موجود ہے۔ ایسے نظام کو جس میں تمام چیزیں ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئی ہوں۔ اعلیٰ طریق پر چلانا صرف اس قدرتِ قادر کا کام ہے جو ہر ایک کام کو اپنی جگہ پر رکھنے کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ لاریب ہر ایک چیز بذاتِ خود حسن و جمال کی مالک ہے مگر مجموعہ حسنِ نظام کو قائم رکھنا اس قدرتِ حق ہی کا کام ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ

کافر کی ضرورت

اگر اس حقیقت کو نظامِ انسانی میں لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے مقابلے میں کافر ضرور موجود ہے۔ اگر مومن کے مقابلے میں کافر نہ ہوتا تو مومن کے ایمان کی خوبی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ مثلاً رات کی تاریکی دیکھے بغیر دن کی روشنی کا ادراک ہو ہی نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

مومن کو کافر کا مقابلہ کرنے میں جو مشقتیں پیش آتی ہیں انہی سے اس کی محبت الٰہی کی شدت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اس محبت میں جس قدر مصیبتیں برداشت کرتا ہے اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

جملۂ معترضہ

دن کی خوبی سمجھنے کے لیے رات کا آنا ضروری ہے مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رات کا اپنا ایک نظام ہے۔ اسی طرح نظام انسانی میں مومن کے ساتھ کافر کا موجود ہونا ضروری ہے۔ لیکن کافروں

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی پیدائش میں جو حکمتیں ہیں ان سے ہمارا واسطہ نہیں ہے۔ مثلاً ہم راستہ پر چلتے ہیں اور پتھر سے ٹھوکر لگتی ہے اور ہم پتھر سے بچ کر صاف راستہ تلاش کرتے ہیں۔ پتھر کی ٹھوکر نے ہمیں سیدھے راستے کی طرف متوجہ کر دیا۔ مگر کیا پتھر میں یہی ایک خوبی تھی؟ لیکن راہ رو کو پتھر کی خوبیوں پر غور کرنے کے لیے کوئی وقت یا موقعہ نہیں ہے۔ انبیاء کی تعلیمات کا مقصد فقط انسانیت کی تکمیل ہے۔ انسانیت سے باہر چیزوں پر بحث کرنا ان کی تعلیمات سے خارج ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں اللہ نے انسان کے سوا اور کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔ اس نے یقیناً اور اشیاء بھی پیدا کی ہیں اور ان میں حکمتیں بھی ہیں۔ مگر چونکہ انسانیت کو ان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے ہم اس سے بحث نہیں کرتے۔

کافر کا انسانیت سے تعلق

جو انسان کافر پیدا ہوا اس کا ایک تعلق انسانیت سے یہ ہے کہ وہ مومن کے راستے میں رکاوٹ ہے جسے مومن کو اپنی عقل اور ہمت سے دور کرنا چاہیے۔(1) اس سے اس کی قوت ایمانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اتنی چیز سے تو شرائع الٰہیہ کو براہِ راست تعلق ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے درجے پر یہ چیز بھی شریعت کی ذیل میں آتی ہے کہ ایک کامل الایمان مومن ایک کافر کو مومن بنانے میں کتنی کوشش صرف کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ انسانیت کا فرد ہے اور اسے خدا کی طرف توجہ دلانا مومن کا طبعی فرض ہے۔ پس شریعت میں دو حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے:

مومن کے دو کام

(1) مومن کے لیے رکاوٹ ہے، وہ اسے دور کر کے اپنا راستہ صاف کرتا ہے۔

(2) کافر کی انسانیت مدّھم ہے اور مومن اسے روشن بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

ان کے ماسوا کافر کے وجود میں جو حکمت ہوگی اس سے بحث کرنا شرائع الٰہیہ

(1) اقبال نے بھی کہا ہے۔

راست می گویم عدو هم یارِ تست
رونقِ ہنگامۂ بازارِ تست (اسرارِ خودی)

www.tanzeemia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے حلقے سے خارج ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے وجود میں اور کوئی حکمت ہے ہی نہیں۔

کفر دنیا میں ضرور رہے گا

حکمتِ ولی اللہی میں یہ چیز اصولِ موضوعہ کے درجے پر طے شدہ ہے کہ یہ ساری کائنات علم الٰہی میں معین شکل میں ہمیشہ موجود ہے۔ اس میں نہ کبھی تغیر ہوسکتا ہے، نہ تبدیل آسکتی ہے۔ اس علم الٰہی کے مطابق ''وجود'' کے مختلف مراتب (مواطن) میں اس علمِ الٰہی کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ کہیں زیادہ روشن، کہیں مدھم، کہیں اس سے بھی کم۔ کائنات کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ بھی مکمل اور مدلل ہے کہ اس میں تقدیر کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔(1) مثلاً ایک چیز وجود کے مواطن اعلیٰ میں بیج ہو تو نیچے کے درجے میں آکر درخت بن جاتی ہے۔ نچلے درجے میں انسانی قدرت واختیار کو بھی دخل ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے شاہ صاحب کے فلسفے کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس حکمت کے مطابق تقدیر اور انسانی اختیار دو متناقض چیزیں نہیں ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ بھی اسے اس طرح بیان کرتے ہیں گویا اس جماعت کا یہ مسلّمہ مسئلہ ہے۔(2)

اس حکمت کے مطابق یہ بھی طے شدہ چیز ہے کہ انسانیت میں کفر رہے گا۔ انسانیت کا تصور کفر کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ انسانی سوسائٹی کا کمال یہ ہے کہ ایمانی قوت کفر پہ غالب رہے۔ یہ نہیں کہ کفر کو فنا کر دے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ انسان کے بدن کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا سر ہمیشہ اونچا رہے یہ نہیں کہ سارا بدن ہی سر بن جائے اور پاؤں ہوں ہی نہیں۔

آیت نمبر3: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

ترجمہ: ''بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت اور اس کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔''

---

(1) دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ، باب انشقاق التکلیف من التقدیر۔

(2) دیکھیے ''تقریر دل پذیر۔'' از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (آزاد)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تحلیلی اور ترکیبی نقطۂ نظر

اس نے آسمان و زمین کو ایک صحیح پائیدار تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان و زمین میں جو قوتیں کام کرتی ہیں وہ مل کر ایسا کام کرتی ہیں کہ جو شخص ان کو وحدت کی حیثیت میں دیکھے وہ حیران رہ جائے گا۔ اگر تحلیلی (Microscopic) نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کوئی اچھی ہوگی کوئی بری، مگر مرکب (Macrocopic) میں سے ایک چیز بھی کم کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ ایسی جمیل صورت ہے کہ اس سے بہتر عقل میں آ ہی نہیں سکتی۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس کے بعد انسانیت آتی ہے۔ جس کی کائنات ہی الگ ہے۔ اس پر غور کیا جائے تو انسانیت میں کل کائنات کا چھوٹا سا نمونہ ملے گا۔ سب انسانوں کو ملا کر ایک وحدۃ پیدا کی جائے تو وہ بجائے خود ایک بے نظیر چیز بن جائے گی۔ افراد کی شکل میں کمی بیشی نکلے تو نکلے مگر مجموعہ افراد کی صورت میں انسانیت کی شکل خوش ترین نظر آئے گی۔

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ

یہ سب چیزیں جس وجود سے نکلی ہیں، اس میں واپس جائیں گی۔

آیت نمبر4: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

ترجمہ: ''جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات۔''

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

انسان کی وحدت

آسمان اور زمین کے مجموعے سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے خدا خوب جانتا ہے اور آسمان اور زمین کے اجزا اسے بھی بخوبی واقف ہے۔ اسی طرح انسانیت کے

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مجموعے سے جو وحدت (Unit) پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ظاہر اور باطن دونوں سے واقف ہے۔ اور ان میں جو چیزیں ابھی ظاہر نہیں ہوئیں اور ہوں گی ان کو بھی جانتا ہے۔

کوئی چیز علم الٰہی کے بالمقابل (In Opposition to) پیدا نہیں ہوسکتی جو چیزیں اس کے علم میں ہیں وہی پیدا ہوتی ہیں اور جو پیدا ہوتی ہیں وہی اس کے علم میں ہوتی ہیں۔ تنزلات میں بھی وہ اس کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔

مَاتُسِرُّوْنَ : انسانیت کے کمالاتِ مخفی

وَمَاتُعْلِنُوْنَ : انسانیت کے کمالاتِ ظاہری

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : آئندہ ارادۂ الٰہی میں ہونے والی چیزیں وہ ابھی صادر نہیں ہوئیں۔

آیت نمبر5: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ترجمہ: ''کیا پہنچی نہیں تم کو خبر (احوال) ان لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے، پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور ان کو عذاب دردناک ہے۔''

کفر کے متعلق قرآن کا نظریہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انسانیت میں کفر ہمیشہ رہے گا اور یہ بھی مسلّم ہے کہ انسانیت مختلف صنفوں میں بٹے گی اور قومیں بنیں گی۔ اب قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان کو بین الاقوامی درجے پر کفر پر غالب کیا جائے۔ تمام قوموں کا کفر ایک طرف رکھ دو اور تمام قوموں کا ایمان ایک جگہ کرلو، پھر وہ ایمان مرکز میں متحد ہو کر کفر پر غالب آجائے۔ یہ وہ نظام ہے جس کی قرآن حکیم تلقین کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کفر کو اپنی حکمت میں سے خارج کردے اور اس کا وجود ہی تسلیم نہ کرے تو اس کا دماغ قرآن حکیم کی حکمت کو اخذ نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے یہ تخیل پیدا کیا ہے کہ مہدی آئے گا۔ تو اسلام ہی اسلام ہو جائے گا وہ سراسر نادان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن انسانیت ایک سطح پر آجائے گی اس وقت وہ فنا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم جرم کرنا چھوڑ دو گے تو خدا تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو جرم کرے گی۔ (رواہ الترمذی، حدیث نمبر 3539)

(c) ketabton.com: The Digital Library

جس طرح قیامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس وقت آئے گی جب انسانیت جرم کے درجے میں ایک سطح پر آجائے گی۔ اس طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ اگر سارے نیک ہو جائیں تو بھی انسانیت ختم کر دی جائے گی۔

بین الاقوامی کفر

قوموں میں کفر کیا ہے؟ یعنی کفر مشترک کیا ہے؟ چھوٹے چھوٹے کفر جو جزئیات سے تعلق رکھتے ہیں قومیں ان پر جمع نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ کفر میں بھی ایک مرکزی خیال ہوگا جس پر جملہ اقوام جمع ہوں گی۔

بین الاقوامی کفر کے دو اصول

کفر کی مرکزی چیزیں دو ہیں:

(1) انسان کی موت کے بعد زندگی سے انکار۔

(2) اس بات پر اتفاق کہ انسان کو کوئی انسان خدا کی بات نہیں بتا سکتا۔

رسالت کا انکار کیا ہے؟

یہ آخرالذکر گویا رسالت کا انکار ہے۔ ایک مقدس انسان کے لیے یہ درجہ نہ ماننا کہ یہ مقدس انسان جو کچھ کہہ رہا ہے وہ خدا کا حکم دے رہا ہے۔ یہ رسالت کا انکار ہے۔ اگر یہ درجہ تو مان لیا جائے مگر اسے رسول کا نام نہ دیا جائے تو یہ قومی کفر نہیں ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے پہلے کی قومیں لفظِ رسول استعمال نہیں کرتیں اس لیے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ پہلے کوئی رسول ہی نہیں آیا۔

جب یہ چیز مان لی جائے گی کہ یہ شخص سچا ہے۔ یہ کوئی بات اپنی نفسانیت سے نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے کہ یہ خدا کی بات ہے تو اس کی زبان سے خدا کا حکم ٹپک رہا ہے۔ جب ابر سے پانی۔ اس قسم کی بات کو مان لینا رسالت کو تسلیم کرنا ہے اور اس طرح کی چیز نہ ماننا رسالت کا کفر ہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

رسول کا منصب

رسول آتا ہے تو وہ لوگوں کو موت کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونے کے متعلق صحیح معلومات دیتا ہے اور اس پر اس زندگی کو ڈھالنے کا پروگرام دیتا ہے تاکہ انسان اس امتحان میں کامیاب ہو جائے۔

جو کافر پہلے گزرے ہیں، کیا تم نے ان کی تاریخ نہیں پڑھی؟ وہ ہلاک کر دیئے گئے اور دوسری زندگی میں بھی وہ بڑے دردناک عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں۔

آیت نمبر6: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

ترجمہ: "یہ اس لیے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا۔"

رسول کیا لاتا ہے؟

بیّنة: ایسا صحیح حکم کہ انسان کی عقل بغیر کسی حجت کے مان لے، اسے عربی میں بیّنہ کہتے ہیں یعنی عقل انسانی رسول کی تعلیم ماننے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے۔ رسول جو تعلیم پیش کرتے ہیں ایسی ہوتی ہے کہ سلیم الفطرت انسان کی عقل اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

وہ اس بین الاقوامی کفر میں کیوں مبتلا ہوئے؟ ان کے پاس رسول صاف طور پر ----بینات---- لے کر آئے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیتے تھے اس کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ:

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا

انکارِ رسالت کا سبب

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایک انسان کو اپنے اوپر اتنا بزرگ مان لیں؟ ہمیں براہِ راست حکم کیوں نہیں ملتا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک انسان کے دل میں اپنے الہام کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک منبع رکھا ہوا ہے جو اس کی استعداد کے مطابق اسے سیدھا الہام دیتا ہے۔ یعنی اچھا فکر خود بخود اس کے دل میں آ جاتا ہے۔ مگر ایک جماعت کے کام کے لیے جو پروگرام چاہیے وہ ایسا ''حجر بحت'' (1) نہیں لے سکتا اس کے لیے کوئی بہت ہی بڑا دل چاہیے۔ وہ جو کچھ دیتا ہے۔ وہ ایسی چیز ہوتی ہے جسے ہر فرد جماعت قبول کر لیتا ہے۔

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ

انہوں نے نبی کے لائے ہوئے لائحہ حیات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور الٹے پھرنے لگے اور خدا ان سے بے پروا ہو گیا۔ اس لیے کہ ان کی سمجھ کے مطابق ان کو ہدایت دے دی گئی تھی۔ اب اگر وہ نہیں مانتے تو خدا ان کی ہدایت کے لیے نیا سررشتہ قائم نہیں کرے گا۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

خدا منکروں کی مرضی کے مطابق ہدایت نہیں دیتا

یہ اس کی شان کے منافی نہیں ہے کہ وہ تعلیم دے کر بے پروا ہو جائے۔ جماعت کو ایک استاد دے دیا جو پوری طرح سمجھا دیتا ہے۔ اس کی تعلیم میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جماعت دوسرا استاد طلب کرتی ہے۔ کیا اب کوئی دوسرا استاد دیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا وہ جماعت کہتی ہے کہ یہ خود استاد ہیں کیا ان کو کوئی استاد دیا جا سکتا ہے؟ یا وہ کہتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو استاد دیا جائے۔ حالانکہ ان میں سے ایک بھی اس کے قابل نہیں ہے۔ تو کیا ان کا یہ مطالبہ مانا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اب بین الاقوامی کفر کی دوسری مد آتی ہے:

آیت نمبر 7: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

---

(1) یہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ اصطلاح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ''انسان کے دل کے اندر وہ نقطۂ نورانی، جس میں اللہ کی تجلی اور الہام کا ظہور ہوتا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے شاہ صاحب کی کتاب ''الطاف القدس'' اور ''تفہیمات الٰہیہ'' (آزاد)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز ان کو کوئی نہ اٹھائے گا تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھانا ہے پھر تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔''

بین الاقوامی شرک کی دوسری شق: انکارِ آخرت

یقین مانو۔ جس خدا نے یہ نظام بنایا ہے وہ تمہیں ضرور اٹھائے گا۔ جس نے اتنا بڑا نظام قائم کیا ہے۔ کیا وہ اسے یونہی ضائع کر دے گا؟ کیا میوہ پکنے کے بعد باغبان اسے یونہی چھوڑ دیتا ہے؟ خدا نے جو انسانیت کی ترقی کے لیے اتنا سامان جمع کیا ہے۔ اس کے جو نتائج نکلتے ہیں کیا ان سے انسانوں کو محروم کیا جاسکتا ہے؟ انسان میں ایک اعلیٰ قوت ہے وہ فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرسکتا ہے۔ اس نظام نے اس قوت کو برسرِ کار لاکر رکھ دیا ہے۔ بظاہر وہ حیوان ہے اور حیوانیت کے ساتھ ہی وہ فرشتوں کے سارے کام یہیں پورے کر دیتا ہے۔ پس جب فرشتوں کے لیے دوام ہے تو یہ انسان کس طرح مر سکتا ہے؟ جب انسان کو اتنا بکھیڑا کر کے فرشتہ بنا دیا تو کیا اس سے فرشتوں کے کام نہیں لیے جائیں گے؟ اس ایک کامل کے ساتھ اس کے کمالات کے ظہور کے لیے لاکھوں انسان وابستہ ہوں گے۔ وہ تو جماعت کا امام ہے۔ وہ ان کے ساتھ مل کر کام کرے گا پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اکیلا باقی رہے اور باقی مر جائیں؟

ان سے کہہ دو کہ تم ضرور کھڑے کیے جاؤ گے اور تم کو تمہارے عملوں کے نتائج سے آگاہ کیا جائے گا کہ یہ تمہارے فلاں کام کا نتیجہ ہے، اور وہ فلاں کام کا۔ وہ زندگی بے انتہا ہوگی۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے۔

آیت نمبر8: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

ترجمہ: ''سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن کو ماننے کی ضرورت

اس لیے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم قرآن کو مان لو۔ اور قرآن ماننے کے ساتھ ہی قرآن لانے والے رسول ﷺ کو بھی مان لو اور قرآن کے نازل کرنے والے اللہ کو بھی مان لو۔ قرآن حکیم کو مان لینے سے تم اس اجتماعی کفر پر غالب آ سکو گے۔

امنو باللّٰه: اللہ پر ایمان لاؤ

امنوا برسوله: رسول اللہ پر ایمان لے آؤ

نور الذی انزلنا: قرآن حکیم (پر ایمان لاؤ)

قرآن حکیم میں اس کفر اجتماعی پر غلبے کا نظام دیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ (سورۃ الصف: 9)

اس نور کو ماننے کے لیے اللہ اور رسول کو ماننا ضروری ہے۔ اس طریق سے تم انسانیت کی تکمیل کر سکو گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ

اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

آیت نمبر 9: یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

ترجمہ: ”جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا، اتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں، اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں، رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی۔“

لِیَوْمِ الْجَمْعِ: بین الاقوامی مقابلہ کا دن

(c) ketabton.com: The Digital Library

قومی درجے میں منافقت

جو شخص اسلام کا غلبہ نیشنل درجے میں کفر پر ثابت نہیں کرنا چاہتا، وہ منافق ہے، یعنی جو شخص اسلام لاتا ہے لیکن اپنے قومی کفر پر اُسے غالب نہیں کرتا اور غالب کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتا یعنی وہ بات کو صحیح مانتا ہے، مگر اسے اپنی قوم کے کافر حصے پر غالب کرنے میں مالی اور جانی مدد نہیں کرتا وہ منافق ہے۔ (اس نفاق کا ذکر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقوں میں آچکا ہے۔)

بین الاقوامی درجے میں منافقت

اس کے بعد کفر کا دوسرا درجہ بین الاقوامی درجہ ہے۔ قرآن کی تعلیم اصل میں اسی درجے کی ہے۔ قومی درجہ مبادی کا درجہ ہے۔ وہ اس بین الاقوامی درجے کی تکمیل کے لیے ہے۔ جو شخص قرآن کی تعلیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کی حکمت کو بھی جانتا ہے۔ مگر اسے بین الاقوامی درجے میں کفر پر غالب کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی سے گریز کرتا ہے۔ وہ بھی منافق ہے۔ اس سورت ''التغابن'' میں اس سے خطاب ہے۔

وہ دن جب ساری قوموں کے جمع ہونے والے دن کے لیے ان کے ساتھ جمع کیا جائے گا کہ بین الاقوامی کفر پر غالب ہونے کی کون کوشش کرتا رہا۔

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی جماعتیں انٹرنیشنل درجے پر کام کرتی رہیں۔ اب تینوں قوموں کا مقابلہ ہوگا کہ کس نے اجتماع پر غالب آنے میں مقابلتہً زیادہ کام کیا۔ پس قرآن کی تعلیم پر اس طرح ایمان لانا چاہیے کہ سب کے مقابلے میں درجہ اوّل حاصل کرے۔ یہاں سستی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور منافقت کی کھپت ہی نہیں ہوسکتی۔ یا صاف طور پر مانو یا صاف انکار کرو کہ ہم کام نہیں کریں گے۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ (وہ دن ہے ہار جیت کا)

یوم تغابن

جب تم انٹرنیشنل مقابلے میں آگے بڑھے تو سمجھو کہ جیتے۔ اگر وہاں ہارے تو سمجھو

(c) ketabton.com: The Digital Library

کہ دو کوڑی کے بھی نہیں۔ قرآن کا نظام یہ ہے کہ ساری قوموں کے مقابلے میں جیت جاؤ۔

مسلمانانِ ہند بین الاقوامی مقابلہ کر سکتے ہیں

بدقسمتی سے ہمارے پھسڈی امام بن گئے ہیں، جو نہ آگے بڑھنا جانتے ہیں نہ الگ ہوتے ہیں۔ جو لوگ گاندھی جی کا مقابلہ کرنا نہیں جانتے وہ برٹش گورنمنٹ سے کیا مقابلہ کریں گے؟ ان میں عقل کا ذرہ تک نہیں ہے۔

ایک لادینی لوگ ہیں کہ ان کے پروگرام کی صرف دو سطریں ہیں۔ مگر وہ بین الاقوامی مقابلے کی ہمت کرتے ہیں۔ تو کیا مسلمان اپنے عظیم الشان بین الاقوامی پروگرام کو نہیں چلا سکتے؟ اگر نہیں تو وہ مسلمان کیوں بنے بیٹھے ہیں؟ مسلمان کا اصلی مشن بین الاقوامی مقابلہ ہی ہے۔ مسلمان نوجوان یہ کام کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کو ان کی صحیح قوت کا علم نہیں ہونے دیا جاتا۔

قرآن کی تعلیم کو بین الاقوامی غلبہ دینے کے لیے:

(1) پہلے پروگرام سوچنا چاہیے۔ جو نہیں سوچتا وہ کافر ہے۔

(2) سوچنے کے بعد جو جان و مال صرف نہیں کرتا۔ وہ منافق ہے۔

اس وقت ہمارے لیے تعلیم قرآن کافی ہے۔ ہمیں اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ کافی ہے۔

دنیا میں اس وقت لادینی اعتدال پسند اور لادینی انتہا پسند اپنے اپنے پروگراموں کو بین الاقوامی غلبہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ مگر ہر ایک کو قربانی دینی پڑتی ہے مثلاً اعتدال پسند ''امپیریلسٹ'' طاقتوں نے ہندوستان کا بحری راستہ بنایا اور اس راستے کے بنانے میں خدا جانے انہیں کتنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔ مسلمان اعتدال پسند بھی چاہیں تو جان قربان کر کے کچھ کر سکتے ہیں مگر چونکہ وہ منافق ہیں اس لیے وہ یہ بھی نہیں کرتے۔

جو شخص قرآن حکیم کے پروگرام کو مان کر اس پر پوری طرح عمل کرے گا اسے جنت میں جگہ ملے گی۔ یہ اس کے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوگا۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 10 : وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں، وہ لوگ ہیں دوزخ والے، رہا کریں اسی میں اور بری جگہ جا پہنچے۔''

بین الاقوامی کام سے انکار کا نتیجہ

جو لوگ اس بین الاقوامی پروگرام پر عمل کرنے سے انکار کر دیں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

کام کے لیے عملی ہدایات

دوسرے رکوع میں اس فکر (Idea) پر کام کرنے کے متعلق عملی ہدایات دی جائیں گی لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہدایات دی جائیں چند ابتدائی باتیں بتا دینا ضروری ہے۔

آیت نمبر 11 : مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بغیر حکم اللہ کے، اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر، وہ راہ بتلائے اس کے دل کو، اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔''

دو نہایت ضروری باتیں

(1) بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا ہوگا

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام پر اپنی ذمہ داری پر کام شروع کرے گا اس کی کوئی گھڑی مصیبت سے خالی نہ ہوگی۔ بیوی کچھ کہے گی، بچے کچھ مطالبہ کریں گے۔ ماں باپ کچھ اور ہی کہیں گے اور برادری کچھ اور۔ ان حالات میں اس کا ایمان اتنا قوی ہونا چاہیے کہ وہ ان مصیبتوں کو برداشت کرے اور اپنے عقلی فیصلے پر قائم

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہے۔ اس کے لیے پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ ہر مصیبت جو انسان کو پہنچتی ہے اللہ کے براہ راست فیصلے سے پہنچتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس پروگرام پر عمل کرنے والے کی تائید ہونی چاہیے کیونکہ اللہ کا انسانیت کے لیے فیصلہ کن پروگرام ہے اور ملاء اعلیٰ کا فیصلہ ہے اور زمین و آسمان کی تمام طاقتیں اس کی مقہور ہیں۔ پھر مصیبت کیوں آئے گی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دوسری مصلحتیں اس کے متعارض پیدا ہو جاتی ہیں جن سے اسے ضرور تکلیف پہنچے گی لیکن جب تک خدا تعالیٰ کا فیصلہ اس دوسری مصلحت کو ترجیح نہ دے گا اس وقت تک اسے تکلیف نہ پہنچ سکے گی۔ شاہ ولی اللہ کی حکمت میں اسے تدبیر کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد اسباب متعارضہ میں سے کسی ایک سبب کو حکمت کے مطابق ترجیح دینا ہے۔ جب تک اللہ ترجیح نہ دے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس کا پروگرام پر عمل کرنے والے کو جو مصیبت پہنچے گی وہ اللہ کی اجازت اور اس کے فیصلے سے پہنچے گی۔ اس وقت کیا کرنا چاہیے؟

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

مصیبت کے وقت وہ شخص اپنی دماغی قوت پورے اطمینان کے ساتھ اس فیصلے کی حکمت پر متوجہ کر دے تو اس مصیبت کی علت اور حکمت بھی اسے سمجھ میں آ جائے گی۔ اور وہ خود پکار اٹھے گا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو ان حالات میں میں بھی یہی کرتا۔ اس سے اس کے دماغ پر سے بوجھ اتر جائے گا۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝

وہ خدا جو اس کائنات عظمیٰ کو چلا رہا ہے تمام اسباب عاملہ سے بخوبی واقف ہے اس لیے اس کے فیصلے پر مطمئن ہو کر کام کرتے رہنا چاہیے اور مصیبت کے وقت جزع فزع (چیخ و پکار) نہ کرنی چاہیے اور نہ کام سے گریز کرنا چاہیے۔

آیت نمبر 12: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝

ترجمہ: ''اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

(2) مصائب کے وقت کیا کیا جائے؟

بین الاقوامی کام میں ایک تو انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے ہر قسم کی مصائب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس کے لیے وہ اطیعوا اللّٰہ پر عمل کرے۔ یعنی اپنے عقلی یقین میں کبھی پریشانی پیدا نہ ہونے دے۔ ہر وقت اطاعتِ الٰہی مصروف رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسے جن فیصلوں کے ماننے کے لیے کہا جائے گا وہ ہمیشہ خود اس کے گھر کی ضرورتوں کے پیشِ نظر نہیں دیئے جائیں گے۔ اس وقت بھی اسے ان اجتماعی فیصلوں کی پابندی کرنی ضروری ہوگی۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ

(الف) اطاعت الٰہی کیا ہے؟

اصل اساسی قانون کی اطاعت کرو۔ یعنی اپنا نظریہ بین الاقوامی قانون کی اطاعت بناؤ۔ اپنی نظر صرف اپنی ذات یا اپنے گھر تک محدود نہ رکھو بلکہ اپنی ذات اور اپنے گھر سے باہر بھی نگاہ ڈالو۔ باہر بھی لوگ بستے ہیں ان سب کی ضروریات کے پیش نظر جو بین الاقوامی قانون خدا نے دیا ہے اس کی اطاعت کرنا اپنا لائحہ حیات بناؤ۔

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

(ب) اجتماعی فیصلوں میں رسولؐ کی اطاعت کرو

ایک گھر کا نظام اس گھر کے بزرگ کی مرضی پر چل سکتا ہے۔ اس میں نسبتاً زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ افراد خاندان اپنی مرضی سے تنگی برداشت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تنگی جو انسان اپنے فیصلے سے قبول کرے زیادہ محسوس نہیں ہوا کرتی۔ مگر یہ تحریک زیادہ دیر تک ایک گھر میں محدود نہیں رہ سکتی۔ فرض کرو کہ اس کا ہمسایہ ہے اس کے گھر میں بھی یہ تحریک چل رہی ہے اور کچھ عرصے کے بعد چاروں طرف کے گھروں میں یہ تحریک اپنا قدم جما لیتی ہے۔ اب اس تحریک کا رہنما جو جو حکم دے گا وہ ان سب گھرانوں کی مصلحت کے پیش نظر دے گا۔ تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اس فیصلے کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ماننا ضروری ہے۔ یہ اجتماعی حکم جو رسول دیتا ہے اس کی اطاعت اجتماعی درجے میں سب گھرانوں پر لازم ہے۔ یہ چھوٹے پیمانے پر ''بین الاقوامی'' کام بن جاتا ہے۔ اپنے گھر میں اس اساسی قانون کے مطابق تم خود فیصلہ کرتے تھے یہ پہلا درجہ تھا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اجتماعی درجے پر رسول کا حکم مانو، وہ سوسائٹی کی عام ضرورت کے مطابق حکم دے گا۔ (رسول اللہ ﷺ کے بعد محلے کی پنچایت کو رسول اللہ کی جگہ رکھ لو) پنچایت جو فیصلہ کرتی ہے وہ بعض اوقات شخصی فیصلے کے خلاف ہوتا ہے لیکن تحریک کی کامیابی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے مانا جائے۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

اگر تم اس اصول کو نہیں مانتے۔ یعنی:

(1) بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا ہوگا، اس وقت اپنے عقلی فیصلے کی خلاف ورزی نہ کرو۔

(2) رسول کے فیصلے کو اپنے شخصی فیصلے پر ترجیح دو اور اپنا مطمح نظر بین الاقوامی رکھو۔

اگر تم اسے نہیں مانتے تو نہ مانو۔ رسول کا کام صرف یہ ہے کہ وہ یہ باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دے۔ اب اطاعت کرنا تمہارا فرض ہے۔ اس کے بعد تمہیں جھگڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔

آیت نمبر 13: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہیے بھروسہ کریں ایمان والے۔''

خدا پر بھروسہ رکھو

ابتدائی اور اجتماعی قانون کے نفاذ کے وقت یعنی گھر میں کام کرنے میں اور بین الاقوامی کام کرنے میں مصائب کا سامنا ہو تو یقین رکھو کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ گھر کی مصیبتوں اور مشکلوں کی فریاد اللہ سے کرو اور اجتماعی حکم سے جو تکلیف پیش آئے اس کی فریاد بھی اللہ ہی سے کرو۔ رسول کے حکم کی صرف اطاعت کرنی ہوگی۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اس پر عمل کرنے والے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ ان کی دقتوں (مشکلات) کو دفع کرسکتا ہے۔

آیت نمبر14: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: ''اے ایمان والو تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذر رو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔''

عملی ہدایت کا کام ہمیشہ گھر سے شروع کرو

اجتماعی مقابلہ نہایت عظیم الشان کام ہے۔ اگر اس کی بنیاد مستحکم نہ ہو تو وہ دیر پا نتائج پیدا نہیں کرسکتا اور نہ اس قسم کا بین الاقوامی پروگرام کامیاب ہوسکتا ہے۔ پس اس فکر پہ سب سے پہلے اپنے گھر میں عمل شروع کرنا ضروری ہے۔

کیوں؟

ہر شخص کو خدا نے اپنے گھر کا بادشاہ بنایا ہے۔ وہ اس محدود حکومت میں اپنے بلند نظریے کو کامیاب کرے۔ تمام افراد اس طرح اپنے اپنے گھر میں کام پر لگ جائیں۔ تو یہ پروگرام بہت جلد کامیاب ہوسکتا ہے۔ یہ ہر مومن کا فرض ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بلند فکر (Idea) کو جو یوم الجمع کی چیز ہے سب سے پہلے گھر میں نافذ کرنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا کہ: ''اے مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہاری عورتوں اور بچوں میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو تمہارا دشمن ہے۔ یعنی تمہاری تحریک کا مخالف ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیوی بچے انسان کے طبعی دشمن ہیں۔ یہ غلط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس تحریک اور اس فکر کے قائل نہیں ہیں۔ جب گھر کے آدمی فکر کے مخالف ہوں تو تحریک کو کامیاب بنانا سخت مشکل ہے۔

اس پروگرام کو تدبیر منزل کے درجے میں منظم کرنا قرآن عظیم کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس تحریک کو چلا کر سارے

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

گھروں کو منور کر دیا اور اس کامیابی کی بنیاد پر قیصر و کسریٰ سے مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کی بنا پر یہودیوں کو مدینے سے خارج کیا گیا۔ اس شہر میں کوئی گھر ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں یہ پروگرام منظم نہ ہو چکا ہو۔

رسول اکرم ﷺ کی ساری تعلیم اور صحبت کی برکت مدینۃ النبی میں مستقر ہو گئی۔ جب تک یہ شہر اسلامیت کا مرکز رہا، مسلمانوں کے اندر دین میں فکری اختلاف پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں تو یہ مقدس شہر دینی اور سیاسی دونوں قسم کا مرکز رہا۔ مگر بنی امیہ کے دورِ خلافت میں بھی یہ کم سے کم دینی مرکز ضرور رہا۔ ان دونوں زمانوں میں مختلف مذاہب پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن جب مدینے کی مرکزیت بغداد میں منتقل ہو گئی تو مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔

شہروں کی موجودہ حالت

ہماری رائے میں اب شہر برطانوی تحریک کے مرکز بن چکے ہیں۔ پس برطانیہ کی ڈکٹیٹر شپ کے ماتحت ہندوستانی تحریک شہروں سے شروع کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ شہروں کی عام آبادی پر برطانوی فکر غالب آ چکا ہے اور تجارت، تعلیم اور انصاف اس گروہ کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے بھی اپنے کام کے لیے پہلے تو احمد آباد کے باہر ایک گاؤں میں مرکز بنایا اور اب بھی واردھا میں آشرم بنا کر بیٹھے ہیں، جو ایک گاؤں ہے۔ ہم مولانا محمد قاسم کے فکر کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے ایک گاؤں (دیوبند) ہی کو اپنا مرکز بنایا۔ آج کل دیہات فی الجملہ (کسی درجہ میں) اس اثر سے پاک ہیں۔ مولانا محمد قاسم کے زمانے میں قصبات بھی اس اثر سے محفوظ تھے۔ پس تیاری کے مرکز دیہات میں ہونے چاہئیں البتہ اگر گورنمنٹ کے ساتھ مل کر کام کرنا ہو تو شہروں میں کام کرنا چاہیے۔

گھر والوں سے لڑو نہیں

فَاحْذَرُوْهُمْ (ان سے بچو)

ان کی دشمنی کو اپنی تحریک پر کامیاب نہ ہونے دو۔ یہ نہیں کہ ان سے لڑائی ٹھان لو۔

www.fahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان کو ساتھ ملاؤ

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا (انہیں معاف کرو، اور درگزر کرو)
وہ تحریک کی مخالفت کریں تو معاف کردو گویا سنا ہی نہیں کیونکہ اس نرمی کے برتاؤ سے تحریک ان کی سمجھ میں آ گئی تو وہ تمہار دوست اور دست و بازو بن جائیں گے۔ اگر وہ دوست بن جائے تو پہلی مخالفت کو بھول جاؤ اور اس پہلی مخالفت کی سزا مت دو۔
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
اس سلسلے میں خدا کی شان دیکھو کہ جو لوگ اس تحریک کی مخالفت کرنے کے بعد اس تحریک کے دوست بن جاتے ہیں وہ ان کی پہلی مخالفت کو بخش دیتا ہے اور اب وہ اس تحریک کے سلسلے میں جو کام کرتے ہیں اس کا معاوضہ نہایت فراخدلی کے ساتھ دیتا ہے۔

آیت نمبر15: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ
ترجمہ: ''تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو، اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے ثواب بڑا۔''

اولاد و اموال کیوں دیئے گئے ہیں؟

یہ مال و دولت اور اولاد تمہیں آزمائش کے لیے دیئے گئے ہیں یعنی یہ دیکھنے کے لیے کہ جب تم اس تحریک کو صحیح مانتے ہو اسے اپنے مال و دولت اور اولاد میں جاری کرتے ہو یا نہیں۔ جو شخص اس تحریک کو اپنے ماتحت اشخاص اور اشیاء میں جاری نہیں کرسکتا اس سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

اجر عظیم کیوں؟

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ
تم ان کو سمجھانے کی جو کوشش کرو گے اس کا تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ اس لیے کہ ان کے دوست ہو جانے کے بعد تمہارا گھر تمہارے ہمسایوں کے لیے نمونہ بن جائے گا۔ اور جہاں جہاں تک اس نمونے کا اثر پہنچے گا اس پر تمہارا اجر متحقق ہوتا جائے گا۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر16: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: ''سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے۔''

تقویٰ کیا ہے؟

اللہ کے قانونِ انصاف کی پابندی کرو یعنی اس انقلابی پروگرام کی پابندی کرو جو قرآنِ حکیم پیش کرتا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام کے لیے قرآنِ حکیم کا قانون ہی قانونِ انصاف ہے اور یہی انقلابی پروگرام ہے جس کی پابندی کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ اس پروگرام کے کسی خاص حصے پر زور دینا مقصود ہو تو اسے بھی تقویٰ کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو توجہ دلانا مقصود ہے کہ وہ اپنا کام کرے۔ تو اسے کہا جائے گا کہ وہ ایسا سمجھے گویا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ یا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کا جو نتیجہ اللہ کے ہاں مقرر ہے اسے کام کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد کرلے۔ ایک شخص ایک کام کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے راحت ملے تو وہ اپنے اوپر راحت طاری کر لے۔ اس سے عزم میں زیادہ ہمت پیدا ہوتی ہے اور انسان تیزی سے کام کر سکتا ہے اگر برا کام کیا ہے تو پوری طرح سمجھ لے کہ اس کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی اس وقت تقویٰ کا ترجمہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرو جو خدا نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ یہ پورے تقویٰ کا ایک حصہ ہے۔

تقویٰ کا پورا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کے انقلابی پروگرام پر عمل کرو۔

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا

اور حکم سنتے رہو اور اس کی اطاعت کرتے رہو۔

تمہیں آگے بڑھانے کے لیے جو پروگرام دیا جائے اس کی تعمیل کرتے رہو یہ رسول اللہ ﷺ کا کام تھا کہ یہ طے کرتے کہ اس گھر کو کس درجے کا کام دیتا ہے۔ جب وہ ایک منزل طے کر لیتا ہے اسے دوسرا کام دے دیا جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قومی رہبر کی شان

ایک امیر اپنی رعیت کو اسی طرح احکام دیتا ہے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے۔ کل کا سبق یاد کر لیا تو نیا سبق دے دیا جائے گا اگر یاد نہیں کیا تو اسے کہہ دیا جائے گا کہ ابھی اسے یاد کرو۔ امارت (سربراہی) کی حقیقی شان یہ ہے کہ امیر بطور معلم کام کرے۔ اس قسم کی حکومت نیشنل حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ جب اپنی قوم کا امیر ہوگا تو وہ اپنے خاندانوں کو تعلیم دیتا جائے گا۔ جہاں دوسری قوم کا امیر ہوا وہ اس قوم کے افراد کو اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ یہ قدرتی قاعدہ ہے اس لیے ہر ایک شخص کے لیے اپنی قومی حکومت پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ جو تعلیم اس سے ہٹانے کے لیے دی جاتی ہے اسے ختم کرو۔

جملہ معترضہ:

کابل میں ہمارے ساتھ چند نوجوان تھے۔ وہ لاہور کے کالجوں سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ہماری ان سے چوبیس گھنٹے کی صحبت رہتی تھی۔ جب ہم ان (نوجوانوں) سے اپنے کسی اچھے فکر کا ذکر کرتے جو انہیں پسند آتا تو ہم کہتے کہ یہ ہمارے استاد کا فکر ہے اور اپنے استاد کا نام نہایت محبت سے لیتے۔ جب انہوں نے چند بار یہ چیزیں محسوس کی تو ایک نوجوان نے کہا کہ آپ ہر وقت اپنے استاد کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم تو اپنے استادوں کا کبھی ذکر نہیں کرتے، حالانکہ ہم نے بھی کالجوں میں استادوں سے پڑھا ہے اور اب آپ بھی اس علم کے محتاج ہیں۔ اور ہم آپ کو پڑھاتے ہیں۔ آپ کا یہ فعل ہمارے دماغوں پر ایک بوجھ ہے۔ (اور واقعہ یہ ہے کہ جیسے ہم ان کو سکھاتے تھے ان سے سیکھتے بھی تھے) ہم نے کہا کہ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ ہمارا استاد ہمارا تھا مگر تمہارے استاد تمہارے اپنے نہیں تھے وہ یہاں یوروپین طریق لا کر اسے کامیاب بنانا چاہتے تھے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مولانا شیخ الہند کا طریق تعلیم

ہمارا استاد ہمیں پڑھاتا تھا ہم اس سے باپ کی طرح محبت کرتے اور محسوس کرتے تھے۔ جب ہم نے اس کے ماتحت سیاسی کام شروع کیا تو وہ اس وقت بھی اس طرح حکم دیا کرتا تھا۔ جیسے بچوں کو دیا جاتا ہے۔ مگر ہمیں مسرت وہی ہوتی تھی جو باپ کے حکم سے ہوتی ہے۔ ہم کبھی محسوس ہی نہ کرتے تھے کہ ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ ہم ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم سے مشورہ کیا جا رہا ہے ہمیں ہمارے استاد نے کبھی کوئی حکم، حکم کی شکل میں نہیں دیا۔ ہم نے انکار کر دیا تو معاملہ وہیں ختم ہو جاتا تھا۔

ایک مثال: سفر کابل کا ذکر

ہمارے استاد نے ہمیں ایک مرتبہ کہا کہ اگر ایک آدمی کابل جاتا تو اچھا تھا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں چونکہ کابل جانے کا مخالف تھا اس لیے میں نے عذر کر دیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر کافی زمانہ گزر نے کے بعد (جو میرے خیال میں ایک سال سے کم نہ ہوگا) انہوں نے ایک دفعہ پھر اس مسئلے کے متعلق گفتگو کی۔ اب جنگ شروع ہو چکی تھی۔ حالات بدل گئے تھے، مگر گفتگو اسی طرز پر تھی کہ کوئی آدمی کابل جائے تو تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا میرا تعارف ہندوستانی مسلمانوں کی مرکزی سوسائٹی سے کرا چکے تھے۔ میں اس میں ایک معزز ممبر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ میں اس دلچسپ مشغلے کو چھوڑ کر کابل کے خشک بیابانوں میں جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے دوسری دفعہ بھی عذر کر دیا۔ آپ پھر بھی خاموش ہو گئے۔ تیسری دفعہ واقعہ یوں ہوا کہ مجھے اطلاع ملی کہ مولانا برکت اللہ برلن سے استنبول ہو کر (2 اکتوبر 1915ء کو) کابل آ رہے ہیں۔ اور مہندر پرتاپ بھی ان کے ساتھ ہے۔ دلی میں ایک دوست

(c) ketabton.com: The Digital Library

نے مجھے بتایا۔ تو میں دوڑا ہوا دیوبند آیا اور مولانا سے ذکر کیا کہ برکت اللہ اور مہندر پرتاپ وہاں (کابل) آ گئے ہیں۔ مولانا کو چونکہ کابل کے معاملات سے خاص دلچسپی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔ تخلیے کے مناسب وقت میں ذکر کیا، مولانا یہ سن کر مجھ پر اس قدر برہم ہوئے کہ اتنے کبھی برہم نہیں ہوئے تھے۔ فرمایا: دیکھو! ایک ہندو یہاں سے برلن جاتا ہے اور برلن سے قسطنطنیہ آتا ہے اور وہاں کابل۔ اور میں اتنے دنوں سے سر پٹک رہا ہوں، کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ یہاں سے دو قدم کابل چلا جائے (یہ میرے متعلق تھا) میرا یہ حال تھا کہ میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں پھر مولانا سے نہیں ملا اور کابل چلا گیا۔ میرے گرد کئی حلقے تھے جن میں سے نکل جانا سخت دشوار تھا۔ ہر طرف سے راستے بند تھے۔ میرا ایک دوست بھی نہیں، جس سے میں مشورہ کرتا اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر میں پکڑا گیا تو حضرت مولانا یہ خیال کریں گے کہ عبیداللہ جانا نہیں چاہتا تھا اس لیے اپنے آپ کو پکڑوا دیا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ عبیداللہ پکڑا جانا نہ چاہے اور وہ پکڑا جائے۔ الغرض خدا کے فضل سے میں یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل ہی گیا۔ میں اسے بھی حضرت مولانا کی ایک کرامت مانتا ہوں۔ میں یہاں یہ روشن کرنا چاہتا ہوں کہ اپنا امیر اپنے لوگوں کو اس طرح حکم دیتا ہے کہ اس کے بعد ہم ایک دوسری مسلمان قوم کے مسلمان حاکم (امیر کابل) کا تجربہ کر چکے ہیں۔ وہ ہم پر انگریزوں سے بہتر حکومت نہیں کرتا۔ اس کے بعد میں حقیقی معنوں میں ہندوستانی بنا ہوں۔ میرا حاکم ایک ہندوستانی ہوگا۔

(مولانا سندھیؒ کابل میں ''عین العمارت'' میں مقیم تھے، اس میں ایک چوکھٹے میں یہ شعر لکھ کر لگا رکھا تھا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ماخانۂ امیدگان ظلمیم
پیغامِ خوش از دیارِ مانیست

غیر مسلم امیر کا امکان

میں اپنے لیے یقیناً ایک مسلمان حاکم چاہتا ہوں۔ میری عقل نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مسلمان میسر نہ آیا تو میں تھوڑی دیر کے لیے ایک غیر مسلم ہندوستانی کے ساتھ نباہ کر سکتا ہوں۔ مگر غیر ہندوستانی مسلمان کے ساتھ ایک سیکنڈ نہیں گزار سکتا۔ وہ مجھے غلاموں کی طرح مانتا ہے۔ ہندوستانی غیر مسلم مجھے کم سے کم ایک شریف ہمسائے کی طرح تو رکھے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو میں بھی اسے تکلیف پہنچا سکتا ہوں۔ اگر مسلمان ہو تو میں اس سے کوئی توقع نہیں باندھتا۔ گو ہر ایک قوم میں بعض انسان ہوتے ہیں جو اس قسم کے نہیں ہوتے۔ مگر وہ اتفاقاً ملتے ہیں۔ سیاسیات کی دنیا میں اتفاقات پر کسی قاعدے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

خرچ کونسا مال کیا جائے؟

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا "مال خرچ کرو"
بال بچوں کو کھلا کر جو بچے وہ اس تحریک میں خرچ کرو۔
لِّاَنْفُسِكُمْ "اپنے نفسوں کے فائدے کے لیے"
یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اس سے تمہاری ہی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
"جو اپنے نفس کے بخل سے بچ گیا وہ کامیاب ہے"

کامیابی کی شرط

جس شخص کو خدا قومی تحریکوں میں کام کرنے کے زمانے میں بخل سے بچا لے یعنی وہ قومی تحریکوں میں روپیہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے وہی لوگ جلدی کامیاب ہوتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر17: اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ

ترجمہ: ''اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا، وہ دونا کر دے تم کو اور تم کو بخشے اور اللہ قدر دان ہے تحمل والا۔''

درجہ اول اور درجہ دوم کا ایثار

یہ جو خرچ کرنا ہے اس کا ایک درجہ یہ ہے کہ تحریک کے لیے سب کچھ دے دیا۔ اس سے کوئی توقع اپنی ذات کے لیے نہ رکھی۔ یہ اول درجے کا ایثار ہے۔ دوسرے درجے کا ایثار یہ ہے کہ روپیہ ہمارے پاس ہے مگر گھر میں بیکار رکھا ہے۔ ہم اسے دے نہیں سکتے۔ اس لیے کہ ہمیں اس کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔ یہ روپیہ قومی کاموں میں بطور قرض دے دو۔ گھر میں بیکار پڑا رہنے کی بجائے وہاں کام آتا رہے گا۔ ایسے قرضوں کے متعلق امیر کا فرض ہوگا کہ جب واپس مانگا جائے فوراً واپس کر دے۔ دوسری جگہ سے قرض لینا پڑے تو لے مگر اس کا قرض ادا کر دے۔ جب تک امیر اپنی یہ ساکھ قائم نہیں رکھتا ہے کہ ہر مطالبے کے وقت روپیہ ادا کر دیتا ہے۔ اس وقت تک وہ قومی قرض کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ یورپ نے اسے منظم کر کے بنک کا نظام قائم کرلیا ہے اور ہمارے لوگ اُلّو ہیں کہ یورپ سے قرض لے کر حکومتیں چلاتے ہیں۔ وہ اپنی قوم سے کیوں قرض نہیں لیتے؟ اس لیے کہ ان کی ساکھ خراب ہو چکی ہے۔ جس شخص کی اتنی ساکھ بھی نہیں کہ اس کی قوم اسے قرض دے، اس کا حکومت پر رہنے کا کیا حق ہے؟ ہمارے بوسیدہ نظام میں نالائق سے نالائق کی طاقت قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

امیر کی اطاعتِ بلاشرط کا توڑنا شاہ صاحب کی حکمت کا ایک اساسی اصول ہے۔

قَرۡضًا حَسَنًا

قرضِ حسنہ

سود نہیں مانگو گے۔ جب تم اصل مانگو گے تو واپس کر دیا جائے گا۔

یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تمہارے مال میں بڑی برکت دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو امیر (بطور تبرع) دوگنا کر کے روپیہ واپس دے دیا جائے۔ (یہ سود نہیں ہے)

وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اگر تم نے اب تک روپیہ بیت المال میں نہیں رکھا تو خیر۔ اب یہ کام شروع کرلو۔ پہلی غلطی معاف ہے۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ

اگر تم اس طرح روپیہ قرض دے کر بھی تحریک کی مدد کرو تو اللہ تمہارے اس فعل کا تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر یہ نہ کر سکو یعنی تمہارے پاس روپیہ ہی نہ ہو تو خیر اللہ رحم کرے گا۔

آیت نمبر 18: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا۔''

قرآن عزت وحکمت کا کفیل ہے

اللہ غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔ اور عزت اور حکمت دینے والا ہے۔ یہ عزت اور حکمت اس قانون کی پابندی سے ملے گی۔ اس حکمت کو سمجھ کر اسے عزت کا ذریعہ بنانا یہی قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ بظاہر حالات چاہے کتنے ہی تعلیم قرآن کے خلاف نظر آتے ہوں کبھی پریشان نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ جس نے یہ فکر دیا ہے وہ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔

سورۂ تغابن مکمل ہوئی۔

بشیر احمد 25 نومبر 1943ء

گوجر خان

==========

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الطلاق

تمہید سورت

سورہ طلاق کا مضمون

سورۂ طلاق میں اجتماعیت انسانیہ کے ایک اہم مسئلے طلاق کی ضرورت پر بحث کی گئی ہے۔

سورۂ تغابن کے ساتھ ربط

سورۂ تغابن میں بین الاقوامی اجتماعیت کا تذکرہ تھا۔ اس مقصد اعلیٰ سے جو چیز سب سے زیادہ مؤثر طور پر روک سکتی ہے وہ عورت ہے۔ مرد اپنی اجتماعی زندگی میں عورت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اہلی (گھریلو) زندگی بن نہیں سکتی۔ اگر عورت مرد کے اعلیٰ پروگرام میں اس کا ساتھ نہ دے تو وہ مرد کو بہت پیچھے ہٹا سکتی ہے۔ مرد میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ وہ عورت کی رکاوٹ کو دور کر سکے۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب تک عورت کو یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مرد مجھے علیحدہ کرنے پر قادر ہے اس وقت تک وہ درست ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اگر مرد اپنی قوت مردی کے سے عورت کو اپنا مطیع و منقاد بنانے کے بعد اسے یقین دلا دے کہ اگر وہ اس کے اعلیٰ پروگرام میں اس کا ساتھ نہ دے گی تو اسے علیحدہ کر دے گا تو وہ کبھی علیحدہ ہونے کا نام نہ لے گی اور مرد کی پوری پوری اطاعت کر کے اس کی معاون بن جائے گی۔ اس لیے مرد میں اس کی قوت محفوظ رہنی چاہیے کہ اگر کبھی عورت اسے کام سے روکے تو اسے علیحدہ کر سکے جو شخص عورت کو چھوڑ سکتا ہے وہ اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لا سکتا۔

سورۂ تغابن کی آیت نمبر 14 میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اس آیت پر صرف عورت کے معاملے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اعلیٰ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اجتماعی تحریک کی مخالف ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں اسے سمجھا بجھا کر ساتھ رکھنا چاہیے۔ اگر عورت مخالفت کرے تو اس کے دو درجے ہو سکتے ہیں:

(1) ایک شکل تو یہ ہے کہ وہ آج مخالف ہے مگر سمجھانے بجھانے سے کل کو سدھر سکتی ہے۔ اس صورت میں اس کی پہلی لغزشیں معاف کردو (تعفوا) اور درگزر کردو (تصفحوا) اور ان کو سزا مت دو (تغفروا) اور اس کو معاف کردو۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ باوجود سمجھانے بجھانے اور مآل (نتائج) بتانے کے عورت تمہارا پروگرام چلنے نہیں دیتی۔ اور تم سیاست منزلی کے اصول کے مطابق (جن کا ذکر قرآن حکیم میں کس یاور جگہ وضاحت سے کردیا گیا ہے) اسے اپنی تحریک میں شامل کرنے سے عاجز آ گئے ہوں تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ طلاق دے دی جائے۔

نبی کو کیوں مخاطب کیا؟

اس سورت میں پہلے نبی اکرم ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی خدا اور رسول کی اطاعت میں لوگ طلاق دیں تو خدا کا قانون یہ ہے کہ اگر نبی کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ بھی یہی کرے۔

یہاں ہم حکم پر بحث نہیں کرتے۔ وہ تو صاف موجود ہے، البتہ چند جملے جو زائد آگئے ہیں ان کی تشریح کردیتے ہیں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (یہ اللہ کی حدود ہیں)

حدود اللہ کیا ہیں؟

''حد'' کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں کوئی چیز ختم ہو جائے۔

قانون ہمیشہ اپنی حد مقرر کرلیتا ہے۔ وہ کسی بات کو انسان کے اختیار تمیزی (Indgement) پر نہیں چھوڑتا۔ قانون یہ نہیں کرتا کہ کام بتا دے اور پھر اجازت دے دے کہ جس طرح چاہو کرو۔ قانون یہ بتاتا ہے کہ ان حدود کے اندر رہ کر یہاں سے وہاں تک کام کرو۔ ان حدود کے اندر سمجھدار اور بے سمجھ سب چل سکتے ہیں۔ اختیار کی صورت میں صرف سمجھدار ہی کام کرسکتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

گھر میں زندگی بسر کرنے کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اجتماعی قانون کے مطابق وابستہ ہو کر زندگی گزاریں۔ اب اگر میاں بیوی میں نہیں بنتی تو ان کی علیحدگی بھی قانون ہی کے حدود کے اندر رہ کر ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسری عورت جو آئے وہ یہ سمجھ کر آ سکتی ہے کہ مجھ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ پوری عزت کے ساتھ آ سکتی ہے۔ اور مرد کے ساتھ مل کر کام کر سکتی ہے۔ اور جب وہ مل کر کام نہ کر سکے تو عزت کے ساتھ رخصت کی جا سکتی ہے۔ اور یہ سب کام قانون کی حدود کے اندر رہ کر ہوں گے۔ اسے قانونی حفاظت حاصل ہے اگر مرد نے عورت کے حقوق پر تعدّی (زیادتی) شروع کی اور اسے ناحق دبانا شروع کیا تو وہ اس مرد کے ساتھ شریک رہ کر کام نہ کر سکے گی۔ یعنی اپنے فیصلے سے مرد کی قائم مقام ہو کر گھر کو نہیں چلائے گی۔ لیکن اگر مرد نے اس پر ظلم نہ کیا مگر وہ عورت اس کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتی۔ تو عزت کے ساتھ الگ ہو کر دوسرے کے گھر جا کر آباد ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ پہلے مرد کا بھی اعتبار قائم ہے کہ وہ قانون کا پابند ہے اس لیے دوسری عورت اس کے ہاں آ سکتی ہے۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو قانون کی حفاظت میں محفوظ محسوس کر سکتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

(جس نے اللہ کی حدود میں حد سے تجاوز کیا پس اس نے اپنے اوپر ظلم کیا)

جس نے قانون کی خلاف ورزی کی اس نے دوسرے پر تو بے شک ظلم کیا ہی ہے کہ اس کے حق چھین لیے مگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا کہ اب کوئی شخص اس پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ مل کر کام نہ کر سکے گا۔

نوٹ:

(افسوس کہ ہمیں کتاب کا مسودہ یہاں تک ہی دستیاب ہو سکا ہے،
تفسیر کا باقی حصہ ملنے کی صورت میں آئندہ ایڈیشن میں شامل کر دیا
جائے گا۔ آزاد)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عروج وزوال کے فطری اُصول

تم کرۂ ارض کی کوئی قوم لے لو۔ اور زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھو لو۔ جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے۔ اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو تم دیکھو گے کہ اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ اور ہے کہ وارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے۔ یعنی ایک قوم قابض ہوئی۔ پھر مٹ گئی۔ اور دوسری وارث ہوگئی۔ پھر اس کے لیے بھی مٹنا ہوا۔ اور تیسرے وارث کے لیے جگہ خالی ہوگئی۔ و هلمّ جرا

قرآن کہتا ہے یہاں وارث و میراث کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ چاہیے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیوں ہوتے ہیں؟ جو وارث ہوتے ہیں۔ کیوں وراثت کے حق دار ہوجاتے ہیں؟

فرمایا: اس لیے کہ یہاں خدا کا ایک اَٹل قانون کام کررہا ہے:

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (105:21)

کہ "زمین کے وارث خدا کے نیک بندے ہوتے ہیں۔"

(قرآن کا قانونِ عروج و زوال، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ص 97)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی دستورِ انقلاب

(پہلا حصہ)

سورۃ مزمل کی حکیمانہ، انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن سے غفلت؛ ایک بڑی کوتاہی

مسلمانوں کی ساری مصیبتیں صرف اسی غفلت کا نتیجہ ہیں کہ انھوں نے (قرآن حکیم پر مبنی) ایسی تعلیم کو چھوڑ دیا اور سمجھنے لگے کہ صرف روزہ نماز کے مسائل کے لیے اس کی طرف نظر اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اپنے تعلیمی، سیاسی اور تمدنی اعمال سے اسے کیا سروکار؟ لیکن وہ جس قدر قرآن سے دور ہوتے چلے جائیں گے، اتنا ہی تمام دنیا ان سے دور ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن آج خود مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ زبانی دعوے تو بہت ہیں، مگر عملاً قرآن سے اپنے اعمالِ دینویہ کو بالکل نکال دیا ہے۔ اسی وقت کی پیش گوئی قرآن نے پہلے سے کردی تھی کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (30:25)

قیامت کے دن رسولِ خدا عرض کریں گے کہ خدایا! میری اُمت نے اس قرآن کو ہذیان سمجھا۔ اور اس پر عمل نہ کیا۔ بلکہ پس پشت ڈال دیا۔

(قرآن کا قانونِ عروج وزوال، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ص 137)

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مقدمہ

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ (196:7)

”بے شک و شبہ میرا پروردگار وہ ہے جس نے انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق یہ ضابطۂ حیات (قرآن حکیم) اتارا، اور وہی صالحین کی جماعت کو (اس خدمت کے لیے) اپنا دوست بناتا ہے اور بناتا رہے گا۔“

کائنات میں تغیر و تبدل اور کشمکش کا سلسلہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس کا کوئی گوشہ اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بے جان مادے کے طبعی تغیرات سے لے کر حیوانات کی جہد للبقاء (Struggle for Existence) تک ہر جگہ یہ سلسلۂ تغیرات کارفرما نظر آتا ہے۔ حیوانات میں جوں جوں شعور بڑھتا جاتا ہے، کشمکش حیات پیچیدہ سے پیچیدہ تر صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نوعِ انسان میں یہ معمولی تنازع للحیات سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ یعنی ”اصولوں کی خاطر جنگ“ کی منزل پر پہنچ چکی ہے۔

انسانی معاشرہ (Society) میں ایک طبقہ دوسرے طبقے پر غلبہ پا کر مغلوب طبقے سے ناجائز انتفاع (Exploitation) شروع کر دیتا ہے تو مغلوب طبقہ کمزور ہونے کے باعث غالب طبقے کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دبتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک حد آجاتی ہے جس سے آگے وہ دب نہیں سکتا۔ اس وقت وہ طبقۂ بالادست کے خلاف جدوجہد کرنے لگتا ہے۔ یہ جدوجہد دو صورتیں اختیار کرتی ہے:

(1) ارتقائی جدوجہد

اس میں غلط کار طبقے کی اصلاح کی کوشش صرف وعظ و نصیحت سے کی جاتی ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور مغلوب طبقے میں بھی احساس عمل اس طریق سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس وعظ و نصیحت کے پیچھے کوئی طاقت نہ ہو تو وہ بالکل بے نتیجہ رہتی ہے۔ اور اگر برسر اقتدار جماعت مخالفانہ نشرواشاعت (Counter-propaganda) شروع کر دے تو پھر اس تبدیلی چاہنے والی جماعت کی کامیابی معلوم!

(2) انقلابی جدوجہد

اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ خرابی پیدا کرنے والی مقتدر جماعت کے خلاف کوئی صاحب فکر' دعوت و تبلیغ شروع کرتا ہے اور وہ اپنے گرد ایسی جماعت پیدا کر لیتا ہے، جو اپنے نصب العین پر اپنا سب کچھ (جان و مال، عزیز و اقارب اور اپنی ہر محبوب شے) قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہ جماعت صاحب اقتدار جماعت سے وہ آلۂ اقتدار چھیننے کی کوشش کرتی ہے جس کے بل بوتے پر وہ کمزور جماعت سے انتفاع کر رہی تھی۔ یہ طریق کار اکثر اوقات تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس انقلابی طریق کار کے تین ضروری جزو ہیں:

(1) نصب العین (Ideal)

(2) جماعت (Party)

(3) لائحۂ عمل (Programme)

نصب العین

نصب العین سے مراد ہے کہ کوئی جماعت اپنے سامنے سوسائٹی میں ایک غلط نظام پاتی ہے۔ وہ جماعت اسے برباد کر کے اس کی جگہ صحیح نظام لانا چاہتی ہے۔ تو یہ تخریب اور اس کی جگہ صالح نظام کے قیام کا ارادہ اس کا نصب العین کہلاتا ہے۔

گفت رومی ہر بناء کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

(رومی کہتا ہے کہ جو لوگ پرانی عمارت کو آباد کرنا چاہتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

پہلے اس عمارت کو توڑا کرتے ہیں)

جماعت

جماعت سے مراد یہ ہے کہ چند لوگ جو ہم فکر ہیں وہ اپنے فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ایک جسم کی طرح کام کرتے ہیں۔ اس حیثیت میں وہ جماعت کہلاتے ہیں۔

لائحہ عمل

لائحہ عمل یا پروگریم (Programme) سے مراد یہ ہے کہ وہ جماعت جس کا نصب العین معین ہے۔ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک طریقۂ کار سوچتی ہے۔ اس پر خوب اچھی طرح غور وفکر کرتی ہے اور آخر کار سب افراد اسے تسلیم کر کے اس پر گامزن ہونا قبول کر لیتے ہیں۔

جب تک کسی جماعت میں یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں وہ انقلابی نہیں کہلاسکتی۔ اس جماعت کا فکر شروع سے آخر تک ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ طریق عمل یا لائحہ عمل حسب ضرورت بدل سکتا ہے۔

چونکہ صاحب اقتدار جماعت لڑے بھڑے بغیر اپنا اقتدار چھوڑ نہیں سکتی، اس لیے انقلاب میں عموماً جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لیے انقلابی جماعت جنگ کو بطور ایک ضرورت کے جائز سمجھتی ہے۔ مگر لڑنے اور نہ لڑنے کا فیصلہ حالات کے مطابق کرتی ہے۔ ابتداء میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرتی ہے اور رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملاتی ہے۔ یہاں تک کہ زمام اقتدار سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس تیاری کے زمانے میں وہ مخالف کی طرف سے ہر قسم کے اشتعال کے باوجود کھلم کھلا لڑائی سے پرہیز کرتی ہے اور بطریق احسن طرح دیتی جاتی ہے اور سب حملوں کو نہایت استقامت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ اس کے ارکان کو اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہوتا ہے اور سب میں وحدتِ فکری ہوتی ہے۔ اس لیے دشمن کا پروپیگنڈہ یعنی "فکری

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حملہ'' ان کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ ان کی وحدتِ فکری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں وحدتِ عملی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو مشترک سمجھتے ہیں۔ اس لیے دشمن کا ''اقتصادی حملہ'' بھی انہیں منتشر نہیں کرسکتا۔

اگر قرآن حکیم کی تعلیمات پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو وہ بالکل انقلابی نظر آتی ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا عمل بالکل قرآنی انقلاب کی عملی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔[1]

نصب العین کا ثبوت قرآن سے

پہلے نصب العین کو لیجیے:

قرآن حکیم میں جابجا ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ ایمان کیا چیز ہے؟ کسی بات کو نصب العین بنا کر اسے اپنانا کہ اس پر پورے اطمینان اور انشراحِ قلب کے ساتھ اپنا سب کچھ قربان کیا جاسکے ایمان ہے۔ اس ایمان کے مرکز میں قرآن حکیم کو لے آیئے تو حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ کی مقدس جماعت کا عمل بالکل انقلابی نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین---- صحیح اور پائیدار قانون---- دے کر محض اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اسے تمام مجموعہ ہائے قوانین پر غالب کر دیں)۔ اب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو بے شک و شبہ نظر آتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو اپنا نصب العین بنایا اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیا۔

---

1. ہم نے یہاں لفظ جہاد چھوڑ کر عمداً انقلاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کے لیے جس نظام کی ضرورت ہے اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ لفظ جہاد میسر نہ رہنے کی حالت میں لفظ انقلاب سے بڑھ کر عوام کے لیے کوئی معنی خیز لفظ موجود نہیں ہے جو ہم استعمال کرسکیں۔ اگر ہم انقلاب کے تخیل کو اپنالیں اور ہندوستان کے اندر اسے کامیاب بنالیں تو ہم اس سے اگلی منزل کی تیاری کرسکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں اس کے بغیر آگے بڑھنے کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہمارے نزدیک درجہ نو آبادی کا حصول ہے۔ (سندھی)

(c) ketabton.com: The Digital Library

جماعت کا ذکر قرآن میں

اس کے بعد جماعت کو لیجئے:

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی ایک خاص تعداد ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شروع سے آخر تک کام میں شریک رہی۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر عموماً حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح میں ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ (29:48) (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ اور ان کے ساتھی) اور سورۂ توبہ میں ہے کہ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (88:9) (محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ شریک ایمان ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس آیت میں معین کیا گیا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (100:9)

(یعنی مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جو ان کی اچھی طرح پیروی کریں)۔

اس آیت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے دو حصے کئے گئے ہیں:

(1) وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لائے ان کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

(2) وہ لوگ جو ان کی پوری پوری طرح پیروی کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پہلی جماعت کی پیروی کرتے رہیں گے۔

پروگرام، قرآنِ حکیم اور آپ کی تشریحات ہیں

اب پروگرام (کو) لیجئے:

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ حزب اللہ کہلاتا تھا۔ اس کا پروگرام وہی ہے جو قرآن حکیم نے دیا تھا۔ یہ جماعت اپنے فیصلے قرآن حکیم اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تشریحات کے مطابق کرتی رہی۔ ان کے بعد جو لوگ ان کی پیروی پوری پوری طرح کریں گے (مُتَّبِعِیْنَ بِاِحْسَانٍ) وہ بھی قرآن حکیم اور تشریحات نبی کریم ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور جہاں نئے حالات میں نئی صورتیں پیدا ہوں وہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اپنے متفق علیہ یا اغلبیت (اکثریت) کے فیصلوں سے کام لیں گے۔ امیر اس جماعت میں سے ہوگا اور وہ اپنے رفقاء کے مشورے سے قائم کرے گا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں جسے امام الائمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خیرالقرون [1] قرار دیتے ہیں اسی طرز پر کام ہوتا رہا۔ اوراس سے سرمو تجاوز نہیں ہوا۔ اس کے بعد اختلافات کا ظہور ہونے لگا۔ اس لیے حضرت امامؒ کے نزدیک صرف حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا زمانہ قابل سند ہے۔

قرآن حکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سارا قرآن ان انقلابی اصولوں پر صحیح اترتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے پہلے پہل دنیا سے روشناس کرایا، انہوں نے اسے انقلابی رنگ ہی میں پیش کیا نہ کہ ارتقائی رنگ میں۔

صفحات مابعد میں سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی جو تشریح کی گئی ہے وہ انہیں اصولوں پر کی گئی ہے۔ (اَلْخَطَاءُ مِنِّیْ وَالصَّوَابُ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ)

قرآن حکیم نے جو انقلاب پیدا کیا وہ حقیقت میں کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف تھا [2] اس وقت کی مہذب دنیا کا بہت بڑا حصہ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت آچکا تھا۔ چنانچہ کسریٰ ایران کی حکومت مشرق میں سرحد ہندوستان تک پہنچ چکی تھی اور قیصر روم کی حکومت مغرب میں انتہائے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

1. شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''قرن اول زمان آنحضرت بو(صلی اللہ علیہ وسلم) از ہجرت تا وفات۔ و قرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین۔ بعد ازاں اختلافہا پدید آمد۔ فتنھا ظاہر گردید۔'' (ازالتہ الخفاء ص 121 وص 14) (یعنی قرن اول سے مراد حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک ہے جو ہجرت سے وفات تک ہے اور قرن دوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ہے اور قرن سوم سے مراد حضرت عثمانؓ کا عہد ہے۔ اس کے بعد اختلافات اور فتنوں کا ظہور ہوگیا)۔

2. شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ لاجرم داعیہ ظہور دین حق و قصد انتقام از کفرہ فجرہ برہم زدنِ دولت کسریٰ و قیصر را آشیانہ خود گردانید تا چوں ایں ہر دو دولت برہم خورد اعظم ادیان موجودہ در شہر آنہا برہم خوردہ باشد (ازالتہ الخفاء ص 46) (یعنی لامحالہ دین کے ظہور اور قانون شکن کفار سے انتقام کے عزم سے مراد کسریٰ و قیصر کی حکومت کی تباہی تھی کہ یہ دونوں حکومتیں تباہ ہو جائیں گی تو موجودہ دینوں میں سے بڑے دین خود بخود تباہ ہو جائیں گے۔)

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس عظیم الشان خطے میں انسانوں کی بہت وسیع آبادی موجود تھی۔ لیکن وہ انسانیت کے حقوق سے محروم کر دی گئی تھی۔ امیروں، جاگیرداروں اور شاہی خاندانوں نے مل کر کسانوں تاجروں اور پیشہ ور لوگوں کو اس بری طرح لوٹنا کھسوٹنا شروع کر رکھا تھا کہ وہ بیچارے گدھوں اور بیلوں کی حالت تک پہنچ گئے تھے۔ جن کو صرف اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ انسان کے کام آتے ہیں۔ سیاسی گروہ کے ساتھ علمی اور مذہبی گروہ نے بھی گویا ''سازش'' کر رکھی تھی۔ اور یہ آخرالذکر گروہ عوام کو اپنے حال پر مطمئن رکھنے کے لیے مذہب سے تلقین بہم پہنچاتا تھا۔ اور اس کام کی اجرت کے طور پر سیاسی گروہ کی لوٹ کھسوٹ میں سے حصہ پاتا تھا۔ بیچارے عوام چکی کے ان دو پاٹوں---- اقتصادی سرمایہ داری اور علمی سرمایہ داری---- کے بیچ میں پس کر رہ گئے تھے۔ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ان کی حالت کا دردناک نقشہ حجۃ اللہ البالغہ میں کھینچا ہے۔ وہ چشم عبرت بیں کے لیے دیدہ کشا ہے۔

ان حالات کا چربہ اس زمانے میں مکے کی زندگی میں وہاں کے فارغ البال لوگوں نے پیدا کر رکھا تھا۔ یہاں بھی رؤسا کا ایک طبقہ تھا جس نے عوام الناس کو اقتصادی لحاظ سے اور ''پروہتوں'' کے گروہ نے ذہنی لحاظ سے غلام بنا رکھا تھا۔

دنیا کی یہ حالت تھی جب حضرت نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ قرآن حکیم اس حالت کا نقشہ ان بلیغ الفاظ میں کھینچتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم 41:30)

(لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد برپا ہو چکا تھا)

اس کے متعلق امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا عَظُمَتْ هٰذِهِ الْمُصِيبَةُ وَاشْتَدَّا هٰذَا الْمَرْضُ سَخَطَ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَكَانَ رِضَاهُ تَعَالٰى فِي مُعَالَجَةِ هٰذَا الْمَرْضِ بِقَطْعِ مَّادَتِهٖ

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 106)

(یعنی جب یہ مصیبت یعنی (اقتصادی لوٹ کھسوٹ) حد کو پہنچ گئی اور مرض نے شدت پکڑی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے سخت ناراض ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب اس میں اصلاح حال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس لیے اس مرض سے انسانیت کونجات دلانے کے لیے اس کا مادہ---- کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں---- ہی جسم انسانیت سے کاٹ کر پھینک دیا جائے)۔

اس انقلاب عظیم کے برپا کرنے کے لیے

بَعَثَ نَبِیًّا اُمِّیًّا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لَمْ یُخَالِطِ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ وَلَمْ یَتَرَسَّمْ بِرُسُوْمِ وَجَعَلَہٗ مِیْزَانًا یُعْرَفُ بِہٖ الْھَدْیُ الصَّالِحُ الْمَرْضِیُّ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ الْمَرْضِیِّ ---- وَقَضٰی بِزَوَالِ دَوْلَتِھِمْ بِدَوْلَتِہٖ وَرِیَاسَتِھِمْ بِرِیَاسَتِہٖ بِاَنَّہٗ ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَھَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ (ایضاً)

''اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو مبعوث فرمایا جو اُمّی تھا (ﷺ) اور جو ایرانی اور رومی رسم و رواج سے آزاد تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سیرۃ صالح کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے معیار مقرر کیا تاکہ اسے دیکھ کر ناپسندیدہ کا علم ہو---- اور فیصلہ کیا کہ اس نبیؐ کی حکومت کے ذریعے سے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں اور اس کی لیڈرشپ کے ذریعے سے ان کی لیڈرشپ کو ختم کر دیا جائے تاکہ کسریٰ و قیصر فنا ہو جائیں اور پھر ان کی کسرویت و قیصریت نہ رہے۔''

آج یورپ میں اور اس کے سیاسی اور فکری محکوم ملکوں میں چند بالائی طبقوں کی مالی بلندی اور عوام کی معاشی پستی کی جو حالت ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اخروی زندگی سے جو ''بے نیازی'' اور غفلت ہے، وہ رومی اور ایرانی حکومتوں کے بالکل مشابہ ہے۔ اور ان بالائی طبقوں کی ذہنیت اور عوام سے انتفاع کے اصول وہی ہیں جو ان دو حکومتوں میں تھے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

وَمَا تَرَاہٗ مَنْ مُلُوْکِ بِلَادِکَ یُغْنِیْکَ عَنْ حِکَایَاتِھِمْ (حجۃ اللہ ایضاً)

(یعنی تمہارے اپنے ملک کے امراء اور حکام کی جو حالت ہے اسے دیکھ لو تو تمہیں دوسرے ملکوں کے امراء اور حکام کی حالت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی)۔

یہ فقرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے میں تھا۔ آج بھی ہندوستان کی وہی حالت ہے کہ ایک طرف ایک چھوٹا سا سرمایہ دار اور سرمایہ پرست طبقہ ہے جس کی آمدنی ہزاروں سے لے کر کروڑوں تک ہے۔ دوسری طرف وسیع مفلس طبقہ ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جس کی آمدنی صرف چند آنے ماہانہ ہے۔ طبقہ بالادست نے زیردست طبقے کو قابو میں کیا ہوا ہے اور زیردست طبقہ اپنے انسانی حقوق کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کی طاقت رکھنا تو ایک طرف، یہ سمجھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا کہ اس کے انسانی حقوق کیا ہیں؟ اور اس کے فرائض کیا ہیں؟

قرآن حکیم نے آکر بتایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ بلا امتیاز سب انسانوں کے لیے ہے۔ خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تم سب کے لیے ہے) انسانوں کے کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے ہر ایک شخص کو اس میں سے اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملنا چاہیے۔ جو لوگ ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور محتاجوں کو ان کی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کر کے کس بلند درجے پر پہنچ سکتے ہیں اور اب ٹھیک طرح استعمال نہ کر کے کس گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سوسائٹی کے ایک بڑے حصے کی ضرورتوں سے انسان کس طرح اندھا ہو جاتا ہے اور پھر اس غفلت سے کس قدر نقصان اٹھاتا ہے!

اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ فارغ البال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کریں لیکن کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری میں داخل نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا۔ یہ ہے اصل میں محتاجوں کی خبر گیری کرنا۔ آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریق سے محتاجوں کو ٹکڑا دیا جاتا ہے یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ محتاجوں کی خبر گیری کے لیے جابجا منظم محتاج خانے ہوں۔ جہاں محتاجوں کو اس طرح کھلایا پلایا جائے کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں ان کے لیے کام بہم پہنچایا جائے یا ضرورت ہو تو ان کے لیے آلات کار بہم پہنچائے جائیں۔ یہ ہے ان کی خبر گیری۔

اس انقلاب کے لیے قرآن حکیم مساکین کی اجتماعی تنظیم کا پروگرام پیش کرتا ہے۔

قرآن حکیم کمزور انسانی افراد کو انسانی اجتماع میں یہ حقوق کیوں دیتا ہے؟ یعنی وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرفہ الحال (خوش حال) لوگوں کو کیوں مجبور کرتا ہے کہ اپنی کمائی میں سے ایک حصہ محتاجوں اور مسکینوں کے لیے ضرور نکالیں جو ان کا حق قرار دیا گیا ہے؟[1] اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرد انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ اجتماع ہی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ انفرادی زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقعہ نہیں ملتا اور وہ جامد (Inactive) ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرد کی حالتِ انجماد کا اثر اجتماع انسانی کے دوسرے افراد پر خود بخود پڑتا رہتا ہے۔ اس لیے اجتماع کو ان مضر اثرات سے بچانے کے لیے افراد کی خبر گیری ضروری ہے۔ جو اجتماع محتاجوں کی خبر گیری نہیں کرتا وہ توڑ دینے کے قابل ہے۔ اصل میں اس کا نام ''اجتماع'' رکھنا ہی ظلم ہے۔ اجتماع فقط افراد کی خبر گیری کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ افراد کی خبر گیری نہیں کرتا تو وہ برباد کردیئے جانے کے لائق ہے۔

محتاجوں کی خبر گیری کے لیے قرآن حکیم نے زکوٰۃ مقرر کی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ زکوٰۃ کا موجودہ نصاب اس زمانے میں مقرر ہوا تھا جب بیت المال عام لوگوں کی خبر گیری کرنے پر قادر تھا۔ اگر مسلمانوں کی زکوٰۃ کی آمدنی افراد کی خبر گیری کے لیے ناکافی ہو تو ہر ایک سرمایہ دار کا سارے کا سارا سرمایہ لے کر اس کام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

افراد کو اجتماع میں رکھ کر قرآن حکیم ان کے اندر بعض اخلاق[2] کی تکمیل کرنی چاہتا ہے۔ ان اخلاق کی تکمیل سے انسان کے نفس کے اندر ایسی کیفیات جمع ہو جاتی ہیں جن کا مجموعہ (Sum Total) انسانی معاشرے (Society) کو بلند کر دیتا ہے۔ اور یہی کیفیات اس کے مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے مفید ثابت ہوتی ہیں۔

---

1. وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (یہ اس شخص کا حق ہے جس کی حالت سوال تک پہنچ جائے اور جو اسباب معاش سے محروم ہو گیا ہو) (الذاریات 19:51)

2. امام الائمہ امام ولی اللہ کے نزدیک قرآن جن اخلاق کی تکمیل چاہتا ہے وہ چار اساسی اخلاق ہیں یعنی (1) اخبات (2) طہارت (3) سماحت (4) عدالت۔ ان کی تفصیل کے لیے ان کے رسالہ ہمعات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کا اجمالی ذکر سورۂ مدثر میں بھی کیا گیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

امام ولی اللہؒ انسان کی زندگی کو ایک اکائی مانتے ہیں۔ جس کا ایک حصہ اس دنیاوی زندگی میں گزارا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے اوپر بھی ترقی جاری رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سوسائٹی میں رہتا ہوا اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے جو اثرات اپنے نفس کے اندر جمع کرتا ہے۔ وہی اگلی زندگی میں جا کر اس کے لیے جنت کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ اعمال بد اور اخلاق رذیلہ کے جو اثرات جمع کر لیتا ہے وہ اس کے لیے جہنم کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔

پس قرآنی انقلاب کا منشا صرف یہ ہے کہ معاشرہ انسانی میں اچھے اخلاق کی حکومت ہو۔ یعنی وہ جماعت حکمرانی کرے جو قرآن کے تجویز کردہ مذکورہ بالا اخلاق لوگوں میں پیدا کرے۔ قرآن حکیم یہ اخلاق خارج سے انسانوں کے سر تھوپتا نہیں بلکہ یہ اخلاق خود فطرت انسانی کے تقاضے ہیں۔ جن کو اسے سوسائٹی میں رہ کر پایہ تکمیل کو پہنچانا چاہیے۔ قرآن حکیم ان اخلاق کے لیے مشق کے طریقے بھی تجویز کرتا ہے اور مواقع بھی بہم پہنچاتا ہے۔ جو جماعت یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گی وہ بدنی اخلاقی اور عملی طہارت کو اپنا شعار بنائے گی۔ وہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے گی اور اسباب کو استعمال کرتی ہوئی بھی صرف خدا پر بھروسہ کرے گی۔ اور اس کام سے وہ کوئی ذاتی نفع جوئی نہیں کرے گی۔ بلکہ اس کا مطمح نظر صرف خدمت خلق (محتاجوں کی خدمت) ہوگا۔ کیونکہ یہ خوشنودئ خدا کا موجب ہے۔ اس غرض کے حصول کے لیے وہ ایسا عدل قائم کرے گی، جو سوسائٹی کے کسی خاص طبقے کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ سب طبقات کی ضرورتیں پوری کرنے کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ وہ ذی استطاعت لوگوں پر حسب ضرورت ٹیکس لگائے گی۔ اور اس طرح جو آمدنی ہوگی وہ مساکین اور غربا میں تقسیم کرے گی۔

یہ قرآنی انقلابی جماعت جب برسر اقتدار آئے گی تو وہ یقیناً ان لوگوں سے باز پرس کرے گی جو عدالت کی راہ میں حائل ہوں گے یا جو طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ کی خلاف ورزی کریں گے۔ اور عوام کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے چھوٹے سے چھوٹے راستے.... صراط مستقیم.... سے روکیں گے۔ یہ جماعت ہر ملک میں پہلے

(c) ketabton.com: The Digital Library

قومی پیمانے پر کام کرے گی۔ لیکن انسانیت کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گی۔ اور بین الاقوامی خلافت کے مقام پر پہنچ کر بھی کسی خاص قوم یا طبقے کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر کام نہ کرے گی بلکہ تمام نوع انسان کی انسانی ضرورتوں کے مطابق حکم کرے گی۔ اس جماعت کی پیدا کردہ قومیتیں صحیح بین الاقوامی اجتماع پیدا کرنے کا باعث بنیں گی۔

یہ ہے وہ بین الاقوامی انقلاب جو قرآن حکیم پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی مدعا ہے اس دعا کا جو ہر انسان کو مانگنی چاہیے کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (74:25) (ہم کو بین الاقوامی انصاف کرنے والوں کا لیڈر بنا)۔

قرآن حکیم نے جس بین الاقوامی انقلاب کی طرح ڈالی۔ اس سے پہلے سینکڑوں قومی انقلابات ہر ملک اور ہر قوم میں آئے۔ لیکن قرآن حکیم جس نوعیت کا جامع انقلاب لانا چاہتا ہے، اس نوعیت کا انقلاب اب تک رونما نہ ہوا تھا۔ اس لیے اس کی نوعیت کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ اگر قرآن حکیم کسی خاص ملک یا قوم کے مقامی انقلاب کو عنوان بنا کر اپنے بین الاقوامی انقلاب کا تصور دلاتا تو اس بین الاقوامی انقلاب کے خدوخال پوری طرح ذہن نشین نہ ہوسکتے۔ کیونکہ ایک قوم کے قومی انقلاب کو صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے جس میں وہ انقلاب آیا۔ دوسری قومیں اسے نہیں سمجھ سکتیں اور نہ اس سے عبرت حاصل کرسکتی ہیں۔

ان حالات میں قرآن کے لیے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لیے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا۔ وہ قیامت کا فکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز یہ کائنات منتشر ہو جائے گی۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ یہ فکر بادنیٰ تبدیلی تمام اقوام عالم میں مسلّم ہے اور مسلّم رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک یہودیوں اور عیسائیوں کی بدولت یہ فکر مہذب دنیا کے ایک بہت بڑے طبقے میں روشناس ہو چکا تھا۔ پھر ہندوؤں میں بھی ''پرلے'' کا مسئلہ اس فکر کے قریب قریب موجود ہے۔ اور اس طرح تمام دیگر اقوام میں یہ فکر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ قرآن نے اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لیے اسی فکر کو ذریعہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بنایا۔

اس طرح قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح نوع انسان پر ایک دن آنے والا ہے جب اس کے افراد سے اس بارے میں باز پرس کی جائے گی کہ طاقتوروں نے کمزوروں کے حقوق کہاں تک ادا کئے اور کمزوروں کی خدمت کتنی کی۔ اسی طرح دنیا میں قرآن حکیم کی علمبردار جماعت انہی اصولوں پر طاقتوروں سے باز پرس کرے گی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی پہلی تقریر میں جو انہوں نے عہدۂ خلافت پر قائم ہوتے وقت کی، فرمایا:

''تم میں سے ہر کمزور طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلاؤں اور ہر طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق نہ لیا جائے۔''

یہ انقلابی جماعت ساری نوع انسان کے جملہ مفادات کی محافظ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے عالمگیر یا انسانیت گیر انقلاب کی تشبیہ قیامت کے کائنات گیر انقلاب کے سوا اور کس انقلاب سے دی جاسکتی تھی؟ مگر افسوس ہے کہ اس انقلاب اور قیامت کا جو ربط ہے اسے سوچنے والے عالم بہت کم ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے انسانیت گیر حادثے سے پہلے قرآن کے جامع اور کامل انسانیت گیر انقلاب کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ انسانی مجامع کے اندر ایک ایسی بین الاقوامیت پیدا ہو جس میں تمام اقوام عالم شامل ہوں اور اس مرکزی ادارے کے اوپر جو اقوام کو کنٹرول کرے، قرآن حاکم ہو۔ دنیا نے ایک مرتبہ یہ نظارہ حجاز میں دیکھ لیا ہے اور دوبارہ پھر دیکھے گی، جب (قرآن پر ایمان لانے والی جماعت) اسے قائم کرنا اپنا فرض بنا لے گی۔ اور اب کے اس تحریک کا آغاز اس جگہ سے ہوگا جہاں قرآن کا علم و فہم سب سے زیادہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے مفسرین جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں تو عموماً قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات و اشخاص سے وابستہ کر کے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں۔ چنانچہ اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے ان کی بعض آیات کی توضیح مفسرین نے شخصی واقعات ہی

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے رنگ میں کی ہے۔ اس بارے میں ہم امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کے تابع ہیں جو فرماتے ہیں کہ:

''خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے سوائے اُن بعض آیات کے جن میں کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہو، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا۔ کیونکہ سننے والے کے دل میں اشارے سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جاتا ہے جو قصے کی تفصیل معلوم کئے بغیر دور نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔'' (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص 13 الباب الاول)

مثلاً سورۂ مدثر میں آیات نمبر 8-25 میں سرمایہ پرست اشخاص کا نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کیا گیا ہے۔ ان آیات کو نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ایک منکر ولید بن مغیرہ سے وابستہ کر کے فارغ ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ ان آیات کو ہر زمانے پر چسپاں کر کے دیکھا جائے اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جب ہمارے امرا نے عوام کی طرف سے جواب طلبی سے بچنے کی کوشش کی، بعض علماء نے ان آیات کو عہد نبوی کے اشخاص و واقعات سے وابستہ کر کے عوام میں یہ غلط تصور پیدا کر دیا کہ ان آیات کا اطلاق عام نہیں ہوسکتا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس ذہنیت کے پیدا کر دینے کے ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی کہ ''مَا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ فَادُّ فَعُوْھَا ای الزکٰوۃ اِلَیْھِمْ'' (یعنی جب تک امراء اور حکام صرف نماز پڑھتے رہیں ان کو زکوٰۃ ادا کرتے رہو)۔ ان کو معلوم نہیں کہ جو امیر ہو کر محتاجوں کی خدمت نہیں کرتا وہ روح زکوٰۃ کا منکر ہے اور ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس لیے تنہا نماز قائم کرنے کو دین کا مدار نہیں بنایا گیا۔ اس کے لیے یہ آیت کریمہ سامنے رکھنی چاہیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (یعنی ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص کر کے اس کے واسطے بندگی' ابراہیمؑ کی راہ پر اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی)۔ (سورہ بینہ 5:98)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امراء تو اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے کیا باز آتے، عوام کو ٹیکس ادا کرتے رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جن سے امراء عیش بلکہ عیاشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ عوام کے دلوں سے انقلاب کا تصور اور امراء سے جواب طلبی کا وہم تک جاتا رہا۔ حالانکہ بقول علامہ جصاص الرازی الحنفی ''حضرت نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا واجب تھا۔'' (احکام القرآن، ج 1 ص 41) ضرورت ہے کہ آج پھر مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرلیں کہ ہمارے ملک کے امراء اور حکام ہمارے آگے جواب دہ ہیں۔ یہ کلمہ حکمت ہے جسے اہل امریکہ نے ایک حد تک سمجھا اور اعلان کیا کہ (No Taxation without representation) (جو لوگ ہمارے سامنے جوابدہ نہیں ہیں ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ کوئی ٹیکس وصول کریں)۔ شہریت (Citizenshipt) کا یہ وہ ابتدائی اصول ہے جس کی معقول ترین صورت اسلام نے پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کی شکل میں پیش کی ہے اور جس کی عملی شکل خلافت راشدہ کا عہد مبارک تھا۔

الغرض قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ اس انقلاب کا پہلا مطمح نظر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بربادی تھی۔ اور اس کا دائمی منشاء اس کے قانون کا غلبہ ہے جس کا ایک اہم ذریعہ مساکین کی تنظیم ہے۔ یہ وہ حشر خیز اصول ہے جس سے دنیا میں قرآنی انقلاب کی قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے۔ اور جس کے بعد قرآن کی حامل جماعت فارغ البال غاصب طبقوں سے جواب طلبی کرتی ہے۔ حجاز میں یہ نمونہ انقلاب ایک دفعہ رونما ہو چکا ہے۔ جس کی آخری لہریں بعض ملکوں میں اب تک ہچکولے لے رہی ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانیت کے کچلے ہوئے طبقات میں ظاہر ہوا ہے اور اب پھر ایسے ہی طبقات میں گھر کر رہ گیا ہے اور اگر مسلمان ہوشیار ہو گئے تو دنیا

www.rahnimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کو ایک انقلاب عظیم کی توقع رکھنی چاہیے۔ جو نہ صرف جامع ہوگا بلکہ عالمگیر بھی ہوگا۔ اور وہ انقلاب قرآن حکیم کے اصولوں پر ہوگا۔ ممکن ہے کہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کا ہندوستانی مسلمان بھی اس انقلاب میں اچھا خاصا حصہ لے۔ اب ہمارے ملک کے حاملین قرآن کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نبض پہچانیں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کو سمجھ کر قرآن حکیم کو اپنائیں جو اس دورِ حکمت میں جامع اور عالمگیر انقلاب برپا کرنے والی واحد کتاب ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ اِنْ مَكَّنَ اللّٰهُ فِي الْاَرْضِ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○

دارالرشاد، گوٹھ پیر جھنڈا

ضلع حیدرآباد (سندھ)

944ء ہندی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مزمل (مکی)

تمہید سورت

پیرایہ آغاز:

انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

فطرت انسانی کے تقاضے---- خدا پرستی---- سے انکار کرنے والے سرکشوں کی گردن توڑنے والا انقلاب! فطرت انسانی کی تکمیل کرنے والی کمزور قوموں کو سربلند کرنے والا انقلاب! ظالموں سے باز پرس کرنے والا انقلاب! اجتماع انسانی کو مادی اور روحانی امراض سے پاک کرنے والا انقلاب! فطرت انسانی کا وہ گوہر نایاب ہے جسے وہ کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی!

معاشرۂ انسانی اپنے ابتدائی دور میں ایک خاص نہج پر چل رہا تھا کہ نباضِ فطرتِ انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر قائم کیا۔ ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی اصولوں پر کام کیا جن کی طرح انبیاء کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈال گئے تھے۔

صدیاں گزر گئیں! ابراہیمی انقلاب کے اصول تجربے میں آتے آتے انسانیت میں مسلم ہوگئے اور ترقی یافتہ نوع انسان نے ان کے مطابق فطرت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب انسانی رہنمائی کے لیے آخری اور دائمی ہدایت نامے کی ضرورت تھی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی شکل میں لائے۔ اس میں وہ تمام اصول حیات اور ضوابط جمع کر دیئے گئے ہیں جن پر انسانی فطرت قائم ہے۔ ان کو بروئے کار لانے اور روئے زمین پر مستحکم طور پر قائم کرنے کے لیے جن ابتدائی قواعد کی ضرورت ہے ان میں سے چند سورۂ مزمل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں پر پہلے جزیرہ عرب میں اور پھر اہل عرب کی مدد سے دنیا کے باقی حصوں میں انقلاب برپا ہوا۔

قرآن کیا ہے؟

چیست قرآن، خواجہ را پیغام مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

(اقبال)

(کیا ہے قرآن؟ سرمایہ دار کے لیے پیغامِ موت ہے، اور بے سروسامان بندہ کا ہاتھ پکڑنے والا ہے)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ المزمل (73)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ
الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۭ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـاً وَّاَقْوَمُ
قِيْلًا ۭ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۭ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۭ
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۭ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ
هَجْرًا جَمِيْلًا ۭ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۭ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ
وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۤ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا
مَّهِيْلًا ۭ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۥ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۭ
فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۭ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا
يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۤ السَّمَاۗءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۭ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ
فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۧ

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَاۗىِٕفَةٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ
وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۡ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ
اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۧ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ مزمل

رفقاء انقلاب کی تیاری

آیت نمبر 1: يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

ترجمہ: ''اے مزمل۔''

المزّمل کی تشریحات

لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں بعض نے اس کے معنی کیے ہیں۔ اَلْـمُـزَّمِّلُ فِيْ ثَوْبِهٖ وَذَالِکَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعَارَةِ كِنَايَةً عَنِ الْمُقَصِّرِ وَالْمُتَهَاوِنِ بِالْاَمْرِ وَتَـعْرِيْضاً بِهٖ (مفردات القرآن للراغب الاصفہانی) (یعنی کپڑوں میں لپٹا ہوا جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے کہ وہ شخص کام کرنے میں قصور کرتا ہے اور سستی سے کام لیتا ہے اور یہ اسے گویا تعریض کے طور پر کہا گیا ہے)۔

لیکن اس شخص کے متعلق جو اپنے فکر اور اپنی قوّت کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے، خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لیے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء 3:26)

(یعنی یہ جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات (Programme of Life) کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر ڈالے گا؟)۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا بوجھ اٹھائے اس کی کمر دُہری ہوئی جاتی تھی۔

وَوَضَعۡنَا عَنكَ وِزۡرَكَ ۝ الَّذِيٓ أَنقَضَ ظَهۡرَكَ ۝ (الانشراح 94:3-2)

ترجمہ: ”اور ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا۔“

اور جو لوگوں کو راہ راست پر لانے کے راستے معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

وَوَجَدَكَ ضَآلّٗا فَهَدَىٰ ۝ (93:7)

ترجمہ: ”اور اس نے تجھے تلاش میں گم پایا اور پھر تجھے ہدایت دی۔“

اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سُست اور کاہل تھا۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

پس لفظ مزمّل کے وہ معنی لیے جانے چاہئیں جو اس سورت اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

المزمّل کی پہلی تشریح

(1) (الف) موطا امام مالکؒ میں ایک روایت آتی ہے کہ:

عَنۡ ابۡنِ شِهَابٍ عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ جُبَيۡرِ بۡنِ مُطۡعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لِيۡ خَمۡسَةُ اَسۡمَاءٍ، اَنَا مُحَمَّدٌ، وَاَنَا اَحۡمَدُ، وَاَنَا الۡمَاحِي الَّذِيۡ يَمۡحُوا اللّٰهُ بِيَ الۡكُفۡرَ، وَاَنَا الۡحَاشِرُ الَّذِيۡ يُحۡشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيۡ، وَاَنَا الۡعَاقِبُ

”یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں۔“ (موطا امام مالک، ص 736)

علماء کرام نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں نام گنوائے ہیں، تو ان پانچ ناموں کی خصوصیت کیا ہے؟ ذرا تامّل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو قرآن

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حکیم میں آئے ہیں، چنانچہ محمد اور احمد تو صاف مذکور ہیں:

(1) انا محمد: سورۂ فتح میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ (الفتح: 48-29)

(2) انا احمد: سورۂ صف میں ہے: یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف: 61:6)

(3) انا "الحاشر" کے معنی

الحاشر کی تشریح کرتے ہوئے امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

قِیْلَ مَعْنٰی قَوْلِهٖ عَلٰی قَدَمَیَّ اَنَّهٗ اِمَامُهُمْ یَوْمَ الْحَشْرِ یَحْتَاجُوْنَ اِلٰی شَفَاعَتِهٖ (المسوّیٰ جلد 2 ص 516 باب اسماء النبی ﷺ)

یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کہ "میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے" کے یہ معنی ہیں کہ وہ (آپؐ) یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور وہ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ الحاشر کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ:

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (النمل: 17:27)

ترجمہ: "یعنی سلیمان علیہ السلام کے لیے اس کے لشکر جمع کیے گئے۔"

نیز قرآن حکیم میں الحشر نام کی ایک سورت بھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (سورۂ حشر: 59:2)

حضرت امام الائمہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اوست آنکہ برآورد آناں را کہ کافر شدند از اہل کتاب از خانہائے ایشاں در اوّل جمع کردن لشکر (فتح الرحمٰن)

(یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی مرتبہ لشکر جمع کرنے کے وقت میں گھر سے نکالا)

یہاں اول الحشر سے مراد نبی اکرم ﷺ کا پہلا جارحانہ (اقدامی) حملہ ہے جو

(c) ketabton.com: The Digital Library

آپ نے 4ھ میں بنی نضیر 1 پر کیا۔ گویا الحاشر کے معنی ہیں لوگوں کو جمع کرنے والا۔ اسی طرح المزمّل کے معنی ہیں زمیلوں (دوستوں اور رفقاء) کو جمع کرنے والا یعنی قرآن کی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے انقلابی عناصر کو جمع کرنے والا یا اس تحریک کے لیے جس قسم کے رفقاء کار کی ضرورت ہے اس قسم کے رفیق جمع کرنے والا۔ 2

نبی اکرم ﷺ زمیل (رفقاء) تیار کریں گے

(ب) اب لفظ ''المزمّل'' پر ایک اور نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالیے:

اونٹ کے کجاوے میں عموماً دو آدمی سوار ہوا کرتے ہیں۔ ایک، ایک طرف اور دوسرا، دوسری طرف تاکہ بوجھ دونوں طرف برابر رہے۔ ان کو ایک دوسرے کے زمیل کہتے ہیں۔ اور مُزاملہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کا زمیل بننا۔ پس لغوی اعتبار سے بھی مزمّل کے معنی ہوئے زمیل یعنی رفقاء راہ تیار کرنے والا۔ یعنی جتنا قرآن آپؐ سمجھتے ہیں اتنا ہی دوسرے کو سمجھا کر انسانیت کی خدمت کے لیے تیار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ جس محنت و مشقت سے وہ (آپؐ) خود اپنے نصب العین کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی محنت و مشقت سے آپ کے ساتھی بھی اسے کامیاب بنائیں۔

لفظ مزمّل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی کثرت سے زمیل---- رفقاء راہ---- تیار کرنے والا۔ گویا جو شخص آپؐ سے ایک

---

1 عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جنگیں مدافعانہ تھیں جارحانہ نہ تھیں۔ عیسائی مشنری (Missionaries) یہ پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اسلام وحشیانہ مذہب ہے جس میں قتل و خونریزی اور غارت گری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر مسلمان علماء نے بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں یہ نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں۔ اس نے کبھی کوئی جارحانہ حملہ نہیں کیا۔ مگر درحقیقت یہ رکیک عذرداری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام میں جنگ جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسلام جنگ کو جائز قرار دیتا ہے (اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ وہ جنگ کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے) تو اس کے بعد یہ افسر جنگ کے اختیار تمیزی (Discretion) پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر حملہ کرے یا غنیم کے حملے کی محض مدافعت کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کا قرآن کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔

2 الماحی کے لیے دیکھو سورۂ المدثر میں لفظ مدثر کی تشریح اور العاقب کے معنی حضرت امام الائمہ نے بیان کئے ہیں کہ آپ آخری نبی یعنی خاتم النبیین ﷺ ہیں۔

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت[1] بھی سیکھ لیتا ہے وہ اسی حد تک آپ کا زمیل (رفیق) بن جاتا ہے۔
یہ جو زمیل تیار ہوں گے یہی آگے چل کر آپؐ کی فوج کے سپاہی بن جائیں گے۔ اور پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی نیابت کریں گے۔ اور خلافت چلائیں گے۔ اس تزمیل سے اجتماع (الحشر) پیدا ہوگا۔

جملہ معترضہ

انقلاب کے لیے شروع میں رفقاء ہی تیار کئے جاتے ہیں

جب حکومت منظّم ہو جاتی ہے تو آدمی دو قسم کے ہو جاتے ہیں۔ یعنی:
حکم دینے والے اور
حکم ماننے والے۔
لیکن نئی حکومت پیدا کرنے کے لیے جو انقلاب پیدا کیا جاتا ہے اس میں شروع شروع میں اس قسم کی تمیز نہیں ہوسکتی
پہلی منزل میں صرف رفیق (Colleagues) تیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دو آدمی اپنے اپنے گھر سے کسی سمت کو سفر کرنے کے لیے نکلتے ہیں دونوں راستے میں مل جاتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے رفیقِ راہ ہیں، ان میں حقیقی معنوں میں کوئی افسری ماتحتی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انقلاب کی ابتدا میں صرف رفقائے راہ تیار کئے جاسکتے ہیں۔
اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سب کے سامنے ایک نصب العین (Ideal) کھلے لفظوں میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس کو کامیاب بنانے کے لیے جو راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے وہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ سوسائٹی ان کے نصب العین کو پسند نہیں کرتی۔ ان کے گھر کے عزیز و اقارب تک دشمن ہو جاتے ہیں۔ محلے والے دشمن ہو جاتے ہیں، گاؤں اور شہر والے دشمن ہو جاتے ہیں، پھر سارا ملک دشمن ہو جاتا ہے اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہو تو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے نصب العین کی کامیابی کے لیے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ

---

[1] ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (یعنی ایک آیت بھی مجھ سے سیکھ جاؤ تو اسی کی آگے تبلیغ کرو)۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سب کچھ سمجھ کر محسوس کرلیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کے لیے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرسکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنا مال، اپنی جان، اپنے بیوی بچے، اپنے عزیز و اقارب اپنا تمام مال و متاع---- غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیں گے تو ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہوتا ہے۔ لیکن وہ کیا کرسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ پھانسی دے دے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں مصری جادوگر آئے۔ لیکن جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہی نا کہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (72:20) (یعنی اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم تجھے ان دلائل و براہین کے مقابلے میں، جو ہم سمجھ چکے ہیں، ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات واحد سے بالاتر سمجھنے لگیں جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو جو کچھ کرسکتا ہے کرگزر، اور حقیقت میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تو ہماری اس چندروزہ دنیاوی زندگی کے متعلق کچھ کرسکتا ہے۔ تو جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کرگزر)۔

الغرض ایک انقلابی گھر میں بیٹھ کر ایک بلند مقصد کے حصول کے لیے فیصلہ کرتا ہے۔ اور پھر اس نصب العین کو لے کر گھر سے نکلتا ہے۔ وہ تلاش کرتا ہے تو اس نصب العین کے شیدائی کئی اور بھی مل جاتے ہیں۔ یہ اس کے رفقاء کار ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں، ایک دوسرے کو ہم خیال پا کر اجتماعی طور پر کام کرنے لگے جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک سوسائٹی (Society) پیدا ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی پہلی منزل

اس مرحلے پر سب سے مشکل چیز کیا ہوتی ہے؟ وہ یہ کہ

(1) ایک صاف تخیل (Ideal) پیش کر کے (اس پر قائم رہنے کا) فیصلہ کرانا اور

(2) پھر اسے قبول کر کے چل نکلیں تو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنا۔ یہ رفقاء سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ فکر کو عمل میں لانے کے لیے جذبے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں۔ انقلابی تخیل صاف ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی دوسری منزل

اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ

(1) تخیل (Ideal) کو ساتھیوں کے ذہنوں کی انتہا تک پہنچا دیا جائے۔ اور

(2) وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرلیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں۔ اور اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر بعد میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اوہو! میں تو دھوکے میں رہا، میں تو یہ سمجھا تھا، مگر یہ تو بات ہی اور نکلی، تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ

اس نقطۂ نگاہ سے حضرت محمد رسول اللہؐ کی پوزیشن پر غور کیا جائے تو آپؐ کی دو حیثیتیں نظر آتی ہیں :

(1) آپؐ نبی ہیں

آپؐ صاحب فکر ہیں اور ساتھ ہی خدا کے پیامبر بھی ہیں۔ خدا کا جو پیغام آپ کو پہنچتا ہے آپ کا فکر اسے جذب کر لیتا ہے۔ ناواقف لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی بات فرما رہے ہیں۔ پھر آپؐ وہ فکر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ آپؐ کی ذاتی حیثیت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔ یعنی آپؐ پیام قبول کرنے میں کسی کو شامل نہیں کر سکتے۔ نہ کسی کو رسول بنا سکتے ہیں۔ آپؐ کو جو پیام الٰہی پہنچا وہ حرف بحرف کتابی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس کے باہر کوئی وحی نہیں ہے۔ اب ہر قوم اپنا پروگرام اس آئین مکتوبی سے لے گی۔ آگے جا کر وہ سب قومیں قرآن کی پوری تشریح میں مل جائیں گی۔

(2) آپؐ معلم شفیق ہیں

آپؐ کی دوسری حیثیت فکر سکھانے والے کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے :

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ 2:62) (یعنی انہیں قانون الٰہی اور اس کی حکمت

(c) ketabton.com: The Digital Library

سکھاتا ہے)۔ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ انما بعثت معلمًا (میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں) معلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز جانتا ہے جو وہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھا دیتا ہے۔ اس علم کو پہلے سیکھنے اور بعد میں سکھانے کا جو طبعی فرق ہے وہ تو ہمیشہ قائم رہے گا۔ لیکن علم سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام کی جو ہمت پیدا ہوتی ہے، اس میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب تک استاد کی تعلیم میں یہ طاقت نہ ہو اسے صحیح معنوں میں مُعلّم نہیں کہا جاتا۔

ہم نے یہ مضمون خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے لیا ہے جن کے پاس دربار دہلی کا ایک امیر آ گیا۔ شاہی کارندوں نے اسے طلب کیا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ کیا آپؒ اسے بھی اپنے جیسا (یعنی تارک الدنیا) بنا دیں گے؟ آپؒ نے فرمایا کہ نہیں اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔

یہ آپؐ کی شان معلمی ہی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کی محبت آپؐ کے صحابہؓ کے دلوں میں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بات کسی حاکم کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

الغرض المزمل کے معنی ہیں قرآن حکیم سمجھا کر زمیل یعنی رفقاء تیار کرنے والا۔

الحاشر کی تشریح فلسفہ ولی اللٰہی کے مطابق

(ج) حجتہ الاسلام امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ انسانی حیات وحدانی چیز ہے۔ یہ جو دنیاوی زندگی شروع ہوئی ہے، یہی ترقی کرتے کرتے اخروی زندگی بن جائے گی۔ اور اس زندگی میں انسان کے پہلے اعمال ہی ایک خاص شکل اختیار کر کے اس کے لیے جنت کی نعمتیں یا دوزخ کے عذاب کی صورتیں پیدا کر دیں گے۔

حشر میں ہمارے اعمال ہی متشکل ہو کر پیش ہوں گے

چنانچہ حضرت امام الائمہ فرماتے ہیں کہ:

فَالتَّشَبُّحَاتُ اَلْحَشْرِيَّةُ فِىْ حَقِّهٖ اَتَمُّ وَاَوْفَرَ وَلِذَالِکَ اَخْبَرَ النَّبِى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَكْثَرَ عَذَابَ اُمَّتِهٖ فِىْ قُبُوْرِهِمْ وَهُنَا لِکَ اُمُوْرٌ مُتَمَثِّلَةٌ“

(c) ketabton.com: The Digital Library

تَتَسَاوِىَ النُّفُوْسَ فِىْ مُشَاهِدَتِهَا كَالْهِدَايَةِ الْمَبْسُوْطَةِ بِبَعْثَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَتَشَبَّحُ حَوْضًا وَتَتَشَبَّحُ اَعْمَالُهَا الْمُحْصَاةُ عَلَيْهَاوَزْنًا اِلٰى غَيْرِ ذَالِكَ وَتَتَشَبَّحُ النِّعْمَةُ بِمَطْعَمٍ هَنِيٍّ وَمَشْرَبٍ مَرِيٍّ وَمَنْكَحٍ شَهِيٍّ وَمَلْبَسٍ رَضِيٍّ وَمَسْكَنٍ بَهِيٍّ　　(حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 37)

یعنی حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا۔ یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلدی سمجھ جائیں گے۔)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جن کو تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپؐ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جو جدوجہد کی، وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ جس میں پانی ہوگا یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادہ کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔"

ہمارے اعمال و اخلاق ہی ہماری جنت، دوزخ پیدا کریں گے

ایک اور جگہ عالم مثال کی کیفیت بیان کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَسِرُّ هٰذِهِ الْوَاقِعَةِ تَمَثُّلَ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ وَالْحَسَنَةِ فِى الْمِثَالِ وَتَنَعُّمُ النَّفْسِ وَتَوَجُّعُهَا بِالْحَقَائِقِ الْمِثَالِيَّةِ　　(البدر والبازغہ ص 154)

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی اس میں راز یہ ہے کہ اچھے اور برے اعمال اور اچھے اور بُرے اخلاق عالم مثال میں پہنچ کر مثالی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں:

واقعات حشر کی مزید تشریح

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

وچوں ازیں موطن درگزرد عالمے دیگر پیش آید، اورا درلسان شرع یوم الحشر گویند، وحقیقت آں موطن آنست کہ دریں نفوس ارضیہ بسیارے از احکام فردیہ کہ از اختلاطِ عناصر واز جہت مادہ ظلمانیہ پیدا شدہ بود برہم خورد، و ایں نفس بمنزلہ جسم شفاف محاکاتِ صورت نوعیہ نماید، واحکام صورت نوعیہ بطریقِ ظہور وغلبہ پدیدار شود، چنانکہ در محسوسات صورت نوعیہ در افراد انسان تقاضاے کند کہ یدین ورجلین وعینین و اذنین پیدا شوند۔ لیکن گاہے عائقے از عوائق استعداد مادہ ازاں منع کند، وجنین ناقص الخلقت اکمہ واقطع واسک پیدا شود، اینہمہ از قبل مادہ است نہ از قبیل صورت نوعیہ۔

ہم چناں درامور معقولہ صورت نوعیہ را مقتضیات است از عقل سلیم کہ بلوث اوہام ملوث شدہ واستعداد قبول علوم حقہ از مبدا فیاض بروجہ آں داشتہ واز خیال صحیح کہ شئی رابصورت مناسبہ اوکہ برطبق شکل عالم مثال است مشبح سازد۔ پس احکام فردیت فرونشیند واحکام نوعیہ غالب آیند۔ ہمہ مقتضیاتِ نوع درعقل وخیال برروئے کار آید وصورت فردیت قبول ظہور احکام نوع کند، وباتم وجوہ محاکات آں نماید، چنانکہ درافراد نوع ممکن نشود کہ بہتر از آں احکام نوع ظاہر شوند۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۝

(سورۂ ق:22:50)

پس دریں موطن وقائع چند ظہور کنند از میزان، وحساب، وتجلی الٰہی، وحوض، وتطائر صحف اعمال، بطرف یمین وشمال، وشہادت ایدی وارجل وصراط وابیضاض وجوہ واسودادِ آں، وشفاعت رسل۔

میزان کیا ہے؟

پس میزان عبارت است از ظہور صورت مقدار اعمالِ حسنہ وسیۂ ومعرفتِ تاثیر

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہر یکے از قبیلتین بشکلے کہ عالم مثال تقاضا کند از کفتین و مانند آں درمیان عالم مثال و عالم شہادۃ باآں معنی کہ اجسام خارجیہ شکل پذیر قوای مثالیہ گردد------

حوض کوثر کیا ہے؟

وحوض صورت ہدایت و رشدے است کہ از تجلی اعظم برنفس نفیس حضرت پیغامبر ﷺ ریختہ است و از آنجا از راہ قوای پیغامبر در عالم شہادت جاری شدہ، و اوانی حوض صورت قدر ہدایاتے کہ افراد مسلمین قبول آن کردہ اند------

تسنیم کیا ہے؟

عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثال لذات عقلیہ است کہ از ادراک مجردات حاصل آید (تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 332-336 تفہیم نمبر 78 ملخصاً)

(یعنی اس منزل سے گزر جائے تو وہ ایک عالم میں داخل ہوتا ہے جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں۔ اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں، جاتی رہتی ہیں۔ اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے۔ اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لنجا، لنگڑا، یا کانڑا، یا بُوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ صحیح ہو تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں۔ اور نوعی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تقاضے غالب آجاتے ہیں۔ اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝

(سورۂ ق:50:22)

(بیشک تو اس سے پہلے غفلت میں تھا پس ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لیے آج تیری نگاہ تیز ہے۔)

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں۔ مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں یا بائیں ہاتھ میں آجانا، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا، پل صراط پر سے گزرنا، چہروں کا سفید سیاہ ہو جانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے بُرے اعمال ایک خاص ''مقدار'' اختیار کر کے ظاہر ہوں گے۔ اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے ''مادے'' کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔-----

----- اور حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپؐ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی۔-----

----- اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

حوض کوثر اور دیگر انبیاء کے حوض

ایک اور جگہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَالْحَوْضُ هِدَايَتُه' صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَسَّدَتْ هُنَاكَ مَاءً بِمُشَابَهَةٍ قَوِيَّةٍ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْمَآءِ وَأَرَىٰ اَنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا غَيْرَ اَنَّ حَوْضَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُّ الْحِيَاضِ (الخیر الکثیر ص114)

"یعنی حوض کوثر اصل میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے پھیلی ہوئی ہدایت ہے۔ جو عالم مثال میں جا کر پانی کی شکل اختیار کرے گی کیونکہ علم کو پانی سے خاص مشابہت ہے۔ میری رائے میں ہر ایک نبی کا جدا جدا حوض ہوگا۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہوگا۔"

بیانات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر یا آپؐ کی تعلیمات اور نمونے کے مطابق انقلاب برپا کریں گے وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں آپؐ کی امامت میں جمع ہو جائیں گے۔ ایسے ہی جو لوگ دوسرے انبیاء کرام کی معیت میں کام کر چکے ہیں وہ اپنے اپنے نبی کی معیت حاصل کریں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء 69:4)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔"

اب انقلاب عمومی حضرت محمد ﷺ ہی کی اتباع سے آ سکتا ہے

حقیقی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کوشش کرتے رہے کہ تمام دنیا میں تورات کو پھیلا کر امامت کبریٰ (بین الاقوامی قیادت) حاصل کریں۔ لیکن یہ مقام محمود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی حاصل کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انقلاب عمومی اپنے مختلف ادوار میں آپؐ کے اتباع (متبعین) سے باہر نہیں جا سکتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا خاصہ ہے وہ ایک دن میں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔ اس انقلاب کا پہلا حصہ وہ تھا جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر عباسی حکومت کے خاتمے تک کامیاب رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھنے کے لیے ایک اور قوم---- ایرانیوں---- کو ذریعہ بنایا۔ لیکن قریش کے تنزل اور ایرانیوں کے عروج کا درمیانی وقفہ انقلاب کی ''رات'' تھی۔ اس میں نئی قوم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ خیال کرنا غلطی ہے۔ یہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ جب تک انسانیت روئے زمین پر قائم ہے، یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آ سکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہو چکی ہوں، ایک سطح پر آ کر اس کے ماتحت مل جائیں۔ اس وقت یہ انقلاب عمومی مکمل ہوگا۔

پس ''الْمُزَّمِّل'' سے مراد وہ صاحب امامت کبریٰ ہے جس کے ماتحت تمام اقوام عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا الحاشر ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

الْمُزَّمِّل کے دوسرے معنی امام ائمہ انقلاب:

(2) اِزَّمَّلَ یا اِزْدَمَلَ کے دوسرے معنی ہیں حَمَلَ بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ (المنجد) (یعنی اونٹ کی طرح بوجھ اٹھا کر ایک ہی ہچکے سے اٹھ کھڑا ہوا)

اِزْدَمَلَه : اِحْتَمَلَه، وَمِنْهُ قَوْلُه، تَعَالٰی یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یعنی بوجھ اٹھا لیا۔ (صراح)

رازیؒ نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ الْمُزَّمِّل کے معنی ہیں وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ کیونکہ زمل کے معنی ہیں حمل[1]

یہ بوجھ کیا ہے؟ قومی اور بین الاقوامی انقلاب

یہ بار (بوجھ) جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار

1۔ قال عكرمة يا ايها الذی زمل امرًا عظيما ای حمله، وَالزمل الحمل وَازدمله احتمله (تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی جلد نمبر 30 ص 171)

(c) ketabton.com: The Digital Library

تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپؐ نے پہلے اپنی قوم کو ترقی دے کر بین الاقوامی درجے کے کام کرنے والے کارکن تیار کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ گو اگر آپ ایسا کرتے تو بھی کسی عقلمند کو اس پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ نے بین الاقوامی انقلاب کو مؤخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام ایک ہی وقت شروع کر لیے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپؐ نے جوانمردی، ہمت، محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ چنانچہ آپؐ نے قریش کی ذہنیت ایسی تیار کی کہ وہ جہاں انصار مدینہ کے ساتھ مل کر کام کر سکے وہاں بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ غیر عربوں کے ساتھ اور ان کے ماتحت بھی کام کر سکے۔

جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بارگراں اٹھاتا ہے، وہ امام انقلاب کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ "المزمل" یعنی آخری درجے کے امام ائمہ انقلاب ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ اس آخری درجے کا نام "خاتم النبیین" رکھتے ہیں۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ (دیکھئے کتاب "تحذیر الناس")

آیات نمبر 2 تا 4: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾

ترجمہ: "رات میں سے کچھ وقت کم کر کے کھڑے رہا کرو۔ آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس پر کچھ بڑھالو اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر۔"

مثلاً بارہ گھنٹے کی رات ہو تو چھ گھنٹے یا چار گھنٹے یا آٹھ گھنٹے تک، رات کو کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔

(الف) اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

انقلاب عمومی کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر امامان انقلاب تیار کریں۔ جو آپؐ کے خلیفہ ہو سکیں۔ اور ان کے علاوہ انقلابی کارکن تیار کریں

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو اسے آگے بڑھائیں۔

اِماماں انقلاب کی تیاری کے لیے خاص تعلیم کی ضرورت ہے جس کے لیے وقت بھی خاص چاہیے۔ اور عوام کی تعلیم کے لیے جداگانہ وقت درکار ہے۔ اس تقسیم اوقات کی اس لیے ضرورت پڑی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت خصوصی (قومی) اور بعثت عمومی (بین الاقوامی) کے دونوں کام ایک ہی وقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

جملہ معترضہ

تہجد کی نماز عوام کے لیے نہیں ہے

اس آیت میں تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری عمر پڑھتے رہے۔ یہ عام مسلمانوں پر فرض نہیں۔ حنفی، نماز عشاء کے ساتھ جو تین وتر پڑھتے ہیں وہ اسی نماز تہجد کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

صحابہؓ میں فقہ حنفی کے امام حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا:

يَآاَهْلَ الْقُرْآنِ اَوْتِرُوْا

ترجمہ: ''اے قرآن کی تعلیمات کے حاملو! وتر پڑھا کرو۔''

ایک بدوی نے بھی یہ بات سن لی اور پوچھا: کیا فرمایا آپ نے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ لَيْسَ لَکَ (تیرے اور تجھ جیسوں کے لیے نہیں)۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر مسلمانوں کی خاص جماعت کے لیے ہیں، عوام کے لیے نہیں۔

یہ آیت منسوخ نہیں

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص قرآن حکیم سکھائے اس کے لیے تہجد ضروری ہے اور یہ اس کے لیے درجہ اختصاص (Special Qualification) رکھتی ہے۔ اس لیے یہ آیت منسوخ نہیں کہی جاسکتی۔ جب کبھی وہی حالت پیدا ہو جائے جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ آیت پھر زیرِ عمل آجائے گی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(ب) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا

ترجمہ: ''اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر۔''

ترتیل کے معنی

(1) شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ: وترتیل کن بواضح خواندن (فتح الرحمٰن) ''یعنی ایسے پڑھ کہ سننے والے اسے خوب سمجھ سکیں۔''

(2) رَتَّلَ: آرمیدہ و پیدا خواندن (صراح) آرام سے ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنا۔

(3) اَلتَّرْتِيْلُ: اِرْسَالُ كَلِمَةٍ مِنَ الْفَمِ بِسَهُوْلَةٍ وَاسْتِقَامَةٍ (راغب) (یعنی منہ سے آہستہ آہستہ پختگی کے ساتھ الفاظ نکالنا)۔

(4) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا اَىْ اِقْرَء عَلٰى تَمَهُّلٍ فَاِنَّه' يَكُوْنُ عَوْنًا عَلٰى فَهْمِ الْقُرْاٰنِ وَتَدَبُّرِهٖ وَكَذٰلِكَ كَانَ يَقْرَأُ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُه' عَلَيْه (ابن کثیرؒ جلد چہارم ص 434) (یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ ایسے ہی پڑھا کرتے تھے)۔

(5) قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ يَقْرَأُ السُّوْرَةَ فَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلِ مِنْهَا (ابن کثیر ایضاً)

(ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قرآن حکیم کی سورتوں کو ایسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے کہ طویل سے طویل سورت کے پڑھنے سے بھی زیادہ دیر لگ جایا کرتی تھی)۔

(6) حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزول قرآن اتعاظ است بمواعظ آں و اہتداست بہ ہدایت آں، نہ صرف تلفظ باں اگرچہ تلفظ ہم مغتنم است، پس چہ مسلمانی بدست آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن نفہمد و کدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللہ راندانند (دیباچہ قلمی، فتح الرحمٰن)

''یعنی انصاف سے کام لو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم نازل ہونے کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اصلی فائدہ تو اس وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے اور اس کی ہدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے۔ نہ کہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کرتا رہے (گو تلفظ بھی غنیمت سہی)۔ تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا ہے وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا وہ اس کے بے سمجھے پڑھنے سے بھلا کیا مزہ حاصل کر سکتا ہے؟

(7) حضرت شیخ نظام الحق والدین، نظام الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وقت خواندن قرآن باید کہ دل خوانندہ را تعلق بحق باشد واگر آں میسر نشود باید کہ در حالتِ قرآن خواندن جلال و عظمتِ حق بر دل بگوراند۔ یکے از حاضراں سوال کرد۔ ایں معنی ہماں تعلق بحق است کہ در مرتبہ اولیٰ فرمودہ اند؟ فرمود: کہ خیر آں بذات حق بود ایں بصفات حق است واگر آں ہم میسر نشود باید کہ آنچہ مے خواند معانی آں بر دل گزراند (فوائد الفواد مخلصاً ص 121 مجلس بست وسوم)

"یعنی قرآن حکیم پڑھتے وقت چاہیے کہ پڑھنے والے کا دل حق سبحانہ' تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے۔ اور اگر یہ حالت حاصل نہ ہو سکے تو چاہیے کہ قرآن حکیم پڑھتے وقت حضرت حق سبحانہ' تعالیٰ کا جلال اور عظمت اپنے دل میں بٹھائے۔

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ دوسری بات وہی نہیں جو پہلے فرمائی ہے؟

حضرت نے جواب دیا کہ نہیں پہلے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر تھا اب صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر" یہ دوسری حالت بھی میسر نہ ہو تو پڑھنے والے کو چاہیے کہ جو کچھ پڑھے اس کا مطلب اپنے دل میں بٹھائے۔"

(c) ketabton.com: The Digital Library

(8) خود قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

(1) اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (سورہ یوسف 2:12)

''یعنی ہم نے (تم عربوں کی خاطر) قرآن عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم اسے پڑھو اور اس سے عقل سیکھو۔''

ظاہر ہے کہ سمجھے بغیر عقل کس طرح سیکھی جا سکتی ہے؟

(ب) پھر ایک جگہ ارشاد ہے کہ:

لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ (النساء 43:4)

''یعنی مدہوشی کی حالت میں نماز مت پڑھو، بلکہ اس وقت پڑھو جب تم اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جاؤ۔''

بے سمجھے پڑھنے سے روحِ انقلاب فنا ہو جاتی ہے

سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ آج کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ باوجودیکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے، مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے۔ آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے، کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اس استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے۔

انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب

(c) ketabton.com: The Digital Library

تک اس کے ارکان اس تحریک کے اصولوں سے بخوبی واقف ہو کر انہیں اپنا نہ لیں۔ اور پھر اپنا سب کچھ ان پر قربان نہ کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آیت نمبر 5: اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا

ترجمہ: ''ہم تجھ پر ایک وزنی بات ڈالنے والے ہیں۔''

قول ثقیل کے معنی

قرآن حکیم کی تعلیم دے کر انقلاب کے لیے تیار کرنا قول ثقیل---وزنی بات--- ہے۔

انقلاب کسریٰ و قیصر کے خلاف

جس زمانے میں قرآن حکیم نازل ہوا قیصر روم اور کسریٰ ایران متمدن دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض تھے۔ دنیا کی تاریخیں ان دونوں سلطنتوں کی عیاشیوں اور ظلموں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سلاطین اور ان کے امرا خود تو دادِ عیش دیتے تھے مگر انہوں نے اپنے ماتحت عوام میں فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ٹیکسوں کی وہ بھرمار تھی کہ عوام میں سے کوئی شخص کھانے پینے اور ٹیکس ادا کرنے کے واسطے کمانے کے سوا اور کسی بات پر غور کرنے کے لیے ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ قرآن حکیم ان دونوں بڑی شہنشاہیتوں (Imperial Powers) کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتا تھا۔ یہ آسان چیز نہ تھی۔

عرب کی حالت

اس مسئلے کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ علم اور صنعت و حرفت ان دونوں طاقتوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لیے خود ان طاقتوں کے واسطے سے یہ انقلاب کس طرح لایا جاسکتا تھا؟ عرب کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہ تھی کہ ان میں سے قیصر و کسریٰ کے مقابلے کے لیے لشکر تیار ہوسکتے۔ ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت اور صلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنفی ملت کو قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، جو ان

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے ذہنوں کے بہت نزدیک تھی، تو انقلاب آسان ہو جائے۔ لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعاً قیصر و کسریٰ کی طرف مائل تھا۔ اور انہیں کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، کیونکہ ان ملکوں کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ایک ایسی مختصر جماعت تیار کریں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آ جائے۔ اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر قیصر و کسریٰ کے ملکوں میں انقلاب کی لہر دوڑائیں۔ اور ان ملکوں کے انقلاب پسندوں کی مدد سے قیصریت اور کسرویت کا خاتمہ کر دیں۔ اور یہی قرآن کا اصلی متصد تھا۔ لیکن قریش کو ارتجاعی (Reactionary) عناصر سے پاک کر کے عرب کے متفرق قبائل کو انقلاب پر جمع کرنا اور ان کے واسطے سے قیصر و کسریٰ کے ممالک میں انقلاب برپا کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ ہے وہ قول ثقیل جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل کسی اور جگہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ:

هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ
وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ (الصف 9:61)

ترجمہ: ''یعنی خداوند تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔ تا کہ اس دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب رکھے۔ خواہ مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔''

آیت نمبر 6: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِىَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِيۡلًا

ترجمہ: ''رات کا اٹھنا یقیناً بہت روندتا ہے اور بات سیدھی نکلتی ہے۔''

(مولانا محمود حسن شیخ الہند)

حضرت امام ائمہ شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

ہر آئینہ قیام شب زیادہ تر است در موافقت زبان بادل و درست تر است در تلفظ الفاظ (فتح الرحمٰن)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی رات کا قیام دل اور زبان میں موافقت پیدا کرنے کے لحاظ سے
زیادہ موزوں ہے اور الفاظ منہ سے نکالنے کے لیے بہت بہتر ہے۔

جماعت خاصہ کے لیے رات کا وقت کیوں؟

رات کا وقت جماعت خاصہ (Special Class) کی تیاری کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ کیونکہ دن بھر کی مشقت کے بعد محنت کش اور نفس کُش لوگ ہی خصوصیت سے جمع ہوسکتے ہیں۔ جو شخص رات کو قرآن حکیم سننے آئے گا۔ اسے اس کی طرف رغبت خاص ہوگی۔ اور اجتماع اور فکر سے روکنے والے امور کے اُوپر غالب آنے پر تبھی قادر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی (Pseychological) حالت پیدا ہو جائے گی، وہ قرآن حکیم کا کام پوری ذمہ داری سے کرے گا۔

آدمی شب بیدار، اور نیند پر قابو رکھتا ہو، تو وہ رات کو جب بازاری لین دین اور گھر کی ضرورتوں اور تشویشوں سے نسبتاً فارغ ہوتا ہے، تو اچھی طرح سوچ سکتا ہے۔ اور اچھی طرح سوچتا ہے تو اچھی طرح بات بھی کر سکتا ہے۔

رات کو قرآن حکیم کے پڑھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شور وشغب کم ہونے کے باعث بات خوب سمجھی اور سمجھائی جاسکتی ہے۔

یہ تو ہوئی رات کی بات، دن کا ذکر آگے آتا ہے۔

آیت نمبر7: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًاؕ

ترجمہ: ”البتہ تیرے لیے دن میں لمبا شغل ہے۔“

عوام سے ربط --- دن میں

انقلاب عمومی کے لیے صرف رات کی خاص جماعت کی تعلیم کافی نہیں ہے بلکہ عوام تک پہنچ ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ عوام سے تعلق (Contact) پیدا کرنے کے لیے دن ہی کا وقت ہوسکتا ہے۔ جب ان سے واسطہ پڑتا ہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 8: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا۔''

انقلاب کے بنیادی اصول

(الف): وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ .... ترجمہ: ''اور اپنے رب کا نام یاد کر۔''

اسم سے مراد تجلی الٰہی

امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت میں اسم الٰہی سے مراد ''تجلّی الٰہی'' ہوتی ہے۔ اسم الٰہی کے یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا فراموش شدہ تعلق یاد کرو۔ اسے ''اقتراب'' بھی کہتے ہیں۔

انسان کا تعلق تجلّی الٰہی سے کیوں ضروری ہے؟

قرآنی تحریک (The Quranic Movement) کو حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی بنانے کے لیے اور اسے نوعِ انسان کی مادی یعنی اقتصادی اور عقلی (یا بالفاظ دیگر بہیمی اور ملکی) ضرورتوں کو پورا کرنے والی بنانے کے لیے اس تحریک کا تعلق تجلّی الٰہی سے قائم کرنا ضروری ہے، کیونکہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت (حیوانیت) اور ملکیت (عقلیت) کا مجموعہ ہے۔ اور ملکیت کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور وہ زبانی ذکر بھی کرے گا۔ یہ زبانی ذکر حقیقت میں اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔

قرآن کا ''نظامِ نو''

قرآن حکیم جو ''نظامِ نو'' پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بات انسانوں کے ذہن نشین کرنی چاہتا ہے کہ انسانوں پر حکومت صرف اللہ کی ہوسکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قیصریت اور کسرویت یعنی شہنشاہیت (Imperialism) چند

(c) ketabton.com: The Digital Library

امراء کی حکومت (Oligarchy) کو توڑ کر ان کی جگہ ایسی حکومت (State) پیدا کرنی چاہتا ہے جس کا مرکز اور محور قرآن ہی کا قانون الٰہی ہو۔ اور اس (قرآن حکیم) کے سوا وہ کسی اور قانون کی اتباع کو برداشت نہیں کرتا۔ کیونکہ شخصی، عائلی، قبائلی، شعوبی اور قومی قانون تک تو شاید عقلمند انسان وضع کر سکیں لیکن بین الاقوامی قانون اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہی تمام اقوام کی ضرورتوں اور ذہنیتوں کو جانتا ہے جن کا جاننا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اور نہ کوئی جماعت یہ کام کر سکتی ہے۔ پس اس قرآنی بین الاقوامی قانون کا نوع انسان میں قیام (رسوخ پیدا ہونا) ضروری ہے تاکہ نوع انسان اپنی طبعی رفتار پر ترقی کرتی رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجلی الٰہی سے تعلق قائم کرنا ہر ایک فرد انسانی کے لیے ذاتی اور طبعی ضرورت ہے۔ اور کوئی اجتماع انسانی جس میں اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو افراد کی ترقی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔

(ب): وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

ترجمہ: "اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا۔"

کام کرنے کے دو اصول

دنیا میں کام کرنے کے دو اصول اب تک چلے آتے ہیں:

(1) مادی اسباب کے بھروسہ پر کام کرنا۔

(2) مادی اسباب سے کام لینا لیکن ان کو نتائج اور کامیابی میں مؤثر بالذات نہ ماننا۔ یعنی ان کو صرف آلات کی حیثیت دینا۔

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کی خصوصیت

قرآن حکیم کی انقلابی تحریک میں کسی دوسری تحریک کے مقابلے میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ مادی اسباب سے کام لینا ضروری قرار دیتی ہے لیکن---- ان اسباب کو کامیابی کا کفیل نہیں سمجھتی۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مادے کا ترقی یافتہ حصہ

حقیقت یہ ہے کہ کائنات محض مادے اور اس کی خاصیات (خواص) کے مجموعے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ایسی قوتیں بھی موجود ہیں جو مادے سے قدرے مختلف ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو غیر مادی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اس عالم مادی سے علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مادی قوتیں ہی ترقی کر کے مثالی اور روحانی بن گئی ہیں۔ یہ غیر مادی چیزیں ہی حقیقت میں ان مادی اشیاء کی بنیاد ہیں۔ حکمیات جدیدہ (Modern Sciences) کا رخ بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ سرآمد حکماء یورپ سر جیمز جینز (Sir James Jeans) کہتے ہیں کہ:

I Inching The

I inclise to the idealistic theory that consciousness is fundamental and that material universe is derivative from consciousness not cnsciousness from material.

''یعنی میں اس تخیلی نظریے کی طرف مائل ہوں کہ شعور ذہنی بنیادی چیز ہے اور مادی کائنات اس شعور ذہنی ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ شعور مادے سے پیدا ہوا ہو۔''

ایک جرمن حکیم ماکس پلانک (Max Planck) کہتا ہے کہ:

"I regard consciousness as fundamental and regard matter derivative from consciousness."

''یعنی میں شعور ذہنی کو اصلی اور اساسی شے مانتا ہوں اور مادی کو اس سے نکلا ہوا سمجھتا ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

عالم مثال

الغرض امام ولی اللہؒ اور ان کے اتباع غیر مادی مادے کو اس عالم مادی---- عالم شہادی---- کی اصل مانتے ہیں اور اسے عالم مثال (Non-material World) کی اصطلاح سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک کے کارکن مادے کی ہستی اور اس کے خواص و افعال کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک غیر مادی اصل سے خارج شدہ مان کر اس غیر مادی اصل الاصل---- اللہ تعالیٰ---- پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو اس مادی اور غیر مادی عالم سے ماوراء ہے اور جو ان دونوں کی اصل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ مادی اسباب کو اپنا کفیل اور کارساز نہ سمجھو بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو اس ساری مادی اور غیر مادی---- شہادی، مثالی اور روحانی---- کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کر کے کام کرو۔

قرآنی اصول انقلاب کے عملی فائدے

اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

(1) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لیے مادی نفع جوئی نہ کریں گے یعنی یہ انقلاب پیدا کر کے وہ اپنی ذات کے لیے کوئی مادی فوائد (Material gain) حاصل نہیں کریں گے۔ بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہِ عامہ کے لیے کام کریں گے۔

(2) وہ ان مادی اسباب سے کام لیں گے جو انہیں حاصل ہوں لیکن ان پر بھروسہ نہ کریں گے۔ یعنی اپنے آپ کو ان مادی اسباب کے ساتھ اس طرح وابستہ نہ کرلیں گے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں وہ کوئی کام ہی نہ کریں۔ بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کر دیں گے اور یقین رکھیں گے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی خداوند تعالیٰ ان کے لیے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

قرآن کے انقلابی نظریے کی ضرورت

انقلاب کے اس جدید نظریے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عالم اسباب کی تمام قوتیں جن کے بل بوتے پر انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے، ان انقلابیوں کو حاصل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سب ان کے مخالفین (قیصر و کسریٰ اور روٴسا مکہ اور روٴسا عرب) کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ اپنی کامیابی ان اسباب ظاہری سے وابستہ کرلیں تو وہ کبھی حرکت نہیں کرسکتے۔ اس لیے ان بے بس اور بے کس لوگوں کو سکھایا گیا کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب صرف مادیات ہی کی سرحد پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ حقیقی اور موٴثر اسباب مادی سرحدوں سے پرے واقع ہیں۔

اگر دنیا میں کامیابی کا آخری انحصار محض اور صرف اسباب مادی پر ہوتا تو جن قوموں کو یہ مادی اسباب کامل طور پر حاصل ہیں وہ کبھی نہ گرتیں۔ اور محکوم اور غلام اقوام جو ان اسباب سے محروم ہوتی ہیں وہ کبھی ترقی نہ کرسکتیں۔ مگر چڑھتی ہوئی قوموں کا گرنا اور گری ہوئی قوموں کا اُٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ مادی اسباب کے علاوہ بعض غیر مادی اسباب بھی ہیں جو قوموں کو گرانے اور اٹھانے میں اثر انداز ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم بنی اسرائیل کی گری ہوئی قوم کے متعلق کہتا ہے کہ:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً
مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝
وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً
وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (القصص 28 : 5-4)

ترجمہ: ''یقیناً فرعون نے ملک میں بہت سرکشی کی اور اہل ملک میں نفاق ڈال کر تقسیم کر دیا۔ پھر وہ ان میں سے ہر ایک کو کمزور کرنے لگا۔ چنانچہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ یقیناً وہ بڑے مفسدین میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو ملک میں ضعیف بنا دیا گیا تھا۔ اور ان کو لیڈر بنا دیں اور ملک کے وارث بنا دیں۔''

پس مادی اسباب سے کام لیتے ہوئے بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے جو ان مادی اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور عوام سے کسی قسم کی مادی اجرت طلب

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے کے خیال سے قطع نظر کر کے محض خدا کی خاطر کام کرنا اس قرآنی تحریک کا طغرائے امتیاز ہے۔

اس تعلیم کے پیش نظر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء کو سکھایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو1 یعنی تمام اسباب کو مان کر اور استعمال کر کے بھی ان سے بے تعلق رہو اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کے بجائے ان کی اصل پر رکھو۔ قرآن مادی ذرائع کا انکار نہیں کرتا بلکہ نظر بلند کر کے اسماء حسنیٰ تک پہنچاتا ہے جو مادے کی اصل ہیں۔

گری ہوئی قوموں' بے بس جماعتوں اور اسباب سے محروم لوگوں کو اٹھانے کے لیے اس بلند فکری سے بہتر اور کیا حوصلہ افزاء تعلیم ہوسکتی ہے؟

آیت نمبر 9: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

ترجمہ: ''وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان۔''

ع دارو ہے ضعیفوں کا لَا غَالِبَ اِلَّا هُوَ

اب بتایا جائے گا کہ اس تحریک انقلاب کی کامیابی کے لیے بہترین خطہ کونسا ہے۔

(الف) : رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

ترجمہ: ''وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے۔''

انقلاب کی جولانگاہ عرب کے مشرق و مغرب میں

اس انقلابی تحریک کا حلقۂ عمل حقیقت میں عرب نہیں ہے، وہ قریش کے خلاف عداوت اور قتال کی تحریک نہیں ہے۔ بلکہ یہ انقلاب حقیقت میں اس علاقے کے لیے ہے جو عرب کے مشرق اور مغرب میں واقع ہے۔ یعنی دراصل کسریٰ ایران (مشرق)

1۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ (المشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: ''ہر شخص اپنی ہر ایک حاجت اللہ ہی سے طلب کرے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور قیصر روم (مغرب) کو قرآن کے قانون کے ماتحت لا کر اس تحریک کو تمام دنیا میں پھیلانا مقصود ہے کیونکہ قیصر و کسریٰ کے نظام، انسانیت کے لیے برباد کُن ہیں۔ ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو ایسی اقتصادی اور ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ کسی انسان کو اپنی اصلی انسانی ضرورتوں پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مشرق اور مغرب کے ان علاقوں میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ اور عرب کو اس انقلاب کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

یہ تحریک ایک خاص ذہنیت بھی چاہتی ہے جو نہایت سرد علاقے میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ انقلابی تحریکیں اور مستقل اور پائیدار تہذیبیں کرۂ زمین کے انتہائی شمالی اور انتہائی جنوبی علاقوں میں پیدا نہیں ہوتیں، اور نہ وہاں ان کے پنپنے کا سامان ہے۔ بلکہ اس قسم کی تحریکیں ہمیشہ اس منطقے میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور پیدا ہوتی رہیں گی جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ شمالی علاقے کے تمدن غیر طبعی ہیں اس لیے دیرپا نہیں ہوتے۔

(ب) : لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا

ترجمہ: ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان۔''

اس علاقے میں نہ کسریٰ کی حکومت رہنی چاہیے نہ قیصر کی ''خدائی''۔ ان کی جگہ خدائے وحدہ لاشریک لہ' کا قانون جاری ہونا چاہیے۔ کیونکہ کائنات کا پروردگار یعنی ساری کائنات کو ایک خاص مجموعہ قوانین کے مطابق ترقی دینے والا وہی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے حضرت مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ:

They will be done on earth as in Heaven (Math 6:10)

> ''خدا کی مشیت کرۂ زمین پر اسی جامعیت کے ساتھ پوری ہونی چاہیے جس کاملیت کے ساتھ زمین سے باہر کی ساری کائنات میں پوری ہو رہی ہے۔''

قرآن کا منشاء مصنوعی ''خداؤں'' کا خاتمہ

پس جس طرح خدا کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اور کوئی اس میں شریک نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کا قانون---- قرآن حکیم---- انسانی معاشرے میں جاری کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائے۔ اور تمام مصنوعی ''خداؤں'' کی ''خدائی'' ختم کر دی جائے۔ اور بندگی صرف خدا کی کی جائے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو اپنے تمام اعمال و افعال اور خیالات میں خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے۔ اس میں لوگوں کے دکھاوے یا حاکم کے فیصلے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ فیصلہ خود ہر ایک انسان کو اپنے دل کے اندر کرنا ہوگا۔ جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ ''میرا یہ کام خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا''، اس وقت تک وہ اس کام کو اچھا نہ سمجھے۔ یہ ہے خدا کی بندگی۔ اس طرح جوابدہ سمجھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی ساری نوع کی یکساں خدمت کر سکے گا۔ کیونکہ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی اس تجلّی کے حوالے کر دے گا جو انسانیت کے قلب پر پڑتی ہے۔ اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے تمام نوع انسان کی ہمدردی اور خدمت کرنی ہوگی۔ اس سورت میں قرآن کے انقلاب کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ایسا انقلاب برپا کیا جائے جو انسان کے نوعی تقاضے پورے کرے گا نہ کہ کسی خاص خطّے یا قوم کی ضرورتوں ہی کا کفیل ہو۔

جس موطن میں اعمال انسانی کے یہ فیصلے ہوتے ہیں اسے ''حظیرۃ القدس'' کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس مقدس مقام میں تمام انبیاء اور اعلیٰ طاقتیں جمع ہوتی ہیں۔ ہر ایک چیز کا فیصلہ کرنے والی طاقت وہاں صرف تجلّی الٰہی ہے۔ انسانیت کا نصب العین یہ ہے کہ اس مقدس مقام میں اپنے لیے جگہ حاصل کرے۔ یہ انبیاء کی انقلابی تحریک ہی کے نتیجے کے طور پر انسان کو مل سکتی ہے۔

آیت نمبر 10: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا

ترجمہ: ''جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر صبر کر اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جا''۔

مخالفوں کی مخالفت پر صبر کرو

قریش جو پہلے قومی عربی انقلاب کا اور پھر بعد میں عمومی بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنیں گے وہ اُمّی اور اَن پڑھ ہیں۔ انہیں قرآنی انقلاب کا مقصد ذہن نشین نہیں ہوا۔ ان کو سمجھانے کے تمام طریقے ابھی استعمال کرنے ضروری ہیں۔ سب کو سمجھانے کا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک ہی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہر شخص کو اس کی ذہنیت کے مطابق سمجھاؤ۔ ابھی ان سے لڑنے بھڑنے اور قتال کرنے کا وقت نہیں آیا اور نہ تم اس کے لیے ابھی تیار ہو۔ اس لیے ابھی مخالفت کرنے والوں کی باتوں پر صبر کرو۔ اور ایسی حالت پیدا نہ ہونے دو کہ وہ ہاتھا پائی پر اُتر آئیں۔

تیاری سے پہلے اقدام مُضر ہوتا ہے

اگر تیاری سے پہلے اقدام کر دیا جائے تو انقلاب ناکام رہتا ہے۔ چنانچہ ابتداء نبوت سے تین سال تک تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس طرح رہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔ جس کو اپنے مطلب کا دیکھتے اس سے بات چیت کر لیتے۔ اور جو چند لوگ ہم فکر ہوتے وہ رات کو کسی جگہ جمع ہو جاتے۔ اور اس طرح دعوت اور تیاری جاری رہی۔

اب بھی جس ملک میں قرآن حکیم کے اصولوں پر انقلاب پیدا کیا جائے گا اسے پہلے اسی منزل میں سے گزرنا پڑے گا۔ یعنی ذہنی تیاری کی منزل میں سے، جس میں لڑائی کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ اس تیاری ہی کی برکت تھی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی انقلاب کی تحریک متعدد ارتجاعوں (Reactions) میں سے گزرنے کے بعد اب تک زندہ ہے۔

سرمایہ پرستوں سے باز پرس

آیت نمبر 11: وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا

ترجمہ: ”مجھے اور ان جھٹلانے والے فارغ البال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے۔“

مُكَذِّبِين ' کسریٰ و قیصر ہیں

المکذبین (جھٹلانے والے) سے مراد بین الاقوامی حلقے میں کسریٰ و قیصر ہیں۔ اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

قومی حلقے میں مجازاً قریش کے وہ سردار جوان کی راہ چلتے تھے اور جوان ہی کی طرح انقلاب کو برداشت نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اس انقلاب کے پروگرام (Revolutionary Programme) کو نہیں مانتے۔

سرمایہ پرستوں سے باز پرس ہوگی

اُولِی النَّعْمَةِ (فارغ البال) وہ لوگ ہیں جن کے پاس انسانی ضروریات مثلاً کھانے پینے وغیرہ کا سامان وافر موجود ہے جو ان کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔

اس قسم کے سرمایہ پرست مخالفین سے چند دنوں کے لیے اعراض کرو اور لڑائی سے بچو۔ یہاں تک کہ تمہاری تیاری مکمل ہو جائے۔ اس کے بعد ان سے باز پُرس کی جائے گی۔ اس زندگی میں وہ جماعت ان سے باز پُرس کرے گی جو قرآنی اصولوں پر خدا کے حکم کے مطابق انقلاب برپا کرے گی۔ یہ دنیا میں خدا کی خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ دوسری زندگی میں اللہ تعالیٰ براہ راست ان سے باز پُرس کرے گا۔

حضرت مسیح کا ارشاد سرمایہ پرستوں کے بارے میں

یہ باز پرس تمام مذاہب کا مسلمہ اصول ہے۔ چنانچہ متی کی انجیل باب 25 آیات 31-46 میں ہے کہ:

> ''جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا۔ اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی۔ اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔ جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ اور پھر بھیڑوں کو اپنے داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنے داہنی طرف والوں سے کہے گا کہ آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہت بناء عالم کے وقت سے تمہارے لیے بنا دی گئی ہے اسے میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا، بیمار تھا تم نے

(c) ketabton.com: The Digital Library

میری خبر لی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ تب راستباز جواب میں اس سے کہیں گے اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا۔ یا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا؟ ہم نے کب تجھے پردیسی دیکھ کر گھر میں اتارا؟ یا ننگا دیکھ کر کپڑا پہنایا؟ ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟ بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ کیا۔ اس لیے میرے ساتھ کیا۔

پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا۔ اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ۔ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا، پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قیدی تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ تب وہ جواب میں کہیں گے اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا پیاسا، یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی؟ اس وقت وہ ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے ان سب سے چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ نہ کیا۔ اس لیے میرے ساتھ نہ کیا اور (وہ) ہمیشہ کی سزا پائیں گے، مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی۔"

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان

انہی معنوں میں ایک روایت مشکوۃ شریف (باب "عیادۃ المریض وثواب المرض" میں بھی ہے:

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ:

"یَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ"

(c) ketabton.com: The Digital Library

قَالَ یَا رَبِّ کَیۡفَ اَعُوۡدُکَ وَاَنۡتَ رَبُّ الۡعَالَمِیۡنَ؟ قَالَ:
"اَمَا عَلِمۡتَ اَنَّ عَبۡدِیۡ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمۡ تَعُدۡہُ؟ اَمَا عَلِمۡتَ اَنَّکَ
لَوۡعُدۡتَّہٗ لَوَجَدۡتَّنِیۡ عِنۡدَہٗ؟"
"یَا ابۡنَ اٰدَمَ! اِسۡتَطۡعَمۡتُکَ فَلَمۡ تُطۡعِمۡنِیۡ"
قَالَ: یَا رَبِّ کَیۡفَ اُطۡعِمُکَ وَاَنۡتَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ؟
"قَالَ: اَمَا عَلِمۡتَ اَنَّہٗ اِسۡتَطۡعَمَکَ عَبۡدِیۡ فُلَانٌ فَلَمۡ تُطۡعِمۡہُ اَمَا
عَلِمۡتَ اَنَّکَ لَوۡاَطۡعَمۡتَہٗ لَوَجَدۡتَّ ذَالِکَ عِنۡدِیۡ؟"
"یَا ابۡنَ اٰدَمَ! اِسۡتَسۡقَیۡتُکَ فَلَمۡ تَسۡقِنِیۡ"
قَالَ: یَا رَبِّ! کَیۡفَ اَسۡقِیۡکَ وَ اَنۡتَ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ؟"
قَالَ: "اِسۡتَسۡقَاکَ عَبۡدِیۡ فُلَانٌ" فَلَمۡ تَسۡقِہٖ. اَمَّا اَنَّکَ لَوۡ
سَقَیۡتَہٗ وَجَدۡتَّ ذَالِکَ عِنۡدِیۡ؟"

ترجمہ: "یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ
فرمائے گا کہ:
"اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا۔ لیکن تو نے میری خبر تک نہ لی؟"
انسان کہے گا:
"اے میرے پروردگار! تو، تو ساری اقوام کا رب ہے۔ تیری خبر گیری
میں کس طرح کرتا؟"
اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:
"کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت
نہ کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تُو مجھے اس کے پاس پاتا!"
اے ابن آدم! میں نے بھوک میں تجھ سے کھانا مانگا، لیکن تو نے مجھے
کھانے کو کچھ نہ دیا۔
انسان کہے گا:
"یا اللہ تو ساری دنیا کا پروردگار ہے تجھے کھانا کس طرح دیتا؟"
اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

''تجھے خبر نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے نہ دیا۔ اگر تو اُسے کھانا دیتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔''

''اے ابن آدم! میں نے پیاسا ہو کر تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہ دیا۔''

انسان کہے گا کہ:

''یا اللہ تو تمام اقوام عالم کا پروردگار ہے تجھے پانی کس طرح دیتا؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:

''میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو، تو نے اسے دیا نہیں تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اسے پانی دے دیتا تو اسے میرے پاس پاتا۔''

الغرض قیامت کے دن قوموں کا فیصلہ اسی مسئلے پر ہوگا کہ انہوں نے مسکینوں اور بیکسوں کو کھانا اور کپڑا لتہ وغیرہ دیا یا نہیں۔

باز پُرس کیوں ہوگی؟

امام الائمہ امام ولی اللہؒ نے اپنے ایک رسالے ''سطعات'' میں اس امر کی تشریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں سے ایک تجلّی ''تجلیِ اعظم'' کہلاتی ہے جو ساری کائنات پر اثرانداز ہے۔ اس کا ایک عکس یا نازل تجلّی ''عرش'' کہلاتی ہے۔ جس کے نیچے ہر ایک نوع حیوانات کا ایک نمونہ موجود ہے۔ ان میں ایک نمونہ نوع انسان کا بھی ہے۔ اسے امام نوع انسانی یا انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اس انسان کبیر کے نمونے ہی پر تمام انسان اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان صغیر کہلاتے ہیں۔ اس انسان کبیر کی جو روح ہے وہ تمام افراد انسان کی روح ہے۔ اس انسان کبیر کے قلب پر عرش کی تجلّی کا عکس پڑتا ہے۔ یہ گویا تجلّی اعظم کا تیسرے درجے کا نازل عکس ہے۔ یا یوں کہو کو ذات خداوندی کی ایک نازل تجلّی ہے یہ تجلّی حشر میں ہر ایک فرد انسانی سے مخاطب ہوگی تو گویا حقیقت میں انسانیت ہر ایک فرد سے مخاطب ہو کر ان سے باز پُرس کرے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز انسانی افراد اور انسانی جماعتوں کا فیصلہ مجموعہ انسانی (Humanity as a whole) کے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ جو فرد انسان کبیر یا انسانیت جامع کے طبعی تقاضوں کے جتنا قریب ہوگا، یعنی ان کو جتنا زیادہ پورا کرنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

والا ہوگا، اتنا ہی نیک یا صالح قرار دیا جائے گا۔

افرادِ انسانی اور انسانِ کبیر کا تعلق

اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسمِ انسانی کے خلیات [1] (Cells) کہ ان میں سے بہترین---- صالح ترین---- خلیہ وہ ہے جو سارے بدنِ انسانی کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتا ہے۔ اور دوسرے خلیات کے ساتھ مل کر بہترین مصالحت (Harmony) کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جو خلیہ اس طرح کام نہیں کرتا وہ بیمار---- غیر صالح---- ہے۔ وہ خلیہ جسمِ انسانی کی خدمت کرنے سے بہ لسانِ حال ''منکر'' ہے یعنی ''کافر'' ہے۔ اس خلیے سے ''باز پُرس'' ہوگی اور اس کی اصلاح کے لیے اس کا علاج کیا جائے گا۔

اسی طرح ہر فردِ انسانی کی صالحیت کا امتحان اس نقطۂ نگاہ سے ہوگا کہ اس نے دیگر افرادِ انسانی کے ساتھ مل کر کہاں تک مناسبت (Harmony) پیدا کی، جو انسانِ کبیر کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اگر کسی فرد کے بدن میں کچھ اجزاء خراب یا ناقص ہوں گے تو اس کی اصلاح کے لیے اسے جہنم کے ''شفا خانے'' میں جانا ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ایک انسان کے پاس خوراک کا ذخیرہ اس کی ضرورتوں سے زیادہ ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بدنِ انسان کے خلیے میں خون آتا ہے۔ اگر وہ فردِ انسانی اس ذخیرہ خوراک میں سے اپنی ضرورت کے بقدر لے کر دیگر افرادِ انسانی کو بھی اس میں سے ان کی ضرورت کے مطابق پہنچا دیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تندرست خلیہ خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کا وظیفہ (Function) ہے۔ اگر وہ فردِ انسانی خوراک جمع کر رکھے تو وہ ایسا ہے جیسے خلیے میں خون ''جمع'' ہو جائے۔ تو جیسے اس صورت میں کہا جائے گا کہ خلیہ بیمار ہے۔ مثلاً اسے سوجن ہوگئی ہے۔ ایسے ہی فردِ انسانی کو بھی غیر صالح---- ناتندرست' اخلاقی بیمار----

---

1. انسانی جسم--- بلکہ ہر ایک جاندار جسم--- چھوٹے چھوٹے خانوں یعنی خلیات (Cells) سے مرکب ہے۔ ایک خلیہ یا خانہ ایک انچ کا 1/300 حصہ ہوتا ہے۔ اس کے بیچ میں مرکزہ (Nucleus) ہوتا ہے اور اس کے گرد مادۂ حیات (Protoplasm) بھرا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک چہار دیواری (Cell-wall) میں بند ہوتا ہے۔ یہ پھٹ کر بڑھتا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرار دیا جائے گا۔ اور انسانیت (امام نوع انسان) کے قلب پر جو تجلی الٰہی پڑتی ہے وہ اس سے باز پُرس کرے گی۔

صالحیت کا معیار مساکین کی خدمت ہے

الغرض اس دنیا کی زندگی میں فرد کی صالحیت موقوف ہے اس بات پر کہ (اس نے) دوسرے کمزور اور مسکین افراد کی کھانے پینے اور کپڑے لتے سے کتنی مدد کی۔ اس دنیا کی زندگی میں انقلابی جماعت کی طرف سے، جو انسان کبیر یا انسانیت عامہ کی نمائندگی کرتی ہے، اور اس دنیا میں انسان کبیر کے قلب پر پڑنے والی تجلی الٰہی کی طرف سے، گویا براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز پُرس ہوگی۔ یہ انقلابی جماعت ان انسانیت فراموش افراد سے اس وقت باز پُرس کرے گی جب وہ اپنی مرکزی طاقت مضبوط کر لے گی۔

آیت نمبر 12 تا 14:

إِنَّ لَدَيْنَآ أَنكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾
يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

ترجمہ: ”بیشک ہمارے پاس بیڑیاں، تیز آگ، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ جب زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ پھسلتے ریت کے ٹیلے بن کر رہ جائیں گے۔“

ان آیات میں آنے والے بہت بڑے خوف ناک واقعہ کا ذکر ہے۔ اور اس میں ”مکذبین“ کے لیے، جن کا اوپر ذکر آیا ہے، ایک بہت بڑا ڈراوا ہے۔

انقلاب اور قیامت

امام ولی اللہؒ کی حکمت کے مطابق ان آیات میں آنے والی بڑی قیامت کے علاوہ چھوٹی دنیاوی قیامت---- انقلاب عمومی---- کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قرآن درحقیقت آنے والے انقلاب سے ڈرانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ قیامت کبریٰ کے واقعات کو جو تمام اقوام میں مسلمہ طور پر معلوم ہیں، عنوان بناتا ہے۔ اگر قرآن حکیم محض عربوں کے لیے نازل ہوا ہوتا تو وہ عرب کی گزشتہ تاریخ کے

(c) ketabton.com: The Digital Library

واقعات مثلاً عاد وثمود کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھتا۔ مگر یہ عالمگیر صداقتیں لے کر آیا ہے۔ اس لیے اُسے ان عالمگیر صداقتوں کے نہ ماننے والوں کی عبرت انگیزی کے لیے مسلمہ عالمگیر حوادث ہی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ان آیات میں انقلاب عمومی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے قیامت کے عالمگیر حادثے کو ذریعہ بنایا ہے۔

کھانے پینے کے نظام کی اہمیت

اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کے پروگرام میں کھانے پینے کے انتظام کو پوری اہمیت دینی چاہیے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی شخص اس کے ہمسائے میں بھوکا نہ سوئے۔ جب اس اصول پر اصلاح شروع کی جائے گی تو اسے اپنے زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آئیں گے۔ وہ اس گھر میں آرام سے نہ رہ سکے گا جس میں وہ اب تک ظالمانہ انداز سے رہتا تھا۔ وہ اس شہر میں نہ رہ سکے گا اور اس ملک میں نہ رہ سکے گا جس میں انسانیت پر ظلم ہو رہا ہو۔

فارغ البال ظالم لوگوں کی سزا

جب کسی قانون کا کوئی باغی پکڑا ہوا آتا ہے تو اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے وہاں بدترین غذا ملتی ہے، اور تمام راحتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانیت کے دشمن کو بیڑیوں میں کس کر پہلے دنیاوی قید خانے میں ڈالا جائے گا۔ اور یہاں سے مر کر نکلتے ہی وہ جہنم کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ چونکہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا، اس لیے اسے دنیاوی جیل میں اور اس کے بعد اخروی جیل (جہنم) میں ایسا کھانا دیا جائے گا جسے وہ کھا نہ سکے گا۔ اور جس طرح مساکین اسے دیکھ دیکھ ترستے تھے اب وہ کھانے کو ترسے گا۔ البتہ دنیاوی عذاب کا قاعدہ اتنا عام اور ہمہ گیر نہیں جتنا اخروی زندگی کے عذاب کا ہے۔ کیونکہ جو شخص انقلابی جماعت کی کامیابی سے پہلے مر گیا، وہ اس کے ہاتھوں سزا پانے سے بچ جائے گا۔ جو لوگ ان ایام انقلاب کی پوری سزا سے بچ گئے، ان کے لیے آخری باز پُرس کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ اس روز سب کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

جائے گا۔ اس روز اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے کے سوا اور کچھ نہ کرے گا۔

پس کھاتے پیتے لوگ جو انسانیت کی خدمت کے اصولوں سے انکار کرتے ہیں--- مکذبین--- وہ اس بڑے یوم انقلاب--- قیامت کبریٰ---- اور اس آنے والے چھوٹے یوم انقلاب--- قیامت صغریٰ سے ڈریں۔ اور ان کے پاس جو نعمت الٰہی ہے اس میں سے ان کو بھی بقدر ضرورت دیں جو اس سے محروم ہیں۔

فائدہ: ایک شخص غلطی کرتا ہے اس پر گرفت کا موقعہ آ چکا ہے۔ مگر اس نے دوسری جماعت میں مل کر ایک اچھا کام بھی کیا ہے۔ اب یہ جماعتی اچھا کام اگر اس غلطی کو معاف نہیں کرا سکتا تو اسے مؤخر ضرور کرا دے گا۔ اس اصول پر انسانوں کا فیصلہ آگے پیچھے ہو سکتا ہے۔ مگر کوئی جرم بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتا۔ اور جب اس جرم کی سزا پوری ہو جائے گی، جو ہمیشہ محدود ہو گی، تو اسی وقت سے وہ نجات پا جائے گا۔

=========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب کی منزل اول

قومی انقلاب

قومی انقلاب کی دعوت

آیت نمبر15: إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا

ترجمہ: ''ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔''

بین الاقوامی انقلاب کے چند اصول بیان کرنے کے بعد ان کو قومی انقلاب میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ قومی انقلاب آگے چل کر بین الاقوامی انقلاب کی شکل اختیار کرے گا اور قومی انقلاب لانے والی جماعت ہی اس بین الاقوامی انقلاب کی مجلس عاملہ (Working Committee) بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

حضرت امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپؐ عرب کے لیے قومی نبی ہیں تاکہ اہل عرب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں۔ اور ان میں قانون الٰہی جاری کریں۔ دوسری یہ کہ آپؐ تمام اقوام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ:

وَهٰذَا الْإِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلٰی اُصُوْلٍ اُخْرٰی غَیْرَ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ مِنْهَا اَنْ یَّدْعُوَ قَوْمًا اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَأْنَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَیُجَاهِدَ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقَهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی: (کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) وَذٰلِکَ لِاَنَّ

(c) ketabton.com: The Digital Library

هٰـذَا الْاِمَامَ نَفْسَه' لَا يَتَاتّٰى مِنْهُ مُجَاهَدَةَ اُمَمٍ غَيْرِ مَحْصُوْرَةٍ وَّاِذَا كَـانَ كَـذٰلِكَ وَجَبَ اَنْ تَـكُوْنَ مَادَةُ شَرِيْعَتِهٖ مَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْـمَـذْهَبِ الطَّبِيْعِيّ لِاَهْلِ الْاَ قَالِيْمِ الصَّالِحَةِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ مَاعِنْدَ قَوْمِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِ رْتِفَاقَاتِ وَيُرَا عٰى فِيْهِ حَالُهُمْ اَكْثَرَ مِنْ غَيْرِ هِمْ (حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 118)

اس بین الاقوامی دعوت دینے والے نبی کی کامیابی کے اصول ان اصولوں سے مختلف ہوں گے جو ایک امام صرف اپنی قوم کے اندر دعوت کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی امام اپنی قوم کو صحیح سنت کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کی حالت درست کر کے ان کو اپنا آلہ کار بنائے گا۔ وہ ان کی مدد سے باقی اقوام عالم سے لڑے گا۔ اور ان کو چاروں طرف اپنی دعوت کا پیام دے کر بھیج دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِ جَتْ لِلنَّاسِ [(تم امت (عربیہ) کا بہترین طبقہ ہو جو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے پیدا کئے گئے ہو)]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تنہا بنفس نفیس لاتعداد اقوام کے ساتھ لڑ بھڑ نہیں سکتا۔ چونکہ صورت حال یہ بن جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے قانون شریعت کا جوہر تمام اقوام کے لیے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب، جو اچھی آب و ہوا کے خطوں میں بستی ہیں، بمنزلہ مذہب طبیعی ہو۔ بایں ہمہ اس امام کی قوم کے علوم و ارتفاقات کا دیگر اقوام کی بہ نسبت اس تعلیم میں زیادہ خیال رکھا گیا ہو)۔

پس بین الاقوامی دعوت دینے والا امام اپنا کام بین الاقوامی دعوت سے شروع نہیں کرے گا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی قوم کے صالح عناصر کو جمع کر کے قومی انقلاب برپا کرے گا۔ اور پھر اس قومی انقلاب کی مجلس عاملہ (جوارِحہ) دوسری اقوام میں کام کرے گی اور ان کے اندر انقلاب برپا کرے گی۔

حضرت موسیٰؑ کی مثال

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شاندار بین الاقوامی کامیابی اسی اصول طبعی کی پابندی کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہین منت ہے۔ یہ اصول اس سے پہلے بھی برتنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے بین الاقوامی مرکزیت کو توڑنے کے لیے اسی حربے سے کام لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت حنیفی کی ریاست سپرد کی (جو بین الاقوامی دعوت ہے) تو ان کو اور ان کے رفیق کار حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ:

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (طٰہٰ 47:20)

ترجمہ: ''یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیامبر ہیں، اس لیے بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، اور ان کو عذاب مت دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اب جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہی سلامت رہ سکتا ہے۔''

چنانچہ خدا کے دونوں پیامبر فرعون کے پاس جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور نمائندہ گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الاعراف 105:7)

ترجمہ: ''میں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں لے کر آ گیا ہوں۔ اس لیے اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کر دو۔''

بالکل ایسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ نے پہلے قریش اور عرب میں بین الاقوامی کام کو قومی رنگ میں کرنا شروع کیا اور ان کو ان مظالم سے پاک کرنے کی کوشش کی جو وہ انسانیت پر کر رہے تھے اور ان کو تعلق باللہ کا وہ سبق یاد دلایا جو وہ بھول چکے تھے۔

آیت نمبر16: فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا

ترجمہ: ''فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا۔''

فرعونی ملوکیت کا خاتمہ

فرعون کی ملوکیت بنی اسرائیل اور سب مصریوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر رہی تھی۔ اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان سے اتنی محنت

(c) ketabton.com: The Digital Library

و مشقت لی جاتی تھی کہ ان کو بیلوں اور گدھوں کی طرح تمام گھریلو کاموں کے لیے استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اہرام مصر (Pyramids) جیسی عظیم الشان عمارتیں جن کی تعمیر میں لاکھوں من پتھر کی سلیں لگی ہیں سب مصریوں کے ہاتھوں بنوائی گئیں۔

جب حکمران طبقہ اپنی قوم کو یوں ذلیل بنائے تو اسے کیوں زندہ رہنا چاہیے؟ وہ تو اپنی قوم کو آدمی ہی نہیں مانتے، بنی اسرائیل کی ان کے ہاں کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ چنانچہ فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آزادی کے پروگرام پر منظم کر لیا اور ان کو مصر سے نکال لے گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی خاص مدد فرمائی۔ اور ان کے دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے برباد کر دیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ: کسریٰ اور قیصر

اسی طرح چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ (Pharaos) کسریٰ ایران اور قیصر روم---- کے لیے ایک نبی اعظم ﷺ آیا جس نے ان کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا قانون--- قرآن حکیم--- قبول کر کے اسے رائج کریں۔ اگر وہ اس قانون کو رائج نہ کریں گے تو کسانوں پر جو ظلم وہ کر رہے ہیں اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ قیصر روم کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ الفاظ خاص ہیں:

اِنّیِ اَدْعُوْکَ بِدَعَایَۃِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِیْکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ، فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمَ الْیَرِیْسِیِّیْنَ

(الصحیح البخاری باب بدء الوحی)

(میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اسے مان لو گے تو دنیا میں بھی بچ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا دُگنا اجر بھی دے گا۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے کسانوں پر جو مظالم ہو رہے اور وہ اپنی جہالت کے باعث جو غلطیاں کر رہے ہیں، ان کے تم ذمہ دار ہو گے)۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی انسان دوستی شروع ہی سے ملوکیت پرستوں کے جوئے تلے دبے ہوئے لوگوں، خصوصاً کسانوں کے ساتھ تھی۔ کیونکہ ان ممالک کی غالب آبادی ان کسانوں وغیرہ پر ہی مشتمل تھی۔ چنانچہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجتہ اللہ البالغہ (ص 105) میں اس طبقے کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔

کسریٰ و قیصر نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح فرعون کو دنیا میں سزا دی گئی اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ **هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ** (کسریٰ و قیصر ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں ہوگا)۔

یہ تھا بین الاقوامی انقلاب جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے پیدا کیا اور جس کا فائدہ تمام کمزور جماعتوں کو پہنچا۔

آیت نمبر 17: فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا

آیت نمبر 18 (الف): اِۨلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ

ترجمہ: ''تم کس طرح بچ سکو گے اگر تم نے انکار کیا اس دن کا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس سے آسمان پھاڑا جائے گا۔''

وہ یوم انقلاب آنے والا ہے اور جس طرح قیامت کبریٰ کا عذاب ایسا خوفناک ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اسی طرح چھوٹے پیمانے پر آنے والے ایام انقلاب میں تمام مخالفین کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس یوم انقلاب کے لانے کے لیے خدائے قدیر اور مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تدابیر کر رہا ہے۔ اگر اسے قریب تر لانے کے لیے آسمانی قوتوں کو پھاڑنا (یا بقول حضرت مسیح ''ہلانا'') پڑے گا تو وہ بھی کر ڈالے گا۔

انقلاب کے لیے تدبیر الٰہی کے طریقے

تدبیر الٰہی کے انہی اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاِذَا تَهَيَّأَتْ اَسْبَابُ هٰذَا الشَّرِّ اِقْتَضَتْ رَحْمَةُ اللّٰهِ بِعِبَادِهٖ وَلُطْفُهٗ بِهِمْ وَعُمُوْمُ قُدْرَتِهٖ عَلَى الْكُلِّ وَشُمُوْلِ عِلْمِهٖ بِالْكُلِّ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِىْ تِلْكَ الْقُوٰى وَالْاُمُوْرِ الْحَامِلَةِ لَهَا بِالْقَبْضِ وَالْبَسْطِ وَالْاِحَالَةِ وَالْاِلْهَامِ حَتّٰى تَفْضِىَ تِلْكَ الْجُمْلَةُ اِلَى الْاَمْرِ الْمَطْلُوْبِ

یعنی جب عارضی قباحت کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس عارضی قباحت کو دور کر کے مصلحت عامہ کے مطابق حالت پیدا کر دی جائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں ہے اس لیے کہ وہ ہر چیز پر براہ راست قادر ہے۔ اور کائنات کے ذرے ذرے کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ مخلوقات اور ان کی قوتوں میں تصرف کرتا ہے اس کے تمام تصرفات چار قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں:

(1) قبض: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے خلاف ہوں، ان کی قوت عاملہ روک دی جاتی ہے)۔

(2) بسط: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے لیے مفید ہوں مگر کمزور ہوں ان کو قوٰی مثالیہ سے مدد پہنچا کر طاقتور بنا دیتا ہے)۔

(3) احالہ: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کی غرض سے اگر ضرورت پڑے تو ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے)۔

(4) الہام: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کے اصول کی محبت یا اس کے مخالف قوتوں کی نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کے حق میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)۔

کسریٰ و قیصر اور ان کے متبعین میں قریش کو انذار

الغرض ان تدابیر کے ذریعے سے قرآنی انقلاب لایا جائے گا اور کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔ اور نہ حجاز میں کوئی غیر انقلابی رہنے پائے گا۔ اب اگر فرعون موسیٰ علیہ السلام کی تحریک انقلاب کی مخالفت کر کے بچ نہ سکا تو قیصر و کسریٰ اور ان کے مکی اور حجازی متبعین اس انقلاب سے جو قرآن حکیم لانے والا ہے کس طرح بچ سکتے ہیں؟

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس پیش گوئی کی تصدیق

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد جنگ بدر میں ابوجہل اور اس کی متبعین اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی، جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم ہلاک ہوگئے۔

آیت نمبر 18(ب): كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا

ترجمہ: ’’(یہ بات ہو کر رہنے والی ہے) یہ انقلاب ہو کر رہے گا اور کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی!‘‘

یہ اعلان جنگ بدر سے تیرہ سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور بدر میں عین اس کے مطابق ہو کر رہا۔

انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت

ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا۔ اور قرآنی نظام (Quranic Order) کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی۔ اس لیے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدرِ اسلام میں پیش آئی تھی، اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے واقعۃً زندگی بسر کی۔ اس لیے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں اور جو واقعی قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں، قیامت کبریٰ ہی پر محمول کر کے خاموش ہوگئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو۔ ہم خود ہندوستان میں اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے ہیں جو یورپین استیلاء سے پیدا ہوا۔ مگر ہم ایک واسطے 1 سے اس انقلاب کے حالات جانتے ہیں۔ جب وہ حالات سنتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔1

1. راقم الحروف کے استاذ مولانا مفتی عبدالحمید صاحب لودھیانوی تا حال زندہ ہیں۔ انہوں نے اپنے شہر (لودھیانہ) میں پیش آنے والے واقعات راقم الحروف کو سنائے۔ ان کو سن کر دل دہل جاتا تھا۔ اور راقم الحروف نے اپنے خاندانوں کے بزرگوں سے شورش مذکورہ کے جو حالات سنے وہ زبانِ قلم ادا کرنے سے عاجز ہے۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس قسم کے انقلاب کی قریب ترین مثال روسی انقلاب کی ہے۔ روس میں زار کے خاندان اور دیگر روسی امراء کے خاندانوں سے جو بیتی، وہ کچھ وہی خوب جانتے ہیں جوان قیامت خیز وحشرزا حوادث سے دوچار ہوئے۔ جو لوگ 917ء ہندی (1917ء) کے بعد پیدا ہوئے وہ ان کی حقیقت سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟ اور صفحات تاریخ وہ خونچکاں مناظر کس طرح دکھا سکتے ہیں جو آنکھوں نے 917ء ہندی میں دیکھے۔ اور اس سے تھوڑا سا فرق کر کے عثمانی خلافت میں جو انقلاب آیا ہے اور شاہی خاندان جس طرح بھیک مانگنے اور بُری طرح اخلاق بیچنے پر مجبور ہوا، مسلمانوں کا کھاتا پیتا طبقہ وہ مسلمانوں کے سامنے نہیں آنے دیتا، ورنہ مسلمانوں کے سامنے روس کے انقلاب کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ اور جتنی سزا عثمانیوں کو دی گئی وہ ہمارے عوام سن لیں تو آنکھیں کھلی رہ جائیں!

الغرض قرآن حکیم قیامت کبریٰ کے جس چھوٹے سے نمونے ---انقلاب--- کی خبر دے رہا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا۔ اور کوئی ارضی و سماوی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

آیت نمبر 19: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''یہ ایک یاد دہانی ہے، اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔''

(الف): اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ

ترجمہ: ''یہ ایک یاد دہانی ہے۔''

قرآن متنبہ کرتا ہے

جو لوگ قرآن سوچتے ہیں قرآن حکیم ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف ارتجاع (Reaction) سوچتے ہیں ان کو تنبیہ کرتا ہے۔

(ب): فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ترجمہ: ''اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

اب کون بچے گا؟

اس انقلاب نے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ جو شخص چاہے یہ راستہ اختیار کر لے۔ قرآنی تعلیم کو اپنا پروگرام بنا کر دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ رسولؐ اللہ کا فرض یہ ہوگا کہ بھولے بھٹکے لوگوں کو یاد دہانی کراتے رہیں۔ آپؐ کے بعد قرآن حکیم کی تعلیم سے صحیح طور پر سوچنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے کارکن انقلاب کے اصولوں کو سمجھ کر اپنا لیں اور پھر اپنی ذمہ داری پر کام کریں۔ جب تک کوئی شخص اپنے فیصلے سے انقلابی نہیں بنتا انقلاب میں وہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ جو لوگ اچھی طرح سمجھ کر شامل نہ ہوں وہ بھی ارتجاعی بن جایا کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن کے اصولوں کو سمجھا کر انقلابی بنانا ضروری ہے۔

نظر بازگشت

اس رکوع میں مندرجہ ذیل مضامین آگئے ہیں:

(1) قرآن حکیم کی تحریک عوام اور خواص دونوں میں جاری کی جائے تاکہ یہ اپنے انقلابی اثرات پیدا کرے۔

(2) اس تحریک کو آگے بڑھانے کے واسطے صرف خدا پر بھروسہ کر کے کام کرنا ضروری ہے۔

(3) اس تحریک کا ابتدائی مقابلہ بین الاقوامی میدان میں کسریٰ و قیصر کے سرمایہ پرستانہ نظام سے پیش آئے گا۔ اور قومی میدان میں ان لوگوں سے، جن کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہے۔

(4) ابتدا میں انقلابی جماعت لڑنے سے باز رہے اور صبر کے ساتھ تمام مصائب برداشت کرتی ہوئی تیاری کرے۔

(5) قرآنی انقلاب کی بنیاد مسکینوں کی خدمت پر ہوگی اور اسی مسئلے پر قیامت کے روز اقوام اور افراد کا فیصلہ ہوگا۔

(6) عمومی انقلاب برپا کرنے سے پہلے اس کے پیشرو (Pioneers) تیار کرنے کے لیے قومی انقلاب پیدا کیا جائے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

انقلاب کی منزل دوم

بین الاقوامی انقلاب

تمہید

انقلاب کی حقیقت ان کے ذہن نشین ہوگئی۔ اب یہ اساتذہ---- ائمہ انقلاب---- اپنے اپنے گھروں پر لوگوں کو تیار کریں گے۔ اس لیے شب بیداری کی وہ پابندی جو ایک سال پہلے لگائی گئی تھی کہ ایک تہائی، نصف یا دو تہائی رات گئے تک کھڑے رہا کرو، غیر ضروری قرار دے دی گئی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے قیامت تک کے لیے منسوخ کر دیا گیا۔ اس ''قول ثقیل'' پر عمل کرنے کی تیاری کے لیے ضرور کم سے کم ایک سال تک بالاستیعاب (Intensive) مطالعے اور گہرے غور وفکر کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد بھی جب انہی اصولوں پر انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہوگی پھر یہی اصول قائم ہو جائے گا اور یہ آیت زیرِ عمل آجائے گی۔ یہ قیام رسول اکرم ﷺ کے لیے ساری عمر ضروری رہا مگر عام لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

آیت نمبر 20 (الف):

اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ
وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ‌ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ؕ عَلِمَ
اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ‌

ترجمہ: ''بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک چھوٹی سی جماعت دو تہائی سے کچھ کم یا نصف شب یا ایک تہائی رات تک کھڑی رہتی ہے۔ اور اللہ مقدار معین کرتا ہے رات اور دن کی۔ وہ جانتا ہے کہ تم (ہمیشہ) اس حکم کی پیروی نہ کرسکو گے۔ اس لیے اس نے تمہیں اس حکم کی تعمیل سے بری کر دیا۔ اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکو۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیامِ شب کا حکم دائمی نہ تھا

یہ حکم تمام دنیا کے لیے اور ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے دائمی حکم نہ تھا کہ وہ ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی رات تہجد میں گزاریں جس میں وہ قرآن حکیم پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ زمین کے بعض حصوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں جیسے ناروے کے شمال میں ایک ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اگر اتنی لمبی رات کا آدھا یا تہائی بھی کھڑا رہنا پڑے تو عملی طور پر یہ ناقابل عمل ہوگا۔ ایسی تعلیم جس میں اس قسم کے حکم ہوں عالمگیر نہیں بن سکتی۔ اس لیے خداوند تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورت کے مطابق قرآن حکیم کے اتنے مطالعے کا حکم دیا جس پر عمل ہمیشہ ممکن ہے۔

ترمیمِ حکم کے دوسرے اسباب

(1) امراض (2) سفر (3) قتال

اس حکم کے بدلنے میں رات دن کی کمی بیشی کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً

آیت نمبر 20 (ب): عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى

ترجمہ: ”وہ جانتا ہے کہ تم میں عنقریب بعض لوگ بیمار بھی ہو جائیں گے۔“

(1) جو لوگ بیمار ہوں گے وہ اس طویل شبانہ تعلیمی عبادت کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔

آیت نمبر 20 (ج): وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

ترجمہ: ”اور دوسرے لوگ سفر کریں گے زمین پر اللہ کے فضل کی تلاش میں۔“

(2) بعض لوگ انقلابی ضرورتوں کے لیے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر، خواہ وہ اپنی ذات کے لیے ہو یا جماعت کے لیے، راتوں کو سفر کریں گے۔

آیت نمبر 20 (د): وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ترجمہ: ”اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔“

(3) بعض لوگ اس انقلابی پروگرام کو زمین میں قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا کر اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 20 (ہ): فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

ترجمہ: "اس لیے اتنا پڑھ لو جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے۔"

یہ دائمی قاعدہ ہے کہ حسب ضرورت جتنا سہولت سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ مملکت (State) کی تنظیم صرف علم سے نہیں ہوتی۔ بلکہ تجارت اور تحفظ مملکت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ پس ہر شخص کو کوئی نہ کوئی منفعت بخش کام (Productive Occupation) اختیار کرنا چاہیے۔ جو سوسائٹی کے لیے مفید ہو اور جس کی قانون اجازت دے۔ انقلاب کا نتیجہ یہ ہے کہ انقلاب منظم کر کے عوام کو ارتقائی راستے پر لگا دیا جائے۔ اس وقت ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنا ہوگا تا کہ ملکی پیداوار بڑھے اور راس پیداوار کی تنظیم میں بھی انقلاب کا ایک فریضہ ہے۔ اسی کے بل بوتے پر انقلابی جماعت اپنے انقلاب کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ اگر ملک کی پیداوار منظم نہ ہوگی تو مخالف طاقتوں کے حملوں کو برداشت نہ کیا جا سکے گا۔ اور ارتجاعی طاقتیں فتور مچا دیں گی۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ مگر یہ افراد کے اختیار میں ہوگا کہ کونسا مفید پیشہ اختیار کریں۔ جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کر لیں گے وہ نماز تہجد بطریق مذکور رات کو مقررہ طویل گھڑیوں میں نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لیے قانون میں قدرے ترمیم کر دی گئی۔

الغرض اب اپنی سہولت کے مطابق قرآن حکیم پر تدبر جاری رکھو اور دیکھو کہ اس کے مطابق حکومت کس طرح چلائی جائے گی۔ اس قرآن خوانی کی عملی شکل کیا ہوگی۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ایک اہم نکتہ: قرآن کی تعلیم انقلابی ہونے کا ثبوت

یہ آیت نہایت اہم تاریخی چیز ہے۔ یہ بعثت کے دوسرے سال میں نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت صاف وصریح اور ناقابل تاویل الفاظ میں اشارہ موجود ہے۔ اس سے قرآنی فکر کے انقلابی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے۔ انقلاب اگر سوچے سمجھے ہوئے پائیدار اصولوں پر برپا کیا جائے تو اس کے بنیادی فکر میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر قرآن حکیم انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے تو ضرور اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں لڑنے کا فکر شروع ہی سے موجود ہونا چاہیے۔ گو لڑنا نہ لڑنا وقتی مصلحت کے مطابق ہوگا۔ یہ آیت اس فکر کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم کو نا قابل تردید طور پر انقلابی ثابت کرتی ہے۔ اس آیت میں قتال کا جو فکر پیش کیا گیا ہے، وہ پہلا جرثومہ (Germ) ہے جس نے آگے چل کر ''انفال'' اور ''توبہ'' کی ترکیب اور جامعیت حاصل کرلی۔ انفال اور توبہ قرآن حکیم کی دو سورتیں ہیں جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل سے دیا گیا ہے۔

عدم تشدد طبعی اصول نہیں

زمانہ حال کا یہ سب سے افسوسناک حادثہ ہے کہ عدم تشدد (Non-violence) کو جو انقلاب کی تیاری کے لیے بہترین ذریعہ ہے، سیاست کا لازمی اور دائمی جز قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ انسانی سیاست کی قطعی غیر طبعی ترجمانی ہے۔ قرآن حکیم اور اس کی بنیاد پر 'حکمت امام ولی اللہؒ' اس سے قطعاً انکار کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ چونکہ انسان بہیمیت (Carnality) اور عقلیت یا ملکیت (Spirituality) سے مرکب ہے، یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انسان اجتماعی حیثیت سے اپنی ارتقائی زندگی کے کسی دور میں بھی بہیمیت سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اس لیے جنگ اور قتال--- جہاد--- جس کے ذریعے سے ملکیت یا عقلیت' بہیمیت پر غالب آتی رہے گی، انسانی معاشرہ (Society) کا لازمی جز رہے گا۔ انسانیت فقط عدم تشدد (Non-violence) یا مصالحت (Compromise) سے کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ بلکہ ہمیشہ انقلاب (Revolution) سے آگے بڑھتی ہے جس کے لیے تشدد اور عدم تشدد دونوں ضروری ہیں۔ 1

---

1 **فائدہ**

ہماری شرعی اصطلاح میں جہاد کے لیے امیر، لشکر اور سامان جنگ کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ لیکن اگر اجتماع ٹوٹ چکا ہو اور سامان جہاد میسر نہ ہو تو پھر ہمارے فقہاء ہر مرد اور عورت کو انفرادی طور پر جہاد کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ یہ ہے انقلاب۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ بات انہیں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ نے سمجھائی تھی۔ ہماری قوم میں علی گڑھ پارٹی نے جس طرح جہاد میں سستی برتی ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے۔ اور مزید برآں گاندھی جی کا مستقل عدم تشدد کا نظریہ تباہ کن ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی:

(ایک شبہ کا ازالہ)

حضرت نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا ایک ہی محور تھا---- انقلاب۔ جس کے لیے قتال لازم ہے۔ لیکن یورپ کے پراپیگنڈہ کرنے والے ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں کہ آپؐ مکہ میں مسکینی کی زندگی بسر کرتے رہے مگر مدینہ پہنچتے ہی حالات کچھ سازگار ہوئے تو (نعوذ باللہ) کھل کھیلے اور قافلے لوٹنے شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ ایک ریاست (State) کے مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ مشہور اہل قلم مسٹر جوزف ہل (Joseph Hull) اپنے مقالے "الثقافۃ العربیہ" (Die Cultur der Arabes) مترجمہ جناب صلاح الدین خدا بخش صاحب ایم۔ اے، بی۔ سی۔ ایل، بیرسٹر ایٹ لاء پٹنہ) کے صفحہ 23-22 پر لکھتے ہیں کہ:

The man who just left Makkah and the man who entered Medina seem to be two different men. The former man an ideal preacher of a perfect religion who for his convictions, cheerfully endured scorn and persecutions and who sought no other destinction than that of being acknowledged as messenger of God. There is no trace of love of power in him-- nothing to indicate that he was striving to set up a state organization at the head of which he wished to preside. Of social reform, the one thing that he sought to achieve in Mekka-- supported by the doctrine of Unity of God and the Day of Judgment, reinforced by the joys and horrors of Heaven and Hell--was the widening of the circle of

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

duties beyond the trible, to all faithfuls alike and to mankind at large in the event of their accepting the true faith.

He left Makkah as a Prophet but entered Madina as the Chief of a Community. The "fugitives" constituted a tribe by themselves and as a corporate body were described under the name and style of Muhajirin. This change of position created fresh problems, set new tasks but Mohammed was quite equal to the occasion. The Prophet now retires into the backgrond-- the dipolamat now comes forward. The Prophetship is now only an armament of the ruler, an effective weapon establishing,extending, and maintaining power."

www.rahimia.org

"یعنی جس شخص نے ابھی ابھی مکے سے ہجرت اختیار کی اور جو اس کے بعد مدینے میں داخل ہوا، ایک نہیں دو جداگانہ اشخاص معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا ایک کامل اور مکمل مذہب کا مبلغ تھا۔ اس نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کے سبب اپنے مخالفین کی طرف سے ہر قسم کا نفرت آمیز سلوک اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ وہ خدا کا پیامبر مانے جانے کے سوا اور کسی قسم کے امتیاز کا خواہاں نہ تھا۔ قوت حاصل کرنے کا اسے خواب تک نہ آیا تھا۔ اور یہ ہرگز نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے ماتحت کوئی حکومت قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ اہل مکہ سے صرف اتنی اصلاح چاہتا ہے کہ وہ اپنے قبائلی فرائض کے حلقے کو وسیع تر کر کے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر لیں۔ اور اگر تمام دنیا کے مسلمان اسلام لے آئیں تو ان سب کو اس حلقے میں لے لیں۔ وہ صرف اس غرض سے اہل مکہ کو توحید کا سبق دیتا ہے، اور یوم

(c) ketabton.com: The Digital Library

آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے، اور ثواب کی توقع دلاتا ہے۔
الغرض اس نے مکہ چھوڑا تو وہ محض ایک نبی تھا اور جب مدینے میں داخل ہوا تو وہ ایک گروہ کا لیڈر (سردار) تھا، جو لوگ ہجرت کر کے اس کے ساتھ آئے تھے ان کا مہاجرین کے نام سے ایک الگ قبیلہ بن گیا۔ اس تبدیلی نے نئے مسائل اور نئے نئے کام پیدا کر دیئے مگر (حضرت) محمد (علیہ) ہر ایک مسئلے کو حل کرنے اور ہر ایک کام کو سرانجام دینے کا اہل تھا۔ اب نبی پس منظر میں چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ سیاستدان (Diplomat) آگے آجاتا ہے۔ اب نبوت حکمران کے زیور کے سوا اور کچھ نہیں جسے وہ اپنی ریاست قائم کر کے اسے توسیع دینے اور قائم رکھنے میں استعمال کرتا ہے۔"

دراصل مشنری لوگ حضرت محمد رسول اللہ علیہ کی مکی اور مدنی زندگی میں اس قسم کی تفریق کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مدینے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا فکر (Idea) بدل گیا تھا۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تعلیم انقلابی (Revolutionary) نہیں ہے جو اصولِ انقلاب کے مطابق نہیں بلکہ حالات کے تابع تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا ثبوت آیت زیر بحث سے مل جاتا ہے۔ مکی زندگی میں قرآنی جماعت کو بتا دیا گیا تھا کہ آگے چل کر قتال (War) ہوگا۔ چنانچہ اس کے چند سال بعد بدر سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نبی اکرم علیہ کی زندگی کے آخری ایام تک برابر جاری رہا۔ اور ان کا تتمہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پیش آیا، جب قیصر و کسریٰ کے ممالک پر قبضہ کیا گیا۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ جس کا فکر (Idea) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تکمیل تک پہنچا۔ مدنیہ منورہ کی زندگی درحقیقت اسی فکر کی توسیع تھی۔ چنانچہ امام الائمہ حضرت امام ولی اللہ "فیوض الحرمین" (ص 67) میں خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ کی جو تشریح کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ظاہرہ سے مراد سلطنت ہے۔ اور خلافت باطنہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے مراد وہ پارٹی ہے جو سلطنت پیدا کرتی ہے۔ یہ خلافت باطنہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اسی کو قرآن حزب اللہ قرار دیتا ہے۔

آیت نمبر20 (و): وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

ترجمہ: ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو''

نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون

تہجد کی معافی کے ساتھ عام نماز معاف نہیں ہوگئی۔ اسے ضرور قائم رکھو۔ یہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے اس کا لازمی نتیجہ ہے مساکین کی خدمت، جس کے لیے زکوٰۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔

مساکین کی خدمت کے لیے اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ نکالتے رہو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ یہ انقلاب کا لازمی جز ہے۔ ورنہ غیر انقلابی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جو لوگ مساکین کی روٹی اور دیگر انسانی ضرورتوں کا مسئلہ حل نہیں کریں گے وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ حکومت قائم ہو جائے تو مساکین کے کھانے پینے، وغیرہ کا منظم انتظام اس کا فرض اولین ہوگا۔ وہ عام مسلمانوں سے زکوٰۃ کا بقدر ضرورت ٹیکس وصول کر کے مساکین پر خرچ کریں گی۔ اگر آمدنی کی اس مد سے یہ خرچ پورا ہوتا رہے تو اچھا ہے۔ ورنہ دوسری مدّات سے اس کام میں مدد دی جائے گی۔ اگر دیگر مدات بھی اس کی کفیل نہ ہوسکیں، تو مزید ٹیکس لگایا جائے گا۔ مگر یہ اختیار اس حکومت کو ہے جو اپنا حساب قوم کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ دارالشوریٰ میں اپنا حساب پیش نہیں کرتی تو اسے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جتنا لیتی ہے ظلم سے لیتی ہے۔

آیت نمبر20 (ز): وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

ترجمہ: ''اور اللہ کو ادھار دو بطریق احسن''

(c) ketabton.com: The Digital Library

سرمایہ محدود کرنے کا قانون

زکوٰۃ کے علاوہ یہ قرضہ بھی قرآن کا قانون چلانے والی حکومت کو دیا جائے گا اور اس سے اس پر سود نہ لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک شخص کو اپنا فالتو روپیہ سرکاری بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ جہاں سے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ اور حکومت اس پر اپنی مرضی سے جس قدر چاہے نفع دے سکتی ہے جس کی شرح وغیرہ پہلے سے طے نہ ہوگی۔ یہ نفع دینا نہ دینا اور کس شرح سے دینا یہ سب باتیں حکومت کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑنا ہوگا۔

آج کل بینک آف انگلینڈ (Bank of England) نے تمام دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا نظام سود پر چلتا ہے ہمارے بینک ایسے نہیں ہوں گے ہمارے بینک امدادی بنکوں (Co-operative Societies) کے اصولوں پر ہوں گے جن میں ہلکا سود بھی نہیں لیا جائے گا۔ ان کے چلانے کے لیے سوسائٹی اپنا علیحدہ انتظام کرے گی۔

آیت نمبر20 (ح): وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ

ترجمہ: ''تم اپنی جو نیکی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے۔''

انفرادی اور اجتماعی مفاد کا تلازم

تم اپنے اجتماعی فائدے کے لیے جو کام بھی ان اصولوں پر کرو گے وہ ضائع نہیں جاسکتے۔ اگر ان سے براہ راست تمہاری ذات کو فائدہ نہ پہنچا تو تمہاری اولاد کو یا دوسرے عزیزوں کو یا اجتماع انسانی کے کسی فرد کو فائدہ پہنچ جائے گا، اور دنیا میں قومی کاموں سے بڑھ کر بلند تر درجے پر کام کرنے کا حوصلہ دلائے گا۔ اور اس کا جو اثر تمہارے نفس پر مرتب ہوگا وہ آئندہ زندگی میں بھی بالآخر تمہارے لیے مفید ثابت ہوگا۔

آیت نمبر20 (ط): هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا

ترجمہ: ''وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور بہت بڑا ہے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

بین الاقوامی کام زیادہ شاندار کام ہے

بیشک تم آج قومی درجے پر کام کر رہے ہو اور یہ کوئی بلند درجے کا کام نہیں ہے۔ لیکن آگے چل کر تم اسی قومی کام کے نتیجے کے طور پر بین الاقوامی کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے جس کا اجر تمہیں اس سے بہت زیادہ اور نہایت شاندار شکل میں ملے گا۔ پس اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

آیت نمبر 20 (ی): وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: ''اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔''

قیامِ ضبط کی ضرورت

اس قومی اور بین الاقوامی کام میں کبھی کبھار غلطی ہو جایا کرے تو اسے اصول بنا کر نہ بیٹھ جاؤ، بلکہ اصول وہی ہیں جو قرآن حکیم میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غلطی ہو جائے تو اس کو غلطی سمجھ کر اس سے بازگشت کرو۔ از سرنو قرآن کے اصولوں پر قائم ہو جاؤ۔ اور اس طرح اپنی جماعت کا ضبط (Moral Discipline) نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھو۔ اس طرح کرتے رہو گے تو غلطیوں کے نتائج سے محفوظ رہو گے۔ جو شخص اعتراف قصور کر کے بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں چل بسا، وہ ایسا ہی ہوگا جیسے اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔ اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی لغزشیں معاف کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (النساء 4:31)

ترجمہ: ''یعنی اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

خلاصۃ الکلام

اس سورت (المزّمّل) میں مندرجہ ذیل مضامین آئے ہیں :

(1) قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی ہے اس لیے اسے خواص و عام دونوں میں بیک وقت پھیلایا جائے۔ (آیات نمبر 2-7)

(2) اس تحریکِ انقلابی میں کام کرنے والے صرف خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کریں۔ غیر قرآنی نظام والوں سے کسی رعایت و اعانت کی امید نہ رکھیں۔ (نمبر 8-9)

(3) اس تحریک کا مقابلہ قومی اور بین الاقوامی حلقوں میں سرمایہ پرست اور ملوکیت پرست لوگوں سے پیش آئے گا۔ (نمبر 11)

(4) انقلابی جماعت شروع شروع میں تشدد اور جنگ سے پرہیز کرے گی۔ البتہ تیاری کے بعد وہ حسب ضرورت لڑ سکتی ہے۔ (نمبر 10, 11)

(5) انقلابی جماعت ان خوشحال لوگوں سے جواب طلب کرے گی جو مساکین وغیرہ کی خدمت میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اسی اصول پر ہر ایک فرد سے جواب طلبی ہوگی۔ (نمبر 11 تا 14)

(6) انقلاب عمومی سے پہلے قومی انقلاب لانا ضروری ہے (نمبر 15)

(7) ابتدائی کارکنوں (Poineers) کو قرآن حکیم کا بالاستیعاب (Intensive) مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ گو بعد میں اس قاعدے میں نرمی کی جا سکتی ہے۔ (آیات نمبر 2 تا 4 مع آیت نمبر 20)

(8) اس انقلاب کی بنیاد تعلق باللہ اور تنظیم مساکین پر ہوگی (نمبر 20)

(9) یہ انقلابی تحریک اصولاً سرمایہ پرستی کی مخالف ہوگی۔ اس لیے سود کو جائز نہ رکھے گی۔ (نمبر 20)

(10) اس تحریک میں کام کرنے والے ہمیشہ اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں اور غلطیوں کی اصلاح کرتے رہیں اور اس طرح جماعت کا ڈسپلن (Discipline) قائم رکھیں (نمبر 20)

+ + + + +

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی دستورِ انقلاب

(دوسرا حصہ)

سورۃ المدثر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

www.rahimia.org

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

(بقیہ حاشیہ ص665) انسانی روح کے 19 مراکز کا نقشہ درجِ ذیل ہے:

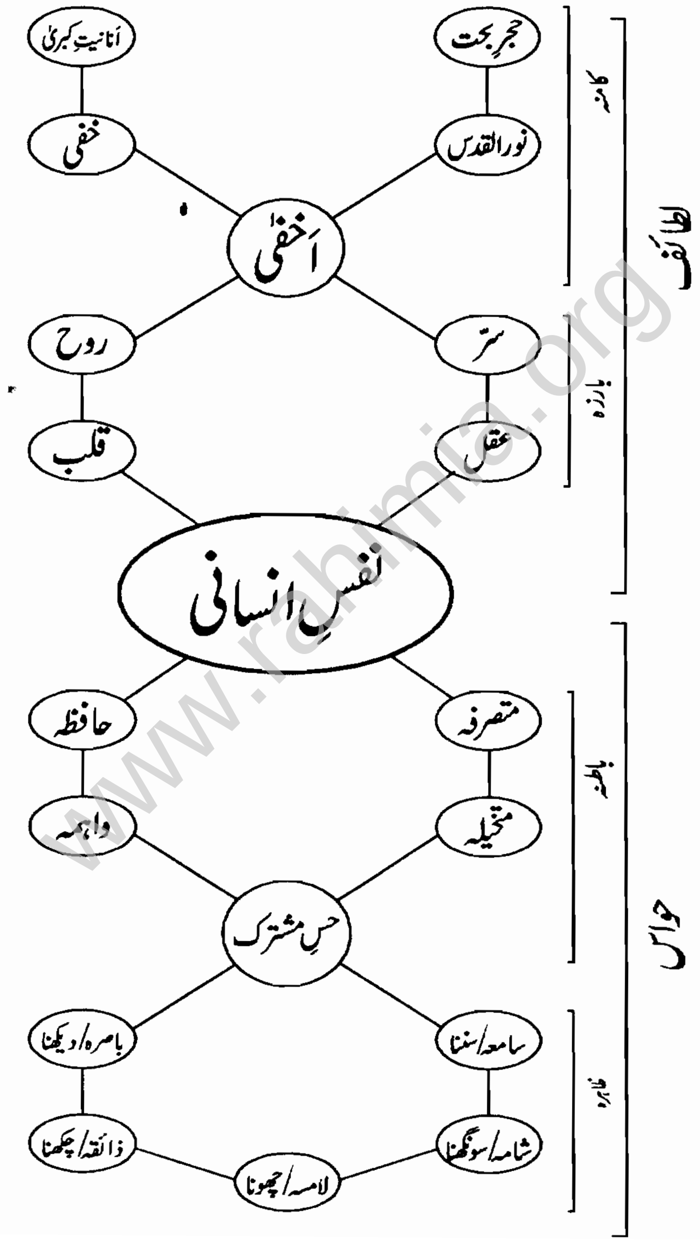

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المدثر

تمہید سورت

سورۂ مزمّل کے ساتھ ربط

سورۂ مزمّل میں شخصی---- داخلی---- انقلاب کا ذکر تھا۔ اور انفرادی فکر کی اصلاح کی گئی تھی۔ چنانچہ اس میں بالصراحت کہا گیا تھا کہ:

(1) قُمِ الَّیۡلَ---- وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا

(2) وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا

(3) وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا

اس تعلیم کے مطابق حضرت نبی اکرم ﷺ لوگوں سے انفرادی طور پر ملتے رہے اور ان کو قرآنی انقلاب سے روشناس کراتے رہے۔ اس عرصے میں کچھ لوگ اس انقلاب کو قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو گئے، وہ بھی ضمنی طور پر اسی طرح کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ کو حکم دیا گیا کہ اس انفرادی انقلاب کو اجتماع میں لائیں۔ چنانچہ سورۂ مدثر میں حکم دیا گیا ہے کہ:

(1) قُمۡ فَاَنۡذِرۡ : اٹھ اور لوگوں کو اس آنے والے انقلاب سے ڈرا۔

(2) وَرَبَّکَ فَکَبِّرۡ : خدا کی بزرگی کا اعلان کر۔

اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآنی انقلاب اجتماع انسانی میں آ جائے گا۔

(3) اِنَّهَا لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ ۙ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ ۙ : یہ انقلاب تاریخ انسانی کے بہت عظیم الشان واقعات میں سے ہے اور یہ ساری نوع بشر کے لیے ڈراوا ہے۔

www.rahnima.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس ڈراوے کو عوام تک پہنچانا مقصود ہے۔ چنانچہ اب نبی اکرم ﷺ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ اور آپؐ عوام کو بیش از پیش تیزی کے ساتھ قرآنی انقلاب کی دعوت دینے لگے۔

سورۂ مدّثر کا مضمون

قرآنی انقلاب جامع انسانی انقلاب ہے۔ یعنی انسانیت اعلیٰ کے جملہ تقاضے پورے کرنے والا انقلاب ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد جن اخلاق پر ہے ان کی طرف شروع کی آیات (نمبر 2-10) میں اشارہ کرنے کے بعد اس انقلاب کے مخالفین کی ذہنیت کا تجزیہ (Psychological Analysis) نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے (آیات نمبر 11-25)۔ اور پھر دکھایا گیا ہے کہ دنیا میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے تو دوسری زندگی میں اس کا ظہور کس طرح ہوگا (آیات نمبر 26-30)۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ قرآن کا عالمگیر انقلاب قومی اور بین الاقوامی منازل میں سے گزرے گا تو اس کی کامیابی کے اسباب کیا ہوں گے (آیات 26-49) اور جو لوگ اسے مان لیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی۔ اور جو نہ مانیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی (آیات نمبر 50-56)

الغرض اس سورت میں قرآنی انقلاب کے اخلاقی اور ابتدائی اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مخالفین کی ذہنیت کی تشریح کی گئی ہے اور اس انقلاب کی انتہائی کامیابی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

==============

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورة المدثر (74)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ
فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ
يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ
وَحِيْدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ
تَمْهِيْدًا ۙ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۪ۙ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ؕ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ
صَعُوْدًا ؕ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ
نَظَرَ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ﴿۲۴﴾
اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا
تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا
مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ
جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾
إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ
مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ
يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي
سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ
الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا
نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا
تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ
قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا
مُنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ
تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ
يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۂ مدثر

بین الاقوامی انقلاب کے اصول

آیت نمبر 1: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ ترجمہ: ''اے مدثر!''

مدثر کے معنی

لفظ مزمل کی تشریح کے دوران میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موطا امام مالکؒ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک نام ''الماحی'' بھی ہے جس کے معنی خود حضرت نبی اکرم ﷺ نے بتائے ہیں کہ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْکُفْرَ (یعنی میرے ذریعے سے اللہ کفر کو محو کرے گا)۔ چنانچہ لغوی طور پر دثّر کے معنی اَھلک (المنجد اور الاقرب الموارد)۔ یعنی ہلاک کرنا بیان کئے گئے ہیں بالکل ''الماحی'' کے معنوں کے مترادف ہیں۔ پس مدثر کے معنی ہیں دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم وجور مٹانے والا۔ نبی اکرم ﷺ یہ کام ملت حنیفیہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول حیات کے دوبارہ زندہ کرنے سے کریں گے جو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اور جس کے نمائندے قریش تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ایک نکتہ

سیرت نبی (علیٰ صاحبھا التحیۃ والسلام) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ملت حنیفیہ ابراہیمیہ کے قیام کے لیے طبعاً بے تاب تھے۔ آپ کی تربیت بھی قریش کے اونچے

(c) ketabton.com: The Digital Library

گھرانوں میں ہوئی۔ جن میں اس ملت کی اچھی اچھی باتیں باقی تھیں1 پھر وہ انقلاب کا زمانہ تھا۔ فارس اور روم آپس میں لڑ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ دنیا کی اقوام کو اپنے قبضے میں لائیں۔ ان سیاسی اور جنگی حالات کا اثر قریش پر بھی پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ان کے تجارتی تعلقات دونوں ممالک کے ساتھ تھے۔ اور ان ملکوں میں ان کی کافی آمدورفت تھی۔ چنانچہ قریش کا سمجھدار طبقہ سیاسی میلانات کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم ہو گیا تھا:

(1) ایک طبقہ قیصر کی طرف مائل تھا۔

(2) دوسرا طبقہ کسریٰ ایران کی طرف مائل تھا۔

(3) تیسرا طبقہ دونوں سے الگ تھا اور حنیفیت پر قائم تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ طبعاً اس تیسرے گروہ کے سرگرم رکن تھے۔ یہ گروہ اگرچہ اقلیّت میں تھا لیکن عرب پر قریش کی سیادت قائم کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ میں اس قسم کی قیادت کی طبعی خدا داد استعداد بھی موجود تھی۔ آپ کو اس انقلاب میں کامیابی کے لیے جس ہدایت کی ضرورت تھی اور جس کے لیے آپؐ سرگرداں تھے (وَوَجَدَکَ ضَآلًا) 2 وہ خداوند تعالیٰ نے فراہم کر دی (فَهَدیٰ) 3

آپؐ قرآن حکیم کے ذریعے سے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں سے ہر قسم کا ظلم، خواہ وہ خدا اور بندوں کے تعلقات میں ہو یا بندوں کے باہمی تعلقات میں، یعنی روحانی ہو یا اقتصادی، سب مٹا دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ خدا کے ساتھ صحیح طریق پر تعلقات قائم کئے جائیں گے۔ اور انسانیت میں معاشیات' معاشرت اور اقتصادیات میں ایک نظم جدید پیدا کیا جائے گا۔ اس انقلاب میں کسی خاص قوم یا ملک کی خصوصیت نہ ہوگی۔ بلکہ وسیع ترین معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر ہوگا۔

---

1 یہ خیال غلط ہے کہ قریش اور اہل عرب افریقہ کے وحشیوں کی طرح بالکل وحشی لوگ تھے جن میں کوئی انسانی خوبی باقی نہ رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش اور اکثر اہل عرب میں ملت حنیفیہ کا اچھا خاصہ حصہ باقی تھا۔ جیسے آج کل مسلمانوں کی تباہی کے باوجود ان میں اپنے بزرگوں کی بہت سی اچھی باتیں موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 124)

2 اللہ تعالیٰ نے تجھے سرگرداں پایا۔

3 پھر ہدایت دی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسلام کا جامع انقلاب

دنیا میں اب تک جو انقلابات ہوئے ہیں وہ سب کے سب جزوی انقلابات ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی عالمگیر اور جامع انقلاب نہیں ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری امام انقلاب ہیں۔ جن کی دعوت جامع عالمگیر انقلاب کے لیے ہے۔ اور آپؐ نے اس جامعیت کا بہترین نمونہ سرزمین حجاز میں قائم کر کے دکھا دیا۔ جسے دنیا اب تک اس حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے آپؐ کے انقلاب میں اس وقت کی مہذب اقوام کا بیشتر حصہ آ گیا۔ اور (آپؐ نے) سب کو خدمت انسانیت کے ایک نقطے پر جمع کر کے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست کر دیئے بلکہ ان کے آپس کے تعلقات بھی درست کر دیئے۔ اب جب کبھی کوئی جماعت جامع بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنا چاہے گی اسے آپؐ ہی کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ جو جماعت اس لائحہ عمل کے خلاف (کوئی) اور لائحہ عمل لے کر اٹھے گی وہ یا تو سرے سے ناکام رہے گی یا صرف جزوی طور پر کامیاب ہوگی۔ چنانچہ فرانس' جرمنی' ترکی اور روس کے انقلابات اس اصول کی بیّن مثالیں ہیں۔ ان انقلابوں میں وہ جامعیت نہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیدا کردہ حجازی انقلاب میں تھی۔ جس نے بعد میں قیصر و کسریٰ کو بھی ہضم کر لیا۔

الغرض ہمارے نزدیک اَلْمُدَثِّرُ کے معنی ہیں اَلْمُهْلِكُ الْكُفْرَ یعنی انسانیت میں سے ہر قسم کا کفر (انکار) نکالنے والا۔ وہ انکار خواہ خدا کے حقوق کے متعلق ہو یا انسانوں کے حقوق کے متعلق، یہ انقلاب اسے انسانیت میں سے نکال باہر کرے گا۔

اس لفظ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا طبعی اور فطرتی عزم و استقلال ظاہر کرتا ہے جو اس کفر کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے بارے میں ان کے دل میں پوشیدہ ہے۔

آیت نمبر 2 (الف): قُمْ : ترجمہ: ''اٹھ''

انقلاب میں اشاعت کی ضرورت

یعنی اے وہ کہ تو دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم اور کفر مٹانے کا تہیہ اور پختہ عزم کیئے ہوئے ہے، ہم سے ہدایت لے اور محنت سے کام کر اور جن لوگوں تک تیری

(c) ketabton.com: The Digital Library

آواز پہنچ سکتی ہے ان کو انسانی انقلاب کا یہ پیام سُنا دے۔اور ایسے لوگ تیار کر جو یہ انقلابی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں۔ ایسے خاص لوگوں کی مرکزی قوت راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن حکیم کی تعلیم پر تدبّر کرنے ہی سے پیدا ہوسکتی ہے جس کا ذکر سورۂ مزمّل میں آچکا ہے۔ چنانچہ تجربے نے ثابت کر دیا کہ اس شبانہ تعلیم نے وہ لوگ پیدا کر دیئے جنہوں نے اس انقلاب کو فارس اور روم تک پہنچا دیا۔ اور پھر آگے وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسے حبشیوں ترکوں اور ہندیوں تک پہنچا دیا۔ اب پھر یہ انقلاب پہلو بدل رہا ہے اور انشاء اللہ اس کی دعوت ہندوستان سے یورپ کی اقوام تک پہنچے گی۔

آیت نمبر 2(ب): فَأَنذِرْ ترجمہ: ''اور ڈرا''

قسم قسم کے ظلموں کی وجہ سے انسانیت جس تباہی کے غار کی طرف جا رہی ہے اس سے لوگوں کو خبردار کر دے۔ وہ غافل ہیں اور بے خبر۔ اگر وہ بیدار نہ ہوئے تو وہ اپنے ظلموں کے آپ ہی شکار ہو جائیں گے۔

آیت نمبر 3: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ترجمہ: ''اور اپنے پروردگار کی بڑائی بول''

انقلاب کا اصول اولین: انسانی قانون سے بغاوت

کوئی شخص اپنے گھر میں یا خاندان میں بڑا---- کبیر---- ہوتا ہے۔ کوئی اپنے شہر میں بڑا ہے کوئی اپنی قوم یا شاید بہت سی اقوام میں بڑا مانا جاتا ہے۔ لیکن تو ان میں سے کسی کو بڑا نہ مان بلکہ صرف خداوند تعالیٰ کو بڑا مان---- گھر میں' خاندان میں' قوم میں اور تمام اقوام میں اس کے سوا کسی کو بڑا نہ مان۔ ہر جگہ اسی کی بادشاہی تسلیم کر۔ کوئی ایسی حکومت تسلیم نہ کر جو ایسے قانون کے ماتحت نہ ہو جو تمام انسانیت کے لیے یکساں ہو۔ خدا کی بزرگی کا اعلان ان معنوں میں کر کہ اس کے سوا کوئی کائنات کا مالک اور خالق نہیں۔ اس کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اسی کا قانون نوع انسان میں جاری ہوگا۔ جب تو لوگوں کے سامنے خدا کی ہمہ گیر بادشاہی کا اعلان کرے تو کسی سے نہ ڈر۔ بلکہ جو لوگ خداوند قدّوس کو چھوڑ کر اوروں کو اپنے اوپر حکمران مانتے ہیں---- مثلاً بزرگ خاندان' سوسائٹی' پیر' استاد' حاکم' بادشاہ---- ان کو خبردار کر دے کہ ان کا یہ فعل انسانیت عامہ کے لیے مضرت رساں ہے۔ صحیح پوزیشن یہ ہے کہ جو شخص خاندان'

www.rahnumia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

شہر، قوم یا مجمع اقوام میں بڑا ہے وہ اپنے آپ کو خدائے وحدہ لاشریک ہی کا نائب سمجھے اور صرف اسی حیثیت سے کام کرے۔ یہ وہ روح ہے جو حنیفیت انسانی سوسائٹی میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یعنی وہ چاہتی ہے کہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) میں سے ملوکیت (Imperialism) اور علمی سرمایہ داری (Brahmansim) کا قطعی خاتمہ کر دیا جائے۔ اور ہر شخص کا خدا کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کر کے اسے انسانیت کا خادم بنا دیا جائے۔

قرآنی سیاست کی تشریح

قرآن حکیم نے اپنا قانون چلانے کے لیے جو سوسائٹی پیدا کی اس کا نام اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رکھا ہے (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سابقین کی خوبی کے ساتھ پیروی کی)۔ یہ جماعت اپنے امور کا انتظام کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مان لیتی ہے اور اسے اپنا امیر قرار دے لیتی ہے۔ یہ امیر ان میں قانون الٰہی کے ماتحت انتظام کرتا ہے۔ لیکن انتظام کی تمام طاقت حقیقت میں خود اس جماعت کے پاس رہتی ہے۔ یہ ہے وہ سیاست جو قرآن حکیم نے پیدا کی۔ چنانچہ حج کے موقع پر آج تک مسلمان یہ الفاظ کہتے ہیں کہ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَاشَرِيْكَ لَا (سب تعریف تیرے ہی لیے ہے اور سب نعمت کا تو ہی مالک ہے۔ حکومت صرف تیری ہی ہے اور اس میں تیرا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے)۔ قرآنی سیاست کے مطابق قوت رہنمائی ان لوگوں میں مرکوز ہوتی ہے جو قرآن سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سابقین اولین کی پیروی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لیے مشورہ واجب تھا

امیر ان کے (یعنی جماعت کے) مشورے ہی سے کام کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران 159:3)۔ (یعنی اور ان سے تمام معاملات میں مشورہ کر لیا کر اور جب تو پختہ ارادہ کر

(c) ketabton.com: The Digital Library

لے تو پھر اللہ پر بھروسہ کر۔) علامہ جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ مشاورت نبی اکرم ﷺ کے لیے اختیاری نہ تھی بلکہ واجب تھی۔(احکام القرآن ص 41 ج 2)

حضرت علیؓ کا نظریہ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ اَهْلِ الرَّاْيِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُمْ (تفسیر ابن کثیر و در منثور عن ابن مردویہ)

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیت قرآنی فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ○ میں ''عزم'' سے کیا مراد ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورے کا پابند ہونا ہی عزم ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ یعنی مسلمان اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں۔ (سورہ شوریٰ)

حضرت عمرؓ کا نظریہ

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ (کنز العمال)

یعنی خلافت بغیر مشورے کے خلافت نہیں رہتی۔

الغرض رَبَّكَ فَكَبِّرْ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے اوپر حاکم نہ مانے خواہ وہ کوئی ہو۔ یہ حق صرف حق سبحانہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ (لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (جس بات میں حق سبحانہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی کی اطاعت انسان پر واجب نہیں ہے)۔ اس لیے تمام حاکم اس کے نائب بن کر اس کا حکم چلا سکتے ہیں اور بس۔

جو جماعت اب حقیقی مالک کے سوا کسی دوسرے کی غلامی میں مبتلا ہوگئی ہو۔ اور اس کا قانون ماننے پر مجبور ہوگئی ہو، اس کی حالت تبدیل کرنے کے لیے سب سے پہلا اصول کار یہ ہے کہ اس کے ذہن میں بٹھایا جائے کہ اس ایک کارساز حقیقی کو تمام کائنات اور تمام انسانیت کو قانون دینے والا مان لے۔ کیونکہ وہی ایسے قوانین دے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سکتا ہے جن میں افراد، جماعات اور اقوام بلکہ ساری نوع انسان کے مفادات اور فطرت کا خیال رکھا گیا ہو۔ وہ جماعت ہر ایسی طاقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے جو اس منبع قانون کے ماتحت رہ کر ضمنی قواعد (Bye-laws) نہیں بناتی۔

پس انقلاب کا پہلا مثبت نظریہ یہ ہے کہ غیر صالح نظام (Unhealthy Social Structure) کی جگہ صالح نظام (Healthy Social Structure) قائم کیا جائے جس کی خشت اولیں یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بزرگ و برتر ہے اور کائنات اور نوع انسان کے لیے قانون کا منبع ہے۔

خضوع یا اخبات الی اللہ

حکمت ولی اللّٰہی میں اسے خصلت "خضوع" یا "اِخبات" کہتے ہیں اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد، مرشدین، معلمین اور صالح حکام کی تعظیم کرتا ہے اور جب ان کے سامنے جاتا ہے تو اپنے قلب میں ایک قسم کا عجز اور ان کے لیے ایک خاص قسم کی محبت اور عزت کے جذبات پاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بزرگ مجھے کوئی حکم دے تو میں فوراً اس کی تعمیل کر کے اسے خوش کروں۔ اس احساس کا نام "اِخبات" ہے۔

اس جذبے کا نفسیاتی تجزیہ

اگر انسان کائنات کی ساخت پر غور کرے اور اس کے عجائبات پر فکر و تدبر کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دل میں خضوع کا جذبہ محسوس کرتا ہے جس میں وہ کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتا۔ اب وہ اپنے آباؤ اجداد، مرشدین و معلمین اور صالح حکام کی اطاعت کو بھی اسی خضوع کے ماتحت لے آتا ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ میرے بزرگوں کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے تو اس کی اطاعت کرتا ہے اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف پاتا ہے تو اطاعت نہیں کرتا۔ ایسے ہی وہ اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے حکموں کو جانچتا ہے۔ ان کی اطاعت اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ وہ اپنے بزرگوں اور حاکموں کی اطاعت (صحیح کاموں میں) اور نافرمانی (برے کاموں میں) کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یہ "اِخبات" الی اللہ انسانیت کا ایک طبعی جذبہ ہے اور انسان کا ایک بنیادی خلق ہے۔

آیت نمبر 4: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ترجمہ: "اور اپنا لباس پاک رکھ۔"

لباس کی پاکیزگی

اس انقلاب کے لیے کوئی خاص نشان (Emblem) یا وردی (Uniform) کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بین الاقوامی انقلاب ہے جو ہر قوم میں ظاہر ہوگا۔ البتہ ایک شرط ہے وہ یہ کہ لباس پاک ہو اور اخلاق کی پاکیزگی میں مدد دینے والا ہو۔

اس کا نتیجہ

لباس کی پاکیزگی بدن اور بیرونی ماحول کی پاکیزگی کو چاہتی ہے۔ بدن انسانی بعض چیزوں کو طبعاً نجاست میں تبدیل کر دیتا ہے، جیسے بول و براز ان غلاظتوں سے نفرت کرنا بھی انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ انسان ان نجاستوں سے پاک ہو کر ایک قسم کی فرحت اور انبساط اپنے نفس کے اندر پاتا ہے۔ اس احساس کا نام طہارت ہے۔ جو حکمت ولی اللّٰہی میں انسانیت کا ایک بنیادی خُلق ہے۔

نفسیاتی نجاستوں سے اجتناب

اسی طرح انسان نفسیاتی غلاظتوں یعنی جوش غضب، بھوک، پیاس اور دیگر شہوات وغیرہ سے طبیعت کو پاک کر لے تو بھی ایک قسم کا سکون اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جو ان حالتوں کی موجودگی میں نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بُرے کلام، بُرے فکر اور بُرے فعل سے صحت مند انسان کو طبعی انقباض محسوس ہوتا ہے۔ جسے وہ صحت مزاجی کے لیے دور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ

انسان خلق طہارت میں کمال حاصل کر لے تو وہ عالم مثال کی قوتوں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس میں ایک قسم کی مستقل مسرت محسوس کرتا ہے۔ اس سے اخبات

(c) ketabton.com: The Digital Library

الی اللہ کو تقویت ہوتی ہے۔

انقلاب صالح کی دوسری مد

لباس کی پاکیزگی جیسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے بدن اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ پس جو جماعت انقلاب قائم کرنے کی کوشش کرے وہ اس سہ گانہ پاکیزگی کو لازم جانے، تمام ترقی والی جماعتیں طہارت کی حامل ہوتی ہیں اور جب وہ طہارت کے بلند مقام سے گر جاتی ہیں تو ارتجاع (Reaction) میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

قومی پیمانے پر پاکیزگی کا التزام قومی مزاج کی صحت کی علامت ہے۔

آیت نمبر 5: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ترجمہ: ''اور گندگی سے دور رہ''

باطنی پاکیزگی

ظاہری پاکیزگی کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا بھی خیال رکھ۔ اس ناپاکی سے بھی نفرت کر۔

امام الائمہ کے نزدیک برائی---- اثم---- کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضا ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ امام ولی اللہ ''سعادتِ انسانی'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ لِلْاِنْسَانِ كَمَالًا تَقْتَضِيْهِ الصُّوْرَةُ النَّوْعِيَّةُ وَ كَمَالًا يَقْتَضِيْهِ مَوْضُوْعُ النَّوْعِ مِنَ الْجِنْسِ الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَسَعَادَتُهُ الَّتِيْ يَضُرُّهٗ فَقْدُهَا وَيَقْصِدُهَا اَهْلُ الْعُقُوْلِ الْمُسْتَقِيْمَةِ قَصْدًا مُؤَكَّدًا هُوَ الْاَوَّلُ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 50)

''یعنی واضح رہے کہ انسان میں دو قسم کے کمالات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اس کی صورت نوعیہ کے تقاضے سے پیدا ہوا۔ دوسرے وہ جو اس کی جنس قریب (یعنی حیوانیت) اور جنس بعید (یعنی جمادیت) تقاضا کرتی ہے لیکن وہ سعادت جس کی عدم موجودگی سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور جسے ہر صاحب عقلِ سلیم حاصل کرنے کی پوری پوری

(c) ketabton.com: The Digital Library

کوشش کرتا ہے وہ اول الذکر ہے (یعنی نوعی تقاضے کے مطابق)''

پس شقاوت (بدبختی اور برائی) وہ ہوگی جو انسان کے نوعی تقاضے کے خلاف ہو۔ اسے قرآن حکیم کی اصطلاح میں ''منکر'' قرار دیا گیا ہے۔ انسانیت کے اندر یہ بُرائی خواہ شہنشاہیت (Imperialism) کے ذریعے سے آئی ہو یا نا تسیت (Nazi-ism) کے ذریعے سے یا کسی اور ازم (Ism) کے ذریعے سے۔ اسے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دینا انقلاب برپا کرنے والی جماعت کے لیے لازم ہے۔

انقلاب صالح کی تیسری مد

پس انقلاب برپا کرنے والی پارٹی کے پروگرام کی تیسری مد (Item) یہ ہے کہ وہ غیر صالح نظام کی روح کو بھی قبول نہ کرے۔

حکمت ولی اللہی کی اصطلاح میں اسے ''سماحت'' کہتے ہیں چنانچہ حضرت امام الائمہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> اصلِ ایں ہمہ خصلت (یعنی شعبہ ہائے سماحت کہ مذکورہ شد از ناقل) یک چیز است و آں غالب بودنِ رائے کلی بردواعی خسیسہ بہیمیہ، از مباشرت اشباح وشعب ایں خصال۔ الخ (ہمعات: ہمعہ 17)
>
> ''یعنی سماحت کے تمام شعبوں کی اصل بنیاد ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ بہیمیت اور اس کی تمام شکلوں پر انسان کے نوعی تقاضے (رائے کلی) غالب رہیں۔''

آیت نمبر 6: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ

ترجمہ: ''اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ زیادہ چاہیے''

انتفاع کا امتناع

جب تو کسی پر احسان کرے تو اپنے حق سے زیادہ معاوضہ طلب نہ کر۔ یہ خُلق عدالت کے منافی ہے۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ تو ان کو جو تعلیم دیتا ہے اس کا اجر طلب کرے اور اپنے لیے مال و دولت جمع کرے۔ اپنے کسی مزدور کو چار آنے دے کر اس سے دس آنے کا کام لینا انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ آج سرمایہ دار طبقہ اپنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

آمدنی میں محتاجوں کا حق سمجھتا ہی نہیں۔ بلکہ وہ مزدوروں کو اسی کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے مزدوروں کو کام پر لگا رکھا ہے اور انہیں بھوکوں مرنے سے بچاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مزدوروں کو صرف اتنی خوراک دیتا ہے جس سے وہ مریں نہیں۔ اور سرمایہ پرست کے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لیے زندہ رہیں۔ کوئی انقلابی جماعت اس قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کرسکتی اس لیے دوسرے انسان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور قدر زائد (Surplus Value) پیدا کرنا تو ایک طرف رہا۔ ایسا احسان کرنے کی بھی ممانعت کردی جس کا بدلہ زیادہ لینے کی خواہش ہو۔

انقلاب کا بنیادی اصول

انقلاب صالح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانیت کو ظلم وستم سے محفوظ کر کے اس میں رفاہ عامہ کے ادارے قائم کئے جائیں۔ نہ کہ اپنے انتفاع (Exploitation) کا صیغہ کھول لیا جائے۔ اگر باپ اپنے بیٹے سے یا استاد اپنے شاگرد سے حد سے زیادہ کام لینے لگ جائے گا تو بیٹا یا شاگرد نافرمان ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر حکومت رعایا سے حد سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا شروع کردے گی تو سلطنت درہم برہم ہو جائے گی۔

سرمایہ پرستانہ نظام کی بربادی کے اسباب: شاہ ولی اللہ کے نظریات

کسی نظام حکومت کی بربادی کے عموماً دو ہی سبب ہوا کرتے ہیں۔ یعنی حکام کی عیاشی اور کام سے گریز اور ٹیکسوں کی بھرمار۔ چنانچہ حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

> وَغَالِبُ سببِ خَرَابِ الْبُلْدَ انِ فِي هٰذا الزَّمَانِ شَيْئَانِ اَحَدُهُمَا تَضْيِيْقُهُمْ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ بِاَنْ يَّعْتَادُوا التَّكَسُّبَ بِالْاَخْذِمِنْهُ عَلٰى اَنَّهُمْ مِنَ الْغُزَاةِ اَوْمِنَ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ لَهُمْ حَقٌّ فِيْهِ اَوْمِنَ الَّذِيْنَ جَرَتْ عَادَةُ الْمُلُوْكِ بِصِلَتِهِمْ كَالزُّهَادِ وَالشُّعَرَآءِ اَوبِوَجْهٍ مِنْ وُجُوْهِ التَّكَدِّىْ وَيَكُوْنُ الْعُمْدَةُ عِنْدَهُمْ هُوَ التَّكَسُّبُ دُوْنَ الْقِيَامِ بِالْمَصْلِحَةِ فَيَدْخُلُ قَوْمٌ عَلٰى قَوْمٍ

(c) ketabton.com: The Digital Library

فَيَنْغَضُوْنَ عَلَيْهِمْ وَيَصِيْرُوْنَ كَلًّا عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَالثَّانِيْ ضَرْبُ الضَّرَائِبِ الثَّقِيْلَةِ عَلَى الزُّرَّاعِ وَالتُّجَّارِ وَالْمُتَحَرِّفَةِ وَالتَّشْدِيْدِ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يُفْضِيَ اِلَى اِجْحَافِ الْمُطَاوِعِيْنَ وَاسْتِئْصَالِهِمْ وَاِلٰى تَمَنُّعِ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَبَغْيِهِمْ. وَاِنَّمَا تَصْلُحُ الْمَدِيْنَةُ بِالْجِبَايَةِ الْيَسِيْرَةِ وَاِقَامَةِ الْحَفَظَةِ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ فَلْيَتَنَبَّهْ اَهْلُ الزَّمَانِ لِهٰذِهِ النُّكْتَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 45)

یعنی آج کل جو شہر برباد ہو رہے ہیں تو اس کے دو بڑے سبب ہیں:

(1) بیت المال کا ناجائز استعمال

لوگ سرکاری بیت المال کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور مختلف بہانوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ہم سپاہی ہیں۔ ہمیں پنشن ملنی چاہیے یا ہم زمرۂ علماء سے ہیں، ہمیں کوئی جاگیر وغیرہ ملنی چاہیے۔ یا وہ لوگ زاہد اور شاعر کی حیثیت سے آتے ہیں، جن کو صلہ دینا بادشاہوں کی عادت میں داخل ہے۔ یا اسی قسم کے اور بہانے بناتے ہیں، اور اس طرح وہ بیت المال میں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ بیت المال سے مشاہرے تو حاصل کرتے ہیں لیکن اس کے عوض میں کوئی کام نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے لیے تنگی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اور شہر پر بار بن جاتے ہیں۔

(2) گراں بار ٹیکس

شہروں کے برباد ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر بھاری ٹیکس لگاتے ہیں۔ اور ان کی وصولی کے لیے انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ بخوشی ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کا استیصال کر ڈالتے

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہیں۔ اور جو لوگ سخت ہوتے ہیں وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بغاوت اختیار کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شہر آسان ٹیکسوں اور ضرورت کے مطابق محافظین کا رمقرر کرنے ہی سے اچھا رہ سکتا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ اس نکتے سے تنبیہ حاصل کریں۔

ایک اور جگہ رومی اور ایرانی ملوکیتوں کی حالت قلمبند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کسریٰ و قیصر کی تباہی کی مثال

اِعْلَمْ اَنَّ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ لَمَّا تَوَارَثُوْا الْخِلَافَةَ قُرُوْنًا كَثِيْرَةً وَخَاضُوْا فِيْ لَذَّةِ الدُّنْيَا وَنَسُوْا الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَاسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ تَعَمَّقُوْا فِيْ مَرَافِقِ الْمَعِيْشَةِ وَتَبَاهَوْا بِهَا وَوَرَدَ عَلَيْهِمْ حُكَمَاءُ الْاٰفَاقِ يَسْتَنْبِطُوْنَ لَهُمْ دَقَائِقَ المعاش ومرافقه ' فما زالو يعملون بهاويزيد بعضهم على بعض ويتباهون بهاحتى قيل انهم كانوا يعيرون من كان يلبس من صناديد هم منطقة اوتاجا قيمتها دون مائة الف درهم اولايكون له قصر شامخ و آبزن و حمام وبساتين ولايكون له دواب فارهه و غلمان حسان' ولايكون له توسع فى المطاعم و تجمل فى الملابس' وذكر ذلك يطول و ماتراه من ملوك بلادك يغنيك عن حكاياتهم' فدخل كل ذلك فى اصول معاشهم وصارلا يخرج من قلوبهم الا ان تمزّع' وتولد من ذلك داء عضال دخل فى جميع اعضاء المدينه و آفة عظيمة لم يبق منهم احد من اسواقهم ورستاقهم وغنيهم وفقيرهم الاقد استولت عليه واخذت بتلابيبه وعجزته فى نفسه واهاجت عليه غموما وهمو مالا ارجاء لها' و ذلك ان تلك الاشياء لم تكن لتحصل الابذل اموال خطيرة ولا تحصل تلك الاموال الابتضعيف الضرائب على الفلاحين والتجارو اشباههم والتضييق عليهم' فان امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا جعلوهم بمنزلة الحمير والبقر يستعمل فى النضح والدياس والحصادو لاتقتنى الاليستعان بها فى الحاجات تم لاتترك ساعه من العناء حتى صاروالا يرفعون رئوسهم الى السعادة الاخروية اصلاولا يسطيعون ذلك' وربما كان اقليم واسع ليس فيهم احد يهمه دينه ولم يكن ليحصل ايضا الابقوم يتكسبون بتهيئه تلك المطاعم والملابس والابنية وغيرها

(c) ketabton.com: The Digital Library

ویتـر کون اصول الْمَکَاسِبِ الَّتِیْ عَلَیْهَا بِنَاءُ نِظَامِ الْعَالَمِ وَصَار عَامَّةُ مَنْ یطوف علیهـم یتـکـلفون محاکاۃ الصنا دید فی هٰذاہ الاشیآء والا لم یجدوا عندهم حظوۃ ولا کـانـوا عـنـدهم علٰی بالٍ' وصار جمهور الناس عیالاً علی الخلیفة یتـکـفـفون منه تا رةً عـلٰـی انهـم مـن الـغـزاہ والـمـدبرین للمدینة یترسمون بـرسومهم ولا یکون المقصود دفع الحاجة ولکن القیام بسیرۃ سلفهم' وتارۃً عـلٰـی انهـم شـعـرآء جـرت عـادۃ الـمـلـوک بصلتهم' وتارۃ علٰی انهم زهاد وفـقـرآء یـقـبـح مـن الـخلیفةُ ان لایتفقد حالهم فیضیق بعضهم بعضًا وتوقف مـکـاسبهم علٰی صحبة الملوک والرفق بهم وحسن المحاورۃ معهم والتملق مـنـهـم وکـان ذٰلـک هـو الـفـن الذی تتعمق افکار هم فیه وتضیع اوقاتهم معه (حجتہ اللہ البالغہ ص105-106)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

ایرانیوں اور رومیوں کی عیاشی

ترجمہ: ''جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک بھلا بیٹھے اور ان پر شیطنت غالب آ گئی تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی میں منہمک ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں ہر ایک شخص دادِعیش دینے لگ گیا اور اس پر اِترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے گوشے سے علماء اور حکماء (ماہرین فن) ان کے اردگرد جمع ہونے لگ گئے جوان کے لیے سامان عیش مہیا کرنے کے عجیب عجیب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے۔ اور اس سلسلے میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی کوشش اور ان ایجادوں پر فخر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان اُمراء و سرمایہ داروں کا یہ حال ہوگیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا۔ ایسے ہی انہوں نے عالی شان سر بفلک محل، آبزن اور حمام، بے نظیر پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور' خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لیے لازم قرار دے لیں۔ اور زندگی کی ضرورت اصلی اسے سمجھ لیا کہ صبح و شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں، جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دسترخوانوں پر جمے ہوں، اور خود لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہوں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اٹھارویں صدی کی دِلّی کی حالت

الغرض ان ملوکِ ایران و روم کی یہ داستان پاستان کہاں تک بیان کی جائے۔ تم اپنے زمانے کے پادشاہانِ دہلی (اب پاکستان کے حکمرانوں اور اعلیٰ سول، آرمی، بیوروکریسی اور مذہبی طبقہ) کی جو حالت دیکھتے ہو وہی ان ملوک ایران و رومہ کی حالت کا قیاس کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔

ان ملوک و اُمراء کی زندگی کے یہ طور طریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظام معاش کے اصل اصول بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں سے ان خرابیوں کا استیصال ناممکن ہوگیا۔ اس کی یہ ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ چیزیں کھرچ کھرچ کر لوگوں کے دلوں میں سے نکال ڈالی جائیں۔ پادشاہوں اور امیروں کے اس طرح عیاشانہ زندگی بسر کرنے سے بہت سے خطرناک امراض پیدا ہوگئے جو حیات معاشرتی (Social Life) کے ہر شعبے میں داخل ہوگئے۔ اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہوگئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کر گئی۔ اور اس سے نہ بازاری بچا نہ دیہاتی۔ نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب۔ یہاں تک کہ ہر شخص اس کی خرابیاں دیکھ کر مگر علاج نہ پا کر عاجز آ گیا اور بے حد و نہایت مالی مصائب میں مبتلا ہوگیا۔

ٹیکسوں کی بھرمار

اس ہمہ گیر مالی مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان عیش کثیر دولت صرف کئے بغیر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ اور مال خطیر کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے کے لگے ہوئے ٹیکس بڑھانے کے سوا حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ پھر ان لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے ٹیکس وصول کئے جاتے تھے اور اگر ٹیکس دینے سے انکار کرتے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی اور انہیں گرفتار کر کے طرح طرح سے عذاب دیا جاتا تھا۔ اور اگر وہ اطاعت شعاری کے ساتھ ٹیکس ادا کرتے رہتے تو ان سے ٹیکس وصول کرتے کرتے ان کو گدھوں اور بیلوں کے درجے پر پہنچا دیا جاتا۔ جن سے آبپاشی، فصل کاٹنے اور گاہنے کا کام لیا جاتا ہے اور جن کو صرف اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے حاجت براری کی جاتی ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عوام کی حالت

اس تنگ حالی اور بے سروسامانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ عوام ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کمانے کے سوا اور کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ سعادت اُخروی کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔ اور رفتہ رفتہ ان میں سے اس طرح فکر کرنے اور سوچنے کا مادہ ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک کے ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں رہتا کہ وہ مادی اسباب کے حصول سے اوپر نظر اٹھا کر غیر مادی کائنات کے اصول حیات کے مطابق بھی کوئی حرکت کر سکے۔

انسانی معاشرہ پر خطرناک اثر

اس فاسد معاشی نظام میں سامان عیاشی جہاں مال خطیر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے وہاں ان کے حصول کے لیے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو ان عیاشیوں کے لیے طرح طرح کے کھانے اور عیاشی میں مدد دینے والی دوائیں تیار کرنے اور لباس فاخرہ ایجاد کرنے اور عالی شان محلات بنانے کے پیشے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایسے پیشے رہ جاتے ہیں، جن پر انسانی معاشرے (Human Society) کی ہستی کا مدار ہے۔

یہ مصیبت صرف بادشاہوں اور امیروں کے طبقے ہی میں بند نہیں رہ جاتی بلکہ رفتہ رفتہ عوام جن کا واسطہ ان امیروں سے پڑتا ہے اپنے امیر آقاؤں کی ریس کرنے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ انہیں ان آقاؤں کی نگاہوں میں عزت و احترام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کے درباروں میں قدر ہوتی ہے۔

بیکاری کی مصیبت

اس طرح رفتہ رفتہ امیر و غریب سب لوگوں کا بار کفالت پادشاہ پر آ پڑتا ہے اور وہ اس سے روزینہ طلب کرتے ہیں۔ مثلاً ایک طبقہ تو جہاد کئے بغیر باپ دادا کے نام سے وظیفہ خوری کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کرتے صرف اپنے باپ دادا کے نام کو کھاتے ہیں۔ ایک

(c) ketabton.com: The Digital Library

گروہ پادشاہ اور اُمراء کی قصیدہ خوانی کر کے ان کے خوان کرم سے ژلّہ ربائی کرتا ہے۔ کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے بہانے مالی استحصال کرتا ہے۔

پھر ان لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کے لیے معاشی تنگ حالی کا موجب بن جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین مفید ذرائع کے بجائے ان لوگوں کا ذریعہ اُمراء کی مصاحبت اور ندیمی، چرب زبانی اور چاپلوسی رہ جاتا ہے۔ اور اب اہل فکر کے افکار انہی ''فنون لطیفہ'' میں دقیقہ سنجی کرنے میں وقف ہو جاتے ہیں اور وہ انہی میں اپنے اوقات عزیز ضائع کرنے لگ جاتے ہیں۔''

(شاہ ولی اللہ کی عربی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

یہ وہ حالت ہے جب دنیا میں انقلاب آتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب قرآن نے انقلاب کی دعوت دی۔

آیت نمبر 7: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ترجمہ: ''اور اپنے رب پر صبر کر''

انقلاب کے لیے استقامت کی ضرورت

صاحب اقتدار لوگ جن کے مستقل مفادات (Vested Interests) کو اس ''انسانی'' پروگرام سے زک پہنچنے کا اندیشہ ہوگا۔ وہ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کریں گے کہ تمہیں اس پروگرام سے ہٹا دیں۔ لیکن تم قرآن کے اس بین الاقوامی پروگرام پر ڈٹے رہو۔ ہر مصیبت کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کرو اور کسی لالچ یا دھمکی میں نہ آؤ۔ اگر مخالفین تمہیں انقلاب کی تعلیم سے باز رکھنے کے لیے مشروط طور پر حاکم بھی بنانے کے لیے تیار ہو جائیں تو بھی یہ ''اعزاز'' قبول نہ کرنا۔ اور اگر تمہیں دھمکیاں دیں تو خدا پر بھروسہ رکھ کر کام جاری رکھنا۔ اور اسی کوشش میں لگے رہنا کہ تمہارے رب کا قانون نافذ ہو۔

خلاصہ

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ قُمْ فَأَنذِرْ (اُٹھ کر ان لوگوں کو ڈراؤ) اس کی تفصیل ختم ہوگئی اور ''ڈرانے'' کا مقصد واضح کر دیا گیا یعنی:

(1) اللہ تعالیٰ ہی کو تمام طاقتوں سے بالاتر تسلیم کرو۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(2) ہر قسم کی ظاہری طہارت (پاکیزگی) اختیار کرو۔

(3) اخلاق و اعمال اور خیالات کی پاکیزگی اختیار کرو۔

(4) انتفاع پسندی سے باز رہو۔

(5) اللہ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔

اس انذار کے معنی یہ ہیں کہ اخلاق اربعہ--- اِخبات، طہارت، سماحت اور عدالت--- اختیار کرو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ بچ نہیں سکتے۔

قرآن کے انذار کا نتیجہ

اس انذار (ڈراوے) کے اعلان کے بعد دو قسم کے لوگ ہو جائیں گے:

(1) انکار کرنے والے۔

(2) ماننے والے۔

اب پہلے نہ ماننے والوں کا حال بیان کیا جائے گا اس کے بعد ماننے والوں کی کامیابی کی کیفیت بیان کی جائے گی۔

جو لوگ اس انذار کی مخالفت کرتے ہیں ان کے درجے مختلف ہوں گے:

(1) ایک آدمی اسے سن تو لیتا ہے لیکن وہ اسے سمجھتا نہیں اگر اسے سمجھایا جائے تو مخالفت ترک کر دے گا۔

(2) دوسرا شخص اسے سمجھتا ہے مگر دیکھتا ہے کہ اگر میں نے اس مسلک کی پیروی کی تو میرے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔ اس لیے وہ پوری کوشش کے ساتھ اس انقلاب کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن اسے کافر قرار دیتا ہے۔ اگلی آیتوں میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

آیت نمبر 8 : فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ترجمہ: ''جب بجایا جائے ناقور (صور، بگل)''

آیت نمبر 9: فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ترجمہ: ''تو وہ دن مشکل ہے''

آیت نمبر 10: عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ترجمہ: ''منکروں کے لیے آسان نہیں''

(c) ketabton.com: The Digital Library

قیامت اور انقلاب

مفسرین کرام ان آیات کو قیامت پر محمول کر کے خاموش ہو گئے ہیں۔ مگر جیسے ''المزمّل'' کی تفسیر میں دکھایا جا چکا ہے، قیامت کبریٰ سے پہلے دنیا میں قیامت صغریٰ آئے گی اور وہ یوم انقلاب ہوگا۔ چنانچہ حجاز میں وہ دن آیا تو وہ اس انقلاب کے مخالفوں کے لیے آسان نہ تھا۔ جب ان کے لیے موت کا صور پھونکا گیا تو ابو جہل اور اس کی جماعت کا جو حال ہوا اس کا اندازہ بدر کی جنگ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی خندق کی جنگ میں مخالفین کو جس طرح راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور جس ذلت و خواری سے پسپائی کی اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس مصیبت میں مبتلا ہوئے (خدا اس مصیبت سے بچائے)۔

الغرض وہ یوم انقلاب آنے والا ہے۔ جب تک وہ آئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے استقامت اور استقلال کے ساتھ کام کئے جاؤ۔ اور لڑنے بھڑنے کی طرح نہ ڈالو کیونکہ تیاری کے ایام میں لڑنا اس تحریک کے لیے مضر ہوگا۔

ان آیات کے بین السطور میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب اس تحریک کے مخالفین برباد ہو جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اس روز یہ مخالفین مسلمانوں کے ہاتھوں برباد کرائے جائیں گے۔ اسی لیے اس سورت میں بھی روز اول ہی سے دبی زبان اور مبہم الفاظ میں آنے والی جنگوں کا ہلکا سا تصور دے دیا گیا۔ اس فکر کی وضاحت اگلے سال نازل ہونے والی سورت--- المزمّل--- میں کر دی گئی اور کہہ دیا گیا کہ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (علاوہ بریں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں مصروف قتال ہوں گے)۔ اس فکر قتال کی توضیح کے لیے آگے چل کر سورۂ انفال اور سورۂ توبہ نازل ہوئیں، جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون، تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بین الاقوامی پروگرام کے مخالفین

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا تجزیہ

قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب بیان ہے کہ وہ رجعت پسند (Reactionary) مخالفین کی ذہنی کیفیت بیان کرنے کے لیے ایک نمونے کا شخص لے لیتا ہے اور پھر اس کی ذہنیت کا تجزیہ کرتا ہے۔ اگلی آیتوں میں قرآنی تحریک انقلاب کے مخالف کا اسی طرح نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کر کے دکھایا گیا ہے۔ تاکہ سمجھدار لوگ انقلاب کی حقیقت کو سمجھ جائیں۔ کیونکہ صحیح کیفیت اور غلط ذہنیت پاس پاس لانے سے انقلاب کی اصل حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر 11: ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا

ترجمہ: ''چھوڑ دے مجھے اور اسے جسے، میں نے اکیلا پیدا کیا''

تحریک قرآن کا ایک مخالف ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ورثے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لیاقت میں بھی وہ منفرد ہے۔ وہ اپنے گھرانے میں امیرانہ ٹھاٹھ سے پرورش پاتا ہے (وہ جس قسم کی ذہنیت پیدا کرے گا وہ آگے بیان کی جائے گی) تم اس کی فی الحال پروانہ کرو اسے میرے حوالے کر دو۔

آیت نمبر 12: وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا

ترجمہ: ''اور میں نے اسے پھیلا کر مال دیا''

جب جوان ہوتا ہے تو تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کا مالک رہتا ہے۔ وہ مادی ترقی میں لیاقت سے کام کرتا ہے تو اسے خوب مال و دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

آیت نمبر 13: وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا

ترجمہ: ''اور بیٹے جو (آنکھوں کے سامنے) موجود رہتے ہیں''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کی اولاد اس کے سامنے رہتی ہے کیونکہ اس کے کچھ کمیرے (کمانے والے) کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ اور کچھ کارخانوں میں لہو پسینہ ایک کر رہے ہیں۔ یہ چوپال یا کلب روم (Club-room) میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ادھر ادھر کی گپوں میں وقت گزارتا ہے۔

آیت نمبر 14: وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا

ترجمہ: ''اس کے لیے بڑی فراخی پیدا کردی''

وہ اپنے سرمائے کی ترقی سے مطمئن ہے۔ اگر کسی موقعے پر فصل میں غلّہ کم ہوتا ہے تو کارخانے سے خوب نفع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک مد کی کمی دوسری مد سے پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نفع بڑھتا رہتا ہے۔

ایک شخص ہے جو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور ان کا تنہا وارث ہے، مال و منال سے سرفراز ہے۔ صاحب اولاد کثیر ہے۔ بہت سی مدات سے آمدنی کا مالک ہے۔ ایسے شخص کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہو جانا تو تعجب انگیز نہیں۔ اور ایسا ہی شخص اپنے قبیلے کا سردار یا برادری کا چوہدری بھی بن جایا کرتا ہے۔

آیت نمبر 15: ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ

ترجمہ: ''پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں''

باوجود اتنی دولت ثروت کے وہ ننانوے کے پھیر میں ہے۔ اس کی زردوستی کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر وقت متمنی رہتا ہے کہ اس کے سرمائے میں اضافہ ہوتا رہے اور اس کے مناصب میں ترقی ہوتی رہے۔ یہ اس کی سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا صحیح نقشہ ہے۔ وہ صرف اپنے سرمائے اور منصب میں ترقی کا خواہشمند رہتا ہے۔ مزدوروں اور کمیروں کی فلاح کا نام تک نہیں لیتا۔ اور غریب طبقے کو ترقی دینے والی تعلیم کی مخالفت شروع کر دیتا ہے۔

آیت نمبر 16: كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا

ترجمہ: ''ہرگز نہیں، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے''

لیکن ایسے مخالف سرمایہ پرست کو ہرگز بڑھنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ انقلابی پروگرام (Revolutionary Programme) کا مخالف ہے۔ بلکہ (وہ) اپنی

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ارتجاعی جماعت (Reactionary Party) کا رہنما بن کر اس بین الاقوامی انقلاب کی تحریک کی مخالفت میں زور لگائے گا۔ لیکن کیا وہ اس انقلاب کے مقابلے میں آ کر کامیاب ہوگا؟ ہرگز نہیں (کَلَّا) کیونکہ یہ تو اپنے اور اپنی اولاد کے سوا کسی کو لیڈر دیکھ ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ انسانیت کا بھلا اس میں ہے کہ جو بہتر ہو وہ انقلاب کا لیڈر بنے۔ یہ دنیا میں انقلاب کس طرح لائے گا؟ یہ تو اپنے ہی مال و متاع کے بڑھانے کی فکر میں ہے۔ یہ انسانیت کی بہتری کے لیے کچھ صرف کرنا جانتا ہی نہیں۔ یہ تو بین الاقوامی انقلاب (World Revolution) سے منہ موڑے ہوئے ہے جس کے نشانات صاف نظر آ رہے ہیں۔ (اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا)

آیت نمبر 17: سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا

ترجمہ: ''اسے چڑھواؤں گا سخت چڑھائی''

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا انجام

ایسا شخص انقلاب صالح کے رہنما حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کیسے بڑھ سکتا ہے؟ اس کی ہر ایک ترقی ' ترقیِ معکوس ہوگی۔ یہ اپنی ارتجاعی پارٹی (Reactionary Party) کے بل بوتے پر نوع انسانی کے سب سے بڑے بین الاقوامی لیڈر کو گرا کر ابھرنا چاہتا ہے۔ تو یہ ارتجاعی (Reactionary) اپنے خیال میں اونچا بھی جا رہا ہوگا تو حقیقت میں گر رہا ہوگا۔ جتنا زیادہ اونچا جائے گا اتنا ہی وہ زیادہ شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور مرنے کے بعد جہنم میں اسے اس اُلٹی چڑھائی کی مشق کرنی ہوگی۔ وہ جہنم میں ایک پہاڑی پر چڑھے گا لیکن اس کے پاؤں ترقی کی طرف نہیں جائیں گے بلکہ اوپر چڑھ کر پھر گرتا جائے گا۔ مگر اپنے ذہن میں خیال کرے گا کہ میں چڑھ رہا ہوں۔ وہ جہنم میں اس خیالی غلطی میں مبتلا رہے گا اور چڑھنے اور گرنے کی مصیبت میں پھنسا رہے گا۔

آیت نمبر 18: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ

ترجمہ: ''اس نے سوچا اور دل میں اندازہ لگایا''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مخالفانہ جانچ پڑتال:

یہ مخالفِ انقلاب حضرت نبی اکرم ﷺ کی تحریک کے متعلق سوچتا ہے اور دل میں اندازہ لگاتا ہے کہ یہ تحریک کن کن منازل میں سے گزرے گی اور کہاں تک ترقی کر سکے گی۔

آیت نمبر 19: فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

ترجمہ: ''کمبخت نے کیا اندازہ لگایا!''

اس ارتجاعی نے اس انقلابی تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ چند قبائل عرب میں ایک وقتی ہیجان پیدا کر کے ختم ہو جائے گی۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ یہ محض قبائلی یا قومی تحریک نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی تحریک ہے۔

آیت نمبر 20: ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

ترجمہ: ''خدا غارت کرے! کیا سوچا اس نے!!''

اس نے اس تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا اور اپنی اس غلطی کی وجہ سے اس دنیاوی زندگی میں اور پھر اس کے جزو ثانی — اخروی زندگی میں — ناکام ہوگا۔ (وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورۃ بنی اسرائیل 72:17) (جو دنیا میں کور باطن رہا۔ وہ دوسری زندگی میں بھی کور چشم ہی اٹھے گا) اور ناکامی اور نامرادی سے دو چار ہوگا۔ اس کی ارتجاعی تحریک (Reactionary Movement) ناکام رہے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔

آیت نمبر 21: ثُمَّ نَظَرَ

ترجمہ: ''اس نے پھر نگاہ ڈالی''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلابی تحریک کا اندازہ لگانے کے بعد وہ پھر غور سے دیکھتا ہے کہ آیا اس تحریک کا کوئی پہلو میری نظر سے مخفی تو نہیں رہ گیا؟

آیت نمبر 22: ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ

ترجمہ: ''پھر اس نے تیوری چڑھائی اور تُرش رُو ہوا''

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

وہ اس انقلابی تحریک کے سازوسامان (ظاہری ضعف اور کمی سرمایہ) کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے تیوری چڑھاتا ہے (عَبَسَ) اور جس طرح ابتدا میں ہر انقلابی تحریک پر لوگ ترش روئی کا اظہار کرتے ہیں، یہ بھی اس تحریک پر تُرش روئی کا اظہار کرتا ہے۔ (بَسَرَ)

آیت نمبر 23: ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَكۡبَرَ

ترجمہ: ''پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا''

پھر اس تحریک کو کمزور سمجھ کر منہ موڑ لیتا ہے اور اپنے ارتجاعی پروگرام (Reactionary Programme) کی کامیابی کے خیال سے پھولا نہیں سماتا (اَسۡتَكۡبَرَ)

آیت نمبر 24: فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ يُّؤۡثَرُ

ترجمہ: ''پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے''

مخالفانہ پراپیگنڈہ

اب وہ اس انقلابی تحریک کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس تحریک کے پروگرام کو قبول کر کے اس نئی پارٹی میں شامل ہو رہے ہیں، ان کے متعلق کہتا پھرتا ہے کہ یہ لوگ سحر زدہ ہیں۔ یہ تحریک چونکہ عوام کو اٹھانا چاہتی ہے اس لیے عوام ہی اس میں زیادہ تر شامل ہوتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاکت زدہ لوگ ایک خوش آئند مستقبل کے تصور کے سحر میں مبتلا ہیں جو کبھی شرمندہ تصدیق نہ ہوگا۔

آیت نمبر 25: اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ

ترجمہ: ''اور کچھ نہیں، یہ ایک انسان کی بنائی ہوئی بات ہے''

وہ اس انقلابی پروگرام کے خلاف یہ بھی کہتا پھرتا ہے کہ یہ پروگرام الہامی تھوڑا ہی ہے جو انسانیت کے لیے مستقلاً مفید ہو۔ اس کے پیچھے خدائی امداد بھی نہیں ہے کہ یہ ضرور کامیاب ہو۔ بلکہ یہ تو اس انسان (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کا خود ساختہ پروگرام ہے، جو اس شخص اور اس کے خاندان ہی کے کام آئے گا۔ یعنی یہ شخص اپنے یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کے حق میں انقلاب پیدا کر کے بیٹھ جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ عوام کو اس تحریک سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اسے انسانیت عامہ کی تحریک سمجھ کر اس کے ساتھ اپنے مفادات وابستہ نہ کر بیٹھیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اس

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انسان کا بتایا ہوا پروگرام ہے اس قسم کا (پروگرام) ہم بھی بنا سکتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دعوت تمام اقوام میں پھیل جائے گی۔ اور ان سب پر غالب آ جائے گی۔ اور یہی اس دعوت کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہے۔ لیکن مخالفین اس تحریک کو ایک عام وقتی تحریک کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عام بات ہے ایسی تحریکیں اٹھا ہی کرتی ہیں۔ ہم بھی اس قسم کا پروگرام بنا سکتے ہیں۔ یہ مخالف جب اس دنیا سے کوچ کرے گا تو سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔

آیت نمبر 26: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ

ترجمہ: ''عنقریب اسے آگ میں ڈالوں گا''

ارتجاع کا انجام

اس ارتجاعی (Reactionary) کے لیے اس ظلم اور بداخلاقی کی آگ سے بچنا محال ہے جو وہ اپنے لیے پیدا کر رہا ہے۔ وہ اس میں ڈالا جائے گا۔ ایسے ہی انقلاب لانے والی پارٹی اسے دنیا میں سزا دے گی۔ وہ زندہ رہا تو ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا۔

آیت نمبر 27: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ

ترجمہ: ''اور تو کیا سمجھے کہ آگ کیسی ہے؟''

انسان ابھی اس جہنم کی حقیقت سے واقف نہیں۔

آیت نمبر 28: لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ

ترجمہ: ''وہ نہ باقی رکھے، نہ چھوڑے''

یہ آگ نہ تو میدان مقابلہ ہی میں رجعت پسندوں (Reactionaries) کو رہنے دے گی اور نہ آئندہ زندگی میں ان کا پیچھا چھوڑے گی۔

آیت نمبر 29: لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ

ترجمہ: ''جھلس دینے والی، آدمی کو''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جہنم کی حقیقت

یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا، عجیب مقام ہے۔ اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے۔ اس میں جس آگ سے واسطہ ہوگا، وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے۔ جس طرح بدن انسانی کے اندر صفراء، سودا، بلغم اور خون چار خلطیں ہیں۔ اور ان کی خرابی (سڑاند) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے انسان کا جسم جھلسا جاتا ہے۔ ایسے ہی انسان کے جسم (Nesmic Body) میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں۔ وہ مختلف قسم کے ''زہریلے مادے'' جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں، جب یہ انسان جہنم میں جائے گا، وہاں وہ خاص خاص قسم کے ''آگ'' کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا، تو جس قسم کا زہر جس قسم کی ''آگ'' سے متاثر ہو سکتا ہے، اس قسم کی ''آگ'' سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا۔ اور اس کی سوزش اندرونی کا اثر نسمہ انسانی پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ سورۃ الھمزۃ میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں ارشاد کیا گیا ہے:

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝
اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

(ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی' وہ جھانک لیتی ہے دل کو' ان کو اس میں موند دیا ہے' لمبے لمبے ستونوں میں)

یہ خوفناک حالت ہوگی جس سے بچنے کے لیے انسان سب کچھ کرنے کو تیار ہوگا۔ لیکن وہاں کچھ نہ بن سکے گا۔ اور اسے اپنے کئے کی پوری پوری سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور جس طرح بدن انسانی کے اندر سے سارا زہر خارج ہوئے بغیر صحت حاصل نہیں ہو سکتی، ایسے ہی نسمہ انسانی میں سے زہریلے اخلاق کے اثرات خارج ہوئے بغیر صحت روحانی حاصل نہ ہو سکے گی۔

پس انسانیت کے مصالح کلیہ (Human Weal) اور رفاہ عامہ (Public Weal) کے مخالفین کے لیے قوانین انسانیت کی خلاف ورزی کرنا معمولی بات نہیں۔ جو لوگ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

فطرت انسانی کی خلاف ورزی کریں گے، ان کو یہ آگ جلاتی رہے گی۔

آیت نمبر 30: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ترجمہ: ''اس پر انیس ہیں''

ایک نفسیاتی نکتہ

انسان کی روح میں اُنیس مرکز ہیں [1] جن کے ذریعے سے وہ اپنی تکمیل کرتی ہے۔ جو لوگ روحانی سلوک کے عامل ہیں وہ انہیں خوب جانتے ہیں۔ ان 19 مراکز کے مطابق جہنم میں بھی اصلاح کے 19 مراکز ہیں۔ اور ہر ایک مرکز کو ایک جداگانہ ''محکمہ'' سمجھنا چاہیے۔ ہر روحانی ''مرکز'' کی خرابی کی جداگانہ سزا ہوگی۔

آیت نمبر 31 (الف): وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

ترجمہ: ''اور ہم نے دوزخ کے جو داروغے رکھے ہیں وہ فرشتے ہیں۔''

اس ''آگ'' کے جو 19 مہتمم ہیں۔ وہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ جن کی قوت کا یہ مخالفین انقلاب اندازہ نہیں لگا رہے۔ چنانچہ پہلی ہی آگ جو بدر کے مقام پر بھڑکی اس میں انسانوں کے دوش بدوش فرشتوں کی مثالی قوتوں نے بھی مخالفین انقلاب کو فنا کر کے رکھ دیا۔

آیت نمبر 31 (ب): وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ترجمہ: ''اور ان کی جو گنتی رکھی ہے تو وہ ان منکروں کے جانچنے کے لیے ہے۔''

اس تعداد کا ذکر منکرین کے فہم کے امتحان کے لیے ہے کہ آیا وہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور تحریک انقلاب کو قبول کرتے ہیں یا مذاق اڑا کر عذاب کے مستحق بنتے ہیں۔

آیت نمبر 31 (ج): لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

ترجمہ: ''تاکہ وہ لوگ جن کو کتاب مل چکی ہے یقین حاصل کریں۔''

لیکن یہ تورات اور انجیل کو ماننے والی جماعت اور ایسے ہی ہر وہ جماعت جس

---

[1] اُنیس مراکز یہ ہیں (1-5) حواس خمسہ ظاہری (6-10) (حواس خمسہ باطنی: حس مشترک، واہمہ، متخیلہ، حافظہ اور قوت متصرفہ) (11) قلب (12) مدرکہ (13) سرّ یعنی قلب اور عقل کے بطن (14) روح (15) خفی یعنی بطن السرّ (16) اخفی یعنی بطن الخفی (17) انانیہ کبریٰ (18) نور القدس (19) الحجر البحت یعنی انانیت کبریٰ اور نور القدس کا بطن جو تجلی الٰہی کا نمونہ ہے ان کی تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام امام ولی اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (دیکھیے تفہیمات الٰہیہ وغیرہ)

www.tahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

میں الہامی علوم پائے جاتے ہیں جن میں مثالی قوتوں کا ذکر آتا ہے ایسے ہی جو لوگ اس انقلابی تحریک کو دل سے مان چکے ہیں ان کی عقل و دانش اس کی تائید کرتی ہے وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے چنانچہ ہندو فلاسفی اور ایرانی حکمت میں بھی ان قوتوں کی طرف اشارے موجود ہیں۔

آیت نمبر 31(د) : وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا

ترجمہ: ''اور جو لوگ اب (نئی شریعت پر) ایمان لا چکے ہیں وہ اپنے یقین میں بڑھیں''

اور یہ حکیمانہ اشارے قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام پر ایمان کی زیادتی کا باعث ہوں گے اور ان کو اپنے پروگرام کی کامیابی کا اور بھی پختہ یقین ہو جائے گا۔

آیت نمبر 31(ہ): وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جن کو کتاب دی جا چکی ہے اور وہ لوگ جو اب (اس شریعت پر) ایمان لا چکے ہیں وہ کسی شک میں نہ پڑیں۔''

پہلی کتابی جماعت کے صحیح علوم رکھنے والوں اور نئی انقلابی جماعت کے ارکان کے دلوں میں اس انقلاب اور دینوی اور اخروی نتائج کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اہل کتاب ایک انقلابی لیڈر ـــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام ـــــ کی رہنمائی کے نتائج دیکھ چکے ہیں اور اہل عرب ـــــ امی گروہ ـــــ جو اس رسول انقلاب کے پیرو بن رہے ہیں۔ وہ بھی اس پروگرام کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے۔

آیت نمبر 31(و) :

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا

ترجمہ: ''اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ منکر ہیں وہ کہیں گے کہ اس تمثیل کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا منشاء ہے؟''

اس کے برخلاف ایک تو وہ لوگ جن کو اس انقلابی پروگرام کی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہے اور ان کے دلوں میں اس کی رفتہ رفتہ بڑھی ہوئی کامیابی کو دیکھ کر حسد کی بیماری پیدا ہوگئی ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس پروگرام کے کھلم کھلا مخالف ہیں کیونکہ یہ پروگرام ان کے خاص مفادات (Vested Interestes) کا مخالف ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ اس انقلابی پروگرام میں کمزوری ثابت کرنے کے لیے اعتراض کرتے ہیں کہ اس

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انیس کے عدد کی تمثیل کے بیان سے کیا غرض ہے؟ حالانکہ انہیں کم سے کم اتنی موٹی سی بات تو معلوم ہونی چاہیے کہ ہمارے اخلاق اور اعمال کی خرابیوں کے مطابق جہنم میں ان کے علاج کا انتظام ہونا چاہیے۔ اور جب حکیم علی الاطلاق انہیں بتاتا ہے کہ انیس قسم کے محکمہ ہائے علاج جہنم میں موجود ہیں، تو انہیں یقین آ جانا چاہیے کہ یہ درست ہے۔ لیکن یہ مخالفین چونکہ انقلابی ذہنیت نہیں رکھتے۔ اس لیے سوسائٹی کی اصلاح کا فکر ان کے ذہنوں میں آتا ہی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سوسائٹی کی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتے اور جو لوگ اس میں انقلاب برپا کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی کرنے کے لیے آمادہ ہیں ان کے خلاف صف آراء ہو گئے ہیں۔

آیت نمبر 31 (ح): كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ

ترجمہ: ''یوں اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔''

یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یعنی انسانیت کی ترقی کی تدابیر سوچنے کے بجائے ادھر ادھر کی باتوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان کی کج فہمی کا۔ ان کی اس شامت اعمال کے باعث اللہ تعالیٰ اب ان کو کسی نئی حکمت سے سرفراز نہیں کرے گا۔

قرآن کی انقلابی تعلیم سب کے لیے کھلی ہے ہر شخص اسے قبول کر کے اصلاح حال کر سکتا ہے۔ لیکن جو اس انقلاب میں حصہ نہ لینا چاہے اور انیس بیس کی کج بحثوں میں پڑ جائے تو اللہ کی مشیت اسے مزید روشنی دینا نہیں چاہتی۔ جو روشنی دی گئی ہے اسے استعمال کر کے جو شخص راہ راست پر چل نکلتا ہے، مشیت ایزدی اس کے لیے مزید رہنمائی کا سامان بہم پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ وہ ایک گمراہی سے دوسری گمراہی کی طرف نکلتا چلا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ منزل مقصود سے بہت دور جا پڑتا ہے۔

آیت نمبر 31 (ط): وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

ترجمہ: ''اور جسے چاہتا ہے راہ دیتا ہے''

جو لوگ اس انقلابی پروگرام کو قبول کر لیں گے، مشیت الٰہی ان کی مزید دستگیری کرے گی۔ چنانچہ ایک اور جگہ فرما دیا ہے کہ

الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

''جو لوگ ہماری طرف آنے کے لیے سرگرم سعی ہو جائیں گے ہم ان کو اس راہ پر چلنے کے لیے کئی راستے کھول دیں گے۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

یعنی جب کوئی انسان اللہ کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے تو مشیت الٰہی اس کی دستگیری کرتی رہتی ہے۔ اور جہاں اس کے راستے میں کوئی پتھر آ جاتا ہے، اس کے ہٹانے یا اس کے ادھر ادھر سے ہو کر گزر جانے کی راہ بتا دیتی ہے۔ وہ علم اور عمل کی روشنی میں برابر چلتا رہتا ہے اور ہر مشکل سے بچ نکلنے کے راستے نکالتا رہتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا باعث بنتی رہتی ہے۔

آیت نمبر 31 (ی): وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

ترجمہ: ''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

یہ لوگ خواہ مخواہ انیس کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انیس تو مدبران اعلیٰ ہیں ان کے علاوہ پروردگار عالم کے لشکروں کی تعداد اس قدر ہے کہ اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ فرشتوں کی کل تعداد غیر متناہی ہے اور یہ سب طاقتیں اس پیغمبر انقلاب کی تائید میں ہیں۔

آیت نمبر 31 (یا) وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ

ترجمہ: ''اور یہ (جہنم) تو انسانوں کے لیے یاد دہانی ہے۔''

انسان اپنی زندگی کو زمانے سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ اگر وہ زندگی چاہتا ہے تو زمانے کا پابند ہو کر رہنا پڑے گا۔ زمانے کے ساتھ وابستگی اس پر کون سے فرائض عائد کرتی ہے؟ نبی کی تعلیم یاد دلاتی ہے کہ انسان پر زمانے کی روح کے مطابق انقلاب میں حصہ لینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کتب الٰہیہ اسے یاد دلاتی ہیں کہ دیکھو اپنی فطرت کو مت بھولو۔ فرد کا ذرا سا تغافل اسے موت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آج زمانہ ہم سے ایک نئی قسم کے اجتماع کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ کہ ہر فرد سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں حصہ لے۔ ہم پرانے زمانے کو لیے بیٹھے ہیں۔ جب ایک آدمی سینکڑوں افراد پر حکومت کرتا تھا۔ اب زمانہ چاہتا ہے کہ افراد خود فیصلہ کر کے آگے بڑھیں اور مل کر کام کریں۔ جو لوگ زمانے کی اس دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے، وہ برباد ہو جائیں گے۔ قرآن حکیم کی دعوت پہلے ان ہی سے اس قسم کی یاد دہانی کراتی ہے۔ چنانچہ وہ ہر مسلمان کے لیے قرآن کا سمجھ کر پڑھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ الغرض قرآن ہر ایک مسلمان کی بے سمجھ زندگی کو غلط قرار دیتا ہے۔ اور یہی تقاضا آج کے زمانے کا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آگے بڑھنے کی دعوت

آیت نمبر 32 (الف): کَلَّا ترجمہ: ''ہرگز نہیں''

ارتجاع غالب نہیں آسکتا

یہ سرمایہ پرست جوتحریک قرآنی کی مخالفت کرتا ہے (اَدْبَرَ) خیال کرتا ہے کہ اس کا مسلک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر غالب آجائے گا۔ وہ اس پر اینٹھ رہا ہے۔

آیت نمبر 32 (ب): وَالْقَمَرِ ترجمہ: ''قسم ہے چاند کی''

انقلاب کی پہلی منزل: عرب پر قبضہ

قرآنی انقلاب کی تدریجی ترقی کو قمر کی روشنی کے بڑھنے پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہ پروگرام مختلف منازل میں سے گزر کر پہلے تو سرزمین عرب میں ہلال سے بدر بن کر چمکے گا اور عرب قوم کو بین الاقوامی انقلاب کی سنٹرل کمیٹی (Central Committee) بنا دے گا۔

آیت نمبر 33: وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ترجمہ: ''اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیر لے''

پھر یہ چاند رات گزر جائے گی یعنی قومی انقلاب پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

آیت نمبر 34: وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ترجمہ: ''اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے''

بین الاقوامی منزل

اور اس کے بعد اس عرب پارٹی کی کوششوں سے بین لاقوامی انقلاب کی صبح نمودار ہوگی۔

آیت نمبر 35: اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ

ترجمہ: ''یہ واقعہ تاریخِ انسانی کے عظیم الشان واقعات میں سے ہے۔''

رفتہ رفتہ آفتاب عالمتاب کی خواب ربا اور بیدار کن روشنی کی طرح یہ عالمگیر انقلاب بھی ساری انسانیت کو بیدار کر دے گا اور ہر کہ ومہ اس سے فیضیاب ہوگا۔ یہ انسانیت گیر انقلاب (Universal Revolution) کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

تاریخ انسانی کے عظیم الشان انقلابوں میں سے کامیاب ترین انقلاب ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انقلاب کا آغاز پہلے عرب میں ہوا۔ قریش کی کامیابی سے عرب اس انقلاب میں شامل ہوگئے۔ اور عرب مل کر بین الاقوامی انقلاب کی ایک منزل کے قافلہ سالار بنے۔

آیت نمبر 36: نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ

ترجمہ: ''یہ نوع انسان کو ڈرانے والا ہے''

مخالفین کو جنگ میں سزا ملے گی

یہ بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام کسی خاص خطہ زمین یا کسی خاص قوم کے لیے نہیں ہے کہ وہ ملک یا خطہ اس کے ذریعے سے اپنا تفوق (بالادستی) (Imperialism) قائم کر کے دوسرے ممالک یا اقوام سے انتفاع (Exploitation) شروع کر دے۔ بلکہ یہ انقلابی تعلیم ساری نوع انسان کے لیے ہے۔ اور جو انقلاب اس کے مطابق پیدا کیا جائے، اس میں تمام انسانوں کے مفادات، جو اسے تسلیم کرلیں محفوظ رہنے چاہئیں۔ اور جو اسے قبول نہ کریں، ان کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیا جائے۔ لہٰذا ہر زمانے اور ہر ملک کے خود پرست جابر و ظالم حکمرانوں کو اس انقلابی تعلیم سے ڈرنا چاہیے۔ اور اپنے آپ کو اس کے ماتحت کر لینا چاہیے۔ تاکہ وہ انقلاب کے دنیاوی خطرناک نتائج اور اخروی عذاب سے بچ جائیں۔

اس آیت میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت لطیف اشارہ بشکل انذار موجود ہے، جو اس تعلیم کے انقلابی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اعلان

چنانچہ جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان والوں کو اس آنے والے انقلاب کے نتائج سے ڈرائیں تو آپؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔

فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهُ: فَقَالُوْا مَنْ هٰذَا؟ فَاجْتَمَعُوْا اِلَيْهِ فَقَالَ: اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ قَالُوْا مَاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

كِذْبًا، فَقَالَ: اِنِّیْ نَذِیْرٌ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ

(آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا صباحاہ (فریاد! فریاد!)۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا یہ کون ہے؟ خیر پھر سب لوگ آپؐ کے پاس جمع ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا۔ سنتے ہو۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر نکلے گا تو کیا تم میری بات سچ مان لو گے؟ سب نے کہا ہم نے آج تک تجھے جھوٹ بولتے نہ سنا نہ دیکھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ''تو میں تمہیں آنے والے خوفناک عذاب سے ڈراتا ہوں۔)

جن لوگوں نے ''آنے والے خوفناک عذاب'' سے بچنا چاہا، وہ آپؐ کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ اور جو اس میں شامل نہ ہوئے، وہ اس عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے اور دوسری زندگی میں اس عذاب کے زیادہ شدید تسلسل میں جا پھنسے۔

آیت نمبر 37: لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ

ترجمہ: ''اب یہ تم (میں) سے ہر ایک کے لیے ہے کہ وہ آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے۔''

انقلاب میں آگے بڑھو

اب یہ فیصلہ خود تمہیں کرنا ہے کہ تم اس انقلاب کی صف اول (Vanguard) میں جگہ لینا چاہتے ہو یا پیچھے رہنے والوں میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ یہ فیصلہ انسان کو خود اپنی رائے سے کرنا چاہیے۔ جو شخص اپنی رائے سے انقلابی نہیں بنا، وہ انقلابی نہیں کہلا سکتا۔ انقلاب سمجھنے کے لیے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ اس انقلاب کی صف اول میں جگہ لیں گے ان کو تکالیف پیش آئیں گی۔ لیکن آخر کار وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن جو اس تحریک میں حصہ لینے میں پیچھے رہ جائیں گے، وہ شکست کھا کر خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ (البقرہ 85:5) کے مصداق ٹھہریں گے۔ (یعنی دنیاوی زندگی میں سخت ذلت (غلامی) کا عذاب اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اس سے بھی زیادہ شدت کا احساس عذاب۔) چنانچہ جن لوگوں نے تقدم (آگے بڑھنا) اختیار کیا ان میں سے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ اور حضرت حمزہؓ اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

صہیب رومیؓ ہیں۔ ان کی کامیابی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور جو پیچھے رہے، ان میں سے ابوجہل اور ابولہب اور ابولہب کی بیوی وغیرہ ہیں جو دنیا سے ناکام گئے۔ اور مرنے کے بعد ان کی یہ ناکامی اور ان کے دیگر مظالم ان کے ساتھ گئے جنہوں نے ان کے لیے مکمل عذاب جہنم پیدا کر دیا ہے۔ اب آگے بڑھنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کا تذکرہ آیت نمبر 48 تک چلا گیا ہے سب سے پہلے آیت نمبر 38 میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 38 (الف): كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ

ترجمہ: ''ہر ایک جاندار اپنے کئے میں پھنسا ہے۔''

پیچھے رہنے والے برباد کر دیئے جائیں گے

انسان کی ساخت ایسی ہے کہ جو کام کرتا ہے اس کی پوری جوابدہی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس جو شخص پیچھے رہے گا، اسے اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس کی یہ رجعت پسندی (Reaction) اور انقلاب دشمنی اس کے نفس پر ایسی چھا جائے گی کہ وہ اپنی اس ذہنیت کے نتائج سے کبھی چھٹکارا نہ پا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا فرمائی ہیں وہ اس لیے ہیں کہ ان کو ان کی فطرت کے مطابق کام میں لاکر جلادی جائے۔ جو شخص ان قوتوں کو جلا نہیں دیتا بلکہ غلط کاریوں کے نیچے دبا کر صالح ترقی سے روکتا ہے، اسے اس کا نقصان پورا کرنا ہوگا، اور عذاب برداشت کرنا ہوگا۔ اس کے یہ ارتجاعی اعمال بے نتیجہ نہ رہیں گے۔

انسان کے اعمال کس طرح محفوظ رہتے ہیں: امام ولی اللہ کا نظریہ

حجۃ اللہ علی الارض امام الائمہ امام ولی اللہ محدیث دہلوی (انار اللّٰہ برھانہ) فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَعْمَالَ الَّتِیْ یَقْصُدُھَا الْاِنْسَانُ قَصْدًا مُؤَکَّدًا وَالْاَخْلَاق الَّتِیْ ھِیَ رَاسِخَۃٌ'' فِیْہِ تَنْبَعِثُ مِنْ اَصْلِ النَّفْسِ النَّاطِقَۃِ ثُمَّ تَعُوْدُ

(c) ketabton.com: The Digital Library

اِلَيۡهَا ثُمَّ تَتَشَبَّثُ بِذَيۡلِهَا وَتُحۡصِيُ عَلَيۡهَا (حجتہ اللہ البالغہ ص 28)

(یعنی واضح رہے کہ جس قدر کام انسان اپنے پختہ ارادہ سے کرتا ہے اور جس قدر اخلاق انسان میں پختہ ہو جاتے ہیں ان کا بیج پہلے تو انسانی روح ہی میں سے نکلتا ہے اور پھر پھیلنے کے بعد انسانی روح ہی کی طرف واپس آ جاتا ہے۔ (چونکہ نکلنے کے وقت وہ بیج چھوٹا ہوتا ہے اور واپس ہونے تک وہ پھیل چکا ہوتا ہے اس لیے وہ واپسی میں) روح کے دامن سے ملحق ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔)

گویا ہر شخص کے اعمال اس کے نسمے میں محفوظ رہتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد جب مادی بدن اتر جائے گا، تو یہ اعمال نہایت واضح شکل میں اسے محسوس ہونے لگ جائیں گے۔ پس ہر شخص کو اس انقلاب کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے قویٰ کو فطری ترقی دے سکے اور ایسی سوسائٹی پیدا کر سکے جس میں رہ کر وہ اچھے اعمال اپنے نسمے کے اندر جمع کر سکے۔ اب ان لوگوں کا ذکر آتا ہے جنہوں نے آگے بڑھ کر کام کیا۔

آیت نمبر 38(ب): اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡيَمِيۡنِ

ترجمہ: ''سوائے ان کے جو دائیں طرف والے ہیں''

انقلاب کے پیشرو

جو لوگ دنیا میں قرآن حکیم کا انقلاب برپا کرنے میں سبقت کرتے ہیں وہ سابقین (Pioneers) تو کامیاب ہوتے ہی ہیں، ان کے علاوہ ان کے دست راست بننے والے بھی پھنسے نہیں رہتے۔ وہ بھی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ اور سند کامیابی اپنے دائیں ہاتھ میں پاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کا حق ادا کیا۔ یعنی اللہ نے جو قوتیں عطا کی تھیں، ان کو حق کی راہ میں پوری طرح استعمال کیا۔

ان کے مقابلے میں ایک جماعت اصحاب شمال کی ہے جو ناکام رہتی ہے۔ السابقین اور اصحاب الیمین کی کامیابی کا راز معلوم کرنا ہو تو ان ناکام رہنے والوں کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ناکامیابی کے اسباب خود ان کی زبانی سن لیں تاکہ کامیاب انقلابی پروگرام کی مدات واضح ہو جائیں۔

جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کا تذکرہ آگے آیت نمبر 48 تک آتا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کی تفصیل

آیت نمبر 40: فِىۡ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوۡنَ

ترجمہ: ''وہ باغات میں ہیں، پوچھتے ہیں''

آیت نمبر 41: عَنِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ

ترجمہ: ''مجرموں سے''

ارتجاع کا نفسیاتی تجزیہ

اصحاب یمین، جنت میں پہنچ جاتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات پا لیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ غور کرتے ہیں کہ اب جو لوگ عذاب میں مبتلا ہیں، وہ کیوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ وہ جہنمیوں سے ان کی ناکامی کے اسباب دریافت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ:

آیت نمبر 42: مَا سَلَـكَکُمۡ فِىۡ سَقَرَ

ترجمہ: ''تم کو اس دوزخ میں کس چیز نے لا ڈالا؟''

تم اس ناکامی کے عذاب میں کس وجہ سے مبتلا ہوئے؟ کچھ سمجھے بھی؟ اس عذاب کو دیکھ کر جس کی خبر تمہیں پہلے دی گئی تھی، اب تو سمجھ آ گئی ہوگی؟

فائدہ: جس مجرم کو اس کی سزا ملنے کے وقت یہ علم نہ ہو کہ اسے کس جرم میں سزا مل رہی ہے، اسے اس سزا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہنم میں پہنچ کر مجرم خود ہی جان لیں گے کہ انہیں کس کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ سزا اور جرم میں خاص مناسبت

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہوگی۔ چنانچہ مجرم اپنے جرائم آپ بتاتے ہیں کہ:

آیت نمبر 43: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ

ترجمہ: "وہ کہنے لگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے"

(1) تعلق باللہ کی ضرورت

وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی سعادت انسانی کے اس پروگرام پر عمل نہ کرتے تھے جو اتحادِ فکر، اجتماعیت اور مساوات وغیرہ بیسیوں بھلائیاں سکھاتا ہے اور جس کی انتہائی معراج تعلق باللہ ہے۔

یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خدا شناسی کی جو قوت مضمر ہے، اسے نماز ترقی دیتی ہے تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینے میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے انسان کبیر — امام نوع انسانی — کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے۔ یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کے تقاضوں کو اللہ کا حکم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اللہ کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لیے تیار رہتا ہے اور اسے اللہ کی عبادت کا جزو جانتا ہے۔

اس کی مزید کیفیت سورۂ ماعون میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

"یعنی جو لوگ اپنے یتیموں اور بے کس مسکین ہمسایوں کو (جن کا ذکر ماعون کی ابتدائی آیتوں میں آیا ہے) برتنے کی چیز بھی نہیں دیتے — مفت نہیں کہ یہ تو بہت دور کی بات ہے بلکہ ادھار — وہ اپنی صلوٰۃ (تعلق باللہ) کے مقصد سے غافل ہیں۔ اس لیے اب جو وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ محض دکھاوے کی نماز ہے۔" (سورۂ ماعون 107 : 4 تا 7)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 44: وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ

ترجمہ: ''اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''1

(2) مساکین کی تنظیم کی ضرورت:

جب ہم اپنے نفس کی ضرورت--- تعلق باللہ--- کو بھلا بیٹھے تو پھر دوسروں کی ضرورت کا بھی احساس ہم میں مردہ ہوگیا۔ نماز کے ذریعے سے اپنے خالق کے ساتھ تعلق نہ جوڑا۔ خدمت خلق کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ کیا۔ دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرنے کی کوشش نہ کی اور عام لوگوں کی مادی اور عقلی ضرورتیں پوری کرنے کا جتنا سامان ہم کر سکتے تھے وہ نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس عذاب میں مبتلا ہوگئے۔

مسکینوں کو کھانا کھلانے کے معنی یہ نہیں کہ بھک منگے پیدا کیے جائیں، بلکہ یہ کہ بیکار لوگوں کو تعلیم اور کام کے ذرائع بہم پہنچا کر سوسائٹی کے مفید رکن بنایا جائے۔

آیت نمبر 45: وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ

ترجمہ: ''اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحثیں کیا کرتے تھے۔''

بیکار مباحثے

ہم انسانیت کی خدمت کرنے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور دور دراز کار بحثوں میں پڑ گئے۔ اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ بیکاروں (The Unemployed) کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے اور جو لوگ خدا سے تعلق جوڑنا بھول گئے ہیں ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور انہیں علم دیتے۔

آیت نمبر 46: وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ

ترجمہ: ''اور ہم جزاء اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے۔''

---

1 ان دونوں آیتوں کے مضمون ـــ نماز اور اطعام مسکین ـــ کو قرآن حکیم میں اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کے جملے کے ذریعے سے سینکڑوں مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(3) اعمال کی ذمہ داری سے انکار

یہ سب کچھ اس لیے کر گزرتے تھے کہ ہم اس کمزور محتاج اور مظلوم کی اپیل کے نتائج اور آخری فیصلے کے دن کا یقین نہ رکھتے تھے۔ اور ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال کے لیے کسی کے آگے جواب دہ نہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی ہم سے اس ذمہ داری اور جوابدہی کا ذکر کرتا اور یاد دلاتا تو ہم اسے جھٹلاتے تھے۔

آیت نمبر 47: حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ

ترجمہ: ''یہاں تک کہ آ گئی یقینی بات''

ہم سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے پنجے میں ہیں۔ ان سے جس طرح چاہیں کام لیں اور ہماری اس حالت میں کبھی انقلاب نہ آئے گا۔ لیکن انقلاب تو یقینی تھا مگر ہم اسے یقینی نہ جانتے تھے۔ آخر موت و ہلاکت کے انقلاب نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔

آیت نمبر 48: فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیۡنَ

ترجمہ: ''ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دیتی۔''

چونکہ فطرت مسخ ہو چکی ہے اور انسانیت کے اصلی جوہر خراب ہو چکے ہیں اس لیے جب تک وہ تمام زہر جو نسے میں گھس گیا ہے خارج نہ کیا جائے، ترقی محال ہے۔ اس سلسلے میں کسی کی سفارش بھی کام نہیں دیتی۔

دوبارہ انذار

اب پھر انقلاب کے مخالفوں کو غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سوچیں اور سمجھیں اور اس انقلاب کو قبول کریں۔

آیت نمبر 49: فَمَا لَهُمۡ عَنِ التَّذۡكِرَةِ مُعۡرِضِیۡنَ

ترجمہ: ''پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس یاددہانی (قرآن حکیم) سے روگردانی کر رہے ہیں۔''

پہلی آیت میں جو آیا تھا کہ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ اس کے مطابق یہ انذار (ڈراوا) ہے اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن حکیم کا انقلاب ٹل جائے گا۔ یہ ہو کر رہے گا۔ اور مخالفین کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔ ان کو چاہیے کہ اسے فوراً قبول کرلیں۔ اور اس سے اعراض (رُخ پھیر کر) کر کے نقصان نہ اٹھائیں۔

آیت نمبر 50: كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ

ترجمہ: ''گویا گدھے ہیں بدکنے والے''

انقلاب کی تمثیل

یہ ارتجاعی لوگ (Reactionaries) آگے بڑھنا شیر کے منہ میں جانے کے برابر سمجھتے ہیں۔

آیت نمبر 51: فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ

ترجمہ: ''بھاگتے ہیں شیر سے''

یہ اس آنے والے انقلاب کے تصور سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے گدھا شیر سے دہشت کھاتا ہے۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ آخر اس انقلاب سے عوام کو فائدہ پہنچ رہا ہے، تو کیا یہ رک سکتا ہے؟ پھر مساکین اور یتامیٰ کی حالت کی اصلاح کرنا انسانیت کا لازمی جزو ہے۔ یہ اس سے کیوں بھاگتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انقلابی تعلیم انسان میں شیری پیدا کر دیتی ہے۔ وہ ہر چیز سمجھتا ہے اور اپنے فیصلے سے آگے بڑھتا ہے۔

نہ خورد شیر نیم خوردہ سگ
ور ز سختی بمیرد اندر غار

(شیر کتے کا کھایا ہوا کھانا نہیں کھاتا، اگرچہ سختی سے غار کے اندر مر جائے)

قرآن حکیم ان کو خود سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس سے اعراض کرنا گدھا پن ہے۔ مگر جو جھوٹا کھانے کی غلاظت میں مبتلا رہنا چاہیں، اور خود غور وفکر نہ کریں، وہ بھلا قرآن حکیم کی کیا قدر کر سکتے ہیں؟

www.tahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آیت نمبر 52: بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً

ترجمہ: ''بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے الگ الگ صحیفہ دے دیا جائے۔''

نراج پیدا نہیں ہونے دیا جائے گا

صحیح عالمگیر انقلاب تو ساری انسانیت کو ایک نظام میں منسلک کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی تعلیم تمام انسانیت کے لیے یکساں مفید ہوتی ہے۔ لیکن یہ سرکش چاہتے ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ پروگرام یا چارٹر (Charter) دیا جاتا، تاکہ اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہوتی رہتیں۔ یہ لوگ اجتماعی نظام کے اندر آ کر انقلاب برپا کرنا چاہتے ہی نہیں، کیونکہ اس انقلاب سے ان کی ذات خاص کو خصوصی فائدہ نہ ہوگا۔

یہ نراج (Anarchism) ہے۔ اور یہ نراجی (Anarchists) اس اجتماعی پروگرام کو قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ مساوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے۔ اور یہ اپنے لیے زراندوزی اور انتفاع کا چارٹر (Charter for Exploitation) چاہتے ہیں۔

آیت نمبر 53 (الف): كَلَّا ۖ ترجمہ: ''ہرگز نہیں''

انہیں کوئی انفرادی پروگرام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ غیر طبعی مطالبہ ہے۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ اس سے نراج (Anarchy) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی منظم انسانی معاشرہ (Organised Human Society) پیدا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ فرد کی ترقی کا راستہ اجتماع سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس لیے تعلیم ایسی ہونی چاہیے جس سے اجتماعیت (Society) پیدا ہو۔ اور اسے ترقی حاصل ہو۔ ایک ایک انسان کو جداگانہ ہدایت نامہ دے دیا جائے تو یہ انفرادی اور اجتماعی ترقی کس طرح ممکن ہے؟

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم پارٹی بنانا چاہتا ہے۔ وہ ایک ایک انسان کو الگ الگ سمجھانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

آیت نمبر 53 (ب): بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''بلکہ وہ آخرت سے ڈرتے نہیں''

یہ لوگ جو انفرادی انتفاع (Individual Exploitation) کا چارٹر (Charter) چاہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نفسی ضروریات (Pscho-spiritual Needs) سے غافل ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ (وہ) خدا کے ساتھ تعلق قائم نہ کر کے اور مساکین اور غربا سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر کے اپنے نفس کے اندر ایسے خوفناک زہر جمع کر رہے ہیں جو مرنے کے بعد پھوٹ نکلیں گے اور انہیں اس طرح عذاب میں مبتلا کر دیں گے جس طرح آتشک یا سوزاک یا جذام کا زہر جسم میں جمع ہو تو حالات سازگار ہوتے ہی جسم میں سے پھوٹ نکلتا ہے اور مریض کی زندگی کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ ایسے ہی یہ اپنے جسموں کے اندر انسانیت کشی کے مختلف اعمال کے ذریعے سے جو زہر جمع کر رہے ہیں وہ جہنم کی موافق ''آب و ہوا'' میں ان کے جسموں سے پھٹ نکلے گا اور ان کی زندگی ایک دائمی عذاب بن جائے گی۔ جس طرح مرنے کے بعد ان سے فطرت انسانی جواب طلبی کرے گی اور انہیں عذاب میں مبتلا کرے گی۔ اسی طرح اس دنیا میں انقلابی جماعت ان سے جواب طلبی کرے گی اور ان کو مبتلاء عذاب کرے گی۔

انقلاب سوسائٹی کے اندر سے پیدا ہوتا ہے

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آنے والا انقلاب بیرونی اثرات کا نتیجہ ہوگا؟ یا آنے والا عذابِ جہنم ان کے نفسوں کے باہر کی قوتیں پیدا کریں گی؟

آیت نمبر 54 (الف): كَلَّآ ترجمہ: ''ہرگز نہیں''

بلکہ وہ انقلاب خود ان کے اپنے نفسی حالات پیدا کر رہے ہیں۔ اگر ان کی ذہنیت درست ہوتی اور یہ سب کے ساتھ انصاف کرتے ہوتے تو یہ انقلاب نہ آتا۔

آیت نمبر 54 (ب): اِنَّهٗ تَذۡكِرَةٌ

ترجمہ: ''اب بھی قرآن حکیم جو آیا ہے تو ان کی یاددہانی کے لیے آیا ہے۔''

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی انقلاب کے تجربے کی دعوت

اگر یہ لوگ اپنی خفتہ (سوئی ہوئی) انسانیت کو بیدار کرلیں اور انقلاب کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں تو ان کے لیے اچھا ہے۔ قرآن حکیم ان کو ان کی بھولی ہوئی انسانیت یاد دلانے آیا ہے۔ اور وہ بتاتا ہے کہ انسانیت کے متعلق ان کے کیا فرائض ہیں۔

آیت نمبر 55: فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

ترجمہ: ''جو کوئی چاہے اسے یاد کرے''

عیاں راچہ بیاں (ظاہر کا کیا بیان)۔ انسان آج بھی انسانیت کو بروئے کار لاکر دیکھ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کی تعلیم اس کے لیے کس قدر مفید ہے۔ اور اس کی خفتہ روح کے کس قدر مناسب حال ہے۔ جب وہ دنیا میں اس تعلیم کے نتائج حاصل کر کے کامران ہوسکتا ہے تو یہی نتائج زیادہ واضح طور پر حیات مابعد الممات (The Life Herefter) میں اسے حاصل ہو جائیں گے۔ اس لیے جو شخص دنیوی صلاح اور اخروی فلاح حاصل کرنی چاہتا ہے وہ اس انقلابی پروگرام کو قبول کرلے جو کسی خاص انسان یا خاندان کی ترقی کا کفیل نہیں ہے بلکہ ساری نوع انسان کی سعادت کا ذمہ دار ہے۔

آیت نمبر 56 (الف): وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

ترجمہ: ''مگر اس سے وہ اسی صورت میں نصیحت پا سکتے ہیں کہ اللہ چاہے۔''

جو لوگ اس یاددہانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ مشیت الٰہی اور حکمت الٰہی پہلے سے معین کر چکی ہے، وہی اس کام کو بجا لائیں گے۔ جو لوگ قرآن کی ہدایت سے ہدایت یاب ہوتے ہیں وہ اتفاقاً نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یہ طے شدہ فیصلہ ہے کہ جن اشخاص میں فلاں فلاں باتیں ہوں گی وہی ہدایت پائیں گے۔ پس انسان کو اپنے اندر وہ شرطیں پیدا کرنی چاہئیں تب وہ ہدایت پاسکتا ہے۔

آیت نمبر 56 (ب): هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ”وہ تقویٰ کا اہل ہے اور وہ مغفرت کا اہل ہے۔“

انقلاب عدل قائم کرے گا

اس کی مشیت اور حکمت کے مطابق یہ دو قسم کے لوگ ہدایت پا سکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی ہیں یہ آیت:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل 90:16)

”بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور ”فحشاء“ اور ”منکر“ سے اور ”بغاوت“ سے منع کرتا ہے۔“

اس آیت کی رو سے تقویٰ میں عدل شامل ہے۔

پس جو لوگ اپنی استعداد کے مطابق عدل کرتے ہیں وہ جب عدل کامل کی تعلیم پاتے ہیں تو اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن حکیم سے انتباہ حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو بے سوچے سمجھے حق کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں، مگر اپنے ظلموں پر اصرار نہیں کرتے۔ جب انہیں متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ باز آ جاتے ہیں۔ یہ اہل مغفرت ہیں۔

قرآن حکیم ان دو قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو بیدار کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے ہرگز یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ انصاف کو چھوڑ کر کسی انسان کو بخش دے گا، کیونکہ وہ خود اہل تقویٰ یعنی عادل ہے۔ البتہ اگر انسان ایک جگہ غلطی کرے مگر متنبہ ہو کر دوسرے موقع پر اعلیٰ درجے کی نیکی کرے تو وہ اسے بخش دیتا ہے۔ یہ اس کی عدالت کے منافی نہیں ہے۔ پس اللہ سے معافی مانگنے کے لیے انسان اپنی غلطی کا ازالہ کرے اور کوئی بہتر نیکی کرے تو وہ بخش دیا جاسکتا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورت کا خَلَاصَۃُ الْکَلَام

(1) صالح انقلاب پسند کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کو ترقی دینے والے قانون کے خلاف جو غیر صالح نظام موجود ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ (نمبر 1-3)

(2) صالح انقلاب پسند ہر قسم کی پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے اور اس کا آغاز لباس کی پاکیزگی سے کرتا ہے اور وہ اپنے بدن اور ماحول کو بھی پاک رکھتا ہے۔ (نمبر 4)

(3) صالح انقلاب پسند کسی قسم کی خیالی اور علمی ناپاکی کو قبول نہیں کرسکتا۔ اس لیے وہ ہر غیر صالح نظام کا انکار کر دیتا ہے۔ (نمبر 5)

(4) صالح انقلاب پسند ہر قسم کے انتفاع (Exploitation) کا مخالف ہوتا ہے اور کسی انسان پر کسی قسم کا ظلم نہ خود کرتا ہے اور نہ اسے برداشت کرتا ہے۔ (نمبر 6)

(5) صالح انقلاب پسند تادم مرگ محض خدا پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے اور مشکلات سے گھبرا کر اپنے لائحہ عمل پر شک کرنے نہیں لگ جاتا۔ (نمبر 7)

(6) قرآن کا انقلاب سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ (نمبر 8 تا نمبر 25)

(7) اس ذہنیت کا انجام دنیا میں ناکامی ہوگا۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں درد ناک عذاب۔ (نمبر 26 تا 31)

(8) قرآن کی تعلیم بین الاقوامی تعلیم ہے۔ (نمبر 31 تا 36)

(9) یہ بین الاقوامی تعلیم قومی درجے سے ترقی کر کے بین الاقوامی درجے پر پہنچے گی، اور مساکین کی تنظیم کرے گی اور ان کا تعلق اللہ سے قائم کرے گی۔ مخالفین ناکام رہیں گے۔ (نمبر 37 تا 56)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

نظر بازگشت

مُزَّمِّل اور مُدَّثِّر کا تقابل

یہ دونوں سورتیں — اَلمُزَّمِّل اور اَلمُدَّثِّر — مکی دور کی ابتدائی سورتیں ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے منصب نبوت پر قائم ہونے کے پہلے ہی سال میں اتری ہیں۔ ان دونوں کے مضامین باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کا تتمہ معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو چیز مُزَّمِّل میں مفصل ہیں ان کی طرف مُدَّثِّر میں اجمالی اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور مُزَّمِّل میں مجمل بیان ہوئی ہیں ان کو مُدَّثِّر قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس انقلابی تعلیم کو روئے زمین پر متمکن (غالب) کرنے کے لیے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ اس لیے مُزَّمِّل میں آپ کو رفقاء کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے لیے نماز تہجد — قیام شب — مقرر کی گئی تاکہ ان رفقاء کی تیاری تعلیم و مصاحبت سے کریں۔ اس کے بعد دوسری سورت میں تزمیل — تیاری رفقاء — کی غرض بیان کر دی گئی۔ یعنی یہ کہ آپؐ دنیائے انسانیت سے ہر قسم کے ظلم کو محو کریں گے۔ اور معاشرہ انسانی کو ہر قسم کی پاکیزگی سے معمور کریں گے۔ انسانی زندگی کو بین الاقوامی معیار پر بلند کرنے کے لیے چار اخلاق انسانوں کے اندر پیدا کیے جائیں گے۔ یعنی

(1) اللہ کی طرف اخبات (جھکنا) — وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

(2) طہارت — وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

(3) سماحت — وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

(4) عدالت — وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ان اخلاق اربعہ کے علاوہ شعائر اللہ— وہ چیزیں جن میں تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے— سے تعلق قائم کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ لِرَبِّکَ فَاصْبِرْ جس سے مراد یہ ہے کہ تعلق باللہ اپنے وسیع ترین معنوں میں صرف قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

اس طرح قرآن حکیم کے آنے والے انقلاب کا مجمل خاکہ پیش کردیا گیا ہے۔

یہ انقلاب، جیسے پہلے بیان کیا جاچکا ہے، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ سورۂ مُزَّمِّل میں اس کا اجمالی ذکر وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ میں کیا گیا تھا۔ لیکن مُدَّثِّر میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر آیات نمبر 11 تا 25 میں کیا گیا ہے اور سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا نہایت باریک نفسیاتی تجزیہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ اس ذہنیت کا انسان فارغ البال ہونے کے باوجود زر اندوزی کرتا ہے اور ذرائع پیداوار کو اپنے قبضے میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے اور جہاں کسی تحریک سے جو عوام کے فائدے کے لیے جاری کی جائے، اس کے ذاتی مفادات کو ذرا سی بھی ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اس تحریک کے خلاف عملی اقدامات شروع کر دیتا ہے، جس کا آغاز غلط فہمی پیدا کرنے والے پراپیگنڈہ سے ہوتا ہے اور انجام عملی عناد پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس تحریک عوام (Mass Movement) کو روکنے کے لیے متوازی تحریک (Parallel Movement) کے پروگرام بھی وضع کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ لیکن انقلاب صالح کی تحریک صحیح خطوط پر چل رہی ہو تو مخالف تحریک کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اور مخالفین مرنے کے بعد اپنے ساتھ داغ ناکامی لے جاتے ہیں۔ جو ہمیشہ ان کے لیے سوہان روح بنے رہتے ہیں اور دوسری زندگی میں ان کے لیے المناک عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔

کوئی انقلابی تحریک خواہ کتنی بھی عالمگیر نوعیت کی کیوں نہ ہو، اول دور میں بین الاقوامی عناصر کو جمع نہیں کرسکتی۔ اس کی طبعی رفتار یہ ہوتی ہے کہ ایک خطے کے افراد جو ایک زبان بولتے ہیں، ایک صاحب فکر کے گرد جمع ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ مضبوط جماعت بن جاتی ہے۔ یہ بین الاقوامی کام کی مرکزی جماعت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مُزَّمِّل میں ذرا تفصیل کے ساتھ اور مُدَّثِّر میں اجمال کے ساتھ قرآنی تحریک کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ دونوں سورتوں میں اس تحریک کے اصلی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

رنگ۔ بین الاقوامیت۔ کی طرف صریحی اشارے موجود ہیں۔

دونوں سورتوں سے بین الاقوامی تحریک کے جو اصول کار نکلتے ہیں وہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں:

(1) تبلیغ و تنظیم
(2) تعلق باللہ کا قیام
(3) مساکین کی منظّم خدمت
(4) ظاہری پاکیزگی کا التزام
(5) خیالات و افعال کی پاکیزگی کا استمرار
(6) سرمایہ پرستی کا ہر شکل و صورت میں استیصال، خواہ وہ ذہنی ہو یا صوری
(7) انفرادیت کی اجتماع کے ساتھ وابستگی
(8) انسان میں اپنے افعال و اعمال کی ذمہ داری کے احساس کی بیداری
(9) ہر شخص اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں شامل ہو
(10) دنیا میں بین الاقوامی انصاف و عدل قائم کرنے کا تہیہ۔

کیا قرآنی انقلابی تحریک کے سوا اور بھی کوئی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ قرآن ہر ایک انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟

کوئی ہے جو خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس انقلاب میں تَقَدُّمْ (آگے بڑھنے کو اختیار) کرے؟

✦ ✦ ✦

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی اصولِ انقلاب

سورۃ العصر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

متّبعینِ قرآن کی راہِ عمل

قرآن نے اپنے متبعین کو مادی ترقی کے تمام راستوں پر گامزن ہونے کی اجازت دی ہے۔ چناں چہ آپ میری گزشتہ عرض داشت سے اس نتیجے پر یقیناً پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام گوشۂ تنہائی میں بیٹھنا یا کتابوں کا کیڑا بننا نہیں سکھاتا، بلکہ ایک مسلمان اعلیٰ سچا اور پکا مسلمان رہ کر علومِ دنیاوی کے ہر شعبے میں ترقی کرسکتا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان اعلیٰ درجے کا ڈاکٹر، مسیح الملک، شفاء الملک بھی ہوسکتا ہے۔ اور اعلیٰ درجے کا فلسفی ''مہندس'' ماہر علمِ ہیئت اور بہترین ریاضی دان بھی ہوسکتا ہے۔ ایک مسلمان اعلیٰ درجے کا سیاح، بہترین مؤرخ اور جغرافیہ دان بھی ہوسکتا ہے۔ مسلمان تجارت کی منڈیوں کا سب سے بڑا سوداگر اور فنِ جہازرانی میں ممتاز درجہ پاسکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہونے کے مندرجہ ذیل انقلابی پروگرام کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ جو قرآن حکیم نے ان کے لیے تجویز کیا ہے۔ اس انقلابی پروگرام میں انفرادی اور اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کا نظام العمل پایا جاتا ہے۔

(خطبات حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، ص 403)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

پیش لفظ

انسانی اجتماع کو ترقی دینے میں حضرت ابراہیمؑ کا کردار

انسانی اجتماع (Society) کو ترقی دینے میں جن بلند فکر اور عالی دماغ لوگوں نے حصہ لیا، ان میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص بلند مقام حاصل ہے۔ آپ اب سے کوئی چار ہزار سال پہلے ''اُر'' (عراق) کے مقام پر پیدا ہوئے۔

آپؑ سے پہلے جن لوگوں نے انسانی اجتماعات کی رہنمائی کی، ان کا فکر اپنے مخصوص اجتماع کی ترقی کو مرکز بنا کر کام کرتا رہا۔ لیکن آپؑ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے انسانیت عامہ کو اپنے فکر کا محور بنایا۔ اس حیثیت سے آپ بے شک امام الناس [1] (نوع انسانی کے لیڈر) کہلانے کے صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔

ابراہیمؑ نے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا

نیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر معاشرے کا ہادی اپنے معاشرے والوں کو ذاتِ الٰہی کا تصور دلانے کے لیے اردگرد کے ماحول کو استعمال کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ ہادی کے گزر جانے کے بعد لوگ ان مظاہرِ قدرتِ الٰہی ہی کو ''خدا'' مان کر پوجنے لگتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پہلے ہادی ہیں جنہوں نے مظاہرِ طبیعی کی بجائے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا شناسی آسان ہوگئی۔ اور نیچر (فطرت) پر قبضہ کر کے اسے انسانی ترقی کے لیے استعمال کرنے کا راستہ صاف ہوگیا۔

---

1. اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. (سورۃ بقرہ 124:2)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

دعوتِ حنیفیت کی حقیقت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو ''حنیفیت'' کہتے ہیں۔ یہ دعوت کیا تھی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ آپ انسانیت کو دو لعنتوں سے، جو آپ کے زمانے تک پیدا ہو چکی تھیں، بچانا چاہتے تھے یعنی:

-1 شہنشاہیت انسانی (Imperialism)

-2 الوہیت انسانی (Brahmanism)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اجتماع میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو ملکی سیاست پر قبضہ کر کے اپنے خاندان یا اپنی جماعت کے مفادات (Interests) کو ترقی دینے والے قوانین نافذ کرتے ہیں۔ اور اس طاقت کے بل بوتے پر اپنی رعایا سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں۔ اور انہیں ناجائز ٹیکسوں کے بوجھ تلے اتنا دباتے ہیں کہ انہیں ان ٹیکسوں کے ادا کرنے کے لیے محنت و مشقت کرتے رہنے کے سوا کوئی وقت ہی نہیں ملتا کہ انسانیت کو ترقی دینے کی طرف دھیان دیں۔1

یہ حالت انسانیت کے لیے بہت بڑی لعنت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس کے خلاف بہت بلند درجے کے باغی تھے۔2

ایسے ہی بعض اوقات علمی طبقہ عوام کو علم عامہ سے محروم کر دیتا ہے۔ اور خود علم کا اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس علمی اجارہ داری کے طفیل عوام پر ''خدائی'' کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام ان سرمایہ داران علم کے محتاج بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح علمی

---

1 ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ (باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم) طبع مصر جلد اول ص 105۔

2 قرآن حکیم سیدنا ابراہیمؑ کا قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ایک موقعہ پر فرمایا: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے کہا۔ ہم تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے پروگرام کے منکر ہیں۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان دائمی عداوت اور بیر ظاہر ہو گیا ہے جو اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ (سورۃ الممتحنہ 4:60)

(c) ketabton.com: The Digital Library

طبقہ عوام کو طرح طرح سے لوٹتا ہے۔ وہ جہالت میں مبتلا ہو کر سعادت اخروی پر غور کرنے کی استعداد بھی کھو بیٹھتے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ [1]

یہ برہمنیت (Brehmanism) بھی انسانیت کے لیے بہت بڑی لعنت ہے۔ اور سیدنا ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ انسانیت کو اس ''انسانی اُلوہیت'' سے نجات دلائیں۔

دعوتِ حنیفیت کے معاشرتی نتائج

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی روح یا نسمہ کو خدا شناسی کا ذریعہ بنا کر بتا دیا کہ:

1- تمام انسان اپنے اندر خدا شناسی کا جوہر رکھتے ہیں۔ انبیاءؑ اور ان کے شاگرد اسی روح کی بیداری کی کوشش کرتے رہے۔

2- چونکہ سب انسان انسانیت کے لحاظ سے برابر ہیں اس لیے کوئی انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کا خدا نہیں بن سکتا چہ جائیکہ ''شہنشاہ'' بن کر بیٹھ جائے اور لوگوں کو غلام بنائے رکھے۔

3- خدا شناسی ہر ایک انسان کی انسانیت کا فطری تقاضا ہے اس لیے معرفت الٰہی کا علم اسے مفت ملنا چاہیے جیسے ہوا اور پانی سب انسانوں کے لیے ہیں۔

4- اجتماع انسانی میں صرف خدا کا قانون چل سکتا ہے کسی حاکم کا (خواہ وہ بادشاہ ہو یا شہنشاہ) قانون نہیں چل سکتا۔ انسانیت کا شرف اس میں ہے کہ انسان صرف خدا کے قانون کے آگے جھکے۔ یہ انسانیت کی آزادی کا اعلان تھا۔ یہ وہ توحید ہے جس کے سیدنا ابراہیم علیہ السلام داعی تھے اور توحید کا یہی تخیل ان کی تحریک حنیفیت کا (اور بعد میں اسلام کا جو دعوت حنیفیت ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے) سنگ بنیاد ہے۔

5- انسانیت میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہر ایک انسان کا حق ہے۔ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے یا اپنے جیسے خود غرض لوگوں کا اجتماع پیدا کر لے اور ان کی طاقت کے بل بوتے پر خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے لیے مخصوص کر لے اور کمزور انسانوں کو ان سے محروم کر دے۔

1. ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ طبع مصر جلد اول ص 106۔)

(c) ketabton.com: The Digital Library

غرض اس عظیم فکر کے ذریعے سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک طرف تو انسانی ربوبیت (شہنشاہیت اور مطلق العنان بادشاہی) کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف خدا شناسی کے علم کو عام کر کے برہمنیت کا خاتمہ کر دیا اور تمام انسانوں کو خدا کی بندگی میں لاکر مساوات کی سٹیج پر لا کھڑا کیا۔ اس طرح انسان اور انسانیت کا پایہ بہت بلند کر دیا۔

تحریک حنیفیت کا اہم پہلو: جماعت کے ذریعہ تبدیلی

تحریک حنیفیت کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جو لوگ اس تحریک کو قبول کریں گے وہ کفر، ظلم، شرک، غلامی اور فکری غلامی کے خلاف ایک طاقتور پارٹی بن جائیں گے اور معاشرے میں سے ظلم کی تمام شکلیں مٹانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ اس عظیم الشان انسانیت گیر تحریک کا انقلابی پہلو ہے جسے سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکردگی میں کام کرنے والی جماعت مہاجرین و انصار نے عمل میں لا کر دکھایا۔ اور اب یہ اصول ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لیے بنیادی اصول بن گیا کہ جب معاشرے میں ظلم بڑھ جائے تو ایک حنفی جماعت اسے انقلاب کے ذریعے دور کرے گی۔

تحریک حنفی ابراہیمی کا یہ وہ اصول ہے جس کی مکمل تشریح اس سورۃ العصر میں کی گئی ہے۔

تحریکِ حنیفیت کے مراحل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فکرِ عظیم کی اشاعت کے لیے ایک طرف عرب کی وادی (غیر ذی زرع) (بے آب و گیاہ) میں ''بیت اللہ الحرام'' کا مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے بڑے بیٹے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو بسایا اور دوسری طرف ''کنعان'' میں مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے دوسرے فرزند جلیل سیدنا اسحٰق علیہ السلام کو بسایا۔

پہلا مرحلہ

حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے ''کنعان'' کی سرزمین سے اس فکر کی اشاعت شروع ہوئی۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے اس علم (جھنڈا) کو بلند کیا جن میں سیدنا یوسف، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم داعی پیدا ہوئے۔ بنی

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسرائیل کو تورات جیسا بین الاقوامی قانون عطا ہوا، لیکن بدقسمتی سے وہ قبائلیت سے اوپر نہ اٹھ سکے اور اس انسانیت گیر تحریک کی جتنی اشاعت ہونی چاہیے تھی، نہ ہو سکی۔

دوسرا مرحلہ

اسرائیلی شاخ سے حنفی (ابراہیمی) فکر کی جس قدر خدمت ہو سکتی تھی وہ ہو چکی۔ اور ان میں اس فکر کو آگے بڑھانے کی مزید صلاحیت ظاہر نہ ہوئی تو حکمت الٰہی نے ابراہیمی نسل کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل سے جو عرب میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل کر رہے تھے' یہ خدمت لینی چاہی۔ اور ان کی رہنمائی کی خاطر انہی میں سے بہترین انسان کو منتخب کر کے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اس نبی معظم کا نام محمد (ﷺ) ہے۔ اور اسے اس پروگرام کی تکمیل کے لیے جو انقلابی لائحہ عمل دیا گیا وہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن حکیم: تحریک حنیفیت کی تکمیل کا انقلابی لائحہ عمل

قرآن حکیم وہ کتاب عظیم ہے جس میں انسانی انقلاب کا مکمل پروگرام دیا گیا ہے۔ اس میں انسانیت کے خواص بتائے گئے ہیں۔ اور وہ اقدار معین کی گئی ہیں جنہیں قائم کرنے ہی سے معاشرہ انسانی اصولوں پر ترقی کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ اصول انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں اس لیے غیر متبدل ہیں۔ یعنی جب تک انسان بحیثیت انسان زندہ ہے، قرآنی اصول حیات اس کے معاشرے کے سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی ترقی و تربیت کا مکمل کورس ثابت ہوتے رہیں گے یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ اور یہی سبب ہے کہ قرآنی اقدار کو رجعت پسند افراد و اجتماعات کے چنگل سے بچانے کے لیے انقلاب کا نسخہ تجویز کیا گیا۔ یہ وہ نسخہ ہے جسے ہر زمانے میں ہر ایک جماعت جو ان اقدار کو معاشرے میں قائم کرنا چاہے، استعمال میں لا سکتی ہے۔ اب جب کبھی بعض معاشروں میں ارتجاع (Reaction) پیدا ہوگا، انقلابی قوتیں ابھرتی رہیں گی اور ارتجاع کا خاتمہ کرتی رہیں گی۔ اس لیے بھی اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

آپ ﷺ کی تیار کردہ انقلابی پارٹی

اس انقلابی پروگرام کو چلانے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک نہایت مضبوط، جاں سپار جماعت (پارٹی) پیدا کی جس کی نظر بین الاقوامی (International) بلکہ انسانیت گیر تھی۔ اس بین الاقوامی پارٹی یا حزب اللہ کی تنظیم نہایت مستحکم طبعی اصولوں پر کی گئی، جو رہتی دنیا تک انقلاب کی تکمیل میں مدد دیتے رہیں گے۔ اس طرح پارٹی بنا کر کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پروگرام کو چلانے والی حکومت پیدا ہوگئی جس نے انسانیت عامہ کی ترقی میں اقتصادی اور روحانی پہلوؤں کو برابر اپنے سامنے رکھا۔

یہ پارٹی کس طرح بنائی گئی؟ اس کے اساسی قواعد قرآن حکیم کی اس مختصر سورۃ العصر میں منضبط کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1872ء-1944ء) نے اس سورۃ کی تفسیر میں یہی اصول واضح کئے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ انہیں نہایت غور سے مطالعہ کر کے قرآنی انقلاب کی تکنیک کو سمجھنے میں ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ واللہ المستعان۔

بشیر احمد (لدھیانوی)
جنرل منیجر
ادارہ حکمتِ اسلامیہ
223 سمن آباد، لاہور

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی اصولِ انقلاب
یعنی
تفسیر سورۃ العصر (103)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾
اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

ترجمہ:

''زمانہ کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان کے جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے کام کیے اور آپس میں حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر و استقامت کی تلقین کرتے رہے۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

تمہید سورت

مختلف قوموں میں نبیوں کے ذریعے سے جو شریعتیں آئیں، ان میں بعض اصول ایسے ہیں جو سب الہامی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا علوم متعارفہ (Postulates) ہیں۔ ان کے مجموعے کو دین کہتے ہیں۔ مثلاً یہ عقیدے کہ:

(1) خدا ایک ہے۔

(2) موت کے بعد بھی زندگی ہے۔

(3) انسانوں کو ان عملوں کی جزا (یا سزا) ملتی ہے۔

(4) مختلف قسم کی شخصی نیکیاں (اصول اقترابات[1]) مثلاً طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نفلی عبادات وغیرہ اور

(5) مختلف معاشرتی اصول و معاشرتی ارتفاقات[2] مثلاً نکاح، اجتماعی عدل قائم کرنے اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کرنا، غلط کاروں کو سزا دینا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنا۔

یہ سب دین کے اصول کہلاتے ہیں۔

ان عقیدوں، شخصی نیکیوں، معاشرتی اور ثقافتی اصولوں نے ہر زمانے میں قوموں کے مزاج اور جغرافیائی اور تاریخی حالات کے مطابق مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کی ہیں۔ ان خاص شکلوں کا مجموعہ (جو دین کے اصول ہر زمانے میں اختیار کرتے رہے ہیں) اس زمانے کی شریعت کہلاتا ہے۔

(ملخص از "باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناہج مختلفۃ" حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 86-87)

قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ دین کے بنیادی اصولوں کی تشریح بعض چھوٹی سورتوں میں کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لمبی سورتوں میں، جہاں ان اصولوں کے

---

1 اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے طریقے۔

2 زندگی کی مشکلوں کو آسان کرنے کے طریقے

(c) ketabton.com: The Digital Library

استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، ان پر تفصیلی بحث نہیں کرتا بلکہ صرف اشارہ کر دینا یا ان کے لیے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی سورتوں میں ان اصولوں کو انہی معنوں میں لیا جائے گا۔ جو چھوٹی سورتوں میں معین کیے جا چکے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے۔: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے عمل کیے)۔ اس مختصر سے فقرے میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ اور وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح سورۂ عصر میں کر دی گئی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کے باقی مقامات میں ان اصطلاحوں سے وہی معنی مراد ہوں گے جو اس سورت میں معین کیے گئے ہیں۔

جو لوگ قرآن حکیم کے اس اسلوب بیان اور اس قسم کی اصولی آیتوں کی مراد اچھی طرح سے نہیں سمجھتے وہ اس کتاب عظیم کا مقصد معین کرنے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک سورت میں اصولی کلمات کے الگ الگ معنی کرتے ہیں جو ان کے خیال میں اس جگہ کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ یہ ان کی بڑی بھول ہے۔ اب ہم اس سورت پر نظر ڈالتے ہیں۔

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: وَالۡعَصۡرِ "قسم ہے زمانے کی۔"

اس میں واوٴ قسمیہ ہے۔

قسم کی حقیقت

شریعت اسلامیہ کا یہ قطعی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا یا حلف اٹھانا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ مَنۡ اَحۡلَفَ بِغَیۡرِ اللّٰہِ فَقَدۡ اَشۡرَکَ (الترمذی) (جس نے اللہ کے سوا کسی اور کا حلف اٹھایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا)۔ اس حدیث میں شرک سے مراد خواہ اس کا ادنیٰ درجہ ہی لیا جائے، بہرکیف وہ شرک ہی کی مد میں آتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ خود قرآن حکیم میں بہت جگہ غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک یہ مقام والعصر بھی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی امر کے متعلق دو فریقوں میں جھگڑا ہو جائے تو ہر ایک فریق سے دلیل یا شہادت طلب کی جاتی ہے۔ دلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اس طرح سے کھول کر بیان کر دینا کہ سننے والا اسے اچھی طرح سے سمجھ جائے۔ جو شخص اس طرح سمجھنے کا عادی ہو۔ اسے دلیل ہی دی جانی چاہیے اور اس کے سامنے مفصل طور پر بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ شہادۃ (گواہی) بھی دلیل ہی کی ذیل میں آتی ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب کے سامنے کوئی بات کھول کر بیان کی جائے

(c) ketabton.com: The Digital Library

تو اس کا ذہن الجھاؤ میں پڑ جاتا ہے۔ جب وہی بات مختصر طور پر مثال کے ذریعے سے سمجھا دی جائے تو اسے آسانی سے سمجھ لیتا اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ مثال کے لیے کبھی کلمہ قسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا طرز بیان اسی قسم کا ہے۔ وہ کبھی تو دلیل بیان کر دیتا ہے، کبھی مثال سے کام لیتا ہے اور کبھی مثال کے لیے کلمہ قسم ہی استعمال کر کے ایک حقیقت مخاطب کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔

قسم کا اسلامی قانون

اسلامی قانون یہ ہے کہ جو فریق دلیل نہ لا سکے۔ وہ قسم کھاتا ہے۔ اس موقع پر قسم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قسم کھانے والا اپنے سچا ہونے پر اللہ تعالیٰ کو، جو عالم الغیب ہے، بطور گواہ پیش کرتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ اس قسم کی شہادت ایک دیندار مسلمان سے یقیناً قبول کر لی جاتی ہے۔ لیکن اسلام اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو حقیقی معنوں میں علم غیب حاصل ہے اور اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کی سزا دے۔ ان معنوں میں بے شک یہ درست ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھاتا ہے۔ وہ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جس کی میں قسم کھا رہا ہوں۔ وہ ہر قسم کا ذاتی علم غیب بھی رکھتا ہے اور مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں وہ تمثیل کے لیے ہیں یعنی جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بطور گواہ یا مثال پیش کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں "عصر" (زمانے) کو اسی غرض کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

عصر (زمانہ کی) حقیقت

عصر کے معنی ہیں وقت، جس کے ساتھ گزرنے کا تصور بھی ہو، یعنی گزرنے والا زمانہ[1] زمانے کے گزرنے سے معاشرے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ صالح اور صحیح ہی ہوں۔ بعض غلط کار لوگوں کے اثر سے بڑی تبدیلی

1 جب زمانے کے ساتھ گزرنے کا تصور نہ ہو، اور مطلق زمانہ مراد ہو تو اسے دہر کہتے ہیں

(c) ketabton.com: The Digital Library

بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ معاشرے کی یہ غلطیاں اور غلط کاریاں (Absolute time) ملاء اعلیٰ کی سکرین (Screen) پر غلط رنگ کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس رنگ کے بدلے جانے کے لیے ذات باری سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ معاشرے میں انقلاب آئے — اور اس ''چاہنے'' کے خاص قاعدے اور اصول ہیں — اس وقت معاشرے میں انقلابی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں۔

الوہیت الٰہی کے دو شعبے

اللہ تعالیٰ کی اس شان ربوبیت کے متعلق حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ:

(جب انسان کی تخلیق کے بعد نوع انسان کی تربیت کا دور شروع ہوا) اس مرتبے میں ربوبیت الٰہی دو شعبوں میں تقسیم ہو گئی۔

(1) ربوبیت کے وہ احکام جن پر زمانے کے تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً احوال وافعال واخلاق جیسے نطق انسانی (انسان کے بولنے کی صلاحیت)، اس کی ہنسنے کی عادت، اس کی جرأت اور کیاست (فہم و فراست) اور معاشرہ انسانی کے لیے ضروری ارتفاقات اور بِـرّ و اِثم کے اصول جو انسانوں کو اسی طرح طبیعی الہام کے ذریعے سے ملتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو۔

(2) ربوبیت کے وہ احکام جو زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان صورت نوعیہ انسانیہ کے ساتھ تَشَبُّـہ (مشابہت) قائم رکھے، جو ان ادوار و اعصار کے ساتھ مقرون ہے اور بِـرّ و اِثم کے اصول کو زمانے کے لیے لباس میں مناسب صورتوں میں پیش کرے۔

مطلب یہ ہے کہ انسانیت کے دو حصے ہیں:

(1) بنیادی انسانیت' جس میں کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

(2) انسانیت کے وہ پہلو، جو مرور زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلی اگر اچھی ہے تو فَبِھَا، ورنہ اسے تبدیل کر کے حقیقی انسانی پہلو کی طرف لانا ہوگا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

روحِ عصر اور تاریخ کی شہادت

روح عصر (Zeitgeist) یعنی ملاء اعلیٰ کے فیصلے انسانی معاشرے میں ان انسانوں کے ذریعے سے پھیلتے رہتے ہیں جو حساس ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اور جب معاشرتی تبدیلیوں کے خراب پہلو غالب آجاتے ہیں تو ایک بڑا انقلاب آ کر معاشرے کی حالت تبدیل کر دیتا ہے۔ جو لوگ معاشرے کے اندر غلط تبدیلیوں کا سدباب کرنے کی جدوجہد نہ کریں، وہ بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور جو غلط تبدیلیاں کر کے اپنے مفادات کو ترقی دیتے ہیں وہ بھی آخر نقصان اٹھاتے ہیں۔

زمانے میں یہ تبدیلیاں ہمیشہ آتی رہی ہیں اور ہمیشہ آتی رہیں گی۔ ہمارے خیال میں عصر کے اس تصور کا ایک پہلو تاریخ بھی ہے جو گزرے ہوئے زمانے کے واقعات کے مجموعے کا نام ہے۔ گویا اس آیت میں تاریخ ہی کی شہادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

تاریخ کی شہادت پیش کرنا، اعلیٰ درجے کا علمی استدلال ہے۔ البتہ جو لوگ تاریخ کی اہمیت نہیں سمجھتے وہ اس استدلال کی اہمیت کو بھی پوری طرح سے سمجھ نہیں سکتے۔ خود قرآن حکیم گزشتہ اقوام کے حالات سے بھرا پڑا ہے اور وہ بار بار کہتا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ

ترجمہ: ''یعنی مختلف ممالک میں چل پھر کر دیکھو کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑا ان کا انجام کیا ہوا''۔ (الانعام 11:6)

آیت نمبر 2: وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''انسانی تاریخ گواہ ہے کہ انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔''

روح عصر (Spirit of the Age) کے ان اثرت کے ظہور کے وقت انسان کی حکمت عملی کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اس وقت حق قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور عملی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں، ان کے سوا باقی تمام انسان نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ارتجاع میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ارتجاع میں مبتلا نہ ہوتے ہوئے انقلاب کے لیے نہیں اٹھتے۔

زمان و مکان کی یہ وہ معاشرتی حقیقتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے پہلی

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

مرتبہ انسان کی توجہ دلائی ہے اور انسان کو آمادہ کیا ہے کہ زمانے کی تسخیر کر کے اسے اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دینا بھی انسانی شرف ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝

انقلاب کے عملی اُصول

قرآن کہتا ہے کہ جب سے انسانی تاریخ لکھی گئی ہے اس پر نظر ڈالو، تم دیکھو گے کہ وہ اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماع میں چار باتیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے، پیدا نہیں ہوگئیں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ ان کے بغیر آئندہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

وہ چار باتیں یہ ہیں:

''نظریہ'' اور ''ایمان'' کا ہونا

1- اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ''جنھوں نے ایمان اختیار کیا۔''

(یعنی انسانی اجتماع میں کامیابی کے لیے پہلا بنیادی اصول ایمان اور نظریہ کا قائم ہونا ہے۔)

اس آیت میں ایمان سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب تاریخ عالم کی شہادت پیش کی گئی ہے تو ایمان کے معنی بھی وہی لیے جانے چاہئیں جو دنیا کے تمام دینوں میں اصولی طور پر مانے جاتے رہے ہیں۔

مولانا محمد قاسمؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کی نیت یا ارادہ کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ نیت یا ارادہ کرلے کہ میں اللہ کے سب حکموں کی تعمیل کروں گا تو یہ جامع نیت ایمان ہے۔''

جن لوگوں نے قرآن حکیم کو مانا یا اس سے پہلے جنھوں نے تورات یا انجیل کو تسلیم کیا، انھوں نے ان کتب الٰہیہ میں معین اصول پائے اور ان اصولوں کو مان کر ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت بنالی۔ اور انہیں انسانی اجتماع میں قائم کرنے کے لیے اپنا جان و مال تک قربان کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اسے ان کا ''ایمان'' کہا جائے گا۔ لیکن جن انسانی گروہوں میں ایسی الہامی کتابیں موجود نہیں، انؔ کے اندر حکمائے الٰہی کی کوششوں سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو صحیح علم آیا جس نے انہیں خدا پرستی کی راہ پر لگایا اور انہوں نے اسے تسلیم کر کے اس کے مطابق کام کرنے کا ارادہ کرلیا اور اس کی خاطر اپنا جان و مال قربان کرنے کا تہیہ کر لیا تو یہ ان کا ایمان ہوگا۔

اسلام نے ایمان کا جو مختصر اور جامع فارمولا پیش کیا ہے وہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ.

''یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جیسا بھی وہ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور میں نے زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق سے اس کے تمام کے تمام احکام قبول کر لیے۔''

پس قرآن کہتا ہے کہ کسی اجتماع کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے افراد کے دلوں میں اپنی جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے صحیح علم کو قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو جماعت ایسے لوگوں سے بنی ہوئی نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ کبھی کامیاب ہو سکتی ہے۔

فلسفہ ولی اللّٰہی کی بنیاد

امام ولی اللہ دہلویؒ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ تمام الہامی شریعتوں کا موضوع انسانیت عامہ ہی رہا ہے۔ یعنی یہ تمام شریعتیں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی تھیں اور اسی کے تزکیے اور ترقی کے لیے آئی تھیں۔ مختلف شریعتوں میں جو ظاہری اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ ان قوموں کے لحاظ سے ہے جن میں وہ آئیں۔ ورنہ حقیقت میں ان سب شریعتوں کی تہ میں انسانی فطرت ہی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور سب میں مشترک امر یہی انسانیت عامہ ہے۔

اس لحاظ سے ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اسے یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایسے صحیح عقائد یعنی ترقی بخش نظام معنوی کا مالک نہ ہو۔ جن کی بنیاد انسانی فطرت پر ہو اور وہ ان عقیدوں کو عمل میں لانے کے لیے اپنا نصب العین اس

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

طرح سے نہ بنالے کہ وہ ان پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو آمادہ ہو جائے۔ اس وقت تک وہ کامیابی کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔

چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْاٰرَآءِ الْكُلِّيَةِ فِىْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَتِهٖ وَاِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّهٖ فَرُبَمَا لَمْ يَمْكُنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِمُخَاصِمَاتٍ اَوْ مُقَاتِلَاتٍ، فَيُعَدُّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 104 طبع قاہرہ مصر)

"یعنی جو لوگ اجتماعی رنگ میں سوچتے ہیں ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ حق کی اشاعت کرنے اور اسے چلانے میں اور باطل کو مٹانے اور اسے روکنے میں اپنی پوری کوشش صرف کریں۔ لیکن یہ اکثر ممکن نہیں ہوتا جب تک حق کی حقانیت اور باطل کی غلطی دلائل و براہین کے ذریعے ثابت نہ کر دی جائے یا باطل کے مٹانے اور حق کے قائم کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے جہاد و قتال (انقلاب کے لیے) نہ کیا جائے۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک بات بہترین نیکی شمار ہوتی ہے۔"

غرض کامیابی کے لیے کوئی بلند نظریہ یا نصب العین قائم کرنا ضروری ہے جسے ایمان کا درجہ دیا جاسکے۔ مسلمانوں کا انقلابی نصب العین قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں۔ جنہیں خیر القرون (نمونہ کا دور) میں عمل میں لاکر دکھایا جا چکا ہے۔ اور وہی نمونہ ہمیشہ کامیابی کا معیار ہے۔

تاریخ کی شہادت

کیا تاریخ سے کوئی شہادت پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی شخص یا جماعت نے کوئی جامع نظریہ "ایمان" اختیار کیے بغیر کامیابی حاصل کی ہو؟

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

عمل کا درست ہونا

2- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور صالح اعمال کیے)

انسان اجتماع میں کامیابی کے لیے دوسرا اصول عمل صالح کا ہونا ہے۔

عمل صالح کیا ہے؟

بدن انسانی کی ہر وہ حرکت وسکون جو انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس کی تعمیل وتکمیل کے لیے ہو، عمل صالح ہے۔

عمل کی صالحیت کا مدار

اصل میں کسی عمل کا اچھا یا برا ہونا، اس کی ظاہری شکل کے اعتبار سے اتنا نہیں ہوتا، جتنا اس کی روح کے لحاظ سے اور کرنے والے کی اس نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اسے عمل پر اکساتی ہے۔ مثلاً دنیا کی تمام قوموں میں یہ مانا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت اچھا فعل (عمل صالح) ہے۔ گو ہر ایک قوم میں عبادت کی صورت الگ الگ رہی ہو، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اور اس کا قرب حاصل کرنا انسان کے لیے ضروری ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کا جذبہ ہی عبادت یا صلوٰۃ کی اصل روح ہے۔ اب اگر یہی عبادت صرف دکھاوے کے طور پر کی جائے تو سب سے بُرا عمل تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (6-4: 107)

"افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر، صرف دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔"

ایسے ہی کسی انسان کو مار ڈالنا بظاہر کتنی بری بات معلوم ہوتی ہے!! سب قوموں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے عقل مند لوگ اسے برا کہتے ہیں اور کہتے آئے ہیں لیکن جب حق کی حمایت میں مرنے اور مارنے کی نوبت آجائے یا کمزور انسانوں کو ظلم سے بچانے کی ضرورت پڑ جائے تو کوئی شخص بھی قتل کرنے سے انکار نہیں کرتا بلکہ اس وقت انسانی قتل کو بہت قابل تعریف فعل سمجھا جاتا ہے۔

پس جو کام انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس نیت سے کیا جائے کہ سب انسانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، وہ عمل صالح ہے۔

"ایمان" اور عمل صالح کا تعلق

اصل میں ایمان جڑ ہے عمل کی۔ جب تک جڑ زندہ ہے، درخت زندہ ہے۔ جب جڑ مر جاتی ہے، درخت خود بخود مرجھا کر گر جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ایمان انفرادی اور اجتماعی کاموں کی بنیاد ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:

1- اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○

"کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی جانچ نہ ہوگی۔"

2- اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (آل عمران 142:3)

"کیا تمہیں خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک معلوم نہیں کیا جو تم میں لڑنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا جو ثابت قدم ہیں؟"

3- سورۃ توبہ میں منافقین سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

(105:9)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

"اور کہہ دو کہ عمل کیے جاؤ۔ پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے۔"

4- اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت ان کے عملوں کی وجہ سے کرتا ہے نہ کہ ان کے صرف اقوال کی وجہ سے:

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام 127:6)

5- اور اصلی مومنوں کے اعمال یہ بتائے گئے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال 74:8)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد، کی وہی سچے مومن ہیں۔"

6- اجتماعی طور پر اقوام کا امتحان بھی عمل کے مطابق ہوتا ہے، محض عقیدوں کی بناء پر نہیں:

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ (یونس 14-13:10)

"اور ہم یقیناً تم سے پہلی جماعتوں کو، جب انہوں نے ظلم کیا، ہلاک کر چکے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ ہم مجرموں کی قوم کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت[1] دی۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح سے عمل کرتے ہو۔"

آخر میں قرآن حکیم نے یہ قطعی اور حتمی قانون فطرت بیان کر دیا ہے کہ:

---

1 امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں خلافت سے مراد بین الاقوامی حکومت ہے۔ (حجتہ البالغہ ص 27 ج 1)

(c) ketabton.com: The Digital Library

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ (نساء 4:123-124)

"مدار نہ تمہاری امیدوں پر ہے، نہ اہل کتاب کی امیدوں پر، جو کوئی برا کام کرے گا سزا پائے گا۔ اور اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا۔ اور جو کوئی اچھے کام کرے گا۔ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو، ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان کا حق تل بھر بھی ضائع نہ ہوگا۔"

خلاصہ یہ کہ ایمان قائم کرنے کے بعد اگر نتائج نکل سکتے ہیں تو فقط عمل سے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (24:53) کیا انسان کو صرف کسی چیز کی تمنا کر لینے ہی سے وہ مل سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ قاعدہ صرف یہ ہے کہ: لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (39:53) یعنی انسان کو وہی یا اتنا ہی ملتا ہے جو یا جتنا وہ خود عمل کرتا ہے۔ غرض ایمان عمل کی بنیاد ہے اور عمل ایمان کا نتیجہ۔ ایمان ایسا ہونا چاہیے جو عمل پر اکسائے۔ اور عمل وہ ہو جو ایمان کے مطابق ہو۔

تاریخ کی شہادت

اب تاریخ پر نظر ڈالو۔ کیا اس میں ایک بھی شہادت یا مثال ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی اجتماع میں لوگوں نے اچھے عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان تو بنا لیا لیکن انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے ایمان کے مطابق نہ ڈھالی، پھر بھی وہ اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگئے؟ تاریخ کے سارے ورق الٹ جاؤ، اس کی ایک مثال بھی نہ پاؤ گے۔ البتہ تاریخ انسانی سے جو حقیقت بلا تردید ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کے مطابق کام کیا اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

اسے اجتماع میں غالب کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ پس ایمان کے مطابق کام کرنا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا ہی اصل میں عمل صالح ہے۔ اور ہمیشہ کامیابی اسی سے حاصل ہوئی ہے اور اسی سے حاصل ہوگی۔

جماعت کی ضرورت و اہمیت

آیت نمبر 3: وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ "وہ آپس میں حق کی تلقین کرتے ہیں"۔

انسانی اجتماع میں کامیابی کا تیسرا اصول: حق کے پھیلاؤ کے لیے باہم مل کر جدوجہد کرنا۔

تواصی بالحق کیا ہے؟

بنیادی طور پر حق میں پختگی اور ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب تک کوئی بات صرف علم کے درجے تک ہے، ضروری نہیں کہ وہ عمل پر اکسائے۔ لیکن جب کسی بات کا علم یقین کے اس درجے تک پہنچ جائے کہ وہ عمل صالح پر بھی اکسائے تو وہ حق بن جاتا ہے[1]۔ اسی طرح جب ایمان انسان کے ہر عمل کی بنیاد بن جائے اور وہ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہ کرے بلکہ یہ محسوس کرنے لگے اگر یہ ایمان کسی طرح میرے دماغ میں سے نکال لیا گیا تو میں مرجاؤں گا، اس وقت وہ ایمان حق کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے ایمان میں امن اور اس کے مطابق عمل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے میں راحت پاتا ہے۔

پارٹی کی ضرورت

اگر کوئی شخص کسی عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان بنا لے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے، اور اپنا جان و مال اور سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا پختہ ارادہ بھی رکھتا ہو، تو بھی وہ اجتماع میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ایسے

1۔ کیونکہ جب کوئی تعلیم محض علم کے درجے سے نکل کر سوسائٹی میں گڑ جاتی ہے وہ مضبوط ہو جاتی ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

لوگوں کو نہ ملائے جن کا ایمان اس کے اپنے ایمان جیسا ہو، اور پھر وہ سب مل کر اپنے مشترک ایمان کی تکمیل کے لیے پوری پوری اور انتہائی جدوجہد کریں، اور اگر اپنے میں سے کسی کے ایمان یا عمل میں کمزوری یا کوتاہی پائیں تو اسے ایمان پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کریں۔1

پروپیگنڈے کی ضرورت

حقیقت یہ ہے کہ حق کی اشاعت کرنا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ اجتماع میں پھیلتا ہے۔ اس سے پارٹی پیدا ہوتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔ جب تک حق کی حمایت میں قربانی دینے والی جماعت (پارٹی) پیدا نہ ہو جائے، اجتماع میں حق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ تاریخ ایسی مثالیں تو پیش کرتی ہے کہ ایک اولوالعزم نبی جانفروش افراد کی جماعت ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہا۔ لیکن وہ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرتی کہ ایک صالح عمل صاحبِ ایمان فردتن تنہا جماعت کے بغیر حق کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگیا ہو۔2 امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلٰی اُصُوْلٍ اُخْرٰی غَیْرِ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ مِنْهَا اَنْ یَدْعُوْا قَوْمًا اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَانَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَ هُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَیُجَاهِدُ بِهِمْ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقَهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی : کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

---

1 یہ عمل تواصی بالحق ہے۔ اس عمل میں کبھی کسی بات کے کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کبھی کسی بات کے کرنے سے روکا جائے گا۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم میں اسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی کہا گیا ہے۔

2 یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ (29:48) (محمد ﷺ اور ان کے ساتھی) آیا ہے۔ یعنی آپ کی کامیابی کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ایک جگہ تو صریح لفظوں میں حکم دیا گیا ہے کہ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ (سورۂ کہف 28:18) یعنی تو صرف ان لوگوں کے ساتھ وابستگی رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے رہتے ہیں۔ وہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں اور تیری آنکھیں انہیں چھوڑ کر نہ دوڑیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لِلنَّاسِ (110:3) وَذَالِکَ لِاَنَّ ھٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَہٗ لَا یَتَاتّٰی مِنْہُ مُجَاھَدَۃَ اُمَمٍ غَیْرَ مَحْصُوْرَۃٍ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول ص 118)

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے۔

''یعنی اس امام کو جو تمام قوموں کو ایک ملت پر جمع کرے، ان اصولوں کے علاوہ جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ اور اصولوں کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک جماعت کو صحیح پروگرام کی دعوت دے۔ انہیں (ان کی غلط کاریوں سے) پاک کرے۔ پھر ان کی حالت کو درست کرے۔ اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بنائے۔ اور ان کی مدد سے تمام دنیا سے جنگ کرے۔ اور انہیں دنیا بھر میں (دعوت و تبلیغ کے لیے) پھیلا دے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔) کا یہی مطلب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تن تنہا تمام قوموں سے لڑ نہیں سکتا۔''

تاریخ کی شہادت

اب پھر انسانی تاریخ پر نظر ڈالو۔ اور دیکھو کیا ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ ایک شخص ایمان اور عمل صالح کے باوجود اپنے ساتھ اپنے جیسے ہم خیال لوگوں کو جمع کئے بغیر اکیلے اور تن تنہا اجتماع میں اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگیا؟ تاریخ اس کی ایک مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

صبر و استقامت سے کام لینا

آیت نمبر 4: وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ''وہ آپس میں صبر کی تلقین کرتے ہیں۔''

انسانی اجتماع میں کامیابی کے لیے چوتھا اصول یہ ہے کہ مشکلات اور تکلیفوں کے باوجود صبر و استقامت کے ساتھ حق کے غلبہ کے لیے کام کرنا۔

''صبر'' کیا ہے؟

جب انسان اپنے ایمان کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی راہ میں بے شمار مشقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں۔ وہ انہیں

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جھیلتا ہے ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اپنے ایمان پر مردانہ وار ڈٹا رہتا ہے۔ یہ صبر ہے۔

کفر کیا ہے؟

اگر رکاوٹیں زیادہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان آگے قدم نہ بڑھائے اور ٹائم مارک (Mark Time) کرتا رہے۔ لیکن مشکلات سے گھبرا کر شکست مان لینا اور اصول سے پیچھے ہٹ جانا ہرگز جائز نہیں۔ ایماندار آدمی کا صرف ایک کام ہے۔ فرض ادا کرتا ہوا جان دے دے، یا ٹائم مارک (Mark Time) کرے۔ اور جب آگے بڑھنے کا موقع پیدا ہو، فوراً قدم آگے بڑھائے۔ اصول سے پیچھے ہٹ جانا اور اپنے ایمان کا انکار کر دینا کفر ہے۔ جو شخص کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹ جانے کو جائز سمجھ لیتا ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایمان والوں کے اجتماع کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اپنے جس ساتھی کو پھسلتا، کمزور ہوتا پائیں، اسے سہارا دے کر گرنے سے روکیں۔ صرف اسی صورت میں اجتماع کامیاب ہوسکتا ہے۔

اجتماع میں کمزوریوں کے اسباب

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کسی اجتماع میں جو ایمان کسی نظریے پر قائم ہوا ہو اس میں دو وجہ سے کمزوری آسکتی ہے:

پہلا سبب: مالی اشتراک کا نہ ہونا

اس اجتماع میں ضرورت کے مطابق مالی اشتراک نہ ہو۔ اور دولت سارے اجتماع میں چکر لگانے کی بجائے ایک چھوٹے سے طبقے میں بند ہو کر رہ جائے۔ اس حالت میں ایک بہت بڑا طبقہ نادار رہ جاتا ہے۔ اب اگر مالدار لوگ خود داد عیش دیتے رہیں، اور اپنے نادار ساتھیوں کو ایمان پر قائم رہنے اور قربانیاں دینے کی تلقین کرتے رہیں، تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ بددلی بڑھتی ہے جس سے دشمن کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اجتماع کی اندرونی پختگی اور مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ سارے اجتماع کی طبعی بنیادی ضرورتیں یعنی خوراک، لباس، مکان، تعلیم، صحت وغیرہ پوری ہوتی رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو نادار افراد اپنی ان ضرورتوں کے پورا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے میں اتنے پھنس جاتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی تکمیل سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اور ہوتے ہوتے وہ اس تحریک سے بالکل ہی کٹ جاتے ہیں۔ اس طرح سے تحریک مر جاتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ ایرانی اور رومی شہنشاہیتوں کی بربادی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان ملکوں کے مالدار طبقے اپنی عیش سامانیوں کے لیے کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتے رہتے تھے تو:

جَعَلُوْا هُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَمِيْرِ وَالْبَقَرِ يُسْتَعْمَلُ فِى النَّضْحِ وَالدِّيَاسِ وَالْحِصَادِ وَلَا تُقْتَنٰى اِلَّا لِيُسْتَعَانَ بِهَا فِى الْحَاجَاتِ ثُمَّ لَاتُتْرَكُ سَاعَةً مِّنَ الْعَنَاءِ حَتّٰى صَارُوْا لَا يَرْفَعُوْنَ رُؤُسَهُمْ اِلَى السَّعَادَةِ الْاُخْرَوِيَّةِ اَصْلًا وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ذٰالِكَ

(حجۃ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم ج 1 ص 106,105)

"انہیں گدھے اور بیل بنا کر چھوڑتے تھے جنہیں آبپاشی کرنے، فصل کاٹنے اور گاہنے اور اپنی حاجتیں پوری کرنے میں استعمال کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ انہیں محنت مشقت سے ایک دم کی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ آخرت کی سعادت پر غور کر سکتے۔ رفتہ رفتہ ان میں ان امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی تھی"۔

دوسرا اسباب: علمی اشتراک نہ ہونا

اس اجتماع میں علمی اشتراک نہ ہو۔ یعنی جس عقیدے یا صحیح علم کو ایمان بنایا گیا ہے اس کے متعلق اجتماع کے ہر ایک رکن کو کم سے کم ضروری معلومات پوری طرح سے حاصل نہ ہوں، بلکہ چوٹی کے چند لیڈر ہی تحریک کا علم رکھیں، اور وہی پالیسی بنائیں، اور عوام اس علم سے محروم ہوں، اور پارٹی کے چلانے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ ہو، یہ برہمن ازم (Brahmanism) ہے۔ اس صورت میں دشمن کا پروپیگنڈہ سخت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

(1) وہ پہلے تو جاہل لوگوں کے دلوں میں ایمان کے متعلق وسوسہ پیدا کرتا ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

(2) پھر وسوسہ بڑھتے بڑھتے شک میں بدل جاتا ہے۔

(3) اور پھر ہوتے ہوتے شک انکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

(4) کبھی دشمن ڈھل مل یقین لوگوں کو اندرونی انتشار پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

لیکن اگر ہر شخص کو ضروری علم حاصل ہو تو کوئی بھی وسوسے میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور تحریک دشمن کے فکری حملے سے محفوظ رہتی ہے۔

غرض، مشکل حالات میں افراد کو ایمان پر قائم اور عمل پر آمادہ رکھنے کی عملی صورت اس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اجتماع میں افراد کی ضرورت کے مطابق مالی اشتراک ہو اور ضروری علم عام ہو، کوئی شخص نہ بھوکا ننگا رہے اور نہ جاہل اور بے خبر۔

مساوات

جب اجتماع میں بقدرِ ضرورت مالی اور عملی اشتراک پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں ہر فرد کی بدنی اور عقلی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، کمزوروں کی خبر گیری اور ظالموں کی سرکوبی کا نظام مضبوط ہوتا ہے، اس وقت اس اجتماع میں لیڈر شپ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو عوام کی خدمت کرنے میں سب سے آگے اور عدل و انصاف قائم رکھنے میں سب سے زیادہ فکرمند ہوتے ہیں۔

تاریخ کی شہادت

اب تاریخ انسانی پر ایک نظر ڈالو! کیا اس کے اوراق اپنے اندر اس کی ایک مثال بھی رکھتے ہیں کہ کسی بلند نظریے پر پارٹی بن جانے کے باوجود اس کے افراد میں ایمان اور عمل صالح بھی موجود ہوں، وہ پارٹی استقامت کے ساتھ کام کرنے اور اندرونی مالی اور عملی اشتراک کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ہو؟

انقلابی جماعت کے تقاضے اور منافقین کے رویے

انقلابی جماعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصب العین یا مقصد جسے ایمان بنا لیا گیا ہے بالکل صاف، واضح اور معین ہونا چاہیے کیونکہ اسی صورت میں افراد پارٹی میں

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

شامل ہو کر متحدہ طور پر کام کر سکتے ہیں۔ اگر نصب العین معین نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے مطلب کے معنی لے گا۔ اور وہ نصب العین ہی جماعت (پارٹی) کے انتشار فکر کا باعث بن جائے گا۔ تاریخ اس امر کی بیسیوں مثالیں پیش کر سکتی ہے کہ نصب العین واضح نہ ہونے کے سبب سے پارٹی ہمیشہ اختلافات کی آماج گاہ بنی رہی، اور وہ اپنے نصب العین کو عمل میں نہ لاسکی۔ تاریخ اسلام میں اس کی مثال خوارج کی ہے جن میں نصب العین کی ترجمانی کے اختلافات پیدا ہوتے رہے اور یہ جماعت اپنی مستقل حکومت پیدا نہ کر سکی۔

کوئی نصب العین جتنا واضح اور معین ہوگا، اتنا ہی اس پر ایمان لانے والے اس کی خاطر جان دینے پر زیادہ آمادہ ہو سکیں گے، اور جتنا غیر معین اور مبہم ہوگا اتنا ہی فرار کی راہیں کھلیں گی، اور لوگوں کو جان و مال بچانے کا موقع ملے گا۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک میں جان و مال بچانے کا موقع مل جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصب العین تو معین ہے لیکن بعض وہ ارکان جو اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے، وہ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔ یہ لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ وہ مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ انقلاب کی مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) کا فرض ہوتا ہے کہ انقلابی پروگرام کی ترجمانی میں ایسے لوگوں کو داخل نہ کرے اور کوئی داخل ہو چکا ہو تو اسے جس طرح بھی ممکن ہو غیر مؤثر بنا دے۔

بعض اوقات کم علم یا جاہل ارکان بھی نصب العین کو مبہم بنانے میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا پورا پورا بندوبست ہونا چاہیے تاکہ یہ لوگ نصب العین کے متعلق صحیح علم حاصل کریں اور لاعلمی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نہ پھریں۔

ان دونوں صورتوں میں یعنی منافقوں اور جاہلوں کی موجودگی میں ساری جماعت کی علمی قوتیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ان دونوں کا انسداد ضروری ہے۔"

=========

www.rahnuma.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورت کا خلاصہ

قرآنی انقلاب کے اصول

اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ گواہ ہے کہ انسان اجتماعی تحریک میں چار اصول اختیار کر کے ہی کامیاب ہوسکتا ہے:

-1 کسی ایسے عقیدے یا علم کو جس سے سارے اجتماع انسانی کو فائدہ پہنچتا ہو، اپنا نظریہ جان کر کام کرنا۔

-2 اس نظریے کے مطابق عملی زندگی بسر کرنا۔

-3 اس نظریے پر ایک مضبوط جماعت پیدا کرنا۔

-4 اس جماعت یا پارٹی کا انتشار پیدا کرنے والے بیرونی اور اندرونی حملوں سے محفوظ ہونا (جس کے دو ذریعے ہیں):

(الف) بقدر ضرورت مالی اشتراک کے ذریعے سے۔

(ب) علمی اشتراک کے ذریعے سے۔

ان میں سے پہلی دو باتوں کا تعلق اجتماع کے ہر ایک فرد کی ذات سے ہے۔ جب تک کسی فرد میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں یعنی وہ ایک مشترک نظریے کو قبول کر کے اسے ایمان نہ بنا لے، اپنی جان و مال اس پر قربان کرنے کے لیے وقف نہ کر دے، اور اپنی پوری زندگی اس نظریے کے مطابق بسر کرنے کا پختہ ارادہ نہ کر لے، اس وقت تک وہ پارٹی میں جگہ نہیں پاسکتا۔

باقی دو باتیں اجتماع کے متعلق ہیں۔ یعنی پارٹی میں اندرونی اشاعت ہوتا کہ ہر رکن اس نظریے کو، جسے سب نے ایمان بنا لیا ہے، اچھی طرح سمجھے اور اس پر قائم رہے۔ اور بیرونی پروپیگنڈا ہو' جس سے پارٹی کے ارکان میں روز بروز اضافہ ہوتا

(c) ketabton.com: The Digital Library

رہے۔ نیز اس جماعت میں بقدر ضرورت مالی اور علمی اشتراک ہو، تا کہ تمام افراد اطمینانِ قلب اور روشن دماغی کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ اور ایک دوسرے کو مالی اور علمی مدد دیتے رہیں۔ جس اجتماع میں یہ باتیں نہ ہوں وہ توڑ دینے کے لائق ہیں۔

قرآنی انقلاب کے چار قاعدے

یہ چھوٹی سی سورت قرآن حکیم کی انقلابیت کو پوری طرح سے واضح کرتی ہے۔ اس میں انقلاب کے وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جن کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں نے عمل کر کے قرآن حکیم کی حکومت قائم کر دکھائی۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کی پیروی کرنے کا تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ریاضی کے چار ابتدائی قاعدے (یعنی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم)۔ نہ ریاضی کے ان قاعدوں کے استعمال سے کسی غلط نتیجے کے نکلنے کی توقع ہوسکتی ہے، نہ انقلاب کے ان اصولوں کے استعمال سے کسی خلافِ توقع نتیجہ نکلنے کا اندیشہ۔ ایسے ہی ریاضی کے ہر ایک قاعدے کے استعمال سے جو نتیجے حاصل ہوتے ہیں، وہ اسی قاعدے کے استعمال سے حاصل کیے جاسکتے ہیں، کسی اور قاعدے کے استعمال سے نہیں۔ ایسے ہی انقلاب سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے، وہ کسی اور طریقے سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔

انقلابی طریقہ کار کے تین حصے

حقیقت میں انقلاب ایک طریق کار (Methodology) ہے، جس کے تین حصے ہیں:

1- نصب العین (Ideal) 2- جماعت (Party) 3- لائحہ عمل (Programme)

اس لحاظ سے اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو:

(الف) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں نصب العین معین کرنے کی ضرورت اور اس کے مطابق عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(ب) وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں جماعت کی ضرورت جتائی گئی ہے اور اس کے پیدا

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرنے کا طریق بتایا گیا ہے۔

(ج) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں انقلاب کے عملی پروگرام یا لائحہ عمل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

نوع انسانی کی ساری تاریخ گواہ ہے کہ ان چار قاعدوں (کو انقلابی طریقے کے مطابق) عمل میں لائے بغیر انسان کبھی حق کو قائم نہیں کر سکا۔ اور تاریخ کا یہ مسلسل عمل ظاہر کرتا ہے کہ ان چاروں اصولوں پر عمل کیے بغیر کوئی جماعت کبھی حق کو قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

تاریخ کی شہادت

تاریخ اسلام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت یا زیادہ سے زیادہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک جو پچاس برس کا زمانہ ہے، وہ انقلاب کی یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہے۔ اس زمانے میں قرآنی نظام سیاست، معاشیات اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے طریقوں کو غالب کرنے کا نصب العین معین شکل میں ان کے سامنے تھا۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (9 : 100) مہاجرین اور انصار میں سے ابتدائی مسلمان، وہ مرکزی جماعت تھی جو حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کی رہنمائی کر رہی تھی۔ انہوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق فوجی لائحہ عمل کیا۔ پہلے عرب پر قبضہ کر کے قومی انقلاب قائم کیا، پھر ایران اور روم کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ مشرق اور مغرب کی طرف بڑھے، اور نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ 115:2) ''اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں''۔

عصر حاضر کا تقاضہ

آج بھی مسلم نوجوان انقلاب کے انہی اصولوں کو اختیار کر کے قومی اور بین

(c) ketabton.com: The Digital Library

الاقوامی کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔ ان اصولوں کو اختیار کئے بغیر وہ قرآن حکیم کو کبھی بھی کامیابی کے ساتھ کامل طور پر قائم نہیں کرسکتا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآنی اصول حیات کو قائم کئے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

قرآن حکیم کا بین الاقوامی اور عالمگیر غلبہ ہی مطمح نظر ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پارٹی کے سامنے رکھا اور جس کی کامیابی کی خاطر انہوں نے جان توڑ کوشش کی۔ آج بھی ہمارے نوجوانوں کے سامنے یہی نظریہ، یہی نصب العین اور یہی مقصد حیات ہے۔ ان انقلابی اصولوں کے مطابق دین اسلام کے حوالے سے غلبۂ دین کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''دین اللہ کا غلبہ ادیان پر قائم کرنے کا عمل حضرت رسول اکرم ﷺ نے شروع فرمایا فَقَهَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الْاُمِّيِّيْنَ حَتّٰى دَانُوْا بِالْاِسْلَامِ ''یعنی آنحضرت ﷺ نے عرب پر سیاسی غلبہ حاصل کیا یہاں تک کہ اہل عرب اس دین کے قانون کے مطیع ہوگئے۔''(1)

اس کے بعد بقول امام ولی اللہ دہلویؒ غلبہ اسلام کی دوسری منزل آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں نے طے کی۔ اور اسلام کو ایرانی اور رومی سلطنتوں پر سیاسی غلبہ دیا۔ اب مسلمان نوجوان کا فرض ہے کہ وہ بھی پہلے اپنے وطن عزیز میں قرآن کا غلبہ قائم کریں۔ اور اس کے بعد اسے دنیا بھر کی سب سے بڑی سیاسی و معاشی طاقت بنائیں تا کہ وہ انسانی قدریں دنیا میں قائم ہوسکیں جو وہ غالب کرنا چاہتا ہے۔ **واللّٰہ المستعان۔**

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

---

(1) ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص 165، ج اول مقصد اول

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن مجید نے اپنے متبعین میں کیا انقلاب کیا؟

دوست اور دشمن عموماً سارے جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی۔ اور بعد از اسلام ان ہی لوگوں میں کیا جوہر نمودار ہو گئے تھے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ خوابیدہ مسلمانوں کو اپنے اسلاف کا نقشہ دکھایا جائے۔ اور انھیں بتایا جائے کہ ان مدعیانِ اسلام نے اسلام میں کیا رنگ پیدا کردیا تھا۔ اور تمہارا اسلام وہ رنگ نہیں لارہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلام نقلی ہے۔ اگر اصلی نافۂ آھو (مشک سے بھرا ہوا ہرن کا پوٹہ) ہوتا تو سارا گھر خوشبو سے مہک جاتا۔ لیکن یہ بجائے خونِ آھو (ہرن کے خون) کے خونِ خرگوش ہے۔ جس میں کوئی خوشبو نہیں۔ البتہ شکل "نافۂ آھو" موجود ہے۔

(خطبات حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، ص355)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی فکرِ انقلاب

سورۃ الاخلاص وسورۃ الفلق وسورۃ الناس
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

خدا پرستی اور نیک عملی کا راستہ

یہی وہ اسلام ہے، جس کا پیام زمانہ دراز سے تمام انبیائے کرام دیتے آئے۔ یہی سچا دین یا خدا کا ٹھہرایا ہوا راست (سیدھا راستہ) ہے۔ قرآن نے سورۂ فاتحہ میں اسی کو "صراطِ مستقیم" سے تعبیر کیا ہے۔ جس پر چل کر افراد یا جماعتیں زندگی میں کام یابی یا نیکی پاتی ہیں۔ یعنی قرآن کے الفاظ میں انھیں خدا کا انعام حاصل ہوتا ہے۔ اور اس راستے سے منحرف ہونے والے نابود (ختم) ہوجاتے ہیں۔ یا ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

اگر وہ مختلف گروہ، جن میں بنی نوع انسان نے اپنے آپ کو بانٹ لیا ہے، خدا پرستی اور نیک عملی کے راستے پر لوٹ آنے کا تہیہ کرلیں، جو سب کے یہاں اصل دین ہے۔ اور رفتارِ زمانہ نے ان اصولوں میں جو انحراف اور گمراہی پیدا کردی ہے، اس سے باز آجائیں تو قرآن کا مقصد پورا ہوجاتا ہے، کیوں کہ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

(تصوراتِ قرآن، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ص 134)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآنی فکرِ انقلاب

یعنی

سورۂ اخلاص اور معوذتین
کی حکیمانہ تشریح

www.rahimia.org

جس میں امام الائمہ حجۃ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی روشنی میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کے انقلاب کی بنیاد توحید کے فکرِ عظیم پر ہے، جو کائنات اور نوعِ انسان میں کامل طور پر ظاہر و باہر ہے۔

مبنی بر افکارِ عالیہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

(اس پمفلٹ کے طبع اول کا سب ٹائٹل)

(c) ketabton.com: The Digital Library

فلسفہ ولی اللہی کیا ہے؟

اسلام بین الاقوامی انقلاب کی عالمگیر تحریک ہے جس کے امام حضرت محمد رسول ﷺ ہیں۔ اس نقلاب کی بنیاد قرآن حکیم پر ہے۔ آپ ؐ اور آپ ؐ کے قریبی صحابہ (ساتھیوں) کی کوششوں سے جو جماعت پیدا ہوئی وہ پہلے عرب پر غالب آئی۔ پھر وہ ایک محدود علاقے میں مرکز اقوام بنی۔ یہ اس کی زندگی کے ابتدائی پچاس سال کی روداد ہے جن میں وہ نہایت اعلیٰ اصول قائم رکھ سکی۔

اس دور کی تاریخ اور فلسفہ اسلام کے نام پر انقلاب لانے والوں کے لیے رہتی دنیا تک نمونہ ہے۔ اس دور کی تاریخ امام ولی اللہ دہلویؒ سے بہتر کسی نے نہیں لکھی، اور نہ ان کے سوا کسی اور نے اس دور کا فلسفہ معین کیا ہے۔

عہد حاضر میں یورپ اور اس سے اثر لینے والی دنیا کو علمی رنگ میں سوچنے اور سمجھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اب علمی اور شعوری رنگ میں اسلام کی حقیقت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں سمجھائی جاسکتی۔ اور نہ یورپ کی مرکزیت کو اس کے سوا کسی اور طریقے سے توڑا جاسکتا ہے اور یورپ کی مرکزیت توڑے بغیر قرآن اور اسلام کو قائم کرنا ناممکن ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (اللہ کے رسول محمد اور ان کے ساتھیوں) کے کام کے نمونے پر برِ عظیم پاک و ہند میں اسلام کو جمہوری رنگ میں غالب کرنے کا ایک جامع سائنٹیفک سیاسی معاشی اور اخلاقی انقلاب کا عملی پروگرام کارل مارکس سے سو(100) سال پہلے بنایا۔ اس کا محور دہلی تھی۔ پاکستان حقیقت میں اسی انقلاب کی جزوی تصویر ہے جسے مکمل کرنا ہر پاکستانی نوجوان کا فرض ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

دیباچہ

قرآن حکیم کی دعوت عالم گیر انقلاب (Wolrd Revolution) کی دعوت ہے جس کا تعلق ساری نوع انسانی کے ساتھ ہے۔ اس انقلاب کا عنوان اعلیٰ ''توحید الٰہی''۔ ہے۔ اور یہ:

☆ ایک خالق

☆ ایک نظام اقدار، اور

☆ ایک سیاسی و اقتصادی نظام

کی طرف بلاتا ہے۔

اس انقلابی تحریک کا آغاز مکہ مکرمہ میں ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا، جہاں اس کا سوشل نظام (خلافت باطنہ) قائم ہوا۔ مدینہ منورہ میں اس نے اپنی ابتدائی منزل (عربی قومی انقلاب کی منزل) پوری کی۔ پھر یہ انقلاب بین الاقوامی منزل میں داخل ہوا۔

اس عالم گیر انقلاب کا پہلا دور سترہویں صدی عیسوی تک رہا۔ پھر اس کی لہریں مدہم پڑ گئیں اور دنیا ایک ارتجاع عظیم (Reactions) میں مبتلا ہوگئی۔ پہلے دور کے ابتدائی پچاس برس انقلاب کے نمونے کا دور ہے۔ اس کے بعد کے سارے زمانے میں اس انقلاب کی پشت پناہی قومی شاہی نظامات کرتے رہے۔ اس دور میں جو چھوٹے چھوٹے ارتجاعات (Reactions) آتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک کے بعد دوسرے یا تیسرے درجے کا انقلاب بھی آتا رہا اسلام کا بنیادی اصول یعنی توحید الٰہی

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

قائم رہا۔ لیکن اٹھارہویں صدی سے دنیا ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ اب بادشاہت دنیا سے اٹھنے لگی اور انسانی معاشرے میں جمہوری اور عوامی دور شروع ہوگیا۔

اس مختصر سے کتابچے میں جو قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں اخلاص اور معوذ تین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کی تفسیر پر مشتمل ہے، ہم اس عالمگیر انقلاب کی بنیادی فکر یعنی توحید اور اس کے معنویات (Implications) پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ انقلابی تحریک کے اس دور میں اس فکر کو قرنِ اوّل کی روشنی میں ازسرنو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ نئے دور کے انقلابی اپنے عمل کو اس دور کے فکر پر ڈھال کر آگے بڑھیں۔

یہ اوراق مولانا عبیداللہ سندھی (نوراللہ مرقدہ) (1872-1944ء) کے افکار سے ماخوذ ہیں اور انہی کے مطالعے اور تجرباتِ زندگی کا نتیجہ ہیں۔

مولانا سندھی کا نیاز مند
بشیر احمد بی۔ اے
جنرل منیجر ادارۂ حکمت اسلامیہ
223 N، سمن آباد، لاہور

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

تمہید سورت

کسی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے :

(1) سیاسیات

(2) اقتصادیات اور

(3) فلسفہ

اگر کسی معاشرے کو ایک ''شخص'' (Person) مان لیا جائے تو سیاست اس کے اجزاء کو آپس میں مربوط کر کے اس کے ڈھانچے کو قائم رکھتی ہے۔ اقتصادیات اسے نشوونما بہم پہنچاتی ہے اور فلسفہ اس کی معنوی زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔

اگر کوئی مخالف طاقت اس معاشرے پر حملہ کر کے اس کی سیاسی طاقت چھین لے لیکن اس کا اقتصادی ڈھانچہ (Economic Structure) اور اس کا نظام فکر (Ideology) محفوظ رہیں تو وہ اپنی سیاسی شکست کا مداوا کر کے اپنی ہستی ازسرِ نو قائم کرسکتا ہے۔ تاریخ اس کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے۔[1]

لیکن اگر اس معاشرے کی فوجی اور سیاسی شکست کے بعد اس میں اقتصادی بدحالی بھی پیدا کر دی جائے لیکن اس کا فکری نظام قائم رہے تو بھی وہ پہلے سے زیادہ محنت کر کے اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح اور اپنی سیاسی کمزوری کا مداوا کرسکتا ہے۔[2] لیکن اگر سیاسی طاقت اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہی اس معاشرے کا فکری نظام بھی

1. افغانستان کی جنگیں اس کی اچھی مثالیں ہیں۔ انگریزوں نے اسے تین مرتبہ (1919, 1879-1852) میں سیاسی اور فوجی شکست دی۔ لیکن اس کی اقتصادی اور فکری طاقت محفوظ رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانوں نے اپنے آپ کو پھر مضبوط کرلیا۔ (مرتب)

2. ہمارے زمانے میں ''اسرائیل'' شاید اس کی موزوں مثال ہو۔ یہودیوں نے شکست پر شکست کھائی ملک ملک مارے مارے پھرے لیکن آخر کار تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعے سے اپنی اقتصادی حالت بحال کر کے ایک چھوٹے سے ملک میں اپنا ایک سیاسی مرکز قائم کر ہی لیا۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

ٹوٹ جائے تو پھر اس کے معاشرے کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔[1]

بَرِّعظیم پاکستان و ہند میں خود ہماری تاریخ اس تاریخی عمل کی ایک مثال ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں بَرِّعظیم ہند پر ہمارا قبضہ تھا۔ اس زمانے میں یورپی قومیں اس بَرِّعظیم کی طرف بڑھیں، انہوں نے یہاں کی حکمران طاقت کو شکست دینے کے لیے پہلے یہاں سیاسی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر فکری حملہ کیا۔

سیاسی میدان میں فرانس اور برطانیہ کی آویزش دکن میں شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا۔ 1858ء تک سارے ملک پر خود قابض ہو گئے اور مغل حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہماری سیاسی اور فوجی شکست تھی۔

اقتصادی میدان میں یورپی قوموں۔ خصوصاً انگریزوں نے ہماری صنعت و حرفت اور تجارت کو برباد کر دیا۔ ہمارے ملک کی پیداوار کوڑیوں کے مول خرید کر لے گئے اور اپنی مصنوعات سونے کے بھاؤ ہمارے ملک میں ٹھونس دیں۔ رفتہ رفتہ اس بَرِّعظیم کی ساری آبادی کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دیا۔ یہ ہماری اقتصادی شکست تھی۔

اس پر اکتفا نہ کر کے انگریزوں نے ہم پر فکری حملہ بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے مذہبی افکار میں جو ہماری زندگی کی بنیاد تھے، وسوسے پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ ان کا منفی فکری حملہ تھا۔ اس کے ذریعہ سے انہوں نے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی مذہبی حقائق کے خلاف شکوک پیدا کر کے ان کے یقین کی جڑیں ہلا دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے افکار ایسے انداز میں پیش کئے کہ ہمارے نوجوان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ یورپی مادہ پرستانہ سائنس اور فلسفے نے ہمارے نوجوانوں کے افکار میں مزید تزلزل پیدا کر دیا۔ یہ یورپ والوں کا مثبت فکری حملہ تھا۔

اس دوگانہ حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا نوجوان طبقہ مغربی افکار سے مرعوب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ یورپی طرز پر سوچنے لگا اور اپنی شخصیت کھو بیٹھا۔ لیکن ہم میں سے ایک

1۔ اسلام جن ملکوں میں اپنی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں داخل ہوا، ان ملکوں مثلاً ایران، افغانستان، ترکستان، مصر، شام وغیرہ میں اصل مذہب کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہا۔ اب ان ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی طاقت اسلام ہی کی خدمت میں استعمال ہو رہی ہے۔ (مرتب)

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

اہم اقلیت نے اس فکری حملے کو برداشت کرلیا۔ وہ اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ گئے اور اس نے رفتہ رفتہ محنت کر کے 1947ء میں انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔1 یہ ہماری سیاسی فتح ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کے عمل کو اُلٹ دیں اور فکری نظام پر قائم کی ہوئی مملکت پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط کریں۔ پھر اسے بین الاقوامی میدان میں غالب کریں۔ اس وقت ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے اسلام (مکمل طور پر) قائم کرلیا۔

اصل میں کسی قوم کا نظامِ فکر اس کے فلسفہ حیات (Philosohy of Life) پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اس کے افکار میں سے تعارض (Conflict) دور کر کے وحدتِ فکری پیدا کر دیتا ہے جس سے معاشرے میں وحدتِ عمل ظاہر ہوتی ہے۔ یہ فکر و عمل کی وحدت ہی اس معاشرے کی نشوونما اور قوت کا موجب بنتی ہے۔ اس کے برخلاف جس معاشرے میں وحدتِ فکری نہ ہو اس میں انتشارِ عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اندرونی اختلافات اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

قرآن کا مرکزی فکر

قرآنی نظامِ فکر (Ideology) میں توحید الٰہی مرکزی نقطہ ہے جس کا خلاصہ سورۂ اخلاص میں دیا گیا ہے۔ یہ مرکزی فکر کسی خاص محدود معاشرے کی تنظیم کے لیے نہیں

1 یہ اقلیت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر کام کرنے والوں کی ہے اس جماعت کے کارکنوں نے پہلے 1826ء میں پشاور کو مرکز بنا کر کام کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ سکھوں سے پنجاب چھین کر دہلی پر قبضہ کریں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر جمہوریت قائم کریں۔ لیکن یہ جماعت 1831ء میں بالاکوٹ کے حادثے میں شکست کھا گئی۔ اس کے بعد اس کے کارکنوں نے انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لیے 1915ء میں افغانستان اور ترکی کے فوجی اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن ان کا یہ پروگرام بھی پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکا البتہ وہ انگریزوں کو جزوی شکست دینے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کے بعد اس پارٹی کے ایک نامور انقلابی کارکن مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1872-1944ء) نے 1926ء میں استنبول (ترکی) سے آزادیٔ ہند کا پروگرام شائع کیا۔ جسے یورپ میں خوب اشاعت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی آزاد ریاست قائم کرنے کا تخیل مسلمانوں میں پیدا ہوگیا اور 1947ء میں پاکستان کی ریاست وجود میں آ گئی۔ (مرتب)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بلکہ ساری نوع انسانی کی تنظیم کے لیے ہے۔ یہ ایک اور مقام ''آیت الکرسی'' میں بھی دیا گیا ہے لیکن وہاں کا طرز بیان اونچے درجے کے سوچنے والے طبقے کے لیے ہے۔ ''سورۂ اخلاص'' میں اسی فکر کو اوسط درجے کے انسانی ذہنوں کی رعایت رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت بے نظیر ہے۔

اعلان بیزاری

قرآنی انقلاب کی ابتدائی منزل کی تاریخ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں اس انقلاب کا ظہور ہوا۔ مخالف لوگوں کا فکر شرک پر مبنی تھا۔ قرآن نے پہلے تو اپنی جماعت کی جداگانہ مستقل حیثیت مخالفین سے منوائی اور اعلان کیا:

> ''اے لوگو! جو میرے نظام فکر کا انکار کرتے ہو میں (کسی) اس چیز کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس (ذات واحد) کی عبادت کرتے ہو جس کا میں پرستار ہوں۔ (ایسے ہی) نہ میں (کبھی) ان کی پوجا کروں گا جن کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس ذات کی عبادت کرو گے جس کی میں کر رہا ہوں۔ (اس لیے) تمہارا مسلک حیات الگ ہے اور میرا مسلک حیات الگ ہے۔'' (سورۂ کافرون نمبر 109)

جنگ

اس اعلان مبارزت کے بعد جنگ چھڑ جانی ناگزیر تھی۔ چنانچہ اس کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ کے بین الاقوامی پُرامن (Open City) کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا۔ اس میں بہت سے سیاسی اور نفسیاتی فائدے پوشیدہ تھے۔ اس کے بعد ''جنگِ بدر'' (2ھ) سے جو سلسلہ شروع ہوا وہ آخر فتح مکہ (8ھ) پر ختم ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

(الف) مخالفین کی سیاسی شکست

سب سے پہلے مخالفین کی سیاسی شکست کا اعلان ہے، چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:
''جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی تو تُو نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے''۔ (سورۃ النصر 110) یہ مخالفین انقلاب کی فوجی اور سیاسی

(c) ketabton.com: The Digital Library

شکست تھی۔

(ب) مخالفین کی اقتصادی شکست

اس کے بعد مخالفین کو اقتصادی (Econimic) اور معاشرتی (Social) شکست کا سامنا کرنا پڑا۔قرآن حکیم فرماتا ہے:

''ابولہب کے (جو اسلام کی مخالف پارٹی کا گویا مہاجن (Leader) تھا دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اس کا مال اور اس کی کمائی کسی کام نہ آئی''۔ (سورۃ لہب نمبر 111)

(ج) مخالفین کی فکری شکست

(1) سورۃ اخلاص 112:

قرنی انقلاب کے مخالفین کی سیاسی اور اقتصادی شکست کے نتائج کی تکمیل کے لیے قرآن حکیم نے اپنے نظریہ توحید کا اس زور سے پروپیگنڈہ کیا کہ عرب کی مشرکانہ ذہنیت بالکل برباد ہوگئی اور قرآنی ذہنیت ان پر غالب آئی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کا مشرکانہ ذہنیت کی طرف لوٹنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ دِيْنِكُمْ (المائدہ 315) یعنی اب تمہارے نظام حیات کے منکر (کافر) اس بارے میں قطعاً مایوس ہو چکے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر لیں گے۔

خالق کے متعلق فکر کو اس طرح صاف کرنے کے لیے کہ شرک کی گنجائش مطلق باقی نہ رہے قرآن حکیم کی یہ سورت اخلاص نہایت جامع ہے۔

(2) سورۃ فلق (113):

سورۃ اخلاص میں جس توحید باری کا ذکر کیا گیا ہے اس کا پھیلاؤ تمام کائنات میں دیکھنا ضروری ہے۔ اگر ایک عقل مند انسان ساری کائنات کو اپنے نظریہ توحید پر منطبق کر لے تو وہ توحید میں پختہ ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ تصورِ کائنات (Weltons Chawng)

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

جو معاشرے کی تنظیم کے لیے ضروری ہے اگر وہ توحید کو کائنات کے ساتھ جمع نہ کر سکے یعنی وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ساری کائنات کے وجود کا ایک ایک ذرہ کس طرح ایک وجود اقصیٰ (Ultimate Being) سے آیا ہے اور ساری کائنات میں ایک ہی ذہن عالی (The Great Mind) کی تدبیر کس طرح کام کر رہی ہے تو اس کی توحید آج ہے تو کل نہیں ہوگی۔

(3) سورۃ الناس (114):

کائنات میں بے شمار اشیاء موجود ہیں۔ بعض اپنی چھوٹائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سالمہ (Atom) اور منفی برقیہ (Electron)۔ بعض اپنی بڑائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سحابے (Nebulae) اور کہکشائیں (Galaxies)۔ خود کائنات اپنی وسعت اور تنظیم و ترتیب کے اعتبار سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس سے بھی اوپر انسان کا ذہن (Mind) ہے جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ حیرت ناک چیز ہے۔ وہ اس کائنات کا تصور کرتا ہے اور اس کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنی اَنا (Ego) کو اپنی نوع میں منحصر سمجھتا ہے۔ اس لیے اگر اس کی نوع میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثر و نفوذ پوری طرح سے سمجھ میں آ جائے تو یہ عقیدہ مکمل طور پر پختہ ہو جاتا ہے۔

ان سورتوں میں توحید کے نظریے کی تکمیل کی گئی ہے، اس لحاظ سے یہ سورتیں سورۃ اخلاص کا تتمہ ہیں۔

وہ فلسفہ توحید جس نے انقلاب کے ذریعہ سے شرک کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں، ان تین سورتوں میں مکمل ہوگیا۔ اب یہ تعلیم ہے اور رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کا عملی نمونہ۔ جب تک نوع انسانی کرۂ زمین پر قائم ہے اس تعلیم سے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے قریبی ساتھیوں کا نمونہ سامنے رکھ کر پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

=========

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الاخلاص (112)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾

لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٪﴿۴﴾

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ترجمہ: ''تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہی ہے''

ثَنوِیّتْ کا رَدّ:

دنیا میں دو قسم کی جماعتیں پائی جاتی ہے:

(1) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند ہیں اور

(2) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند نہیں ہیں۔

جب کوئی قوم اپنے بلند ترین انسانی نصب العین (دین) سے گر جاتی ہے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر مذہبی جماعتوں میں شرک عموماً ثنویت (Dualism) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کوئی فلسفی جماعت یہ سمجھ نہیں سکتی کہ خیر اور شر ایک ہی مرکز سے نکل سکتے ہیں۔ وہ ان کے لیے جدا جدا مرکز مان لیتی ہے۔ جیسے زرتشت کی جماعت نے، جو شروع شروع میں مذہبی جماعت تھی، جب فلسفیانہ مسلک اختیار کر لیا تو اس نے خیر کا ایک مرکز مانا اور اسے اَہور مُزدیا یزدان کہا اور شر کا دوسرا مرکز قرار دیا اسے اہرمن کہا۔ یہ اہلِ فلسفہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ خیر اور شر ایک مرکز سے کس طرح صادر ہو سکتے ہیں؟

حالانکہ وہ اس مسئلے پر کائنات گیر ذہن سے غور کرتے تو وہ تصور کر سکتے تھے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اپنی جگہ مفید ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ایک نوع کے لیے مفید ہے اور دوسری کے لیے غیر مفید یا مضر۔ کون نہیں جانتا کہ:

(One Man's Meat A nother's Poison)

اس لیے کسی شے کو شر مطلق (Absolute Evil) کی ذیل میں لانا غلط ہے۔

اس طرح ہر ایک شے کا وجود ایک مرکز سے ماننا حکمت عالیہ کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا ایک وجود ہے جو کائنات کے وجود کے ایک ایک ذرّے کا مصدر و منبع ہے۔ ایسے ہی کائنات میں جو

(c) ketabton.com: The Digital Library

تدبیر جاری ہے اس کے پس منظر (Background) میں بھی اس ذات واحد ہی کا ذہن عظیم کارفرما ہے۔

شفاعت کے غلط پہلو کا ردّ

آیت نمبر 2: اَللّٰهُ الصَّمَدُ ترجمہ: "اللہ بے نیاز ہے"

مذہبی جماعتیں مرکزی طاقت تو ایک ہی تسلیم کرتی ہیں، لیکن جب وہ شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو بعض ذیلی طاقتیں ایسی بھی مان لیتی ہیں جنہیں مرکزی طاقت چھوڑ نہیں سکتی۔ ان ذیلی طاقتوں کے تقاضوں کو ماننا مرکز کے لیے ضروری سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک انسان پیدا کیا اسے اپنے قرب کا درجہ عطا فرمایا۔ اب وہ شفاعت کرے تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرسکتا)۔ اس آیت میں اسی قسم کے مشرکانہ فکر کا رد کیا گیا ہے۔1 اور بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے کوئی انسان کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق کام کرنے پر مامور ہے۔ اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بات بالجبر منوالے۔

اِبنیّت کا ردّ:

آیت نمبر 3: لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ترجمہ: "نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا"

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کام کر رہی ہیں۔ اس کی تجلیات یوں تو ہر ایک انسان کے قلب پر پڑتی ہیں، لیکن جس انسان کے قلب پر ان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علوم حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح تحصیل علوم کا ایک مکمل نظام موجود ہے۔ ایسے خاص افراد کو انبیاء کہتے ہیں۔ گری ہوئی مذہبی جماعتیں اس نظام کو نہیں سمجھتیں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو خدا کا "بیٹا" کہنے لگ جاتی ہیں۔2 حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہوسکتا ہے۔

---

1 انبیاء کرام خصوصاً حضرت نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا مسئلہ اس سے الگ چیز ہے اس کے متعلق قرآن حکیم میں جگہ جگہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن (اجازت) سے ہوگی۔ (مرتب)

2 قرآن حکیم میں آیا ہے وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ 30:9) یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

بت پرستی کا رد

آیت نمبر 4: وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ترجمہ: ''اور نہ اس کے برابر کوئی ہے''

ثنویت کا ایک درجہ تو وہ تھا جس میں خیر و شر کے الگ الگ مرکز مان لیے گئے تھے۔ اس کا ردّ پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ کوئی کمزور طاقت ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے برابر ہوگئی ہے۔ قدیم یونانیوں کا یہ عقیدہ تھا۔ اور ہندوؤں میں بھی اکثر اسی قسم کی افکار پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں بت پرستی یا دیوتا پرستی رائج ہوگئی۔ اس آیت میں ان کا ردّ کیا گیا ہے۔

غرض اس مختصر سورت میں:

(1) ثنویت

(2) شفاعت مطلقہ

(3) اِبْنِيَّت، اور

(4) بُت پرستی یا دیوتا پرستی

کا پورا پورا رد کر دیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ وہی وجود کا مصدر مطلق ہے۔ اور اس کی تجلیات کائنات میں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک امر پر قرآن حکیم کی سورتوں میں مفصل بحثیں آ چکی ہیں۔ سورۂ اخلاص گویا ان تمام بحثوں کا خلاصہ (Epitome) ہے۔

جن اہل مکہ کا اس سورۃ پر ایمان بن گیا وہ اور کچھ سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ قرآن حکیم کے دیئے ہوئے توحید کے سبق کو تو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ اب ان میں کسی قسم کی بھی مشرکانہ ذہنیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اس مشرکانہ ذہنیت کی خاطر جو اقتصادی طاقت پیدا ہوتی، وہ عود نہیں کر سکتی۔ اور یہ اقتصادی طاقت جس سیاسی طاقت کی بحالی کی کوشش کرتی، وہ کبھی وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس طرح سے قرآنی ذہنیت عرب میں مستحکم طور پر قائم ہوگئی۔

+ + +

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفلق

تمہید سورت

توحید کا پھیلاؤ کائنات میں

توحید ایک نظریے کے طور پر بیان کر دیئے جانے کے بعد ضروری ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ اصولِ توحید ساری کائنات میں کس طرح کارفرما ہے۔ چنانچہ سورۂ فلق میں یہی چیز دکھائی گئی ہے۔

سورت کی تمثیلی شرح

حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ نے اس سورت کے مضامین کو تمثیل کے ذریعے سے واضح کیا ہے۔

(1) باغبان ایک پودا لگاتا ہے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں پودے کی طبعی دشمن ہیں، ان سے پودے کو بچانے کا سامان کرے مثلاً بعض چوپائے سبزی کھاتے ہیں، یہ ان کی طبعی غذا ہے۔ ان کی جو طبیعت ہے اس میں پودے کی موت پوشیدہ ہے۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو اس قسم کی چیزوں کے شر سے بچانے کے لیے اس کے گرد باڑ لگا دے۔

(2) پودے کے بڑھنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے۔ باغبان وہ بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اگر وہ غذا بہم نہ پہنچائے تو پودا اسی طرح فنا ہو جائے گا جس طرح جانوروں سے

(c) ketabton.com: The Digital Library

نہ بچائے جانے کی صورت میں فنا ہو جاتا۔

(3) بیرونی آفتیں مثلاً برف، شدید گرمی، بجلی وغیرہ بھی پودے کو ہلاک کر سکتی ہیں۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو ان بیرونی آفتوں سے بھی بچائے۔ اگر وہ پودے کو ان آفتوں سے نہیں بچائے گا تو وہ جس طرح چارپائے کے حملے سے یا غذا کے بہم نہ پہنچنے سے ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اس آفت کا شکار ہو کر بھی ہلاک ہو سکتا ہے۔

(4) ایک شخص کو پودے سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن اس کے مالک سے عداوت رکھتا ہے۔ وہ اس عناد کی وجہ سے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ اگر پودے کو اس کی چیرہ دستی سے نہ بچایا جائے تو بھی پودا اسی طرح سے فنا ہو جائے گا، جس طرح پہلی تین حالتوں میں فنا ہو جاتا۔

یہ پودے کی زندگی کی طبعی منزلیں ہیں۔

انسان کو ایک پودا مان لیا جائے تو اسے بھی ان چاروں قسم کی آفتوں سے بچانے کی ضرورت ہوگی۔ انہیں ذہن میں رکھ کر خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی بدنی قوتوں کو جس قدر نقصان پہنچ سکتے ہیں اُن سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا جائے۔

دفع مضرت کی ضرورت

انسان کا جو تعلق کائنات سے ہے اس کے دو رُخ مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

(1) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔

(2) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

جب ایک عقل مند انسان ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ انسان کو کائنات سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچاؤ کی تدبیر پہلے سے ہونی چاہیے۔ دفع مضرت کے سلسلے میں کائنات کے ساتھ انسان کے جو تعلقات ہیں وہ

(c) ketabton.com: The Digital Library

منضبط کر لیے جائیں۔ اور ان میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو کارفرما مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کا جس قدر تعلق کائنات کے ساتھ ہے، اس کے ہر ایک حصے میں خدائے وحدہ لاشریک کی تاثیر کام کر رہی ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی انسان کو ہر ایک قسم کے شر سے بچا سکتا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر ایک عقل مند انسان سوچتا ہے تو یہ اثر خود بخود اس کے ذہن میں آجاتا ہے کہ کائنات سے جو منفعت انسان کو پہنچ سکتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے۔

سورۂ فلق کا موضوع

اس طرح کائنات کے تمام اجسام میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر و تدبیر کا ایک نمونہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ اور انسان اپنے بدن کی سلامتی کو دیکھ کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی سورۂ فلق کا موضوع ہے۔

اب ہم اس مثال کے مطابق اس سورت پر غور کرتے ہیں۔

==========

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الفلق (113)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ”کہہ دے کہ میں چیر کر پیدا کرنے والے رب کی پناہ میں آتا ہوں“

عمل انفلاق اور اس کی ہمہ گیری

تمام مادی اشیاء کی تخلیق میں عمل انفلاق (Fission) کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ عمل ساری کائنات میں جاری ہے۔ خود کائنات کے متعلق حکماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی ایک بہت بڑے انفلاق (Big Bang/Explosion) سے شروع کی۔ اس کے نتیجے کے طور پر سحابے (Nebulae) وجود میں آئے۔ اور پھر ان کے انفلاقات سے تمام ستارے (سورج) پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہمارے سورج کے کے ایک ساتھی کے انفلاق سے سیارے بنے جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے۔ اس کے بعد زمین کے کسی انفلاق سے ہمارا چاند وجود میں آیا۔

اسی طرح سے اعضاء والے جانداروں (Organisms) میں خلیات (Cells) کے پھٹنے (Fission) سے مرکب ابدان پیدا ہوتے ہیں۔ تمام حیوانات میں خلیات کے پھٹنے سے ہی نشوونما کا عمل ہوتا ہے۔ اور دانے اور گٹھلی کے پھٹنے سے ہی پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کو فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی (دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا) بتایا گیا ہے۔

عمل انفلاق کے عالمگیر نظام کے خالق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر تدبیر اور کائنات گیر قدرت کا اس سے بہتر تصور نہیں دیا جاسکتا جیسا اس آیت میں دیا گیا ہے۔ پھر یہ عمل انفلاق محض تخریبی نہیں ہے بلکہ تعمیری بھی ہے اور نظام ربوبیت کا مددگار

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے۔ اس حیثیت سے بھی نظام انفلاق کی عظمت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر قسم کے شر سے پناہ کا مرکز بن سکتا ہے۔

(1) پہلا شر

آیت نمبر 2: مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: "ہر ایک چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔"

جس چیز کی مخلوقیت میں انسان کے لیے شر ہے (جیسے سانپ بچھو وغیرہ)، اس کے شر سے بچنے کے لیے رَبُّ الْفَلَقِ کی پناہ میں آتا ہوں۔

یہ پودے کی زندگی کی وہی منزل ہے جب اسے ان چیزوں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے جن کی طبیعت میں پودے کے لیے شر ہے۔

(2) دوسرا شر

آیت نمبر 3: وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: "اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے"

جب چاند غروب ہو جاتا ہے اور رات تاریک ہو جاتی ہے، اس کی روشنی سے پودے کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانیت کو "غذا" پہنچانے والی جتنی چیزیں ہیں مثلاً صحیح علم، علم کے مطابق عمل کا صحیح نمونہ، ان کے فقدان سے جو نقصان انسان کو پہنچ سکتا ہے وہ ہماری اس مثال کے کلیے میں آ جاتا ہے۔

ہمیں تمام ایسی چیزوں اور سامانوں کے نہ ملنے سے جن سے ہماری انفرادی، اجتماعی اور نوعی پرورش ہوتی ہے، جو اور جس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

(3) تیسرا شر

آیت نمبر 4: وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: "اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے"۔

نفث: پھونک مارنا: نفاثات پھونکیں مارنے والیاں۔ یہ مؤنث کا صیغہ ہے، یہ جماعت

(c) ketabton.com: The Digital Library

کے لیے بھی آتا ہے۔ اکثر مفسرین اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہو گئے کہ عورتیں جو پھونکیں مار کر جادو کرتی ہیں۔ یہ اس عمل کی ایک مثال ہے اس کی دوسری مثال جماعتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

عُـقَـدٌ : عقدة : (بہ معنی گرہ) کی جمع۔ اگر نفاثات سے مراد عورتیں لی جائیں تو عقد سے مراد ''دھاگے میں لگائی جانے والی گرہیں'' ہوسکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد جماعتیں لی جائیں تو عـقـد سے مراد ''پختہ خیالات'' ہوں گے جنہیں انسان گرہ باندھتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ یا ایمان ہوتا ہے جو اس کے وجود کے ساتھ اس طرح سے پیوست ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ تمام انسانی ترقی اسی نکتے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایمانی قوت جتنی مضبوط ہوگی، اتنا ہی انسان کی ہمت اور ارادہ مضبوط ہوگا۔ اور وہ اتنا ہی مضبوط اور دیرپا کام کرسکے گا۔

پراپیگنڈہ کرنے والی ایک جماعت پراپیگنڈہ کرتی ہے۔ وہ ایک فکر (اور سوچ) لوگوں کے کانوں میں پھونکتی اور ان کے دلوں میں ڈالتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کا اپنا عقیدہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح مخالف پراپیگنڈہ کرنے والی جماعتیں اپنے پراپیگنڈہ کے زور سے انسان کے زندگی بخش پروگراموں کو نکما ثابت کر کے ایک انسانی معاشرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

آج کل پراپیگنڈے کی طاقت توپ و تفنگ کی طاقت سے زیادہ مؤثر مانی گئی ہے۔ ایام جنگ میں 9/10 طاقت پراپیگنڈہ (Cold War) یا اعصابی جنگ (War of Nerves) کی تسلیم کی گئی ہے، اور 1/10 آلات کے ذریعے جنگ (Hot War) کی، جس میں معمولی بندوق سے لے کر انتہائی مہلک آلات تک سب داخل ہیں۔

انسانی معاشرے کی فکری زندگی کے لیے پراپیگنڈے کا وہی اثر ہے جو پودے کے لیے برف وغیرہ کا۔

(4) چوتھا شر

آیت نمبر 5: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

(c) ketabton.com: The Digital Library

ترجمہ: ''اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے''۔

ایک شخص کو ایک نعمت دی گئی ہے۔ اس کا حاسد یہ نہیں چاہتا کہ اس شخص کے پاس وہ نعمت رہے، لیکن مجھے اس سے بڑھیا مل جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے وہ نعمت اس سے اعلیٰ تر نعمت ملے یا نہ ملے، لیکن اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

چیزوں کی تقسیم حکمت الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی حکمت جسے جو دینا مناسب خیال کرتی ہے، عطاء فرما دیتی ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے دشمنی کرتا ہے جسے کوئی نعمت دی گئی ہے، وہ اصل میں نعمت تقسیم کرنے والے پروردگار ''اَلْمُعْطِی'' سے دشمنی کرتا ہے۔ محسود کے ساتھ اس کی براہ راست کوئی عداوت نہیں ہوتی۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے باغ کے مالک سے دشمنی کرنے والا اپنی دشمنی پودے پر نکالے۔

ایسے شخص سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نتیجہ:

اس مختصر سی صورت میں ان تمام شرور کا ذکر آ گیا ہے جن سے انسان کو اپنی ترقی کے لیے بچنے کی ضرورت ہے۔ توحید کا عقیدہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ انسان اپنی جسمانی سلامتی کی خاطر ہر قسم کی مضرت سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آ جائے۔ اس کے ساتھ یہ تصور خود بخود انسان کے ذہن میں آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ساری کائنات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے جو کائنات کے کسی گوشے سے انسان کو پہنچ سکتا ہے، بلکہ کائنات کی کسی شے سے انسان کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت ہی سے پہنچ سکتا ہے، اس تصور سے ہر ایک بچے' بوڑھے اور مرد و عورت کے دماغ میں قدرت الٰہی کی وسعت بیٹھ جاتی ہے۔

اتنا بڑا علم اتنے مختصر الفاظ میں ایسے عام فہم انداز اور مقرون اشیاء کے ذریعے سے بیان کرنے کی مثال قرآن حکیم کے سوا اور کسی جگہ تلاش کرنا بے سود ہے۔

+ + +

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ النّاس

تمہید سورت

توحید کا پھیلاؤ نوع انسانی میں

کائنات یا شخص اکبر (Macrocosm) کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانے کے بعد ضروری ہے کہ خود نوع انسانی کے اندر اس فکر کا پھیلاؤ دکھایا جائے۔ انسان کو شخص اصغر (Microcosm) کہا جاتا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کائنات کا نمائندہ ہے۔ وہ کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ اس کا ذہن کائنات کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور حیرت ناک چیز ہے۔ اور اس کا اَنا (Ego) سب سے زیادہ موثر اور ہمہ گیر ہے۔ اس لیے اس کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانا زیادہ ضروری ہے۔ کائنات کے وسیع دائرے کے اندر انسانیت کا دائرہ چھوٹا سہی، لیکن یہ سب سے اہم دائرہ ہے۔ اس کا مرکز بھی وہی توحید خالص ہے جس کا ذکر سورۂ اخلاص میں آچکا ہے۔

اس انسانی دائرے میں انسانی اجتماعیت کا اہم ترین مقام ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا موضوع (Subject) ہے۔ لیکن اسلام تمام شرائع کو ایک نظام میں جمع کرتا ہے۔ اس لیے اس سورت میں نوع انسانی کے دائرے کے اندر توحید باری کو جس

www.rahmia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

وسعت سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب عظیم کا حصہ ہے۔

تمام ادیان عالم میں سے صرف اسلام اجتماعیت انسانی کے درجہ کمال پر بحث کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی پیش کردہ اجتماعیت انسانی تین اہم مراکز۔۔(Co-centric) دائروں میں گھومتی ہے۔ یعنی:

(1) دائرہ ربوبیت

(2) دائرہ ملوکیت

(3) دائرہ الوہیت

ان تینوں میں توحیدِ الٰہی کیسے کام کرتی ہے، اس کی حقیقت سورۃ الناس میں ہے۔

==========

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ الناس (114)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِۙ ﴿۱﴾

مَلِكِ النَّاسِۙ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِۙ ﴿۳﴾

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ ۙ ﴿۴﴾

الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِۙ ﴿۵﴾

مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

www.iqbal.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الناس

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کہہ دے کہ میں تمام انسانوں کی ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں۔''

(1) دائرہ ربوبیت

سورۂ فلق کی تشریح میں پودے کی جو تمثیل اختیار کی گئی تھی، اسے آگے بڑھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان پودے کی طرح پیدا ہوتا ہے اور نشوونما پا کر اپنے جیسے اور ''پودے'' پیدا کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔

انسان اپنے آباؤ اجداد کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے اس کی تربیت کی۔ پھر وہ خود اپنے آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کرتے پاتا ہے۔ گویا اس کے خاندان کے اندر ''ربوبیت'' کا ایک نظام موجود ہے۔ لیکن قرآن حکیم انسانوں پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ ربوبیت کا یہ عمل کسی ایک خاندان کے اندر محدود نہیں ہے۔ یعنی یہ دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ ہمارے آباؤاجداد ہماری پرورش کر کے ختم ہوگئے اور ہم اپنی اولاد کی پرورش کر کے ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ کوئی نظام ایسا ہے جو ساری نوع انسانی کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہ ذات جو ساری نوع انسانی ہی کی نہیں بلکہ ساری کائنات کی ربوبیت کر رہی ہے، حقیقی معنوں میں رب ہے۔ بلکہ ہماری نوعی تربیت کا دائرہ کائنات

(c) ketabton.com: The Digital Library

گیر نظام ربوبیت کے اندر واقع ہے، یعنی رب کائنات نے کائنات کی تربیت کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہماری تربیت اس کے اندر آجاتی ہے، مثلاً سورج کی حرارت سے سمندروں سے پانی کے بخارات اٹھ کر اور بادل بن کر برستے ہیں۔ جن سے نباتات اُگتے ہیں، یہ نباتات ہماری غذا کا کام دیتے ہیں، گویا ہماری غذا بہم پہنچانے کا نظام سارے کا سارا دوسرے جانداروں کی تربیت کے اندر آتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنے آباؤ اجداد کی ربوبیت کے محتاج تھے۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دست نگر تھے۔ اور اب ہماری اولاد ہماری طرف سے ربوبیت کی محتاج ہے۔ یہی سلسلہ دیگر حیوانات میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کرۂ زمین پر ہر جگہ ربوبیت عامہ کے آثار موجود ہیں۔ بلکہ نوع انسانی کی تخلیق سے بھی پہلے سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلۂ ربوبیت کی تخلیق و تدبیر میں نہ ہمارے آباؤ اجداد کا ہاتھ ہے، نہ خود ہمارا، نہ ہماری اولاد کا۔ ربوبیت عامہ کا یہ نظام اتنا وسیع ہے اور اس کی تدبیر اتنی پیچیدہ ہے کہ عقل مند سے عقل مند انسان بھی ابھی تک ربوبیت کے اس نظام کا پورا اندازہ نہیں لگا سکے۔ اور پھر یہ ربوبیت کسی ایک زمانے یا خطے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، وہ مکان یا زمان کی پابند نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر انسان کی فطرت سلیمہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک ''رب مطلق'' کی ہستی کو تسلیم کرے۔ اور پھر اس کا جو تعلق انسانیت عامہ کے ساتھ ہے، وہ متعین کر کے اپنی ''ربوبیت'' کو اس کی ربوبیت عامہ کا پرتو سمجھے اور اپنے آپ کو ''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (یعنی) ''رَبِّ النَّاسِ'' کا خلیفہ جانے۔ اسی میں انسان کا شرف ہے اور یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔

(2) دائرہ ملوکیت

آیت نمبر 2: مَلِكِ النَّاسِ ۝

ترجمہ: ''لوگوں کے بادشاہِ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔''

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

انسان کی ارتقاتی زندگی (Cultural Life) کی ترقی میں ایک منزل آتی ہے جب وہ دیہاتی زندگی (ارتفاق اول 1) اور قصباتی زندگی (ارتفاق دوم 2) سے بلند تر ہو کر شہری زندگی (ارتفاق سوم 3) اختیار کرتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر وہ معاشرے میں حکومتی نظام پیدا کرتا ہے تاکہ اس میں عدل قائم کرے۔

یہ عدل جب انسانی زندگی کے معاشی اور اقتصادی شعبوں کا انتظام کرتا ہے تو ربوبیت کی شکل اختیار کرتا ہے اور جب سیاست کے شعبے میں کام کرتا ہے تو ملوکیت بن جاتا ہے۔ یہ دونوں دائرے ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی عدل اور سیاسی عدل انہیں بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے، جن بنیادوں پر یہ عدل خاندان میں قائم ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو غذا بہم پہنچاتے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اور صحت و تفریح کا سامان کرتے ہیں، ان کی غلطیوں پر رحم آمیز عدل (Justice Tempered whti Mercy) سے ان کی سیاست کرتے ہیں، ایک اچھی حکومت بھی اسی طرح کرتی ہے۔ اس کا نظام ربوبیت اور نظام عدل پورے معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جب حکومت اس بلند معیار سے گر جاتی ہے اور معاشرے میں ظلم وطغیان سر اٹھاتا ہے تو معاشرے میں سے انقلابی

1-2-3 امام ولی اللہ دہلویؒ (1703-1763) کی اجتماعیات (Sociology) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان جب حیوانیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے چھوٹے چھوٹے دیہات بنا کر رہتا ہے جن میں کاشتکاری، چند برتنوں کا استعمال' زبان کا استعمال' لباس اور مکان کا استعمال کرتا ہے اور تعین زوجہ کرتا ہے۔ اس منزل میں اس کی تخلیقات میں صفائی اور حسن کم ہوتا ہے۔ اسے امام صاحب ارتفاق اول (The First Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بڑے بڑے قصبات آباد کرتا ہے اور ارتفاق اول کی چیزوں میں صفائی اور حسن کا اضافہ کرتا ہے۔ اسے وہ ارتفاق دوم (The Second Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس سے آگے ترقی کر کے وہ معاشرے میں نظام حکومت قائم کرتا ہے۔ یہ ارتفاقات کی تیسری منزل (The Third Stage of Human Culture) ہے۔ جب وہ سیاسی قوموں میں بٹ گیا اور ان میں خونریزیاں ہونے لگیں تو بین الاقوامی حکومتیں قائم ہونے لگیں، تاکہ قوموں کو ان خونریزیوں سے روکا جائے۔ یہ بقول امام صاحب انسانی ترقی کی چوتھی اور آخری منزل یا ارتفاق چہارم (The Fourth Stage of Human Culture) ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قوتیں ابھرتی ہیں اور وہ اس نظام کو برباد کر کے نیا نظام قائم کر لیتی ہیں۔ 1

ایک عقل مند انسان اجتماع انسانی میں مرکزی مقام حاصل کر لے تو وہ اپنی ''ملوکیت'' اور اس کی حد بندیوں پر غور کرے گا۔ تو دیکھئے گا کہ ساری کائنات ایک مستقل نظام تدبیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ نظام فطری قوانین پر مشتمل ہے جن کا اثر و عمل نہایت وسیع اور ناقابل تبدیل ہے۔ وہ اس نظام فطرت کو توڑنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا۔ ان قوانین میں ایک مکمل ربط اور ان کے عمل میں یکسانیت ایک برتر حکیمانہ قوت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ساری کائنات کو چلا رہی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ اپنی ملوکیت کو اس ''مَلِکُ الکُلّ'' کی ملوکیت کا سایہ پاتا ہے اور اپنا شرف اسی میں سمجھتا ہے کہ خود کو اس شہنشاہ مطلق کا خلیفہ قرار دے کر اس کے احکام کو انسانی معاشرے میں نافذ کرے۔ یہ جذبہ ایک دانش مند اجتماعی انسان کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ترقی کرنے والا انسان وہی ہوتا ہے جو اجتماعی ہو۔ 2

قرآن حکیم واضح دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ حکومت اور ملوکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ دوسرے تمام حکمران اس کے محتاج ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتان آذری

اس کی ملوکیت کا حلقہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اس کی ربوبیت کا۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اس کا نتیجہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں رہتا، اور وہ یہ کہ انسان اپنے معاشرے میں اپنی مطلق العنان حکومت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس لیے انسانی معاشرے میں فقط شورائی نظام حکومت ہی قائم ہوسکتا ہے۔

1 جب کسی معاشرے میں سے انقلابی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ظلم وطغیان کو برداشت کرنے لگ جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اسے بربادی کا عذاب آ لیتا ہے۔ (مرتب)

2 ایک انسان اپنی ضرورتیں پوری طرح سے محسوس کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنی ذاتی طاقتوں کے استعمال سے یہ ضرورتیں پوری نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک جماعت جمع کر لیتا ہے جس کی مدد سے اس کے مطلب پورے ہونے لگتے ہیں۔ ایسا انسان اجتماعی انسان کہلاتا ہے۔ (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

(3) دائرہ الوہیت

آیت نمبر 3: اِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾

ترجمہ: ''میں انسانوں کے معبود حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔''

انسانی اجتماع میں یہ تیسرا دائرہ ہے۔ یہ بھی پہلے دو دائروں ربوبیت اور ملوکیت پر منطبق ہوتا ہے۔

الوہیت سے مراد دلوں کو کھینچ لینے والی وہ محبوبیت ہے جو عشق تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ جائے۔

انسان کے اندر حُب کا ایک جذبہ موجود ہے۔ وہ اصل میں علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ انسان کو کسی ذات میں چند خوبیاں نظر آتی ہیں جو اسے اپنی طبیعت کے مناسب محسوس ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے دل میں اپنے محبوب کے لیے ایک کشش پاتا ہے۔ انسان خود جتنا بلند درجے کا ہوتا ہے اتنے ہی بلند درجے کا محبوب اس کے لیے کشش کا باعث ہوتا ہے۔

جب انسان کائنات پر غور کرتا ہے تو اس میں ہر جگہ حسن و جمال کا ظہور پاتا ہے اور جب وہ نوعِ انسانیت کی ترقیات کا جائزہ لیتا ہے تو وہ ان میں حسن اور احسان دونوں کی وسیع علامات پاتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ ان کی پے کرتا ہوا ایک ایسی ذات تک پہنچ جاتا ہے جو کائنات اور نوعِ انسانی کے اندر حسن و احسان کی مرکز ہے۔ وہ اس ذات کے لیے اپنے قلب کے اندر ایک کشش پاتا ہے اور پھر اسی کا ہو رہتا ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات ''رَبِّ النَّاس'' اور ''مَلِكِ النَّاس'' کے رنگ میں رنگا جا کر معاشرے میں کام کرتا ہے، تو لامحالہ اس کی ''ربوبیت'' عام ہوتی ہے۔ اور اس کے عدل کا دائرہ اس کی ''ربوبیت'' کے دائرے کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی تربیت نہیں کرتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کی ''ربوبیت'' کا نظام سوچتا ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے اندر عدل قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لیے معاشرتی اور معاشی عدل قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے انسانی معاشرے کا مرکز محبت بن

(c) ketabton.com: The Digital Library

جاتا ہے۔ ایسے ہی جو جماعت اس طرح سے کام کرے، وہ بھی انسانی معاشرے میں محبوبیت حاصل کر لیتی ہے۔ وہ سارے انسانی معاشرے کو اپنا خاندان تصور کر کے اس کی خدمت کرتی ہے۔ یہ ہے انسانی فطرت۔

ایک اجتماعیت پسند انسان جس طرح ربوبیت کے عالمگیر نظام کو دیکھ کر اپنی ''ربوبیت'' کو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا رَبِّ النَّاسِ کی ربوبیت کی ذیل میں لے آتا ہے اور ساری کائنات میں باضابطگی اور نظم ونسق کی وسعت کو دیکھ کر اپنی حکومت کو حاکم علی الاطلاق (مَلِکِ النَّاسِ) کی ملوکیت کے تابع کر کے اس کی خلافت قرار دے لیتا ہے، اسی طرح سے وہ اپنی محبوبیت کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت میں مدغم کر کے صرف اسی کو محبوب حقیقی قرار دے لیتا ہے۔ جب حُبّ اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان اپنے اختیار کو محبوب کے اختیار کے تابع کر دیتا ہے، اسے عبادۃ کہتے ہیں اور محبوب کو ''الٰہ'' کہتے ہیں۔

ایک اجتماعی انسان حُبّ کے اس درجے پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو نہ صرف اپنا الٰہ تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ساری کائنات کا الٰہ مانتا ہے۔ اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان اللہ کے سوا کسی چیز یا انسان سے اعلیٰ درجے کی محبت کرے اور انسانی اختیار کو اس الٰہ واحد کے سوا کسی اور کے تابع کر دے۔ اس قسم کی ذہنیت' انسانی ملوکیت یا مطلق العنانی کو کبھی قبول نہیں کر سکتی۔ اور اس ذہنیت کا مالک انسان جہاں اجتماعیت پسند ہوگا، وہاں وہ حقیقی معنوں میں جمہوریت پسند بھی ہوگا۔

غرض انسان سلامتی فطرت کے ساتھ چل رہا ہو تو وہ اپنی ثقافتی اور ارتقائی ترقی میں ان تین درجوں میں سے گزرے گا:

- ☆ وہ اپنے آپ کو دوسروں کا ''مربی'' بنانے کی کوشش کرے گا۔
- ☆ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ''حاکم'' بنانے کی کوشش کرے گا۔
- ☆ وہ اپنے آپ کو دوسروں کا ''محبوب'' بنانے کی کوشش کرے گا۔

یہ جذبات ہر ایک انسان میں موجود ہیں۔ اگر اسے صلاحیت اور علم حاصل ہو تو وہ اپنے انہی جذبات کی مثالوں کی روشنی میں کائنات کا مطالعہ کر کے یہ بصیرت حاصل کرے گا کہ انسانیت عامہ کے ''رب'' ''ملک'' ''الٰہ'' کو پہچان لے۔ اور پھر اس

(c) ketabton.com: The Digital Library

سے بھی اونچا اٹھ کر اس ذات واحد کی ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت کی واضح نشانیاں ساری کائنات میں مشاہدہ کر کے اسے ہی ساری انسانیت اور ساری کائنات کا رب، ملک اور الٰہ تسلیم کر لے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانیت کی ترقی انہی تین کمالات انسانی کی ترقی پر منحصر ہے۔ یعنی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا نائب بنے۔ اس طرح سے انسانیت کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر 4: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ

آیت نمبر 5: الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ

ترجمہ: ”وسوسہ پیدا کرنے والے، چھپ جانے والے کے شر سے، جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔“

وسوسے کی حقیقت

ان انسانی کمالات کی ترقی کی دشمن کیا چیز ہے؟ اس فکر جلیل میں خلل کس طرح پڑتا ہے؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں کسی فکر عظیم کے متعلق کوئی کمزور نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اسے وسوسہ کہتے ہیں۔ یہی وسوسہ ترقی کر کے شک بن جاتا ہے۔ جس کا انجام انکار ہوتا ہے۔

انسانی فکر کو بدلنے والی طاقتوں کے دو حصے کر لیجئے:

(1) انسانی جماعتیں

انسان کسی سوسائٹی میں رہنے لگے تو اس سوسائٹی کے اثر سے رفتہ رفتہ اس کا فکر تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اصل میں تو ایک طبقے سے دوسرا طبقہ اثر لیتا ہے۔ لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے مفادات دو طبقوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ ایسے انسان ایک طبقے سے متاثر ہو کر اس اثر کو دوسرے طبقے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس طرح اثرات مختلف طبقوں میں پھیل جاتے ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(2) انسان کے سوا دوسری طاقتیں

ان کے اثر سے بھی انسان کے دماغ کا فکر بدل جاتا ہے۔ یہ ساری طاقتیں ہمارے سامنے نہیں آتیں۔

”وسواس“ کیا ہے؟

عالم مثال میں انسان کا ایک قرین (ساتھی) ہوتا ہے جو یا تو شیطنت کی طرف مائل ہوتا ہے یا ملکیت کی طرف۔ یہ جن (پوشیدہ مخلوق) اگر شیطنت کی طرف مائل ہو تو ہمارے افکار میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی انسانی جماعتیں اپنے مخالف نظام فکر میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں جس کے بہت سے طریقے ہیں۔ ان جماعتوں کے کارندے جو بظاہر پراپیگنڈہ کرتے ہیں اصل محرک نہیں ہوتے۔ اصل محرک ان کے پیچھے ہوتے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے۔ وہ جماعتیں ان کارندوں کو لکھا پڑھا کر ان سے کام لیتی ہیں اور انسان کے فکر میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

ہم اپنے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں کہ وہ اپنے ذہن کو ہمارے ذہن کی طرف متوجہ کر کے تاثیر ڈالنا چاہتے ہیں تو ہم پر اثر ہوتا ہے۔ صوفیا کے ہاں یہ ایک مستقل فن ہے۔ اسے ”توجہ دینا“ کہتے ہیں لیکن نہ ہر ایک صوفی توجہ دے سکتا ہے، نہ ہر ایک طالب توجہ لے سکتا ہے۔ اس فن کے قواعد واصول ہیں جن کے تحت توجہ دی جاتی ہے۔ اس سے طالب کے قلب میں افکار پیدا ہوتے ہیں۔

ایسے ہی ہم نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی فکری تاثیر (Suggestion) ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پراپیگنڈہ کے ذریعے سے عوام کے دلوں میں خیالات پیدا کرنا تو سب جانتے ہیں۔ اس طرح سے عوام کے افکار میں انتشار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز وسوسے ہی سے ہوتا ہے اس طاقت کو جو وسوسہ پیدا کرنے میں مرکزیت کا مقام رکھتی ہے۔ وسواس کہا جاتا ہے۔

آیت نمبر 6: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦

ترجمہ: ”جنوں اور انسانوں میں سے“

اس قسم کی وسوسہ پیدا کرنے والی طاقتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(1) وہ طاقتیں جو نظر آتی ہیں اور
(2) وہ طاقتیں جو نظر نہیں آتیں۔

اول الذکر میں انسان داخل ہیں اور آخرالذکر میں جن، سفلی، ملائکہ اور علوی ملائکہ شامل ہیں۔

یہ دونوں قسم کی طاقتیں ہمارے دلوں میں افکار پیدا کرتی ہیں۔ امرحق کے خلاف جو انتشار فکر پیدا ہوتا ہے، وہ فکری مرض ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ انکارِ حق تک پہنچ جاتا ہے۔

باطل افکار کا نتیجہ

یہ باطل افکار:

کبھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے متعلق ہوتے ہیں۔
کبھی اللہ تعالیٰ کی ملوکیت کے متعلق ہوتے ہیں۔
کبھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق ہوتے ہیں۔

(الف) ارتکاز دولت

اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' کے متعلق جو باطل افکار پیدا ہوتے ہیں وہ آخرکار دولت کے ارتکاز (Concentration of Wealth) اور پیداوار کے احتکار (Hoarding) پر منتج ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ سرمایہ داری پیدا کرتے ہیں جس سے بقول امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کے اخلاق کا فساد پیدا ہوتا ہے۔

(ب) انسانی ملوکیت و آمریت

اللہ تعالیٰ کی ''ملوکیت'' کے متعلق جو باطل خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی ملوکیت (Imperialism) پیدا کرتے ہیں جن میں انسانوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی فسادِ اخلاق پیدا ہوتا ہے۔

(ج) شرک اور ظلم

اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق جو غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ شرک پیدا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرتے ہیں، جو انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے، اور یہ تپ دق کی مانند ہے۔ اس سے خدا پر سے انسان کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک طاقت سے مصالحت (Compromise) کرنے کی طرف جھکنے لگتا ہے۔ اوراس طرح اس میں سے انقلابیت (RevolutionrySpirit) نکل جاتی ہے اور رجعت پسندی (Reactioneism/Conservatiosm) پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بلند نصب العین پر قائم نہیں رہتا اور نہ صالح بین الاقوامی نظام پیدا کرسکتا ہے۔

سماحت کے خلق سے عاری

ایسے ہی ربوبیت الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ تو انسان سماحت [1] کے خُلق سے عاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حرص اور طمع کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان کوئی اعلٰی درجے کا اجتماعی نظام نہ پیدا کرسکتا ہے، نہ چلاسکتا ہے۔

عدل کے خلق سے عاری

مُلُوکیة الٰھی کے عقیدے میں فساد پیدا ہو جائے تو انسان معاشرے میں خود ''مَلِکِ النَّاسِ'' (انسانوں کا خودمختار مالک) بن بیٹھتا ہے جس سے سیاسی تغلب پیدا ہو جاتا ہے اور انسان عدل کے خُلق سے عاری ہو جاتا ہے۔

اخبات کے خلق سے عاری

اُلُوھیة الٰھی کے عقیدے میں خلل پڑ جائے تو انسان علم کا اجارہ دار بن بیٹھتا

---

1. امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں انسانیت کی ترقی کا مدار چار قسم کے اخلاق حاصل کرنے میں ہے۔ یعنی طہارۃ، سماحت، اخبات اور عدالت۔ طہارت سے مراد لباس، ماحول اور افکار کی پاکیزگی ہے۔ سماحت سے مراد ہے دنیاوی لذتوں میں انہماک نہ ہونا تاکہ انسان اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے وقت نکال سکے۔ اخبات سے مراد ہے اللہ تعالٰی کی محبت کے جذبے کا دل میں ہونا جس کی وجہ سے وہ اس کے احکام کی پیروی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ اور عدالت سے مراد ہے معاشرے میں سے ہر قسم کا ظلم و طغیان دور کر کے عدل و انصاف قائم کرنا۔ تفصیل کے لیے دیکھو امام صاحب کا رسالہ ''ہمعات'' ''حجتہ اللہ البالغہ'' اور ''بدور بازغہ'' (مرتب)

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اور تقدس کا جامہ پہن لیتا ہے۔ عوام جہالت میں مبتلا ہو کر اپنے جیسے انسانوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔ اس طرح انسانیت کے دونوں طبقے اخبات کے خُلق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

انسانیت کی بربادی

غرض توحید کامل میں وسوسہ پیدا ہو جانے سے انسان سماحت، عدل اور اخبات کے بنیادی اخلاق سے بالکل عاری ہو جاتا ہے۔ اور ان کی بربادی سے طبعی طور پر طہارت کے خُلق پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی پوری انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جس معاشرے سے یہ اخلاق نکل جائیں وہ انسانیت سے محروم ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔

انسانیت کو اس بربادی سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو "رَبِّ النَّاس" "مَلِکِ النَّاسِ" اور "اِلٰهِ النَّاس" تسلیم کرے اور خود معاشرہ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ بن کر ان صفات الٰہی کا مظاہرہ کرے۔

فکری غلبہ اور اس کے نتائج

جب اللہ تعالیٰ کی توحید کامل یعنی وجود کی وحدت اور تدبیر کی مرکزیت (جس طرح وہ ساری کائنات اور نوع انسانی میں جاری و ساری ہے) انسان کے ذہن میں بیٹھ جائے اور (وہ) اپنے علم اور تجربے سے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا کامل یقین پیدا کرلے، تو کوئی مشرکانہ تصور انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اور نہ معاشرے میں ظلم قائم رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے مکہ معظمہ کی سوسائٹی میں یہ ذہنی انقلاب لا کر اسے شرک اور ظلم سے بالکل پاک کر دیا۔ اور پھر مدینہ منورہ کو مرکز فکر و عمل بنا کر سارے عرب میں ایک عظیم الشان ذہنی، سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی انقلاب مکمل کرلیا جس کا اثر حدودِ عرب سے نکل کر رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (شرق و غرب کے رب) کی سرزمین میں پھیلنے لگا۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۃ فاتحہ کے ساتھ ربط

قرآن حکیم کی پہلی سورت الفاتحہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین بنیادی صفات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(1) ربوبیت

(2) رحمانیت اور رحیمیت

(3) مالکیت

آخری سورۃ الناس میں بھی ان کے مقابلے میں تین صفات کا اعادہ کیا گیا ہے:

(1) ربوبیت (رب النّاس)

(2) ملوکیت (ملک النّاس)

(3) اُلوھیت (الٰہ النّاس)

''سورۂ فاتحہ'' میں اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کہا گیا ہے۔ تو ''سورۃ الناس'' میں اسے رَبُّ النَّاسِ بتایا گیا ہے۔ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں ربوبیت کو رحمانیت اور رحیمیت سے مربوط کیا گیا ہے تو سورۃ الناس میں خدا تعالیٰ کی الوہیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رحمانیت اور رحیمیت دونوں کا عمل ذات خداوندی کو کائنات کا مرکز بناتا ہے جو الوہیت کا مآل (نتیجہ) ہے۔

سورۂ فاتحہ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کا بطور مَلِكِ النَّاسِ اشارہ (تعارف کروایا گیا ہے) کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورۂ فاتحہ میں صرط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔سورۂ الناس میں وسواس کے شر سے بچانے کی دعا کی گئی ہے۔توحید باری تعالیٰ تک پہنچنے کی عملی شکل صراط مستقیم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس راہ میں وساوس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔تو سورۃ الناس میں صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرنے والی طاقت ''الوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ '' کے دو مظاہر ''الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ '' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس وَسْوِاسِ الْخَنَّاسِ کے اثر سے جب قومیں صراط مستقیم سے ہٹتی ہیں تو یا تو وہ یہود صفت بن کر ''مَغْضُوْبِ'' علیہ ہوتی ہیں یا نصاریٰ صفت بن کر ''ضآلّین'' میں شمار ہوتی ہیں۔

گویا قرآن حکیم کی ان آخری تین سورتوں میں اللہ تعالیٰ ربوبیت' ملوکیت (یا مالکیت) اور الوہیت کی طرف توجہ دلا کر صراط مستقیم یا توحید کے بنیادی فکر پر استقامت حاصل کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ یہی ایک چیز شرف انسانی کی بنیاد ہے۔ اور اسی سے نوع انسانی کے لیے ہر قسم کی مادی اور معنوی ترقیوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی فکر قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر ہے جس پر ساری نوع انسانی کو جمع کرنا انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین. والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الکریم. الذی ہو خاتم النبیین. و علٰی اصحابہٖ الذین ہم المہتدین والمہدیین.

✦ ✦ ✦
✦ ✦
✦

www.rahimia.org

(c) ketabton.com: The Digital Library

امام عبید اللہ سندھیؒ کا اُسلوبِ تفسیر

قرآنی معارف ومطالب میں مجھے شاہ ولی اللہؒ (دہلوی) صاحب کے علاوہ کسی اور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے قرآن سے جو کچھ اخذ کیا ہے اور جو بھی معانی مضامینِ قرآن سے استنباط کئے ہیں، مجھے ان کے تعیّن اور تائید کے لئے شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے مفسرین سے اختلاف کیا ہے وہاں میں نے شاہ ولی اللہؒ (دہلوی) صاحب کے اُصول کو اپنے لئے سند مانا ہے، بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبدالعزیزؒ (دہلوی)، شاہ رفیع الدینؒ (دہلوی)، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اقوال کو حجت بنایا ہے اور شاذ ونادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر ورائے کی بناء پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو، جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے، میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رَدّ کر دیں۔ مگر جن چیزوں میں آئمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں اباء (انکار) نہ کریں۔

امام عبید اللہ سندھیؒ

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، شاہراہِ فاطمہ جناح، لاہور

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library